جلد دوم نمبر ۱

سنہ ۱۹۰۹ء

ماہانہ

الناظر

جامیست جہان نماے ہر صفحۂ دین

۱۳۲۷ھ

قسم اول

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک عہ

الناظر پریس واقع خیالی گنج لکھنؤ میں چھپ کر

دفتر رسالہ الناظر لکھنؤ سے شائع ہوا

قیمت فی پرچہ ۸/

قیمت سالانہ قسم اول صہ — قیمت سالانہ قسم دوم ۸ر

الناظر

نمبر ۸۳ جلد ۸ — یکم جنوری سنہ ۱۹۱۳ء

فی پرچہ قسم اول ۔ — فی پرچہ قسم دوم ۲ر

الناظر

نمبر ۴۳ جلد ۸ — یکم جنوری سنہ ۱۹۱۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلسفہ

اسکی ماہیت اور اسکے مذاہب

ہمارے عزیز دوست مسٹر عبد الماجد بی اے جنکی اعلیٰ قابلیتون کا یہ قیمتی مضمون ایک ادنیٰ نمونہ ہے ملک کے اُن نوجوانون مین ہین جنکے مستقبل سے خوش آیند ترین امیدین وابستہ ہین اور جو یقیناً ہمارے ملک کے باشندون کی آیندہ زندگی پر ایک گہرا اور مفید اثر ڈالنے والے ثابت ہونگے۔ علم کا شوق اور ذوق سلیم دونون چیزین فطرت کی ایسی بابرکت نعمتین ہین کہ جسکو حاصل ہو جائین اُسکی زندگی کو تمام دنیا کی نعمتون سے مستغنی کردین۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا روپیہ اور اصحاب زر کی ملک ہے لیکن یہ وہ کیفیت ہے جو صرف خیالات کی سطح پر ظاہر ہوتی ہے۔ اگر ہم دنیا کے حالات اور گزشتہ تاریخ کا کافی مطالعہ کرین اور عمیق غور و خوض سے کام لین تو ہمین صاف معلوم ہو جائیگا کہ اس بالائی تہ کے نیچے ایک اصلی حقیقت مضمر ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا اور اہل دنیا پر علم اور تخیل کا پورا تسلط ہے۔

ہم اپنی موجودہ حالت تنزل مین اپنی بے مائگی اور زبون حالی کے اسباب کی تلاش جب کرتے ہین تو ہماری نظر دور نہین جانے پاتی اور ہم کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر آج ہمارے قبضہ مین سونے چاندی کی اینٹین یا تعلقے اور زمینداریان ہون تو ہم سے زیادہ کوئی عزت یافتہ اور موقر نہین ہوسکتا۔ لیکن یہ خیال ایک سراب ہے جس نے ہزارون لاکھون بندگان خدا کو ابلہ فریبیون کا شکار بنا کردین و دنیا سے کھو دیا ہے اور جس کی اصلیت کو نہ جاننا ہماری ملک و قوم کی سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔ واقعہ اصلی یہ ہے کہ زر و سیم کے ڈھیر اور لعل و الماس کے انبار ایک ہوا پرست اور لاتعقل ہستی کی نگاہ مین چاہے کتنی ہی بیش قیمت اشیاء ہون لیکن اصحاب نظر اور اہل دانش کے خیال مین انکی حیثیت ایک جنس تبادلہ سے زیادہ نہین

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر آج ان اشیاء کی بہت زیادہ تعداد ملک بھر مین پھیل جائے اتنی زائد کہ لوگون کو اسکی ضرورت و خواہش نہ پایا شانہ کا فیشن اور مذاق ان چیزون کی طرف سے منھ پھیرنے تو پھر انکی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہے۔ ابھی پچاس سال اودھر گجرات کے ملاح اور جہازران جب رنگون مین پہونچتے تھے تو پیسہ دو پیسہ کی چیز دیکر سیرون چاندی سونا انکو ملتا تھا اور ملا ابراہیم مرحوم جو بعد مین شاہ تھیبا کے وزیر بھی ہوگئے تھے اسی کاروبار سے پھلے پھولے۔ اور رنگون پر کیا موقوف ہے ایسی صدہا مثالین دوسرے مقامات پر بھی ملتی ہین۔ خود ہمارے ہندوستان مین بسا اوقات نہایت ارزان مگر نئی وضع کی اور خوبصورت ولایتی اشیا اپنی اصلی قیمت سے سوگنی پر فروخت ہوتی ہین۔ اسی پر تمام اجناس تبادلہ اور ہر قسم کی دھاتون اور قیمتی پتھرون کو قیاس کر لینا چاہیے۔

لیکن اصلی قدر و قیمت کی وہ چیز ہے جسکی قیمت مین کمی کے بجائے تعداد کی بہتات و فراوانی کے ساتھ ساتھ بیشی ہوتی جاتی ہے۔ جس کا تبادلہ کسی قیمتی سے قیمتی چیز سے ممکن نہین جسکو نہ چور کا خطرہ ہے نہ راہزن کا ڈر۔ جس کے اوپر نہ زمیندار کا ٹیکس ہے نہ گورنمنٹ کی مالگذاری۔ بولو وہ کیا ہے؟ علم۔ علم۔ علم۔

ہمارے دوست کو اسی کی طلب صادق سے بہرہ وافر ملا ہے اور اگرچہ ہمارے ملک کی بدقسمتی سے یہان اُسکے حصول کے ذرائع اتنے آسان نہین جیسے کہ دوسرے ممالک متمدنہ مین ہین تاہم ہمین امید کامل ہے کہ مسٹر عبدالماجد ایک دن علمی زندگی کے اُس اعلی درجہ پر فائز ہونگے جہان پہونچنے کے بعد ہی یہ راز افشا ہوتا ہے کہ

معلومم شد کہ ہیچ معلومم نیست

اسی مضمون کے ساتھ ہمارے دوست نے جو خط لکھا ہے اُسکے بعض حصے اس قابل ہین کہ پبلک سے روشناسی حاصل کرین اس وجہ سے ہم ان کو بجنسہ درج ذیل کرتے ہین :۔

"اس مضمون کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ یونان و یورپ کے فلسفہ کی اجمالی تاریخ ہے۔ مین چاہتا ہون کہ اس طرح کے مضامین کا ایک پورا سلسلہ نکالون، جس کے ہر مضمون مین ایک ایک مشہور فلسفی کے مذہب کی تلخیص ہو، اس مجوزہ سلسلہ کے چند عنوانات یہ ہین :۔ افلاطون اور عالم مثال، ارسطو اور اخلاقیات، ارسطو اور فن منطق، اسپینوزا اور وحدت وجود، مل اور قوانین استقرا، کینٹ اور علمیات، برکلے اور روحانیات، لاک اور تجربیت، کومٹ اور فلسفہ حسی، وغیرہ۔ اس طرح اس سلسلہ کے پورے ہو جانے پر اُردو مین تمام اہم مسائل فلسفہ، ایک خاصی تفصیل کے ساتھ آجائین گے۔ یہ کام آپ خوب سمجھ سکتے ہین کہ آسان نہین۔ ایک بہت بڑی دقت اصطلاحات علمی کے متعلق ہے نئی اصطلاح کے وضع کرتے وقت اگر کوئی معمولی سا اردو کا لفظ رکھیے، تو وہ اصطلاحی شان نہین رکھتا اسمین سوقیت نظر آتی ہے، اور اگر کوئی عربی لفظ، تلاش کرکے لایئے، تو وہ کانون کو نامانوس معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال، یہ دقت بھی اگرچہ

بہت بڑی دقت ہے، لیکن اس سے بڑھکر حوصلہ فرسا یہ خیال ہے کہ ایسی تحریرون کے پڑھنے والے کتنے ہین؟ پبلک مین ایک شور مچا ہے کہ یورپ کا علمی سرمایہ بہت جلد اُردو مین منتقل ہونا چاہیے، انگریزی خوانون پر الزام لگایا جاتا ہے، کہ یہ لوگ اپنی مادری زبان کی طرف سے لاپروا ہین، یہ سب سچ، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ قصور کس کا ہے؟ سے

گیرم بوقت ذبح طپیدن گنہ من است دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست؟

غازیپور کے مشنریون نے آج سے چالیس سال پیشتر، سائنس کی جو کتابین اُردو مین تالیف کین، مولانا ذکا اللہ نے جس خوبی و مستعدی سے طبعیات، کیمسٹری وغیرہ کی متعدد کتابین تیار کین، پنجاب یونیورسٹی کی ایما اور نیز حیدرآباد کے بعض باہمت بزرگون کی توجہ سے مبادی سائنس کے متعدد رسالے جو اُردو مین شایع ہوے، یا انکے علاوہ متفرق طور پر اور جن لوگون نے یورپ کا علمی سرمایہ اپنی ملکی زبان مین منتقل کیا، انکا حشر کیا ہوا؟ ان مین سے کس کو مقبولیت حاصل ہوئی؟ انکو کتنے لوگون نے پڑھا؟ انکی کا پیان آپ کو ہندوستان کے کن کتبخانون مین نظر آتی ہین؟ لوگ آزاد، نذیر، و شبلی کی تالیفات پر سر دھنتے ہین، اور اس قسم کی کتابین کیڑون کی خوراک کا کام دیتی ہین -

اس بدمذاقی کا اصل باعث میرے نزدیک یہ ہے کہ ہماری پبلک آج سے ۲۵-۳۰ سال پیشتر بعض دوسرے مشاغل مین ایسی منہمک تھی کہ خالص علمی مسائل پر متوجہ ہونے کا اُسے موقع ہی نہ تھا۔ یہ مشاغل کیا تھے؟ ایک تو شعر و شاعری، دوسرے مذہب۔ ان مین سے شعر و شاعری کا زور تو اب ہلکا پڑنے لگا ہے، اور اگر یہی حالات رہے تو چند سال مین قوم مین شاعرانہ عنصر حد اعتدال پر آجائیگا۔ لیکن مذہبی انہماک با وجود یاد وہانی ہماری نظرون مین گھٹا ہوا معلوم ہونے لگے، ابھی جون کا تون ہے۔ فرق جو کچھ ہوا ہے، وہ یہ کہ اس سلسلہ مین بعض پُرانی اصطلاحات اور پُرانے نامون کے بجاے اب کچھ نئی اصطلاحات اور نئے نام لوگون کی زبان پر چڑھ گئے ہین۔ پہلے پبلک پر امام ابو یوسف، ملا علی قاری، جلال الدین سیوطی کی حکومت تھی، اور اب امام غزالی، ابن رشد، فرید وجدی کا دور دورہ ہے۔ یا پہلے پردے کی حمایت کا وجوب فقہا و محدثین کے اقوال سے ثابت کیا جاتا تھا، مگر اب اسکی فرضیت پر نصوص قرآنی کی مُہرین لگائی جارہی ہین۔ غرض مذہبی غلو تو بہ تغیر اسما و مصطلحات، علی حالہ قائم ہے۔ ہان شاعری کا اثر البتہ ہلکا پڑا، مگر اسکی تلافی جدید سیاسی دلچسپیون نے کردی۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہین کہ اب گلدستون اور کلیات و دواوین کو اسکی عشر عشیر بھی مقبولیت نہین نصیب جتنی کہ اخبارات اور سیاسی پرچون کو حاصل ہے۔ بڑے بڑے شہرون کا تو کیا ذکر ہے، کسی دیہات مین نکل کر دیکھیے جہان پارک وغیرہ تو موجود نہین، مگر قصبہ کے واقف لوگ شام کے وقت بیٹھے اپنے مکانون کے دروازہ پر بیٹھے ہین، اور تقدیم زمانہ کی بیت بازیون یا شعر و سخن کے چرچے کے بجاے، ...... وغیرہ کوئی تازہ اخبار ہاتھ مین ہے، جنگ کے متعلق تار یا آواز

بلند پڑھے جا رہے ہیں، اور ان پر لوگ، اڈیٹر صاحب جیسے "ماہر سیاست" کے ریمارک پڑھ پڑھ کر جھوم رہے ہیں۔

غرض علمی نقطۂ خیال سے اُردو کا مطلع جتنا پیشتر تاریک تھا، تقریباً اسی قدر اب بھی ہے، اگر ایک بادل ہٹا ہے تو اسکی جگہ دوسرے بادل نے لے لی ہے، اور اُردو دان پبلک "از دام جستہ سوے دام می رود" کا مصداق بن رہی ہے ایسی حالت میں میں بخوبی جانتا ہوں کہ جس قسم کے سلسلۂ مضامین کا میں نے ارادہ کیا ہے "اسکے پڑھنے والے ملک میں چند سے زائد نہ نکلیں گے، لیکن میں اس سے ہرگز خاطر شکستہ نہیں ہوں۔ ہمیں اپنے فرائض کو استقلال و خاموشی کے ساتھ ادا کرتے رہنا چاہیے، اور اس امر سے بالکل مایوس نہ ہونا چاہیے، کہ قوم ابھی خواب غفلت میں پڑی ہوئی ہے، اور اپنی اصلی ضروریات پر اتبک مطلع، یا کم از کم متوجہ نہیں ہوئی ہے۔ ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن ست و بس　　　　در بند این مباش کہ نشنید یا شنید

اس طرح کے مضامین میں عبارت کی صفائی و سلاست کا خاص طور پر خیال ہونا چاہیے کہ لوگوں کے ذہن کو وحشت نہو۔ اس بنا پر اگر خود آپ کو یا آپ کے ناظرین کو کوئی ایسا مقام نظر آئے جہان عبارت میں گنجلک پیچیدگی پیدا ہو جانے سے مفہوم صاف طور پر ذہن نشین نہیں ہوتا، تو براہ کرم مجھے ضرور مطلع کیجیے، تاکہ آئندہ مضامین میں اس طرح کے نقائص کی اصلاح کی کوشش ہوتی رہے"

نمبر ۱

موجودات عالم، جن اشیاء کے مجموعہ سے عبارت ہے، اس پر یون تو ہم متعدد حیثیات سے نظر کر سکتے ہیں، مثلاً صرف اس حیثیت سے کہ فلان چیزون سے ہماری روزانہ زندگی کی ضروریات میں کیا کیا سہولتیں پیدا ہوتی ہیں، یا اس لحاظ سے کہ انکے مشاہدہ سے ہمارا دل کن کن شاعرانہ جذبات سے متاثر ہوتا ہے، وغیرہ ذلک۔ لیکن اگر خالص تحقیق و علم افزائی مقصود ہے، تو اس نقطۂ خیال سے کائنات پر نظر کرنے کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک تو اس حیثیت سے کہ مختلف اشیاء سے ہمارے آلات حواس جو متاثر ہوتے ہیں، انکی وساطت سے ہمیں ان اشیاء کے متعلق کیا معلومات حاصل ہوتی ہیں؟ مثلاً فرض کرو، کہ اسوقت ایک پھول ہمارے سامنے رکھا ہوا ہے۔ جب ہم اسے دیکھتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکا رنگ سرخ ہے؛ چھوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی رقیق جسم نہیں بلکہ جامد ہے؛ ہاتھ میں اُٹھاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ وزن محسوس ہوتا ہے؛ اُچھالتے ہیں تو میز پر گرنے سے کچھ آواز پیدا ہوتی ہے؛ سونگھتے ہیں تو خوشبو کا ادراک ہوتا ہے؛ آگ پر رکھ دیتے ہیں، تو جل کر خاکستر ہو جاتا ہے؛ غرض ان تجربات سے ہمیں پھول کی مختلف کیفیات، رنگ، جمود، وزن، بو، آواز، و اشتعال پذیری کا علم حاصل ہوتا ہے، انھیں کیفیات کو خواص اشیاء سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اور جب خواص اشیاء کا ہمیں کوئی مُرتب و منتظم علم حاصل ہوتا ہے، تو اسے سائینس کہتے ہیں۔ مرتب و منتظم [illegible] یہان مراد یہ ہے، کہ اس علم کے تمام اجزا باہمدگر علت و معلول کے سلسلہ میں مربوط ہوں یعنی یہ معلوم ہو کہ فلان فلان

خواص کے مجتمع ہو جانے سے فلان نیا خاصہ ظہور مین آئے گا' اور یہ کہ فلان واقعہ کی توجیہ فلان فلان اسباب کی بنا پر کی جا سکتی ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے' کہ خواص اشیاء بہ لحاظ اپنی نوعیت کے' ایک دوسرے سے سخت مختلف ہوتے ہین' اسی واسطے سائنس کے بھی مختلف اصناف ہوتے ہین۔ ہر صنف ایک ہی نوعیت یا مماثل نوعیتون کے خواص کو لے لیتی ہے اور صرف انھین سے بحث کرتی ہے مثلاً سائنس کا ایک شعبہ' وزن' حرارت' آواز' رنگ وغیرہ سے بحث کرتا ہے' اسکو طبیعات کہتے ہین۔ دوسرے شعبہ مین اشیاء عالم کی ترکیب اور انکے خواص ترکیبی سے بحث کی جاتی ہے' اسکا نام کیمسٹری ہے ایک اور شعبہ مین اجسام کے صرف خواص حیاتی کی تحقیق کی جاتی ہے' اسے علم الحیات سے موسوم کرتے ہین۔ اسی طرح سائنس کے بیسیون دیگر اصناف ہین' پھر ان مین سے ہر صنف بجائے خود متعدد اصناف پر منقسم ہوتی ہے' مثلاً تشریح' علم افعال الاعضا' نباتیات' حیوانیات' یہ سب علم الحیات کے ماتحت اصناف ہین۔

تو موجودات عالم پر تحقیقی حیثیت سے نظر کرنے کی ایک صورت یہ ہوئی' جیسے ہم ابھی کہہ آئے ہین' اور جسکے نتائج کو سائنس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اشیاء عالم کی علت غائی پر غور کیا جائے' اور یہ دیکھا جائے کہ فلان شے کا وجود کس آخری غرض' کس انتہائی مقصد کے لیے ہے۔ جو علم کائنات پر اس حیثیت سے نظر کرتا ہے' اسکا نام فلسفہ ہے سائنس اور فلسفہ کے فرق کو ایک واضح مثال کے ذریعہ سے یون سمجھنا چاہیے' کہ مثلاً علم الحیات کے مطالعہ سے ہمین یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جبتک انسان کے گرد و پیش چند خاص حالات مجتمع ہین' مثلاً ایک خاص درجہ کی حرارت' ایک خاص حد تک روشنی' ایک خاص قسم کی آب و ہوا' اسوقت تک انسان زندہ ہے' اور جہان ان حالات مین کوئی غیر معمولی تغیر ہوا' وہین انسان کی زندگی کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ ایسا ہے' جسے علم الحیات یا سائنس کا کوئی دوسرا شعبہ ہاتھ نہین لگا سکتا' اس سوال کا جواب دینا فلسفہ کا کام ہے۔ یہ بے شبہہ صحیح ہے' کہ اغراض و مقاصد کی تلاش ہر عامی سا عامی شخص بھی اپنی روزانہ زندگی مین کیا کرتا ہے' مگر فرق یہ ہے کہ اسکے سوالات اشیاء کے قریبی و فوری اغراض سے متعلق ہوتے ہین' بخلاف اسکے ایک فلسفی کے سوالات کا تعلق ہمیشہ اشیاء کے اغراض بعیدہ و مقاصد اولی سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ یہ کاغذ اسوقت میز پر کیون رکھا ہوا ہے تو یہ ایک عامیانہ استفسار ہے' لیکن اگر وہی شخص یہ دریافت کرے کہ کاغذ کے عالم وجود مین آنے کی کیا مصلحت' کیا غرض ہے' تو یہ بلاشبہ ایک فلسفیانہ مسئلہ کہا جا سکتا ہے۔

ایک دوسرے پیرایہ مین فلسفہ کی تعریف ان الفاظ مین بھی کی جا سکتی ہے' کہ وہ' وہ علم ہے' جس مین موجودات کے متعلق وسیع ترین کلیات قائم کیے جاتے ہین۔ مثال کے لیے ہم ایک نہایت عام واقعہ طلوع آفتاب کو لیتے ہین۔ آفتاب کا طلوع ہونا ہر عامی شخص روزانہ دیکھتا ہے' اور اس بنا پر یقین رکھتا ہے کہ آیندہ بھی ہر روز طلوع ہوتا رہے گا[1]' وہ اس یقین پر کوئی استدلال نہین پیش کر سکتا' بلکہ صرف عادت کی بنا پر اسے اعتقاداً مانتا ہے۔ ایک سائنس دان اس سے بڑھکر یہ کہتا ہے' کہ زمین کی گردش

[1] ہماری حیات نفسی کا یہ ایک قانون ہے' کہ جب ہم دو چیزون کو ایک یا چند بار ایک ساتھ محسوس کر چکتے ہین' تو آیندہ جب کبھی ان مین سے تنہا ایک چیز

محوری، آفتاب سے اسکا تعلق، اور اسی طرح کے دیگر اسباب طبعی کی تحقیق کرتا ہے، اور پھر ان سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے، کہ جبتک یہ اسباب طبعی قائم ہیں، اسوقت تک انکے معلول (طلوع آفتاب) کا روزمرہ واقع ہوتے رہنا لازمی ہے۔ لیکن ایک فلسفی اس سے بھی آگے، اور بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔ وہ یہ ملحوظ رکھتا ہے کہ ہر جسم میں قوت کشش پائی جاتی ہے، اور جون جون اور اجسام کے درمیان فاصلہ بڑھتا جاتا ہے، اسی نسبت سے یہ قوت مدھم پڑتی جاتی ہے۔ وہ اسے بھی پیش نظر رکھتا ہے کہ آکسیجن و ہائیڈروجن میں ایک خاص تناسب سے جب امتزاج ہوتا ہے، تو ہمیشہ انکا مرکب پانی کی شکل قبول کرلیتا ہے۔ وہ یہ بھی نظرانداز نہیں کرتا کہ جتنے افراد پیدا ہوتے ہیں، انھیں ایک خاص زندگی کے بعد ہمیشہ موت کے ہاتھ سے مغلوب ہونا پڑتا ہے۔ یہ سب کلیات جن میں سے ایک طبیعات کے متعلق ہے، دوسرا کیمسٹری کے، اور تیسرا علم الحیات کے، بظاہر باہم بالکل غیر متعلق معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک فلسفی انھیں کلیات پر جنھیں سائنس دان فرداً فرداً اور متفرق طور پر جانتا ہے، یکجائی طور پر نظر ڈالتا ہے، اور جو اصول ان مختلف مثالوں کی تہ میں بطور قدر مشترک کے مضمر ہے، وہ ان سے منتزع کرتا ہے یعنی ان تمام کلیات سے ایک وسیع تر و عام تر کلیہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر شئے خواہ جاندار ہو یا بیجان، مرکب ہو یا مفرد، ایک خاص اصول، ایک خاص ضابطہ، ایک خاص نظام کی پابند ہے، جس میں کوئی خلل و تغیر نہیں ہوتا، اور جسکے ساتھ اسکی ہر حرکت و سکون، ترکیب و تحلیل، موت و حیات، وابستہ ہے۔ ایک فلسفی کی نگاہ اسی نکتہ پر پہنچ جاتی ہے، اور اسی کلیہ کے تحت میں "طلوع آفتاب" کو لاکر وہ یہ استدلال قائم کرتا ہے، کہ چونکہ وہ بھی اسی مرتب منظم کائنات کا ایک جزو ہے، اسلیے لازمی ہے کہ اسمیں بھی کوئی مستمر ترتیب پائی جاتی ہو، اور اسلیے ایک خاص میعاد کے بعد اسکا طلوع ہوتے رہنا یقینی ہے۔

ایک اور طریقہ سے فلسفہ کی ماہیت یوں بھی سمجھائی جاسکتی ہے، کہ جس علم میں کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوے، اسکے عوارض انفرادی و مختصات شخصی و نوعی تمام یا تقریباً تمام حذف کردیے جائیں، اور اس مسئلہ کی صرف کلی یا عمومی حیثیت سے سروکار رکھا جائے، اسی کا نام فلسفہ ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص زید کو کھانا کھاتے ہوے دیکھکر ان سوالات پر غور کرے، کہ وہ کب کھاتا ہے؟ اور کیا کھاتا ہے؟ کس طرح کھاتا ہے؟ وغیرہ تو اسکی فکر ایک عامیانہ غور سے زیادہ وقیع نہیں لیکن اگر وہ شخص زید کے عوارض ذاتی و مختصات شخصی کو نظرانداز کرکے صرف نوعی حیثیت سے اس مسئلہ کو لے، اور ان سوالات پر غور کرے، کہ انسان غذا کا طالب کیوں ہوتا ہے؟ غذا کے اسکے اوپر کیا اثرات ہوتے ہیں؟ غذا کے بلحاظ اقسام کیا مدارج ہوتے ہیں؟ تو اسے ایک سائنٹفک موضوع بحث سے تعبیر کیا جائے گا، اسلیے کہ گو ان سوالات میں مختصات شخصی بالکل فنا ہوگئے ہیں یعنی زید و عمر کی شخصیت سے اب کوئی بحث نہیں رہی، لیکن مختصات نوعی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵) ہمارے تجربہ میں آتی ہے، تو اسکی ساتھ والی دوسری چیز بھی ہماری یاد میں تازہ ہوجاتی ہے، اور ہم اکثر غلطی سے دونوں کو لازم و ملزوم سمجھ لیتے ہیں۔ چنانچہ مثال مندرجہ متن میں، ایک عامی شخص جب چند بار، دوسرے دن ہونے اور آفتاب کے طلوع ہونے، ان دونوں واقعات کو چند بار ساتھ ساتھ مشاہدہ کرچکتا ہے، تو وہ خود بخود یقین کرنے لگتا ہے کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں، اور جب دوسرا دن ہوگا، تو خواہ مخواہ آفتاب نکلے گا۔

اب بھی قائم ہین۔ لیکن اگر ان سے بھی قطع نظر کر لیا جائے، اور مسئلہ زیر بحث مین انتہائی تعمیم پیدا کر دی جائے، یعنے یہ سوالات پیش نظر ہو جائین، کہ خود بدل، اتحلل کی کیا حقیقت ہے؟ اور سائنس ان جو اسکے لازمی و ضروری ہونے پر زور دیتا ہے، تو خود "لزوم" اور "ضرورت" کا کیا مفہوم ہے؟ تو یہ سوالات بے شبہ فلسفہ کے تحت مین آجائین گے، اور جو شخص غور کرتے وقت تشخصات و تعینات کو جون جون زیادہ مٹاتا جائیگا اسی نسبت سے بحیثیت ایک فلسفی کے وہ زیادہ دقیق النظر و نکتہ رس سمجھا جائے گا۔

تشریحات بالا سے معلوم ہوا ہوگا، کہ فلسفہ کا عنصر حقیقی یا مایۂ خمیر جو کچھ ہے، وہ یہ ہے کہ وہ نظام موجودات عالم پر مجموعی و یکجائی حیثیت سے نظر کرتا ہے، اور اسیلیے اسکا موضوع بحث وسیع ترین ہے، چنانچہ عملی حیثیت سے یہ خصوصیت دنیا کے تمام نظامات فلسفہ مین باوجود انکے نتائج تحقیق کے نہایت شدید اختلاف کے، ہمیشہ مشترک رہی ہے، اور بعض حکماء نے تو صراحتًہ اسکا اعتراف کیا ہے، جن مین سے ایک شہادت ہم یہان نقل کرتے ہین۔ فلاطون، ایک جگہ ایک فلسفی کے خصائص کا ذکر کرتے ہوے کہتا ہے کہ:-

"جب اسے گالیان دی جاتی ہین تو اپنے بدگو کی ذات پر کوئی حملہ نہین کرتا..... جب وہ سنتا ہے کہ فلان شخص ہزار دن لاکھون ایکڑ زمین کا مالک ہے، تو وہ اسے ایک نہایت ہلکی بات سمجھتا ہے، اسیلیے کہ وہ تو اپنے عالم تصور مین ساری دنیا کو پیش نظر رکھنے کا عادی ہے، جب اسکے سامنے کسی شخص کی عالی نسبی کے راگ اس بنا پر گائے جاتے ہین، کہ وہ پشتہا پشت سے رئیس ہے، تو وہ ان مداحون کے متعلق اپنے دل مین کہتا ہے کہ یہ کس قدر تنگ و محدود نظر رکھنے والے لوگ ہین، جو سارے عالم پر نگاہ نہین کرتے اور اتنا نہین سمجھتے، کہ ہر فرد کے ہزارہا اسلاف گزر چکے ہین، جن مین سے بعض شاہ بعض گدا، بعض امیر بعض فقیر، بعض متمدن بعض وحشی، غرض ہر طرح کے کچھ نہ کچھ لوگ ہو چکے ہین[۱]"

غور کرو کہ اقتباس بالا مین مختلف اسالیب بیان کے درمیان، فلاطون نے جو منفرد خصوصیت ایک فلسفی کے لیے ملحوظ رکھی ہے، وہ اسکی نظر کی ہمہ گیری ہے، اور اسی کو فلسفہ کا وصف امتیازی، متاخرین مین ہیگل و اسپنسر نے بھی قرار دیا ہے۔

فلسفہ کی یہ ماہیت قرار دینے کے بعد اس مسئلہ کے لازمی تفریعات[۲] جو پیدا ہوتے ہین، انمین سے دو خصوصیت کے ساتھ اہم ہین۔

(۱) اولاً، یہ کہ اصناف سائنس کے برخلاف فلسفہ کا مطالعہ عام دنیوی منافع کی تحصیل مین معین نہین۔ سائنس کا ایک امتیازی خاصہ یہ ہے، کہ اسکی ہر صنف سے انسان کو کوئی عاجل، مادی فائدہ و ضرر محسوس ہوتا ہے؛ عالم طبیعات نئی نئی مشینیں اور کلین ایجاد کرتا ہے، عالم احیات، دفع مرض و ازدیاد عمر کی تدابیر بتاتا ہے، عالم ہیئت آئندہ موسمی و جوی تغیرات کی بابت پیشتر سے آگاہ

---

[۱] Janet's History of The Problems of Philosophy جلد اول

[۲] ایک مسئلہ کی اصولی صحت تسلیم کرنے کے بعد، بطور فروع کے بعض دیگر مسائل کا تسلیم کرنا بھی لازم آتا ہے، انھین ہم نے "تفریعات" سے موسوم کیا ہے، انگریزی مین ایسے مواقع پر لفظ (Corollaries) استعمال کرتے ہین۔

کر دیتا ہے، لیکن فلسفہ کا مطالعہ اس قسم کے دنیوی فوائد کے اکتساب مین مطلق مدد نہین دیتا۔ ایک فلسفی جس وقت کوئی نظریہ قائم کرتا ہے، اسکو ان امور سے بالکل غرض نہین ہوتی، کہ اس سے لوگون کی زندگی مین کیا کیا راحتین پیش آئین گی؟ کن کن سہولتون کا اضافہ ہوگا؟ آسایش عامہ پر اسکا کیا اثر پڑے گا؟ بلکہ وہ نہایت بے غرضانہ طریقہ سے کائنات کا مطالعہ کرتا ہے، اور اپنی تحقیقات کا جو نتیجہ پاتا ہے، اُسے اپنے یا دوسرون کے فوائد سے بالکل قطع نظر کرکے، بجنسہ پیش کر دیتا ہے۔ فیثاغورس، جسکے متعلق روایت ہو کہ سب سے اول اسی نے لفظ "فلاسفر" وضع کیا، ایک مرتبہ جب اثنائے سفر مین مقام فلیس مین پہنچا، اور وہان کے فرمان روانے اسکے کمال و فضل پر متحیر ہو کر اُس سے دریافت کیا، کہ حضرت! آپ کا کس پیشہ سے تعلق ہے؟ تو فیثاغورس نے جواب دیا، "کہ انسانی زندگی کی تشبیہ کسی بڑے میلہ یا تماشہ سے دی جا سکتی ہے، جہان بہت سے لوگ اس غرض سے آتے ہین کہ اپنے اپنے کرتب دکھا کر نام پیدا کرین، بہت سے اسلیے آتے ہین کہ ایسے موقع پر خرید و فروخت کے ذریعہ سے مالی نفع حاصل کرین، لیکن معدودے چند ایسے افراد بھی ہوتے ہین، جنکو نہ حصول شہرت سے غرض ہوتی ہے، نہ جلب منفعت سے، بلکہ جو زیادہ عالی ظرف ہوتے ہین، وہ صرف اسلیے آتے ہین، کہ ایسے مواقع کی مختلف کیفیات کا علم و تجربہ حاصل کرین، اسی طرح اس دنیا مین جہان عموماً لوگ شہرت یا منفعت کی سعی حصول مین مصروف رہتے ہین، بعض افراد ان عام دنیوی محرکات سے بے نیاز ہو کر اپنا مقصد حیات صرف مطالعۂ فطرت و انکشاف راز ہستی قرار دے لیتے ہین، ان لوگون کو مین فلسفی کہتا ہون، اور میرا شمار اسی جماعت مین ہے۔"

آغاز مضمون مین ہم کہہ آئے ہین، کہ سائنس بھی کائنات پر تحقیق و علم افزائی کی غرض سے نظر کرتا ہے، لیکن بات یہ ہو کہ نتائج و ثمرات کے لحاظ سے، سائنس ہمیشہ علم افزائی کے ساتھ ساتھ اسکے مساوی، بلکہ شاید اس سے کچھ زائد، راحت افزائی کے سامان مہیا کر دیتا ہے، یعنی سائنس کی ترقی کا نتیجہ اب تک برابر دنیا مین یہ ہوتا رہا ہے، کہ نئے نئے ایجادات و اختراعات ظہور مین آئے، جنھون نے لازمی طور پر روزانہ زندگی کے کاروبار مین سہولتون کا اضافہ کر دیا ہے؛ بخلاف اسکے فلسفہ اپنے نقطۂ نظر، طرز تحقیقات، نتائج، غرض کسی حیثیت سے بھی دنیا کے عام مادی و محسوس منافع کی جانب متوجہ نہین، ایک فلسفی کا نصب العین صرف فطرت کا غائر مطالعہ، اور اس سے اخذ نتائج ہے۔ اسی حالت مین اگر اسکی تحقیقات و رائج الوقت اخلاق، مذہب، قانون، یا آداب معاشرت کے منافی یا معارض ہو، تو اسکی ذرہ بھر بھی اسے پروا نہ کرنی چاہیے۔ جرمنی کا مشہور پروفیسر ہیگل اس عجیب مسئلہ کا قایل گزرا ہو، کہ وجود و عدم، ہستی و نیستی، شے و لاشے، جو بظاہر بالکل متناقض الفاظ معلوم ہوتے ہین سو در اصل ایک ہی مفہوم پر دلالت کرتے ہین۔ اس مسئلہ کی بنا پر وہ کہتا ہے، کہ جو لوگ مجھپر یہ اعتراض کرتے ہین، کہ "تمھارے عقیدہ کے بموجب انسان کے لیے اپنی ذات، اپنے گھر بار، اپنے محسوسات، بلکہ خدا کے وجود کو بھی ماننا

یا نہ ماننا، انکا اقرار یا انکار کرنا، سب مساوی لازم آتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ کتنا مہمل عقیدہ ہے" مین ان معترضین کے جواب مین کہتا ہون کہ تم لوگ ماہیت فلسفہ کی ابجد سے بھی ناآشنا ہو۔ فلسفہ کا تو عین منشا ہی یہ ہے کہ انسان مین خالص اجتہاد فکری پیدا ہو، اور نظریات کی صورت مین اپنے ثمرات فکر پیش کرتے وقت اسے اس امر کی مطلق پروانہ ہو کہ اسکے خیالات کا اسکے اور نیز دنیا کے اوپر کیا اثر پڑے گا، اسلیے کسی فلسفیانہ نظریہ کے اوپر اس بنا پر نکتہ چینی کرنا کہ اسکے ماننے سے فلان فلان نقصانات لازم آتے ہین، یا فلان فلان محبوب چیزون سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، ایک نہایت غلط اصول کی بنا پر نکتہ چینی کرنا ہے۔

(۲) ثانیاً، یہ کہ ارتقائی حیثیت سے فلسفہ کا نمبر سائنس کے بعد آتا ہے، یعنے تاریخی ترتیب کے لحاظ سے آخرالذکر کو اول الذکر پر تقدم زمانی حاصل ہے، اسکی وجہ ظاہر ہے۔ یہ فطرت کا عین قانون ہے کہ انسان ہمیشہ سب سے پہلے اُن چیزون پر متوجہ ہوتا ہے، جو بقار حیات کی طرف موذی ہوتی ہین، اور اسیلیے اسکے حوائج وضروریات مین داخل ہوچکی ہین، مثلاً سامان خورد ونوش دفع صعوبات موسم وغیرہ۔ پھر جب ان سے فارغ ہولیتا ہے، تو تکلفات زندگی کی طرف مائل ہوتا ہے، اور ایسے سامان کی فکر مین مشغول ہوتا ہے جس سے معیشت مین آسایش وسہولت پیدا ہو، اور زندگی لطف سے کٹے جب اس کوشش مین بھی ایک حدتک کامیاب ہولیتا ہے، تب جاکر اسکے دماغ مین متعلقات بعیدہ کے متعلق سوالات پیدا ہوتے ہین اور وہ ان مسائل پر غور کرنا شروع کرتا ہے، جس سے اسکی موجودہ زندگی کو براہ راست کوئی تعلق نہین۔ فلسفہ کے مسائل جیسا کہ ہم ابھی کہہ آئے ہین، چونکہ عموماً ایسے ہوتے ہین، جن سے مادی زندگی کے غم وراحت، سود وزیان پر کوئی فوری اثر نہین پڑتا، اسلیے عوام کا انہین دور از کار اور بعید المرام سمجھکر ان پر توجہ نکرنا بالکل اقتضاے طبعی ہے۔ کسی ملک مین فلسفہ کا مذاق صرف اسوقت پیدا ہوسکتا ہے جب قوم کی عام علمی سطح ایک کافی حدتک بلند ہوچکی ہو، یا ارسطو کے الفاظ مین

"انسان فلسفہ کی جانب اسی وقت توجہ کرسکتا ہے، جب وہ اپنی ضروریات زندگی مہیا کرچکا ہو" (ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعات

باب ۱۔ فصل ۲)

یہی وجہ ہے، کہ وحشت وبدامنی کے زمانہ مین کسی ملک سے فلسفی نہین اُٹھتے، بلکہ اُسوقت پیدا ہوتے ہین جب سائنٹفک تحریک کے ساتھ ملک مین عام علمی بیداری پھیل چکی ہو، چنانچہ یورپ کی سرزمین پر بیکن وڈیکارٹ نے جب فلسفہ کا سنگ بنیاد رکھا، تو اس سے پہلے کیپلر، گلیلو، وبرونو، کی سائنٹفک تحریکات سطح کو ہموار کرچکی تھین۔

اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے، کہ فلسفہ چونکہ انسان کو تقلید کی بندش سے آزاد کرکے، اسے بجاے خود اپنے قواے دماغی سے کام لینا سکھاتا ہے، اسلیے اجتہاد فکری کی یہ روح، یہ اسپرٹ، کسی قوم مین، اسوقت تک نہین پیدا ہوسکتی،

جبتک کہ وہ قوم اپنے اسلاف سے ترکہ مین پائے ہوے خیالات و معتقدات پر تقلیداً قائم رہنے پر قانع ہے۔ ایک ترقی کرنے والی قوم جبتک باب تمدن کے زینہ روز بروز طے کرتی چلی جاتی ہے، اسکے افکار دماغی، اسکی علمی حوصلہ مندیان عموماً جالب المنفعت مشاغل مین محدود رہتی ہین، لیکن جب ہی قوم، معراج کمال، شباب تمدن کی انتہا پر پہنچ جاتی ہے، تو اسوقت وہ فلسفہ کے نسبتاً خشک و غیر نفع بخش مباحث کی جانب متوجہ ہوتی ہے، در اب اسمین بکثرت حکما پیدا ہونے لگتے ہین، لیکن چونکہ انتہائی عروج اور آغاز زوال کی سرحدین بالکل ملی ہوئی ہین، اسلیے عین اسوقت جبکہ علوم حکمت و فلسفہ کی گرم بازاری ہوتی ہے، قوم مین انحطاط شروع ہوجاتا ہے، جس سے ظاہرمین یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ فلسفہ کی ترویج و اشاعت قوم کی تمدنی و سیاسی بربادی کی علت ہے، حالانکہ واقعہ کے روسے ایسے موقع پر جو کچھ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ فلسفہ کی اشاعت اور تمدن کا انتہائی عروج، دو ہم زمان چیزین ہین، لیکن چونکہ کمال شباب کے معنی ہی یہ ہین کہ پیرانہ سالی کے حدود شروع ہوگئے، اسلیے فلسفہ کی اشاعت، انحطاط تمدن کے ساتھ متصل واقع ہوجاتی ہے، تاریخ اس کلیہ کے بکثرت شواہد پیش کرتی ہے۔ یونانی فلسفہ کا شباب افلاطون کے وقت مین تھا، لیکن اسکے چند ہی روز کے بعد سکندر کی وفات کے ساتھ سلطنت یونان کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، اثینیا (ایتھنز) والون نے فلسفہ مین اسوقت کمال پیدا کیا، جبکہ وہ حکومت کے ناقابل ہوکر مقدونیا کے تاجدارون کے زیرنگین آرہے تھے۔ اسکندریہ مین فلسفہ اشراقیین (New Platonists) کا آفتاب اسوقت نصف النہار پر پہنچا، جو رومن قوم کے اوج واقبال کی شام ہورہی تھی۔

فلسفہ کی ماہیت اور اس سے جو اہم تفریعات پیدا ہوتی ہین، انکے منقح ہوجانے کے بعد اب ہم فلسفہ کے خاص خاص مذاہب کا ذکر کرنا چاہتے ہین، لیکن یہ ظاہر ہے کہ انکا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ ہوگا، ورنہ اگر کوئی تفصیل کرنی چاہے تو اسکے لیے ایک آرٹکل کی تو کیا بساط ہے، دو ایک مجلدات بھی بمشکل کافی ہون گی۔

مذاہب فلسفہ کا فرداً فرداً ذکر کرنے سے پیشتر، یہ سمجھ لینا ضروری ہے، کہ وہ کون سا مسئلہ ہے، جس نے فلسفیون کے درمیان یہ ہنگامہ آرائی پیدا کر رکھی ہے؟ وہ کیا چیز ہے جسکے متعلق حکما نے مختلف الآرا ہوکر جداگانہ مذاہب قائم کیے ہین؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہمین ایک مرتبہ پھر ماہیت فلسفہ کی جانب رجوع کرنا چاہیے، یہ ہم بتا آئے ہین کہ فلسفہ، ان دو سوالات کا جواب دیتا ہے:-

(الف) عالم، کلی و مجموعی حیثیت سے کیا ہے؟

(ب) اسکی علت غائی کیا ہے؟

لیکن مزید غور کے بعد معلوم ہوگا، کہ دوسرا سوال تحصیل ہوکر پہلے ہی پر ٹھہرتا ہے، اور (ب) کا جواب (الف) کے جواب پر متفرع ہے۔ اسلیے کہ ہمین اپنی روزانہ زندگی مین اتنا بداہتہً نظر آتا ہے، کہ جب ہم کسی شئے کے خواص پر تماماً احاطہ کرلیتے ہین،

یعنی اسکی ترکیب و تشکیل[1] کے متعلق نہایت تفصیلی علم حاصل ہوجاتا ہے، تو اسکی علت غائی تک ہم از خود پہنچ جاتے ہین، مثلاً فرض کرو، کہ یہ کتاب جو ہمارے سامنے رکھی ہے، اگر اسکے متعلق اس قسم کی تمام معلومات حاصل ہوجائین کہ یہ کس کی تصنیف ہے؟ کس زبان مین ہے؟ کس موضوع پر ہے؟ کتنی ضخامت ہے؟ کیا پیرایۂ ادا ہے؟ وغیرہ تو ہم اس نتیجہ پر خواہ مخواہ پہنچ جائین گے، کہ اسکی تصنیف کی غرض و غایت کیا ہے؟ پس اس اصول پر ایک فلسفی کے لیے ترکیب و تشکیل عالم کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے، کہ اسی کے اوپر علت غائی کا حل مبنی و متفرع ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قدما نے سب سے پہلے اسی مسئلہ کو ہاتھ لگایا۔ یونانیون مین طالیس ملطی پہلا شخص ہوا ہے، جسکے ساتھ فلسفہ کا انتساب کیا جاتا ہے، اس نے جس مسئلہ پر غور کیا، وہ یہ تھا کہ عالم کس واحد عنصر سے مرکب ہے؟ اسکا جواب اس نے یہ دیا کہ "پانی سے" یعنی دنیا مین جتنی چیزین نظر آتی ہین، یہ سب پانی ہی کے مختلف مرکبات ہین۔ اسکے بعد ایک دوسرا فلسفی انکسیمنس پیدا ہوا، جس نے پانی کے بجائے "ہوا" کو عالم کی علت مادّی قرار دیا، اور یہ دعوی کیا کہ عالم موجودات باین تنوع، ہوا ہی کے مظاہر مختلفہ کا جلوہ گاہ ہے۔ اسی طرح اُس زمانہ کے ہر مشہور حکیم نے وجود عالم کے متعلق ایک جدید نظریہ کا اختراع کیا، لیکن افسوس ہے کہ چونکہ اُسوقت تصنیف و تالیف کا رواج نہ تھا، ہمارے کان مین جو آج قدما کی صدائین آرہی ہین، ان سب کی ترجمان زبان غیر ہے، اور یہ شاید اسی کا نتیجہ ہے، کہ انکے نظریات مین اسقدر تناقضات پائے جاتے ہین، کہ انکے متعلق کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔ مثلاً طالیس، جو پانی کو مبدء عالم قرار دیتا ہے، اسی کے ساتھ اس امر کا قائل ہے، کہ پانی مین روحانی جزو بھی شامل ہوتا ہے، پھر خواص روح کی بھی عجیب و غریب تشریح کرتا ہے[2]۔ غرض اسی طرح کے تناقضات کے باعث، جنکی وجہ سے قدما کی کوئی بات صاف سمجھ مین نہین آتی، ہم اس سلسلہ مین انکا ذکر طالیس سے لے کر سقراط تک بالکل قلم انداز کرتے ہین، اور مذاہب فلسفہ کی ابتدا افلاطون اور ارسطو سے کرتے ہین جنکی تصنیفات آج موجود ہین، اور جنھین دیکھکر ہر شخص اپنا اطمینان کرسکتا ہے۔

یہ امر ہر شخص، تھوڑے سے غور کے بعد محسوس کرسکتا ہے، کہ موجودات عالم کی تعداد، بلحاظ افراد، گو حد شمار سے خارج ہے، لیکن جتنی چیزین ہمارے تجربہ مین آتی ہین، یہ نوعی حیثیت سے دو ہی طرح کی ہین، اور انھین دو عنوانات کے تحت مین رکھا جاسکتا ہے، ایک تو وہ تمام چیزین، جنھین ہم چھو سکتے ہین، دیکھ سکتے ہین، جو فضا مین جگہ گھیرے ہوئے معلوم ہوتی ہین جنمین طول و عرض پایا جاتا ہے، دوسری قسم مین وہ چیزین داخل ہین جنمین یہ کوئی وصف پایا نہین جاتا، بلکہ جو ان اوصاف کا

[1] یعنے Composition دیکھو Janet's History of the Problems of Philosophy

[2] نیز جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ Hegel's History of Philosophy جلد اول

ادراک واحساس کرتی ہین، مثلاً انسان جب خود اپنے اوپر نظر کرتا ہے، تو اسے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ایک تو وہ جسم رکھتا ہے، جس مین اول الذکر قسم کے تمام اوصاف موجود ہین، اور دوسرے وہ ایک اور چیز بھی رکھتا ہے، جسکے باعث وہ تمام کیفیات کا علم حاصل کرتا ہے، کبھی متالم ہوتا ہے، کبھی مسرور ہوتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حالت خواب وغشی مین یہ دوسری چیز بہت ضعیف پڑجاتی ہے، اور موت کے وقت گویا یہ بالکل جاتی رہتی ہے۔ ایک مفکر کے لیے یہ ایک بالکل بدیہی واقعہ ہے، اور جو شخص فلسفہ سے کچھ بھی مس رکھتا ہے، اسکی نظر پہلے اسی مسئلہ پر پڑتی ہے، چنانچہ فلاسفہ کے یہان جسم وغیر جسم کا تضاد سب سے زیادہ مہتم بالشان مسئلہ ہے، اور انکی عقل آرائیون کی بنیاد یہین سے پڑتی ہے، کہ عالم ایک جزو سے مرکب ہے، یا دو اجزا سے؟ اور آخرالذکر صورت مین دونون اجزا کے باہمی تعلقات کیا ہین؟ ایک گروہ حکما نے جو تعداد کے لحاظ سے گروہِ غالب کہا جا سکتا ہے، اسکا یہ جواب دیا ہے، کہ عالم کی تشکیل دو مختلف اجزا، جسم و روح، مادہ و صورت، سے ہوئی ہے، اور پھر اس گروہ کے افراد نے ان دونون اجزا کے باہمی تعلقات کی مختلف پیرایون مین تشریح کی ہے، اس عقیدہ کے حکما کو اصطلاح مین ثنوئیین (Dualists) کہتے ہین۔ دوسری جماعت، اسکے خلاف، اس امر کی قائل ہے کہ عالم کی تشکیل کا مدار صرف ایک شے پر ہے، اور ہمین جو بادی النظر مین دو چیزین نظر آرہی ہین، یہ خود ہماری سطح بینی ہے۔ اس جماعت کے حکما کو یہان وحدتیین (Monists) سے تعبیر کیا جائے گا۔ ان دونون فرقون کے عقائد کی مختصر تشریح سطور ذیل مین کی جاتی ہے۔

ثنوئیین مین سب سے زیادہ ممتاز، افراد ذیل ہوئے ہین:۔ فلاطون، ارسطو، ڈیکارٹ، میلبرانش، اور لائبنٹز،

فلاطون کا مذہب یہ تھا، کہ عالم دو ہین؛ عالم مثال اور عالم مادی۔ حقیقی عالم، جس مین ہر شے کا اپنی پوری اصلیت کے ساتھ وجود ہے، وہ عالم مثال ہے، یہ وہی عالم ہے جسے ارباب مذہب روحانیات سے تعبیر کرتے ہین۔ یہ عالم ہماری نظرون سے اوجھل رہتا ہے، اور حواس ظاہری سے ہمین جو کچھ محسوس ہوتا ہے، وہ عالم مادی ہے۔ عالم مثال مین افراد مفصلاً موجود نہین ہیتے بلکہ ہر شے کی ایک صورت نوعیہ موجود رہتی ہے، اور عالم مادی مین ہمین جو چیزین نظر آتی ہین، یہ سب اسی صورت نوعیہ یا مثالیہ کی عکس یا تصویرین ہین، مثلاً انسان کی مجرد صورت نوعیہ، جو تمام افراد انسانی سے علیحدہ و مختلف ہے، عالم مثال مین قائم ہے، اور عالم مادی مین ہمین جتنے مشخص انسان، زید، عمر، بکر، نظر آتے ہین، یہ سب مثل تصویر کے، اسی انسان کے مثالیہ کے نقشہ یا نمونہ پر تیار ہوئے ہین۔ انکے اور اصل مثالیہ انسان کے درمیان مطابقت کہان تک ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اسی حد تک کہ جتنی ایک جسم اور اسکے عکس کے درمیان ہو سکتی ہے، یعنے اگرچہ دونون کے درمیان ایک طرح کی شباہت ضرور پائی جاتی ہے، تاہم یہ ظاہر ہے کہ بلحاظ اپنی فطرت کے یہ دو بالکل جداگانہ چیزین ہین۔ خود انسان دو چیزون سے مرکب ہے، روح اور جسم۔ روح کا اصلی مسکن وہی عالم مثال ہے۔ جہان اسے ہر طرح کی آزادی رہتی ہے، عالم مادی مین آکر وہ قیدی ہوجاتی ہے، جسم اسکے لیے بمنزلہ ایک دیکے

جسکو ارادہ، احساس، علم وغیرہ مین فی نفسہ کچھ دخل نہین، مگر جس طرح اوزار کے بگڑ جانے سے کاریگر کے کام کو نقصان پہنچتا ہے، اسی طرح اگر جسم صحیح نہین، تو افعال روح مین بھی ضرور فتور پڑ جائے گا۔

ارسطو اس امر کا قایل ہوا ہے کہ تشکیل عالم کے دو اجزا ہیولیٰ و صورت ہین۔ اور یہ دونون لازم و ملزوم ہین یعنے کوئی ہیولیٰ صورت سے اور کوئی صورت ہیولیٰ سے خالی نہین۔ ہر وجود جبتک حالت امکان مین ہے اور حالت عمل مین نہین داخل ہوا ہے یا بدیگر الفاظ، ابھی قوت سے فعلیت مین نہین تبدیل ہوا ہے، اسوقت تک ہیولیٰ کہلاتا ہے، اور جب وہ کوئی خاص فعلیت اختیار کر لیتا ہے، تو اسی حالت کو اسکی صورت کہا جاتا ہے۔ اب چونکہ کوئی قوت کوئی استعداد فعل و عمل مین آئے بغیر نہین رہ سکتی، اسلیے ہیولیٰ صورت سے خالی نہین ہو سکتا؛ اور چونکہ ہر حالت عمل یا فعلیت کسی نہ کسی قوت یا استعداد کی طاری ہوگی اسلیے کوئی صورت ہیولیٰ سے خالی نہین ہو سکتی۔ اس تھیوری کی بنا پر یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شے کو ایک حیثیت سے ہیولیٰ کہا جائے، اور دوسری حیثیت سے صورت۔ مثلاً کاغذ کا یہ صفحہ جو ناظرین کے سامنے ہے ایک طرف تو رسالہ ہذا کے لیے ہیولیٰ کا کام دیتا ہے، اور دوسری طرف اس حیثیت سے کہ اسمین "کاغذیت" پائی جاتی ہے، اس پر صورت کا اطلاق بھی درست ہے جسم و روح کے باہمی تعلقات کی بابت جو معرکۃ الآرا سوال ہے، اسکا حل اس تھیوری پر بآسانی یون ہوتا ہے کہ روح انسانی ہیولیٰ (یعنی جسم) کی ایک خاص صورت کا نام ہے۔ گویا وجود انسانی کے غیر متحرک، جامد و غیر متشکل جزو کا نام جسم ہے، اور متحرک، محرک، و متشکل جزو کا صورت۔ اس تھیوری کے ماننے سے وہ دقتین، جو جسم و روح کو مختلف النوع تسلیم کر کے انکے تضاد سے پیش آتی تھین، از خود رفع ہو جاتی ہین۔

روح اور جسم کے تضاد پر جس فلسفی نے سب سے زیادہ زور دیا، وہ ڈیکارٹ تھا۔ یہ کہتا ہے کہ یہ دو بالکل مختلف ہستیان ہین، جنکے درمیان کوئی شے مشترک نہین۔ مادہ مین گو یون بہت سے خواص پائے جاتے ہین، مثلاً رنگ، وزن، بو، وغیرہ لیکن اسکا اصلی و طبعی خاصہ امتداد ہے، یعنی وہ ابعاد ثلاثہ (طول، عرض، عمق) رکھتا ہے، اور جگہ گھیرے ہوئے رہتا ہے لیکن یہی وہ خاصہ ہے، جس کا شائبہ تک روح مین نہین پایا جاتا، بلکہ اسکا اصلی خاصہ فکر ہے۔ اس بنا پر دو ایسی مختلف الماہیت چیزون کا ایک دوسرے پر براہ راست اثر و تاثر کرتے رہنا ناممکن ہے، اسکے لیے ایک تیسری چیز کا وجود ضروری ہے، جو ان دونون کے خواص کی جامع ہو، اور وہ شے انسان کا ذہن یا نفس ہے، جس کا مستقر، دماغ کے پچھلے حصہ کا ایک خاص غدود (Pineal Gland) ہے۔ یہ ذہن اس حیثیت سے کہ اسکا خاص وظیفہ افکار و ادراک ہے، روح کے ساتھ مشترک الماہیت ہے، اور اس لحاظ سے کہ ایک جسمانی مستقر رکھتا ہے، مادہ کا بھی ہم ماہیت ہے۔ ڈیکارٹ کا ایک نامور شاگرد ویلنکس ہوا ہے، اس نے استاد کے نظریہ مین یہ ترمیم کی کہ جسم و روح جیسی متضاد ہستیون کے درمیان باہمی اثر و تاثر، فعل و انفعال کی کوئی

ت ممکن ہی نہین۔ ہان، بادی النظر مین جو اس قسم کے تعلقات کی مثالین نظر آتی ہین، مثلاً جسم کے مریض ہونے سے روح کو اذیت پہنچنا، یا ذہنی تکلیفات سے جسم کا مبتلاے عوارض ہو جانا، ایسے مواقع پر فی الواقع روح و جسم کے درمیان کوئی فعل و انفعال نہین ہوتا، بلکہ ایک جبر ہے، یہ دونون ایک ہی وقت مین، متاثر ہوتے ہین، اور اس ہم وقتی کا باعث ان دونون کا خالق یعنے خدا ہوتا ہے۔ مثلاً عام گفتگو مین یہ کہا جاتا ہی کہ شدت حرارت نے پھولون کو خشک کر دیا، لیکن واقعہ کے رو سے حرارت اور پھولون کی پژمردگی کے درمیان کوئی علت و معلول کا تعلق نہین، بلکہ ہوتا یہ ہی کہ جس وقت آفتاب کسی قطعۂ زمین پر زیادہ تیز شعاعین ڈالنے لگتا ہے، عین اسی وقت خدا یہ کرتا ہی کہ پھولون مین بھی ایک خاص تغیر پیدا کرتا ہی۔ اسی طرح جسم و روح مین سے جب کسی ایک مین کوئی خاص تغیر ہوتا ہی، تو اسی کے ہم وقت خدا دوسری چیز مین بھی تغیر کر دیتا ہی۔ اس لحاظ سے ان دونون مین صرف تعلق معاصرت ہی، کوئی رشتۂ تعلیل نہین۔

لائبنٹز کی تھیوری یہ ہے کہ جسم و روح کے درمیان، عالم حیات مین آنے سے قبل ہی ایک خاص تناسب موجود ہی جسکے باعث اُن سے برابر متعاصرانہ اعمال سرزد ہوا کرتے ہین، وہ کہتا ہی کہ فرض کرو، ہمارے پاس دو گھڑیان ہین، جو ہمیشہ ایک ہی وقت دیا کرتی ہین، اور جن مین ایک سکنڈ کا بھی آگا پیچھا نہین ہوتا۔ اب اس واقعہ کی اگر علت تلاش کرین، تو اسکی تین ہی صورتین ممکن ہین:۔ ایک یہ کہ ہر گھڑی دوسری پر براہ راست اپنا اثر ڈالتی رہتی ہی، دوسرے یہ کہ ہم خود انھین ہر وقت ایک دوسرے کے مطابق کیے رہتے ہین، تیسرے یہ کہ گھڑی ساز نے انکو اس صنعت و کاریگری سے بنایا ہے، کہ وہ ہمیشہ ایک ہی وقت دیتی رہین۔ اب اسی تمثیل کو مسئلۂ زیر بحث پر چسپان کرو، تو معلوم ہوگا، کہ جسم و روح کی معاصرت اعمال کی بھی تین ہی صورتین ہین، یا یہ کہ جسم و روح مین براہ راست اثر و تاثر ہوتا ہو، لیکن اس امر کو ذہن نہین قبول کرتا، کہ دو چیزین جو اپنی ماہیت کے لحاظ سے بالکل مختلف الجنس ہون، اپنا اثر ایک دوسرے پر ڈال سکین۔ یا یہ کہ جیسا میلبرانش کا خیال ہے، خدا ہر وقت ان دونون مین مطابقت کرایا رہتا ہو، لیکن یہ صورت اسلیے ناقابل قبول ہی کہ وہ خالق جس نے ان چیزون کو صرف ایک مرتبہ خلق کر کے چھوڑ دیا، اسکی شان سے بعید ہی کہ روح و جسم کے بارے مین وہ ہر وقت اپنے تئین مصروف رکھا کرے، اسلیے بہرحال قابل اختیار صرف تیسری شق ہی، یعنے خدا نے اپنی صنعت کاملہ سے ان دو مختلف چیزون مین ایک ایسا تناسب پیدا کر دیا ہی، اور انمین ایک ایسی خصوصیت ودیعت کر رکھی ہی کہ اسکے باعث ان دونون کے کام ہمیشہ ایک ہی وقت پر بغیر باہمی اثر ڈالے از خود ہوتے رہتے ہین۔

ثنویت کی اس شاخ کا لائبنٹز نے اوپر خاتمہ ہو گیا۔ اسکے بعد انیسوین صدی مین جو ثنویین پیدا ہوے، مثلاً کومٹ، مل، اسپنسر، بین، جیمس، ونٹ وغیرہ یہ لوگ بھی اگرچہ جسم اور نفس، دو مختلف چیزون کے وجود کے قایل ہین،

تاہم یہ اس مسئلہ پر خالص فلسفی و نظری حیثیت سے بحث نہین کرتے، بلکہ اس امر کو تسلیم کرکے کہ ہم انکی اصل ماہیت سے واقف نہین، ان دونون کے طرز تعلیم پر علم النفس کے نقطۂ خیال سے نظر کرتے ہین، جس کا کسی قدر تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

ثنوئیین کے بخلاف، وحدئیین اس امر کے قایل ہین کہ عالم صرف ایک چیز سے مرکب ہے، اور عالم مین جو تنوع نظر آرہا ہے یہ سب اسی واحد ہستی کے مظاہر مختلف ہین۔ پھر وحدئیین کے بھی دو بڑے گروہ ہین، ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ کائنات کی علت صرف مادہ ہے، یہ گروہ مادئیین کہلاتا ہے۔ دوسرا اس امر کا مدعی ہے کہ اصل شے روح ہے یہ جماعت روحانئیین کی جماعت کہلاتی ہے۔

مادیت اور فلسفہ توام ہین[۱] لیکن افسوس ہے کہ قدیم مادئیین کے تفصیلی عقائد، انکی تصانیف کی گم شدگی کے باعث آج دنیا سے ناپید ہین۔ تاریخ سے اسوقت جس سب سے پرانے مادی کا پتہ چلتا ہے، وہ دیمقراطس تھا۔ اسکے عقاید یہ تھے کہ بجز مادہ کے اور کوئی شے مستقل ہستی نہین رکھتی۔ مادہ قدیم ہے یعنی یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اسمین خلق و فنا کی گنجایش نہین، مادہ کے ساتھ اسکے خواص بھی قدیم ہین، جن مین سے ایک خاصہ، حرکت بھی ہے۔ حیات اور اسکے ساتھ کی وہ تمام کیفیات، جنھین عوام روحانی یا ذہنی کہتے ہین یہ سب حرکت کے مختلف اقسام ہین۔ مادہ نہایت باریک ذرات کی صورت مین، جو خود ناقابل تجزی ہین، تمام فضا مین منتشر ہے۔ یہ ذرات مختلف تعداد دن مین، مختلف ترتیب کے ساتھ باہم ملتے ہین، تو اس کیفیت کو حیات کہتے ہین، اور جب یہ ترکیب پراگندہ ہو جاتی ہے، اسی کو موت سے تعبیر کرتے ہین۔

دیمقراطس یونانی کے بعد، مادیت کا سجادہ ایک عرصۂ دراز تک خالی رہا، یہانتک کہ سترھوین صدی مین ہابس نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، وہ خالص فلسفیانہ حیثیت سے نہین بلکہ علم النفس کے نقطۂ خیال سے تحریر کیا ہے اسلیے اس موقع پر ہم اسکے ذکر سے قطع نظر کرتے ہین۔ ہابس کے بعد ہولبک ولیمٹری نے اس مذہب کو خوب فروغ دیا، ان لوگون کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ حرکت کی، جو مادہ کا ایک خاصہ غیر منفک ہے، دو قسمین ہین:۔ ایک وہ حرکت، جس مین کوئی جسم کسی خارجی قوت سے متاثر ہوتا ہے، اور جو ہمین محسوس ہوتی ہے، مثلاً اگر ہم کسی چیز کو اسکی جگہ سے ہٹاوین، تو یہ اسی قسم کی حرکت ہوگی۔ دوسرے وہ حرکت جو ایک ہی جسم کے ذرات مین، اندرونی طور پر از خود ہوا کرتی ہے، اور جو ہمین محسوس نہین ہوتی، مثلاً کوئی چیز جب سڑتی ہے، تو اسمین اسی ہی حرکت ہوتی ہے۔ انسانی دماغ کے اندر اس آخر الذکر قسم کی حرکات از خود ہوا کرتی ہین، اور انھین کے نتائج کا نام شعور، ادراک، ارادہ وغیرہ ہے اور چونکہ محض ان حرکات کے تسلیم کرلینے سے ذہنی یا تمام نہاد روحانی کیفیات کی پوری توجیہ ہوجاتی ہے اسلیے کسی علحدہ ہستی، روح کا وجود فرض کرنا فضول ہے۔ پھر ایک اور دلیل بھی وجود روح کا بطلان کرتی ہے، وہ یہ کہ لوگون کی عقل و فہم، ذہن و ذکاوت، مزاج و طبیعت مین جو کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، اسکی کامل توجیہ اختلاف صحت، اختلاف

[۱] مشہور مورخ مادیت لینگ کہتا ہے کہ مادیت کی عمر فلسفہ کے برابر ہے، گو اس سے زیادہ نہین" دیکھو Lange's History of materialism جلد ۱

توارث، اختلاف آب وہوا، اختلاف تعلیم، اختلاف مرز بوم، غرض صرف مادی اختلافات کی بنا پر ہوسکتی ہے، حالانکہ اگر روح کا وجود ہوتا، تو یہ لازمی تھا، کہ اسکا مخالفانہ یا موافقانہ اثر بھی ضرور پڑتا، لیکن اسکی کوئی شہادت نہین ملتی۔

مادیت کو معراج کمال پر پہنچانے والے افراد یہ تھے :۔ ووگٹ، بوشنر، ومولشاٹ، اوران مین بھی علی الخصوص بوشنر جیسے اس شریعت کا پیغمبر کہنا ناموزون نہوگا۔ یہ لوگ انیسوین صدی کے وسط مین زمرۂ مصنفین مین داخل ہوئے جبکہ علم افعال الاعضا کی تحقیقات کا شباب تھا۔ اس علم کے قوانین سے مدد لے کر انھون نے یہ دعویٰ کیا، کہ جب ہر عضو کے لیے ایک وظیفۂ طبعی مخصوص ہے، مثلاً آنکھ کے لیے بصارت، کان کے لیے سماعت، تو کوئی وجہ نہین کہ دماغ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہو، اسکا وظیفۂ طبعی فکر ہے، اور یہی وہ چیز ہے جسے نفوسیین، روح کا امتیازی خاصہ قرار دیتے تھے، حالانکہ درحقیقت یہ غیر مادی معلول (یعنی فکر) اسی طرح ایک مادی علت (یعنے دماغ) سے پیدا ہوا ہے، جس طرح کہ بصارت وسماعت کی غیر مادی کیفیات آنکھ اور کان کی علل مادی سے ایک سوال یہ ہے کہ کس طریقہ سے دماغ فکر کو پیدا کرتا ہے؟ اسکا جواب ہے کہ ویسے ہی جیسے جگر رطوبت کبدی کو، معدہ رطوبت معدی کو، اور لبلبہ صفرا کو پیدا کرتا ہے یعنے مغز کے ذرات مین ایک خاص طرح کی حرکت ہوتی ہے، اور اس سے افکار ظہور مین آتے ہین۔ صرف اس حالت مین ہمین کسی شے کا وجود تسلیم کرنے کی ہدایت کرتی ہے جب بغیر اسکے کسی واقعہ کی توجیہ ناقص رہ جاتی ہے لیکن چونکہ روح کا علحدہ وجود فرض کیے بغیر بھی اعمال ذہنی کی پوری توجیہ ہوجاتی ہے، اسلیے اسکا وجود تسلیم کرتے رہنا ایک توہم پرستی ہے۔

روحانیئن مین اکابر حکما، حضرات ذیل خیال کیے جاتے ہین، اسپینوزا، برکلی، فختے، شیلانگ، اور ہیگل۔

اسپینوزا، جو روحانیت کا سالار عسکر ہوا ہے، اسکا معتقد تھا، کہ اصل قایم بالذات شے صرف ایک ہے یعنے خدا۔ وہ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس جوہر کے دو نوعی اعراض ہین، ایک عرض مادی ہے، اور دوسرا روحانی۔ جب وہ اپنے تئین اعراض مادی کے ساتھ جلوہ گر کرتا ہے، تو اسے مادہ کہا جاتا ہے، اور جب اعراض روحانی کے پردہ مین وہ ظہور کرتا ہے تو روح کہلاتا ہے۔ وہ روح یا مادہ کسی چیز کو خلق نہین کرتا، بلکہ یہ دونون اسکے مظاہر ہین، جنکے ذریعہ سے انسان اسکا علم حاصل کرسکتا ہے۔ اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہین کہ عالم دو مختلف الاشیا روح اور مادہ سے مرکب ہے، کیونکہ دراصل یہ دو مختلف ومستقل ہستیان ہی نہین، بلکہ ایک ہی ذات کے دو مظاہر، ایک ہی تصویر کے دو رخ، ایک ہی نور کے دو پرتو ہین، اور وہ ذات واحد ذات باری ہے، جو تمام عالم کے مجموعہ کے مرادف ہے، اور اسکے ایک ایک ذرہ مین سرایت کیے ہوئے۔ امتداد جو مادہ کا، اور فکر جو روح کا وصف امتیازی سمجھا جاتا ہے، یہ دونون اسکی ذات مین جمع ہین، امتداد غیر مرئی کا نام فکر ہے، اور فکر مرئی کا نام امتداد۔ مادہ اور روح چونکہ لازم وملزوم ہین، اسلیے کوئی شے دنیا مین غیر ذی حیات نہین کہی جاسکتی۔ خدا ممتد وغیر محدود ہے مگر غیر محدود ہونے کے ساتھ ناقابل انقسام بھی ہے۔ اسلیے کہ اگر اسکی تقسیم ہوسکے، تو اسکے اجزا یا تو خود غیر محدود ہونگے اور یا محدود۔

اگر اجزا محدود ہونگے تو کل کا محدود ہونا لازم آتا ہے، اور اگر وہ بھی غیر محدود ہونگے، تو مختلف ہم ماہیت چیزون کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا، اور یہ محال ہے، کیونکہ متعدد ہم ماہیت چیزون کی بنا اختلاف یا تو اختلاف اعراض ہوگا، یا اختلاف مظاہر، مگر شق اول اختیار کرنے کے یہ معنی ہین کہ ہر ذات اپنے اپنے اعراض کے ساتھ اپنا جداگانہ وجود رکھتی ہے، اور اس سے ہمارے دعوی کو کوئی نقصان نہین پہنچتا، اور شق ثانی اگر تسلیم کی جائے، تو یہ ماننا پڑے گا، کہ کوئی ذات اپنے مظاہر سے معرا ہے (کیونکہ ذات کا وجود مظاہر کے وجود پر مقدم ہے) اور یہ تسلیم کرنا گویا اسکا اعتراف کرنا ہے، کہ اس ذات کو دوسری ذات سے ممتاز کرنے والی کوئی شے نہین۔

اس بنا پر خدا کو بہر حال غیر محدود و ناقابل انقسام تسلیم کرنا چاہیے، جسکے محدود مظاہر تمام موجودات عالم ہین۔

اسپینوزا کے مذہب کا بنا اگرچہ تمام تر وحدت وجود کے مسئلہ پر ہے، تاہم اسکے خیالات کی تلخیص بالا پڑھکر یہ شبہ ناظرین کے دل مین باقی رہ گیا ہوگا، کہ اسکے "وجود واحد" مین مادیت کا پلہ بھاری ہے یا روحانیت کا؟[1] لیکن برکلے نے اس ابہام کا پردہ بھی بالکل اٹھا دیا، وہ کہتا ہے کہ جب ہم "مادہ" کا لفظ زبان سے نکالتے ہین تو اس سے کیا مراد لیتے ہین؟ ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر ہمارا منشا یہ ہوتا ہے، کہ ایک جوہر یعنے قائم بالذات ہستی کا وجود ہے، جسکے ساتھ چند اعراض غیر منفک ہین، مثلاً امتداد، صلابت، رنگ، وغیرہ۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام اعراض اپنے وجود کے لیے ایک روح یا ذہن کے محتاج اور اسپر مبنی ہین۔ انکا وجود اور انکی محسوسیت مرادف الفاظ ہین، یعنے اگر کوئی انکا محسوس کرنے والا نہو، تو اس صورت مین انکے وجود کا دعوی کرنا، ایک بے معنی دعوی ہے۔ مثلاً رنگ، کہ اسکے متعلق ہر شخص کو تسلیم ہے کہ اسکا کوئی وجود خارجی نہین ہوتا بلکہ محض ذہنی ہوتا ہے، چنانچہ ایک شے کو اگر آفتاب کی تیز روشنی مین دیکھین، پھر اسی کو سایہ مین لیجا کر دیکھین، تو ان دونون حالتون مین اسکے رنگ مین ضرور کچھ تفاوت نظر آئے گا، اور اگر اسی شے کو تاریکی مین دیکھنا چاہین، تو کوئی رنگ نہ نظر آئے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ رنگ کا کوئی خارجی وجود نہین، بلکہ دیکھنے والے کی حالت ذہنی کے تابع ہے۔ یہی حال دیگر اعراض مادی کا ہے، مثلاً صلابت، کہ ایک چیز ایک کمزور شخص کو نہایت سخت معلوم ہوتی ہے، مگر ایک پہلوان کے نزدیک وہ نہایت نرم ہوتی ہے؛ یا مثلاً جسامت اور قد و قامت، کہ ایک قلعہ کو اگر ہم اسکے اندر سے دیکھین، پھر باہر اسکے ایک گوشہ مین کھڑے ہو کر دیکھین، اور پھر ایک مرتبہ اسکی بلند ترین چوٹی پر کھڑے ہو کر اسے دیکھین، تو ہر دفعہ اسکی ایک جداگانہ اقلیدسی شکل نظر آئے گی، یا وہی شے جو دور سے بہت چھوٹی معلوم ہوتی ہے، جب اسکے متصل آکر دیکھیے، تو بہت بڑی دکھائی دیتی ہے۔ ان سب مثالون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رنگ، مزہ، بو، صلابت، جسامت، قد و قامت، ثقل وغیرہ تمام اعراض مادی کا وجود، انکی محسوسیت سے مختلف کوئی چیز نہین۔ وہ ایک اعراض، جو بیک نظر اس کلیہ کے تابع نہین معلوم ہوتے، در اصل وہ بھی مستثنے نہین، مثلاً ثقل

---

[1] اسپینوزا کے عقاید کی تفصیل کے لیے ناظرین کو اس آرٹکل کا انتظار کرنا چاہیے، جو صرف اسپینوزا کے مسئلہ وحدت وجود پر ہوگا۔

وپیمایش، کہ انسان انھین ظاہرا بہت حقیقی چیزین خیال کرتا ہے، لیکن کیا واقعی یہ اعتبارات واضافیات کے اثر سے آزاد ہین؟ کیا یہ واقعہ نہین، کہ ایک ہی شے ایک وقت مین ایک گز بھی ہوتی ہے، تین فٹ بھی، ۳۶ انچ بھی، اور $\frac{1}{1760}$ میل بھی؟ اور کیا اس سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ شمار وپیمایش کا دارومدار شمار کنندہ کے مختلف نقطہ ہاے خیال کے اوپر ہے؟ غرض جب یہ مسلم ہوچکا، کہ اعراض بذات خود کوئی مستقل ہستی نہین رکھتے، بلکہ اپنے وجود کے لیے تمام تر ایک محسوس کرنے والے ذہن کے تابع ہین، تو اب سوال یہ ہے کہ اعراض کو حذف کردینے کے بعد، مادہ کا اطلاق کس چیز پر ہوسکتا ہے؟ عام خیال یہ ہے کہ اعراض کی حامل ہونے کے لیے ایک قائم بالذات شے کا وجود ضروری ہے، لیکن خود ذہن ہی کو حامل اعراض کیون نہ قرار دے لیا جائے؟ اور اس صورت مین کسی وجود خارجی کے تسلیم کرنے کی حاجت نہین رہتی۔

برکلے کے بعد، مادیت کی طرح روحانیت نے بھی نشو ونما جرمنی مین پایا۔ یہان جن لوگون کی زبانون نے اس مذہب کا خطبۂ مقبولیت عام کے ممبر پر پڑھا، وہ فختے اور شلانگ تھے۔ فختے کہتا ہے، کہ اگر کسی معمولی آدمی سے یہ سوال کیا جائے، کہ مثلاً یہ کتاب جو سامنے رکھی ہوئی ہے، اسکے محسوس کرنے کے لیے کن شرائط کا وجود ضروری ہے؟ تو وہ جواب دیگا، کہ تین چیزون کا: یعنے ایک خود اسکی ذات کا، جسے اصطلاح مین "ایغو" کہتے ہین[۱]، دوسرے کتاب کا، اور تیسرے کتاب کے تصور کا، جو اسکے ذہن مین پیدا ہوگا۔ لیکن "کتاب" اور "کتاب کے تصور" کو دو جداگانہ چیزین قرار دینا صریحی مغالطہ ہے، ایسے موقع پر ہم کو صرف ایک شے کا علم ہوتا ہے، خواہ ہم اسے کتاب کہین یا کتاب کے تصور سے تعبیر کرین۔ اب سوال یہ ہے، کہ یہ تصور کہان سے آیا؟ عام خیال یہ ہے، کہ خارج سے ایک چیز (یعنی کتاب) ہمارے ذہن یا ایغو کو متاثر کرتی ہے، اور یہ تصور اسی کا نتیجہ ہے۔ لیکن کیا یہ جواب صحیح ہے؟ کیا تجربہ اسکی تصدیق کرتا ہے؟ کیا ہمین اپنی ذہنی حالت کی طرف رجوع کرنے سے اسکی تائید بہم پہنچتی ہے؟ ہمارا تجربہ تو ہمین یہ بتاتا ہے، کہ یہ "خارج" یا "غیر ایغو" کا تصور بھی ہمارے ذہن یا ایغو کا پیدا کردہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خارج یا غیر ایغو، بذات خود کوئی ہستی نہین، بلکہ ایغو ہی کے ایک خاص طریقۂ فعلیت کا نام ہے، اور انسان جن چیزون کو خارج مین موجود سمجھتا ہے، دراصل مین انکا وجود محض ذہنی ہوتا ہے۔ قوت تخئیل کا وجود جسکی بنا پر انسان نہایت عجیب عجیب چیزون کا تصور کیا کرتا ہے، ہر شخص کو مسلم ہے، پس جس طرح انکا وجود صرف خیالی ہوتا ہے، اور خارج مین نہین، بالکل اسی طرح، اس تھیوری کے مطابق، ہر چیز کا وجود محض ذہنی ہے۔ اس مذہب کو روحانیت انغوئی کہتے ہین

[۱] "ایغو" اور اس کے مشتقات آیندہ بار بار آئین گے، اسلیے اسکا مفہوم یہان اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیے۔ یہ لفظ معرب ہے (Ego) کا جو اسی صورت کے ساتھ یورپ کی اکثر علمی زبانون (مثلاً جرمن، لیٹن، انگریزی) مین مشترک ہے۔ ایغو کے معنی ہین صاحب شعور ذات، یا ہستی مدرک کے۔ یہ خارج کا ضد ہے۔ اسکے لیے دوسرا لفظ "انا" بھی استعمال ہوسکتا ہے۔

جس طرح فختے کا مذہب برکلے کے مذہب سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے، اسی طرح شیلانگ اسپینوزا کے چراغ کو روشن کرنے والا ہے۔ شیلانگ کا عقیدہ بھی مثل فختے کے یہ ہے کہ غیر الیغو کا وجود الیغو ہی کی فعلیت کا نتیجہ ہے اسلیے کہ جب مین نے یہ تصور کیا کہ "مین ہون" تو اس تصور کے معنی ہی یہ ہین، کہ مین دوسری چیزون سے علٰحدہ وممتاز ایک ہستی رکھتا ہون، گویا الیغو کا تصور غیر الیغو پر لازمی طور سے مشتمل ہے لیکن شیلانگ اس پر اتنا اضافہ کرتا ہے کہ اس سے غیر الیغو کا وجود اگرچہ الیغو پر مبنی ثابت ہوا، لیکن اس سے یہ کیونکر لازم آتا ہے کہ خود الیغو کوئی مستقل وحقیقی ہستی رکھتا ہے۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ الیغو اور غیر الیغو، دونون اپنے وجود کے لیے ایک تیسری ہستی مطلق کے محتاج ہین۔ یہ ہستی مطلق روحانی الاصل ہے جسکے دو انتہائی سرون پر الیغو اور غیر الیغو ہین۔ یہ دونون، اس ہستی مطلق سے خلق نہین ہوتے، بلکہ گویا اسکے ایجابی وسلبی مظاہر ہین جس وقت انسان اپنے الیغو سے کام لینے لگتا ہے یعنے ہستی مطلق کا مظہر ایجابی مہبط فعلیت ہوتا ہے تو ساتھ ہی اسکا سلبی پہلو بھی معرض ظہور مین آجاتا ہے، یعنی غیر الیغو کا تصور بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ اس بنا پر غیر الیغو اور الیغو، مادہ اور نفس، جسم اور روح، یہ سب متحد الحقیقت چیزین ہین، اور ہستی مطلق کے، مساوی درجہ کے، مظاہر ہین۔ فختے کے نظریہ کے مقابلہ مین یہ نظریہ روحانیت خارجی کہلاتا ہے۔

روحانیت کی سب سے زیادہ عجیب اور بعید از فہم وہ تعبیر ہے، جو ہیگل نے کی ہے۔ اپنے پیشرو شیلانگ کی طرح وہ بھی اس امر کا قائل ہے کہ الیغو اور غیر الیغو ہم ماہیت چیزین ہین۔ لیکن اسکے آگے وہ اپنا مجتہدانہ نظریہ یہ پیش کرتا ہے کہ اجتماع نقیضین صرف ممکن ہی نہین بلکہ دو متناقض چیزین ہمیشہ ایک ہی معنی پر دلالت کرتی ہین۔ مثلاً وجود، کہ کسی خاص و متعین وجود کو نہ لو، بلکہ وجود محض، وجود مجرد کو لو، اور دیکھو کہ کیا مفہوم کے لحاظ سے اسمین اور عدم محض مین کچھ بھی فرق ہے یا ایک مادی مثال، روشنی کی لو، اور فرض کرو کہ ایک روشنی ایسی ہے، جو نہ یہان ہے نہ وہان، نہ تیز ہے نہ مدہم، نہ یہ رنگ رکھتی ہے نہ وہ، تو کیا ایسی روشنی مین ہم کچھ بھی دیکھ سکتے ہین ؟ کیا ایسی روشنی عملاً تاریکی کی مرادف نہین؟ اس بنا پر الیغو و غیر الیغو، وجود و عدم، مرادف الفاظ ہین، لیکن چونکہ "وجود" کے وجود سے انکار کرنا بداہتہً ناممکن ہے اسلئے "عدم" کے وجود سے بھی انکار نہین کیا جا سکتا گویا "وجود" کی طرح "عدم" بھی وجود ایجابی رکھتا ہے۔ اب غور کرو کہ اپنی روزانہ زندگی مین ہم موجود و معدوم کے درمیان کیا شے مابہ الامتیاز قرار دیتے ہین؟ صرف وہ شرائط یا اوصاف جنکے ساتھ ہم کسی موجود شے کو متصف کرتے ہین، چنانچہ مثال بالا مین اگر ہم نور مجرد پر چند قیود کا اضافہ کردین، یعنے یہ کہ روشنی فلان مقام پر ہے، بہ قدر تیز ہے، فلان رنگ رکھتی ہے، تو نور کا تصور ظلمت کے تصور سے ممتاز ہوجائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مجرد الیغو اور غیر الیغو بے معنی و غیر حقیقی چیزین ہین، تا وقتیکہ ان کے درمیان کچھ قیود یا شرائط نہ پیدا کیے جائین۔

گویا اصل حقیقی شے، صرف وہ تعلق یا وہ نسبت ہی جو ایغو اور غیر ایغو کے درمیان پائی جاتی ہے، اور وہ حقیقی شے، جب اپنے تئین معرض ظہور مین لانے لگتی ہے، تو یہ دونون چیزین اسکے لیے بطور آلات و وسائل کے کام دیتی ہین۔ یہ تعلق یا نسبت، جو اصل حقیقت ہی، محیط کل ہے یعنے تمام کائنات اسی کی جلوہ گاہ مظاہر ہے، اور یہی خدا ہے۔ اس مذہب کا اصطلاحی نام روحانیت مطلق ہے۔

ہیگل کے ساتھ، وحدانیت کی یہ شاخ بھی ختم ہوتی ہے۔ اسکے بعد جو حکما پیدا ہوئے انھون نے اسرار عالم پر اس سے مختلف حیثیات سے نظر کی، نئے نئے سوالات تراشے اور نئے نئے جوابات دیے، جنکا ذکر اگلے نمبر مین آئے گا۔ اور گو اسمین شبہ نہین کہ ان متاخرین حکما مین بھی بعض نے دبی زبان سے روحانیت کی تائید کی ہے، مثلاً پروفیسر جیمس (متوفی سنہ ۱۹۱۰ء) اور ونٹ (جو ابھی زندہ ہے) جو نہ صرف روح و مادہ دونون کے وجود کے قائل ہین، بلکہ علی العموم اپنی تحریرون مین ثنویت کے زبردست وکیل ہین، مگر اسکے ساتھ ہی کہین کہین روحانیین کی بولی بھی بول گئے ہین[۱]، لیکن چونکہ انھون نے کہین اس کا صراحت کے ساتھ دعویٰ نہین کیا، بلکہ اپنی تصانیف کے اکثر حصون مین عام ثنویین ہی کے ہم عقیدہ ہین، اس لیے ہم انکے اس خفیف تناقض بیان کو مقتضاے بشریت سمجھ کر نظر انداز کرتے ہین۔ زندہ حکماے یورپ مین اس وقت شہرت کا تاجدار برگسن ہے۔ یہ حکیم اگرچہ اس حیثیت سے ہیگل کا متبع کہا جا سکتا ہے، کہ اسکے نزدیک کائنات کا عنصر حقیقی، عدم یا وجود نہین، بلکہ صرف حالت تکوّن ہے، یعنے وہ حالت یا کیفیت، جس مین اشیا موجودیت و معدومیت کے درمیان متکوّن ہوتی ہین، تاہم چونکہ یہ مادہ اور روح دونون کی مستقل و علحدہ ہستیون کا قائل ہے، اس لیے اسکا شمار ثنویین کے ساتھ زیادہ موزون ہے۔ برگسن کے خیالات و نظریات، چونکہ ابھی پوری پختگی کو نہین پہنچے ہین، بلکہ (اسی کی اصطلاح مین) ابھی حالت تکون مین ہین، اس لیے ہم اس موقع پر اسکے خیالات کی تلخیص کرنا مناسب نہین سمجھتے۔

عبد الماجد

فلسفہ ہماری مسرت مین کوئی اضافہ نہین کر سکتا سواے اس صورت کے کہ وہ ہماری مصیبتون کو کم کر دے۔ اُسکو یہ ہدایت نہ کرنا چاہیے کہ وہ ہمارے مال مین توفیر کریگا بلکہ جو کچھ ہمارے پاس ہی اُسکے صرف مین ہم کو کفایت شعار بنانا چاہیے۔ معصیت کا سب سے بڑا ذریعہ افسوس اور امیدین۔ پس وہ شخص نہایت ہی عقلمند ہوگا جو ماضی و مستقبل سے بے پروا ہو کر صرف زمانۂ موجودہ کا خیال کرے۔ مسرت کی زندگی بسر کرنے والے سے یہ ممکن نہین بعد کاروباری آدمی کے لیے دشوار ہے البتہ فلسفی ایک حد تک اس درجہ پر پہونچ سکتا ہے۔ کیا خوشی ہوتی اگر ہم سب فلسفی پیدا ہوتے اور سب کو یہ قدرت حاصل ہوتی کہ اپنے افکار کو دور کر کے تمام بنی نوع انسان مین منتشر کر دیتے۔ "گولڈ اسمتھ"

[۱] ملاحظہ ... Human Immortality ... بعض اشارات کیے ہین

نیرنگِ جمال

کا

تیسرا رخ

(سلسلہ کے لیے دیکھو الناظر نمبر ۴۱ مورخہ یکم نومبر ۱۹۱۲ء)

ٹرین چھوٹ جانے کے بعد عاشق اپنی انجان معشوقہ کی یاد اور اُس کے فراق سے ایسا بے حواس ہوتا ہے کہ جنون کے جوش مین اپنے خیال سے باتین کرتے کرتے گھر بار تج کے جنگل کی راہ لیتا ہے۔

لگی ہے آگ دل مین اس کو کس طرح بجھاؤن مین
کہین اُتر پڑی ہو "وہ" کہان اب اُس کو پاؤن مین

ٹرین جس طرف گئی اُسی طرف کو جاؤن مین
مگر ہے لائن منزلون کی۔ کیا پتا لگاؤن مین

وہ شکل دل مین ہو مگر وہ رخ نظر سے دور ہے
جو دور ہے تو ہو۔ مرے خیال مین ضرور ہے

نگاہ ناز کچھ ادھر سے کچھ اودھر سے لے گئی
سکون دل سے لے گئی۔ لہو جگر سے لے گئی

وہ زور تن سے لے گئی۔ وہ ہوش سر سے لے گئی
تمام چیزین لوٹ کر وہ میرے گھر سے لے گئی

کرو جو فرض مجھ کو گھر تو گھر مین کچھ نہین رہا
رہا تو داغ عشق کا۔ یہی کہین کہین رہا

مرے سکوت مین ہو نالہ۔ اُس کی چپ مین آہ ہے
مجھے بھی اُسکی چاہ ہے۔ اُسے بھی میری چاہ ہے

نظر نظر کی آشنا ہے۔ دل سے دل کو راہ ہے
کشش کا عشق ادھر گواہ حُسن اودھر گواہ ہے

وہ غم کی چوٹ اپنے دل پہ سہ رہی تھی کچھ نہ کچھ
خموشی اُسکی چتونون سے کہہ رہی تھی کچھ نہ کچھ

یہ کہتی تھی ادا کہ دل کے لینے کی یہ گھات ہے
یہ کہتی تھی حیا کہ اُس کے دل مین کوئی بات ہے

یہ کہتی تھی نظر کہ تم پہ چشم التفات ہے
یہ کہتی تھی وہ زلف۔ لوٹ لون گی مین کہ رات ہے

یہ کہتے تھے وہ لب۔ ہو دل پہ دانت۔ اسکو لینگے ہم
یہ کہتے تھے وہ دانت۔ دل کو پا کے پیس دینگے ہم

وہ ترچھی چتون اور وہ نظر بچا کے دیکھنا
وہ ٹیڑھی گردن اور ادھر کو مسکرا کے دیکھنا

وہ اس طرف کو جا کے پھر ادھر کو آ کے دیکھنا
وہ چشم نیم باز کی ادا دکھا کے دیکھنا

وہ آنچل اُسکے سر کا رخ کی سمت کچھ جھکا ہوا
وہ پیار کا نظارہ کچھ حجاب سے رُکا ہوا

وہ عشق پر نگاہ لطف حُسن دل نواز سے
وہ تیوریان چڑھی ہوئی شکن جبین پہ ناز سے

وہ پتلیون کا کچھ ظہور چشم نیم باز سے
وہ دل کا راز کھولنا نگاہ عشوہ ساز سے

وہ رُخ اودہر۔ مگر اودہر بھی اک ذرا پھرا ہوا
وہ بال جن مین گھونگھر ان مین دل مرا گھرا ہوا

مجھی سی اور رکی سی میرے سامنے کھڑی تھی وہ
جو دانت اُسکے لب پہ تھے تو سوچ میں پڑی تھی وہ
اثر یہ صرف عشق کا تھا۔ اور کچھ کبھی نہ تھا

جب آئی تب تھی لال لال۔ زرد اب کھڑی تھی وہ
نظر تر آب اشک سے تھی مجھ سے جب لڑی تھی وہ
کہ رنگ اُسکے رخ پہ جو ابھی تھا وہ ابھی نہ تھا

یہ دیتا تھا کھنچاؤ اُسکے جسم کا مجھے خبر
اگرچہ اُسکی اوڑھنی پڑی تھی اُس کے جسم پر
وہ چپ تھی۔ اور میری شکل آنکھوں میں کھبی ہوئی

کہ ضبط غم سے لے رہی ہے سانس کھینچ کھینچ کر
مگر نفس سے۔ مدّ و جزر صاف آتا تھا نظر
غریب لے رہی تھی سانس بار بار اُبلی ہوئی

جو ڈبڈباتے اُس کے اشک ضبط درد سے کبھی
ٹرین چھوٹنے کی گھنٹی اتنے میں جو بج گئی
ہلی کچھ اُٹھ کے اُسکی اُنگلی اور ہل کے رہ گئی

تو گرد کے بہانے مُنہ کے ساتھ آنکھیں پونچھتی
تو چند لمحوں کی امید بھی مٹی رہی سہی
یہ کہہ رہا ہے دل کہ کچھ اشارے سے وہ کہہ گئی

چمک رہی تھیں چلتے وقت حسرتیں نگاہ سے
وہ دے رہی تھی یہ پیام ہچکیوں کی راہ سے
نگاہ کہتی تھی۔ جو پھر ملو تو دیکھ بھال لوں

کسے تھے لب کہ کام اُنہیں پڑا تھا ضبط آہ سے
کہ لے چلی ہوں دل بھرا ہوا تمہاری چاہ سے
بلا کی سحر ساز ہوں۔ میں جان تک نکال لوں

وہ چلتے چلتے کا ہشین مرے جگر کو دے گئی
وہ چلتے چلتے داغ دل کو۔ درد سر کو دے گئی
وہ مجھ سے۔ مجھ کو لے گئی۔ میں ہاتھ مل کے رہ گیا

وہ چلتے چلتے حسرتیں مری نظر کو دے گئی
وہ چلتے چلتے پُر چک آدبے اثر کو دے گئی
ٹرین چل کھڑی ہوئی تو دل اُچھل کے رہ گیا

تھی کوئی بات زیر لب کہ اُسکے لب ہلے تھے کچھ
حیا کے پردے میں نہاں ضرور حوصلے تھے کچھ
مجھے وہ جھانکتی گئی تھی بے قرار دور تک

دبے دبے ہلے تھے وہ۔ کھلے تھے کچھ۔ ملے تھے کچھ
میں ساتھ ہی چلا نہ کیوں۔ اسی کے بس گلے تھے کچھ
کہ دل کو کھینچتا رہا نظر کا تار دور تک

وہ جھانکی دور تک مجھے جو نصف دھڑ نکال کر
غضب ہی ڈھا گئی وہ آخری نگاہ ڈال کر
گیا دل اُسکے ساتھ۔ دل کا ذکر اب جنون ہے

تو گرتے گرتے رہ گیا میں اپنا دل سنبھال کر
یہ مجھ سے کہہ گئی کہ بیٹھ غم کو دل میں پال کر
سمٹ کے خون جم گیا۔ یہ دل نہیں ہے خون ہے

جگر کا خون ہو چکا۔ سفر ہے کیا جگر کروں
مگر وطن سے دل ہٹا تو گھر میں کیا بسر کروں
خدا کا نام لے کے اب۔ وفا کو ساتھ لیکے اب

جگر کروں تو جستجو کہاں کروں کدھر کروں
ادھر پھروں۔ اودھر پھروں۔ کہیں پھروں سفر کروں
چلوں میں اپنے ہاتھ میں جنوں کا ہاتھ لیکے اب

جنوں میں گھر سے جی ہٹا تو آگ اب لگاؤں میں
جگر مٹا۔ لہو گھٹا۔ نیا کہاں سے لاؤں میں

خیال کس طرف بٹا۔ یہ کس طرح بتاؤں میں
جو غم سے رنگ رخ کٹا تو مُنہ کسے دکھاؤں میں

سلام اب ہی ہوش کو۔ جنون اُس کو کھو چکا
پیام اب ہے جوش کو کہ خون گرم ہو چکا

چلون نکل کے گھر سے اب۔ جہان ملے۔ وہین سہی
جو مل گئی تو مل گئی نہین تو کچھ نہین سہی

اجل نصیب ہی مین ہے۔ یہان نہین۔ کہین سہی
جو گور کو وطن نہین۔ تو دشت کی زمین سہی

یہان تو چین آ چکا۔ یہان تو اب مین رہ چکا
وطن کو خیر باد کہہ۔ جنون یہ مجھ سے کہہ چکا

جنون کی زد مین آگئی ہے میری قسمت او وطن
بڑھا وے دے رہی ہے آج مجھکو وحشت او وطن

پٹک چکا ترے ہی سر۔ تیری محبت او وطن
مین تجھ سے رخصت او وطن۔ مین تجھ سے رخصت او وطن

نظارہ گھر سے تنگ ہے۔ یہ خوش ہو تو فضا سی ہو
شگفتہ اب ہو دل ذرا تو دشت کی ہوا سے ہو

یہ باغ مجھکو داغ ہے۔ یہ نوکِ برگ۔ آرہ ہے
شجر سے کیا نہال ہون کہ جو ثمر ہے بار ہے

گلون سے ہے خلش کہ شاخ شاخ خار دار ہے
جلا ہوا ہے اس سے دل۔ انار کیا ہے۔ نار ہے

بنا ہے رنگ خون کا نظر مین رنگِ ورد آب
گلی سے دل ہے تنگ آب۔ ہوا ہے دل ہی سرد آب

یہ سازو برگ گرد ہے۔ یہ زر نظر مین کچھ نہین
ہزار چیزین گھر مین ہین۔ مگر نظر مین کچھ نہین

نظر مین "وہ" ہے تو ادھر ادھر نظر مین کچھ نہین
وہی نہین جو گھر مین تو یہ گھر نظر مین کچھ نہین

پڑے جو اوس گھر پہ تو بلا سے کوئی کیا کرے
اڑے جو خاک گھر مین تو ابھی اڑے خدا کرے

جنون تو چاہتا ہے یہ کہ آج ہی یہ گھر گرے
جو کوئی چیز ادہر گرے تو کوئی چیز ادہر گرے

مین دیکھ لون کہ چھت گری مین دیکھ لون کہ در گرے
مین دیکھ لون کہ جھاڑ چمن سے سب زمین پر گرے

یہ فرش فرش خاک ہو۔ یہ صحن صحن دشت ہو
بلا کا اس پہ وار ہو۔ فنا کا اس پہ گشت ہو

جنون نے خوب تاک کر۔ جنون نے خوب تاڑ کر
جمایا مجھ کو دشت پر وطن سے دل اکھاڑ کر

اڑا چکا مین دھجیان۔ لباس پھاڑ پھاڑ کر
بس اب تو چل کھڑا ہوا مین دامن اپنا جھاڑ کر

ہے خار یہ نہال گل۔ مجھے ببول چاہیے
جنون کا رنگ زرد ہے تو زرد پھول چاہیے (چل کھڑا ہوا)

(کوہستان کے جنگل مین)

یہ دشت جس کی ریت پر ہین خار دار جھاڑیان
یہ بیچ مین نشیب اور ادھر ادھر پہاڑیان

پہاڑیون کی گھاٹیون پہ چڑھ رہی ہین گاڑیان[1]
نشیب مین وہ کھیت جن مین چل رہی ہین ناڑیان[2]

یہ سبزہ لہلہا رہا ہے۔ سبز سب زمین ہے
وہ لالہ چھچھا رہا ہے۔ کیا مزے کا سین ہے

یہ گردِ چشمہ چشمہ۔ کیل[3] بن۔ قریب کوہسار ہے
کھڑے ہین سبز رنگ یا یہ پیڑون کی قطار ہے

ہوا سے برگ ہل رہے ہین۔ وجد مین بہار ہے
جنون زدہ ہین سب لباس ان کا تار تار ہے

[1] [illegible] — [2] ناڑی کھیت [illegible] — [3] کیل [illegible]

سیاہ پتھر اُس پہ آب صاف کی چمک ہے وہ | مسلسل اک لکیر کوہ سے زمین تک ہے وہ

یہ صاف صاف چشمہ جس مین پیرتی ہین مچھلیان | کبھی ہین سطح پر عیان۔ کبھی عمق مین ہین نہان

بدن سپید۔ پشت سبز۔ اُس پہ سرخ دھاریان | دُمون کی جنبشون سے ہین ادہر روان ادہر روان

وہ رُخ ہوا اُس طرف اُٹھا۔ وہ اُڑ کے بُوندے گیا | اُلٹ کے پھر پلٹ گیا۔ نظر کو لطف دے گیا

جو لین کیا ہری ہین۔ رام پھل ہین کس بہار کے | وہ پیڑ ساگون کے ہین۔ وہ ساج۔ وہ اچار کے

ہین کس قدر کٹیلے۔ پتلے پتلے پیڑ آرتہ کے | شجر لیفے گرد۔ بیچ مین ہین چند پیڑ انار کے

یہان تھی باولی کبھی کہ ہے نشان ابن جگہ | اُگنگے دیتے ہین پتا کہ تھا مکان اس جگہ

اُدھر وہ تیندوا اور ادھر یہ مین پھل بھی پھل چلے | کروندون مین ہین کچھ تو پھول۔ کچھ ثمر نکل چلے

انار خام ہین مگر یہ رنگ اب بدل چلے | بھلاوین مین بہت ہین پھل۔ کچھ کچھ ان مین پھل چلے

وہ چھتے شہد کے ہین۔ ہوگا شہد بھی بھرا ہوا | یہ مکھیان ستم کی ہین۔ مین ان سے ہون ڈرا ہوا

دکھا رہا ہے برگد اپنے بال سر سے پاؤن تک | حسین قد یہ ہے بلا کا جال سر سے پاؤن تک

ہے جوگیون کی شکل ڈھاک لال سر سے پاؤن تک | اچار مین ہین دل فریب خال سر سے پاؤن تک

یہ آملے کے پیڑ مین ہین آملے پھلے ہوئے | وہ گولر ان مین خام ابھی بہت ہین کم پکے ہوئے

اگن وہ بول اُٹھا ہے۔ کس بلا کا نغمہ زا ہے یہ | لٹورے کی صدا بھی خوش ہے۔ خود بھی خوشنما ہے یہ

یہ ڈال پر ہے دھیر اور کیا چہک رہا ہے یہ | وہ ایک مور آ رہا ہے۔ کتنا دلربا ہے یہ

ہزار ہا طیور ہین مین کس کا کس کا نام لون | صداؤن سے یہ چھین لین جو دل کو مین تھام لون

سپید شے اک آ رہی ہے وہ پہاڑ پر نظر | کُٹی کسی فقیر کی ہے شاید اوس پہاڑ پر

وہ گیروے لباس مین فقیر آئے چند اُدھر | وہ جلد جلد کھودنے لگے زمین بیٹھ کر

وہ کند کھودتے ہین بس ہے کھودنے کی شے وہی | غذا لطیف جنگلون مین کوئی نہ ہے تو ہے یہی

کرار مین وہ بونگ اوٹھا ہے سامر۔ این۔ یہ کیا ہوا | نکل گیا وہ نیل سامنے سے بھاگتا ہوا

ہے کیا سبب کہ بندرون مین یون ہے غل مچا ہوا | ضرور شیر آ پڑا اور ان کا سامنا ہوا

وہ دو سیار بول اُٹھے اُسی سے ڈر رہے ہین وہ | کہ سؤرون پہ جا پڑا کہ شور کر رہے ہین وہ

وہ ایک ریچھ آ رہا ہے۔ کیا بُری بلا ہے یہ | ستم کی چوٹ آ پڑی۔ غضب کا سامنا ہے یہ

مرا مچان پیڑ پر بندھا بھی ہے تو کیا ہے یہ | کہ چڑھ کے پیڑ پر بھی آدمی کو مارتا ہے یہ

مین چڑھ کے اپنے پیڑ پر یہ دو الو سنبھال لون | چھرا مچان پر ہے۔ اُسکو میان سے نکال لون

سلہ جوند لیتا ہو جو اور دیگر سوال وغیرہ مچھلیون کی فطرت مین ہے۔ اسی حالت مین یہ نہہ دق کی چوٹ کھاتی مین سلہ رام پھل شل خریفے کے جنگل کا ایک عمدہ میوہ ہے

وہ لکڑی ٹوٹی چٹ سے - کون واہنے سے آ پڑا — الٰہی توبہ - سامنے وہ کیا ہے تیندوا کھڑا
وہ ریچھ - اور تیندوا - ہے اِن کا سامنا کڑا — ملا تھا کل جو تیندوا - یہ اُس سے ہے بہت بڑا
وہ سونٹے کتے بول اُٹھے - وہ آیا اُنکا غول اودہر — نہ شیر کا - نہ ریچھ کا - نہ تیندوے کا آب ہے ڈر
فقیر نے جو دی تھین کل - وہ روٹیان نہین رہین — کہان تلک یہ پھول پھل - مین ڈھونڈھون گوشت اب کہین
ندی ہے اُس پہاڑ کی کرار مین - حیسلون وہین — ہین چیتل اُس طرف بہت - نہ ہو جو کچھ سینگا نہین
ریوالور بہت بڑا ہے - کام دے تبھی جائے گا — نہ ہل سکے گا جانور جو گولی اس کی کھائے گا
کہان کا چیتل - اور کہان کا چوسنگا - مین ہون کہان — مرا خیال جا پڑا - کہان سے - کیا کہون - کہان
وہ سر کی بد دماغیان - وہ تن کا جوش خون کہان — مین کیونکر آیا ہوش مین - چلا گیا جنون کہان
غذائے روح ہے یہی - فضا ادہر - فضا اودہر — نہ روک ہے - نہ ٹوک ہے - ہوا ادہر - ہوا اودہر
اودہر بہار دشت مین - اودہر بہار دشت مین — یہ جھاڑیان - یہ بیلین - یہ شجر - یہ خار دشت مین
غذاؤن کی کمی نہین کہ ہین ہزار دشت مین — یہ آب صاف دشت مین - یہ برگ و بار دشت مین
ہزار لطف ہین - مگر - جو "وہ" نہین تو کچھ نہین — ہوا کرین گل و ثمر - جو "وہ" نہین تو کچھ نہین
بس اب وہ یاد آگئی - خیال اودہر کو ہٹ گیا — نظر مین گال پھر گئے - دل اُن گلون سے ہٹ گیا
جگر کا خون ہو گیا - یہ چوٹ کھا کے پھٹ گیا — دماغ ادہر جو پھر گیا تو قلب اودہر اُلٹ گیا
یہ زندگی وبال ہے - یہ جان بار جسم کو — لہو ہے آگ جسم کو - نفس ہے خار جسم کو
کسی ثمر مین زہر ہو تو مین خوشی سے کھا مرون — ادہر جو شیر آب آ پڑے تو اُسکے منھ مین جا مرون
جو پھر مرا تو کیا مرا - ابھی مین اسے خدا مرون — مین آج بے اجل مرون - مین آج بے قضا مرون
اجل ضرور آئے گی - ابھی نہین - کبھی سہی — کبھی کا انتظار کیون - ابھی سہی - ابھی سہی
اجل اگر کرم کرے تو غم سے چھوٹ جاؤن مین — فرشتہ موت کا کہان ہے - کیونکر اُسکو پاؤن مین
بگڑ کے شیر ہو اودہا تو آج مجھ کو کھاؤن مین — چست اور مین تو ابھی کہ گو نہ مین سماؤن مین
وہ ہل سکے - مین ہل سکون - خیال وہ خیال ہے — وہ آسکے - مین جا سکون - محال وہ محال ہے
وفا مین مر رہا ہون مین - شجر شجر گواہ ہے — یہ برگ برگ شاہد اور ثمر ثمر گواہ ہے
یہ گھاٹیان - یہ کوہ کا حجر حجر گواہ ہے — طیور دیکھتے ہین سب - نظر نظر گواہ ہے
جو آئے کام تو ہے تجھ سے ایک کام اے ہوا — کہ شوق تک پہونچ کے کہہ مرا سلام اے ہوا

احمد علی شوق - قدوائی

جمیل وبثینہ

نمبر ۳

حسن - آپ کی بیعت کو مین اپنے لیے باعث برکت خیال کرون گا۔ کیونکہ آپ بزرگ اور درجہ مین بجاے والد کے ہین
اتنا کہکر وہ اس طرح خاموش ہوگیا گویا کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر حیا، بیکسی اور احساس نے اُسکی زبان روک دی۔

شیخ نے اس امر کو محسوس کرکے نہایت شفقت سے کہا کہو کہو جو تمھارے دل مین ہو۔ حجاب مت کرو۔ مجھے تم اپنا
خادم خیال کرو۔ ایسا خادم جو تمھاری ہر ایک خدمت بجالانے کو تیار ہو اور کسی امر مین اُسے عار نہو۔

حسن - جب آپ ازرہ شفقت یون فرماتے ہین تو اب مجھے کوئی امر اظہار حال سے مانع نہین ہوسکتا۔ اگرچہ زبان لحاظ
وغیرت سے اب بھی نہین کھلتی - تاہم امتثالاً للامر عرض کرتا ہون کہ مدینہ کے ایک غزال رعنا کی سرگین آنکھون نے
مجھپر جادو ڈالا ہے، اسلیے مدینہ سے جانے پر دل رضامند نہین ہوتا جبتک کہ اس حسینہ کی لطف صحبت سے کوئی بہرہ
نہ حاصل کرلون۔ مجروح دل کی بیقراریان جیسی کچھ پریشان کن اور مضطرب ہوا کرتی ہین اُسکا حال غالباً آپ سے
جہان دیدہ اور سرد وگرم چشیدہ بزرگ سے مخفی نہ ہوگا۔

شیخ رنجور - مین اس حال سے خوب واقف ہون۔ باقی آپ یہی چاہتے ہین کہ مین اس خصوص مین آپ کی ازدواجی
اور معاونت کا فخر یہ عہد کرون، کیا آپ مجھے یہ بتائینگے کہ اُس گل رعنا کا نام کیا ہے؟ اور اسکا کس خاندان سے علاقہ ہے؟

حسن - آپ سے چھپانا ہی کیا ہے وہ سمیہ بنت غرنجہ تقفی ہے۔ حسن اس جملہ کو ختم بھی نہ کرچکا تھا کہ شیخ کا چہرہ
حیرت سے زرد پڑگیا۔ خدا جانے اس نام مین کیا ایسا اثر تھا کہ اُسکے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اُسکے بدن مین ایک لرزہ
سا پیدا ہوا۔ جس سے اُسکی ریش مقدس بھی پھر پھرانے لگی۔ حسن اس کیفیت کو شیخ کے چہرہ سے تاڑ گیا، مگر اب کیے تو
کیا۔ ادہر شیخ اس خیال مین تھا کہ تعلق ایسے گھر کا ہے جس کا رئیس العائلہ نہایت پُرخطر خائن۔ اور بدطینت مشہور ہے۔
اور جس کے نہایت گہرے تعلقات طارق شریف مدینہ سے آج کل قائم ہو رہے ہین وہ کچھ کہنے کے لیے زبان کھولنا
چاہتا تھا۔ مگر پھر خود ہی زبان روک لیتا تھا۔

حسن - آپ کو کسی راز کے انکشاف یا خفایا کے سراغ لینے کی تکلیف نہدی جائے گی۔ اس واقعہ کی خبر آپ کو
کردی گئی بس یہ کافی ہے - صرف اسی قدر میری آرزو تھی اور حالات مین بعد دریافت اور عندیہ لینے کے عرض کرونگا

تمیمہ میری خطیبہ (منگیتر) ہے اور میرے اُسکے درمیان نہایت واثق وپختہ عہد ہے۔ جسے کوئی بڑی سی بڑی طاقت بھی متزلزل نہین کرسکتی۔

اسکے بعد دوسرے معاملات پر حسن مین اور اُس مین دیر تک محاوثت (گفتگو) ہوتی رہی۔ پھر سلسلۂ سخن کا رُکنا تھا کہ حسن کے خیالات اُسی عالم فکر و تردد مین ڈانوان ڈول ہو گئے۔ دل ہی دل مین اُس نے کہا "اگر عبداللہ مجھے مدینہ مین مل گیا تو اُس کو سامان سفر اور خالد کے خط کی تلاش و جستجو کے لیے یہان چھوڑ جاؤنگا۔ ورنہ اسکے سوا کیا چارۂ کار ہے کہ مضمون خط کو زبانی عبداللہ بن زبیر کے گوش گزار کرون گا۔

اس منصوبہ کے بعد وہ اُٹھا اور شیخ سے اجازت سفر کا خواستگار ہوا۔ شیخ نے اُس سے کہا "اس حالت مین کہ تمھین جانا ضروری ہے مین جانے سے مانع نہین ہوتا۔ مگر یہ رائے آپ کو ضرور دون گا۔ کہ اس وقت اُس راہ سے قصد سفر نہ کیجیے جس سے آپ آئے تھے۔ دوسرے راستہ سے جائیے۔ آپ کے ساتھ میرا خادم ہوگا۔ جو بجاے آپ کے خادم کے آپ کے اونٹ کی مہار لے چلے گا۔ آپ ذرا صبر کرین کہ مین اونٹ آپ کے لیے منگواؤن۔ دوسری عرض یہ ہے کہ اپنے محل مقصد تک مجھے اور سلیمان کو آپ اپنا خادم تصور کرکے قابل اعتماد خیال کرین"۔

بعد ازان بلال کہکر اُس نے آواز دی۔ تو ایک خفیف السواد حبشی غلام دست بستہ حاضر ہوا۔ جس کو شیخ نے حکم دیا کہ ایک اونٹ مع سواری کے تیار کرو۔ مشکیزہ پانی سے بھر لو اور زاد سفر باندھکر تیار ہو جاؤ۔ یہ حکم سُن کر خادم چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد آکر جواب دیا "سیدی! سب سامان تیار ہے"۔ اب شیخ نے حسن سے کہا "بسم اللہ آپ سوار ہون اور بلا توقف یہان سے روانہ ہو جائین۔ اور ہرگز ہرگز رستہ مین کہین نہ ٹھہرین۔ جبتک کہ مدینے سے کسی منزل پر نہ پہنچ جائین"۔

قطع کلام کرکے حسن نے کہا کہ ہان یہ بات میرے ذہن سے جاتی رہی تھی کہ مجھے راستے مین صبح کو ڈاک کے تین اونٹ بھی ملے تھے۔ مین جہان تک خیال کرتا ہون وہ مکہ سے آرہے تھے۔

شیخ رنجور۔ کیا عجب ہے کہ وہ کمک بھیجنے کے متعلق کوئی حکم شریف کے پاس لائے ہون۔ یا فتح کی خوشخبری لے کر آئے ہون۔ یا کچھ اور ہو بہرحال ان مین سے کوئی صورت بھی ہو مین تو نقل مکان آج ہی کیے دیتا ہون، اور دو تین روز کے لیے عزلت گزین ہو جاتا ہون کہ کہین امداد وغیرہ مطلوب ہو، اور جانے کی مصیبت گلے نہ آن پڑے۔

اسکے بعد حسن رخصت ہو کر اونٹ پر سوار ہوا۔ اور بلال ہمراہ رکاب ہوا۔ اگرچہ حسن کی دلی تمنا اس وقت یہی تھی کہ جانے سے پہلے کسی طرح تمیمہ کو ایک نظر کہین دیکھ لے۔ لیکن یہ خوف بھی لگا ہوا ہے کہ اس خیال مین کسی دوسری مصیبت مین نہ پھنس جائے۔ اور توقف بالاے توقف کا معاملہ ہو جائے۔

سمیہ اور ..... کا کاشانۂ عظمت

حسن کو معہ بلال کے مکہ چلنے دیجیے۔ اور مدینہ میں ٹھہر کر ذرا سمیہ کی خبر تو لیجیے۔

جس وقت وہ حسن سے مل کر واپس آئی۔ عبد اللہ حسن کا ملازم اسکے ہمراہ تھا۔ اندرون آبادی پہونچکر سمیہ نے اُس سے کہا "میں پہنچ گئی اب تم واپس جاؤ"!

راہ میں سمیہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ عبد اللہ ثقفی ہے پس جب وہ واپس ہونے لگا سمیہ نے اُس سے نہایت الحاح کے ساتھ کہا کہ عبد اللہ تو نہیں واقف ہے کہ جس درجہ حسن سے مجھے الفت ہے وفاداری و اطاعت شعاری سے تیرا حسن کے ساتھ رہنا ہم لوگوں پر تیرے بڑے احسان کا باعث ہوگا۔

عبد اللہ۔ میں جیسا اُنکا ویسا ہی آپ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ اور ہر وقت جان نثاری کے لیے تیار ہوں۔ پسینہ کی جگہ خون گرانا میں اپنا فرض خدمت گردانتا ہوں۔

عبد اللہ کے ان کلمات پر سمیہ نے منت پذیری کی ادا میں سر کو جنبش دے کر اُسے وداع کی اور عبد اللہ سلام کر کے باب المدینہ کی راہ تلاش کرتا ہوا چلا۔

سمیہ .... کے کاشانۂ عظمت میں داخل ہوئی۔ جہاں ہر وقت ایک اژدحام زائرین اور فقراء و مساکین کا رہتا تھا۔ آتے ہی اہلاً و مرحباً کے ساتھ سبب تاخیر کا اُس سے سوال ہوا۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ اس وقت تک بالائی حصہ میں مناظر اور وقت کی دلچسپیوں کا لطف لینے میں مشغول تھی۔ ورنہ وہ جب سے آئی یہیں موجود ہے۔ لیلےٰ نے کہا "میں نے تمھیں تمام میں تلاش کیا۔ نہیں معلوم تھا کہ آپ بالاخانہ پر ہیں"

اسکے بعد .... نے سمیہ کو بلا کر اپنے بازو میں مسند پر بٹھالیا۔ اور کہا "پیاری سمیہ کے ساتھ میری محبت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے جس کی علت معلوم کرنے سے میں خود ایک حد تک قاصر ہوں"

اسپر سمیہ نے تشکر و امتنان کے چشم و ابرو بنا کر تحیۂ سلام عرض کیا۔ اتنے میں خادمائیں دست بستہ حاضر آئیں اور مائدہ (دسترخوان) تیار ہونے کی اطلاع کی۔ اطلاع ہوتے ہی عشا (رات کے کھانے) کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ سمیہ بھی ساتھ ہی گئی۔ مگر اتنے میں وہ دوسرے خیالات میں پڑ گئی۔ کہ اُسکے والد نے اُسکے ہنگام غیاب کے دوران میں کسی جاریہ کو کیوں اُسکے پاس نہیں بھیجا۔ جو بالکل خلاف معمول ہے۔ کیا وہ خود گھر میں موجود نہیں۔ اگر نہیں تو اس وقت کہاں ہوں گے۔

کچھ دیر اس ربودگی کے عالم میں رہنے کے بعد وہ اُٹھی۔ اور اُن خاتون محترم سے اجازت کی طلبگار ہوئی

پھر ایک جاریہ گھر تک اپنے ساتھ کے لیے طلب کی۔ جاریہ ساتھ ہوئی۔ اور سمیہ وہاں سے روانہ ہوئی۔

گھر پہنچی دروازہ بند تھا۔ دستک دی۔ ایک جاریہ نے فوراً آ کر دروازہ کھولا۔ اور یہ معلوم کرکے کہ آنے والی اُسکی سیدہ (مالکہ) ہے کہنے لگی "یا سیدتی! بابی انت وامی! (قربان جاؤن) آپ نے تو اس وقت ایسی تعویق فرمائی کہ ہین فکر پیدا ہو چلی تھی۔"

اس آنے والی جاریہ حبشیہ کا نام اَمۃ اللہ تھا۔ یہ سمیہ پر دل وجان سے قربان رہا کرتی تھی۔ سمیہ بھی اُسے بہت چاہتی تھی۔ اس وقت جو سمیہ کے آنے مین عرصہ ہوا۔ تو اور دوسرے غلام اور جاریائین چین سے اپنی اپنی جگہ جا کے بیٹھ رہی تھین یہی ایک غریب تن تنہا بیٹھی انتظار مین دروازہ تک ہی تھی۔ اور پریشان تھی کہ بی بی آج کیون اب تک نہ آئین۔ مجلس ۔ ۔ ۔ ۔ سے آنے کا وقت بھی گزر گیا۔ ابھی اسی فکر وتردد مین ہی تھی کہ دستک کی آواز کان مین آئی اور اس نے پہنچ کر دروازہ کھولا۔

سمیہ دروازہ مین داخل ہوئی تو امۃ اللہ فرط مسرت مین بے اختیار اُس سے ہم آغوش ہوئی۔ اور اُسکی پیشانی کا بوسہ لیا۔ جس کے بعد سمیہ نے اُس سے سوال کیا "گھر مین اُداسی سی پائی جاتی ہے کیا والد ماجد تشریف نہین رکھتے؟"

بعد مغرب ہی تشریف لائے تھے۔ اور آتے ہی اپنے اُسی معلومہ حجرہ مین داخل ہوگئے۔ جب سے اس وقت تک برآمد نہین ہوے۔ حجرے کے دروازے بھی ہر طرف سے جکڑے ہوے ہین۔

سمیہ یہ معلوم کرکے سیدھی اپنے بیت الاستراحۃ مین آئی۔ کپڑے اُتارے۔ اور جھٹ شب خوابی کے کپڑے زیب تن کیے کہ مبادا! غرفجہ نکل کر اُسے معمولی کپڑون مین نہ دیکھ لے۔ بلکہ اگر نکلے بھی تو اُس کی حالت سے عرصے گھر مین ہونے کا ہی قیاس کرے۔

اُسکا اسقدر دیر تک تن تنہا ایک حجرے مین بند رہنا گھر والون کے لیے باعث تعجب ہو سکتا تھا مگر اول تو وہ عرصہ سے اسکا عامل ہو رہا تھا، دوسرے اُسکی دہشت وخوف سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ اسکا راز دریافت کرنے کی طرف توجہ کرے، یا خود اُس سے معلوم کرے۔

اب سمیہ اس ارادے سے بستر پر جا لیٹی کہ غرفجہ کے برآمد ہونے سے پہلے ہی وہ سو جائے۔ ورنہ ممکن ہے کہ جاگنے کی صورت مین اسکے سببِ غیاب کے متعلق وہ سوال ہی کر بیٹھے۔ یا اُسے کچھ سوء ظن ہو۔ وہ بستر پر لیٹ گئی اور امۃ اللہ کو بلا کر بالون مین کنگھی کرنے کو اُس نے کہا۔ امۃ اللہ آ کر سرہانے بیٹھی۔ گھٹنے پر تکیہ اور تکیہ پر سمیہ کا سر رکھکر امۃ اللہ کنگھی کرنے لگی۔

امتہ اللہ سے سمیہ کو اُنس بے حد تھا' اسلیے سمیہ اپنا بھید بھی اُس سے کہنے مین دریغ نہ کرتی تھی۔ اور اکثر خاص مانی کی باتین جو دوسرون پر ظاہر کرنا وہ پسند نہ کرتی تھی امتہ اللہ سے کیا کرتی تھی۔

سمیہ نے اُس سے پوچھا "کیا اس وقت میرے دیر کرنے سے تم فکرمند ہوگئی تھین"

امتہ اللہ۔ بے شک اے میری ولیہ نعمت! اور خاص کر اس وجہ سے کہ اس سے قبل کبھی آپ نے اسقدر تاخیر نہ فرمائی تھی' اور مجھے اس وقت سے اور زیادہ فکر پیدا ہوئی جب سے کہ عبداللہ آپ کو دریافت کرکے واپس گیا ہے۔

سمیہ۔ کون عبداللہ؟

امتہ اللہ۔ وہی جو آج صبح مین بھی آیا تھا۔

سمیہ اس پتہ سے فوراً سمجھ گئی کہ عبداللہ حسن کا خادم ہی ہوگا۔ اُسکے سوا اور کون ہوگا۔ لیکن اُسے سخت تعجب ہوا کہ اسقدر جلد حسن کے پاس جاکر پھر وہ واپس کیون آیا؟ اُس نے امتہ اللہ سے پوچھا "کتنا عرصہ ہوا ہوگا"

امتہ اللہ۔ آپ کے آنے سے کچھ دیر قبل۔

سمیہ۔ کوئی اور بھی اُس کے ساتھ تھا۔

امتہ اللہ۔ مین نے خیال نہین کیا۔

یہ معلوم کرکے کہ اُس سے جدا ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد عبداللہ پھر اُسکے پاس آیا' اُس سے اُسکی فکر مین اور بھی زیادتی ہوگئی۔ اُس نے خیال کیا کوئی ایسی ہی بات نہ تھی تو وہ جاکر وہان سے اُلٹے ہی پیرون کیون واپس آیا؟ خواہ حسن نے خود اُسے بھیجا' یا کوئی اور واقعہ پیش آیا۔ جس کی اطلاع کے لیے وہ آیا۔

حاصل امر اب اُسکی فکرمندی کی انتہا نہ تھی۔ وہ غلطان و پیچان تھی۔ مگر کوئی بات اُسکی سمجھ مین نہ آتی تھی غریب امتہ اللہ کنگھی کرنے اور بالون کے درست کرنے مین مصروف تھی' اور ان اسرار سے بالکل بے خبر تھی۔

خاتون مدینہ کا مکان

حسن اپنے سلسلۂ کلام کو پورا بھی نہ کرنے پایا تھا کہ کسی کے پکارنے کی آواز اُسکے کان مین آئی۔ اور دوبارہ غور سے سُننے پر معلوم ہوا کہ اُسکے خادم عبداللہ کی آواز ہے جو اُسی کا نام لے کر آواز دے رہا ہے۔ وہ اُدھر آیا تو دیکھا کہ عبداللہ انتظار مین کھڑا ہوا ہے۔ جسے دیکھکر حسن نے سوال کیا "کیا ہے"؟ عبداللہ قریب آیا۔ اور کہا مین نے وہان جاکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عرفجہ صبح سے جاکر اس وقت تک گھر مین واپس نہین ہوا۔ نہ کسی نے اسکا ہی پتہ دیا کہ وہ کہان گیا ہے"؟

اسکے بعد حسن نے نہایت بیتابی اور عجلت کے ساتھ اُس سے سوال کیا "اچھا سمیہ" عبداللہ نے کہا سمیہ کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ کے مکان کو ابھی ابھی جاچکی ہین' یہ سن کرمین اسی خوشی مین آپ کو اطلاع کرنے کے لئے دوڑا ہوا آیا ہون۔ کیا آپ نے اُنھین یہان دیکھا ؟

حسن۔ مین نے دیکھا تو نہین۔ اگر ہوئی بھی تو اندر ہوگی۔ بھلا وہان جانے کی کیا صورت ہے۔ تو ہین ٹھہر مین ایک چکر تو لگاتا ہون۔

عبداللہ وہین ٹھہرا رہا اور حسن پھر اُسی طرف جہان سے اُسکی آواز سُنکر آیا تھا چلا گیا۔ اور اشعب سے اُسکے حبس سے نجات دلانے کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ مین سمیہ کے پیارے خیال نے آکراُسے پھر بےچین کردیا۔ اور وہ اس خیال سے کہ شاید سمیہ کا رُخ زیبا چشم مشتاق کو کہین باعث نظارہ ہوجائے۔ وہان سے وہ مکان کے اُس حصہ کی طرف گیا جہان اُسکی محترم خاتون (یعنی مالکہ مکان) کا دربار جمتا تھا۔ اور جہان اکثر کاملین فن شعراء اور ادبا کے جمگھٹے رہتے سے دربار ی کمرہ شاعری کا ایک اچھا سا دنگل بنا رہتا تھا۔ اُسکے صدر دروازہ پر ایک شخص کو کھڑا ہوا پایا۔ جو وضع قطع سے حاجب معلوم ہوتا تھا' اُس سے حسن نے بڑھ کر پوچھا کہ کیا اس وقت جلسہ مین کچھ لوگ ہین ؟

حاجب۔ کوئی بھی وقت اس دربار عام مین ایسا ہوتا ہے کہ شعراء اور مجیدین فن موجود نہون۔ حسب معمول اب بھی شعراء اور بہت سی شاعرہ خواتین شریک جلسہ ہین'

حسن۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اُن مین لیلی الاخیلیہ بھی ہے ؟۔

حاجب۔ بے شک وہ بھی ہے۔

حسن۔ ذرا لیلی کو یہ اطلاع کردو کہ حسن دروازہ پر آپ کا منتظر ہے۔

حاجب گیا۔ اور اطلاع کی۔ فوراً لیلی اندر سے اُسکے ساتھ نکل آئی۔ اور نہایت خوش اخلاقی کے ساتھ اُسے کمرۂ شعراء کی طرف لے گئی۔ حسن نے کہا "مین مدینہ مین صرف ایک رات کا مہمان ہون۔ اور اس وقت آپسے رخصت ہونے کے لیے آیا ہون"

لیلے نے کہا "خدا عافیت اور سلامتی کو تمھارا رفیق سفر بنائے اور حصل مقاصد مین تمھین کامیابی عطا فرمائے"

حسن۔ مجھے اس وقت آپ سے کچھ اور بھی عرض کرنا ہے جس کے متعلق مجھے اس بات کا وثوق بھی ہے کہ آپ سے اُسمین پوری مدد ملے گی۔ اور اُسمین کسی خاص قسم کی زحمت بھی آپ کو نہ برداشت کرنی ہوگی۔

لیلیٰ - وہ کون سی بات ہے؟ فرمائیے۔
حسن - آپ سمیہ بنت عزفجہ کو بھی جانتی ہین؟
لیلیٰ - جانتی ہون یہ خوب! اچھی طرح، اور بہت اچھی طرح۔ وہ ابھی تھوڑی ہی دیر قبل ..... کے پاس بیٹھی تھی، اور باتین کر رہی تھی ...... (یعنی مالکہ مکان) اُسکو خاص لطف و پیار کی نظر سے اُسکے اوصاف کی وجہ سے دیکھتی ہین، لیکن تمھین اُس سے کیا بحث ہے؟
حسن - سمیہ میری خطیبہ (منسوبہ) ہے اور مین اُسکا خطیب، اور یہی وجہ مجھے اُس سے بحث کی ہے۔
لیلیٰ - (وہان کے قریب جاکر ٹھہر جاتی ہے اور کہتی ہے) مجھے یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ سمیہ جو مدینہ کی کنواریون مین اس وقت اپنی ذاتی خوبی اور صلاحیت کی وجہ سے سرمایۂ ناز بن رہی ہے وہ تمھاری خطیبہ ہے، میرے خیال مین سمیہ ابھی یہان سے گئی نہین۔ بہرحال تم اس جلسہ مین بیٹھو، مین اندر جاتی ہون۔ دیکھون گی۔
حسن - (اُسکا قطع کلام کرکے) تو مین امید کرتا ہون کہ آپ از راہ مہربانی میرے لیے اُس سے چند لحظہ کے لیے اس طرح ملنے کا موقع نکال لین گی کہ مجھے اور اُسکو بجز آپ کے کوئی دوسرا نہ دیکھے، مین نے تین سال قبل اُس سے خطبہ کیا تھا۔ اُسکے بعد پھر یہی موقع ملا ہے کہ اُس سے معاہدہ کی یاد تازہ کرون۔
لیلیٰ - اسکا مین ذمہ کرتی ہون۔ تم مطمئن رہو۔
حسن - مگر جلدی کیجیے گا۔ اسلیے کہ غروب کا وقت قریب ہے، اور مجھے غروب کے وقت جانا ضروری ہے۔
لیلیٰ - کیا سفر کو ملتوی نہین کر سکتے۔
حسن - کر سکتا ہون۔ اور بہت خوشی سے ملتوی کرتا، مگر مشکل یہ ہے کہ مین نے ایک دوست سے وعدہ کر لیا ہے کہ باب المدینہ پر ملون گا، اسلیے جہانتک ہوسکے جلدی تلاش کیجیے گا، ہان! اشعب کے لیے مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اُس سے مین نے اس انڈے سینے کے حبس سے نجات دلانی کے لیے سفارش کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس لیے اسے بھی نہ بھول لیے گا۔ اور پورے طور پر ایسی سفارش کر دیجیے گا کہ وہ چھوٹ جائے۔
لیلیٰ اسپر ہنسنے لگی اور بولی اُسکا بُرا ہو، اُسکی فکر مت کرو۔ یہ سزا اُسکو مزاحاً دگئی ہے۔ مجھ سے اسکا ذکر آچکا ہے اور اس سے پہلے بھی یہ کمبخت کئی مرتبہ اسی طرح محبوس کیا جا چکا ہے۔ جس کی اُسے عادت سی ہوگئی ہے۔ بلکہ ایکبار جبکہ اسی طرح یہ انڈون پر بٹھلایا گیا تو اتنے روز تک برابر بیٹھا رہا کہ انڈون سے بچے نکل آئے۔ تب یہ اُٹھا، گھر اُن بچون سے بھر گیا، اور چونکہ وہ اسی کے نکالے ہوے تھے اسلیے ..... (مالکہ مکان) اُنکو بنات اشعب فرماتی تھین،

خیر! اب مین اندر جاتی ہون - آپ اس جلسۂ شعرا مین بیٹھین، سمیہ مجھے مل گئی تو مین اُسے لاؤن گی - اور آپ کو اشارہ کرون گی اُس وقت آپ چلے آئین -

مجلس شعرا

اسکے بعد لیلیٰ اور اُسکے پیچھے حسن اس بڑے کمرے مین آئے۔ حسن نے اپنی نعلین دروازہ پر اُتارین، اور اُٹھا کر ایک گوشہ مین رکھ دین، اور اس کمرہ کو جو دیکھا تو اسکی وسعت اور فرش فروش کی صفائی کو دیکھکر آنکھین کُھل گئین، تمام کمرہ مین رومی قالینون کا نہایت بیش قیمت فرش تھا، ہر چہار جانب دیوارون سے مخملی تکیہ لگے ہوے، سامنے شہ نشین اُسکی محرابی درون پر منقش و زرنگار پردے پڑے ہوے جس کے اندر، وہ محترم خاتون (صاحب خانہ) معہ اپنی دوسری معزز سہیلیون کے جلوہ فرما، اُسکے اندر سے باہر کا سارا حال نظر آتا تھا مگر باہر والون کو اندر کی کیفیت نہ ملتی تھی کمرہ کی نشست مین صدر مقام پر جو لوگ بیٹھے تھے اُنمین سے پانچ اشخاص بدوی لباس مین تھے۔ انھین دیکھکر حسن نے پوچھا "یہ صدر مقام پر کون لوگ ہین"؟

لیلیٰ - یہ مشاہیر شعرا ہین، کیا تم انھین نہین پہچانتے؟

حسن - انمین سے ایک کو تو شاید پہچانتا ہون جو تکیہ سے ٹیک دیے ہوے بیٹھے ہین، فربہ اندامی کے ساتھ بدشکلی نے مل جُل کر جو مجموعی تناسب پیدا کیا ہے اُس سے کہہ سکتا ہون کہ یہ اُستاد فرزدق ہین،

لیلیٰ - بے شک وہی ہے، جریر اور فرزدق کی اس طرح ایک جلسہ مین یکجائی ہر شخص کے لیے جو اُن کے باہمی نقائض سے واقف ہے موجب حیرت ہوگی -

حسن - جریر کون ہے؟

لیلیٰ - جسکے بڑے بڑے بال ہین تیل سے چکناے ہوے ہین، اور آواز مین غُنہ ہے جو بات کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

حسن - اور یہ کون اُستاد ہین، جو پستہ قامت اور اپنی شکل و شباہت کے ایک ہی ہین،

لیلیٰ - یہ مشہور شاعر کثیر، عزہ کا عاشق ہے،

حسن - یقین ہے کہ عزہ انکی اسی شکل پہ جان دیتی ہوگی - اور یہ کون ہین؟ قد کے ذرا لانبے مگر خوش قطع نوجوان،

لیلیٰ - یہ جمیل بُثینہ بنی عذرہ کے عشاق مین سے ہے، جس کا چہرہ اب بھی مایوسی و حسرت کا گویا نمونہ ہے، کیونکہ اسکے عشق کی جب شہرت ہوئی تو بثینہ کے اقربا نے اسکی آمد و رفت اور بثینہ سے اسکی ملاقات قطعاً روک دی،

حسن - اچھا وہ سیہ فام کون صاحب ہین؟ ماشاء اللہ کیا فرانسیسی سواد ہے، مجھے امید نہین کہ اس سواد پر آپ کو بہرہ

شاعری بھی کچھ قدرت سے ودیعت ہوا ہوگا۔

لیلیٰ۔ ہنسنے لگی اور بولی۔ اجی یہ تو نصیب نامور اور کہنہ مشق شاعر ہے' تم کچھ بہرہٴ شاعری کو لیے پھرتے ہو۔ یہ سیاہی جو ہے' اسے ماں کی طرف سے ورثہ میں ملی ہے۔ جو کنیز تھی' البتہ باپ اسکا بنی قضاعہ سے تھا'

خیر! اب آپنے ایک ایک کرکے سب کو پہچان لیا' اب انکا کلام بھی سُنیئے' اور ساتھ ہی ..... کا بھی' آپ یہاں بیٹھیئے میں جاتی ہوں۔ مگر اسکا خیال رکھیے کہ جب آپ کو کوئی اشارہ سے بلائے۔ فوراً چلے آئیے"

یہ کہکر لیلیٰ تو اندر چلی گئی۔ ادہر حسن کو وقت کے گذر جانے کا اندیشہ لگا' مگر اب بیٹھ کر انتظار کیے بغیر بھی چارہ نہ تھا' شعرا کے جگمگھٹے میں جا کر بیٹھا' بیٹھنے کے بعد اسے معلوم ہوا' کہ پس پردہ کسی میں کچھ گفتگو ہو رہی ہے۔ اور باوجود آواز پر کان دہرنے کے صحیح اقیاز اس بات کا نہ کرسکا کہ لیلیٰ اور ..... (محترم خاتون صاحب خانہ) میں یہ باتیں ہو رہی ہیں یا سبین اور سمیہ میں' وہ ابھی اسکا فیصلہ بھی نہ کرنے پایا تھا' کہ ایک نازک اندام جاریہ برآمد ہوئی' جسکے ہاتھ میں ایک چھوٹی کشتی تھی جس پر مغرق جھالردار کشتی پوش پڑا ہوا' نکلتے ہی اس نے حاضرین سے خطاب کرکے پوچھا" ایکم الفرزدق"؟ تم میں فرزدق کس کا نام ہے؟ قبل اسکے کہ وہ کچھ کہے حسن کو از خود خیال ہوا تھا کہ یہ مجھے بلائے گی۔ پھر اسکی زبان سے فرزدق کا نام سُنتے ہی یہ خیال جاتا رہا اور فرزدق کی طرف اسکی نظر پھر گئی۔ جس نے اسکے جواب میں کہا" ھا انا ذا۔ میں ہی ہوں" جاریہ نے کہا" یہ کلام آپ کا ہے؟

ھما دلتانی من ثمانین قامۃ	کما انحط باز اقتم الریش کاسرہ
فلما استوت رجلای بالارض قالتا	احیٌّ فیرجی ام قتیلٌ نحاذرہ
فقلت ارفعوا الامراس لایشعروا بنا	واقبلت فی اعجاز لیل اباد رہٗ"

فرزدق۔ بے شک!

جاریہ۔ آپ کو افشائے راز پر کس چیز نے مجبور کیا۔ اچھا یہ ہزار دینار سرخ (کشتی اسکی طرف بڑھا کر) آپ کا انعام ہے اور جانے کی اجازت ہے' فرزدق نے بڑھکر اُس سے کشتی لے لی۔ اور پلٹ کر روانہ ہوگیا' جاریہ اندر گئی' دوسری کشتی پھر ویسی ہی لے کر آئی۔ اور پوچھا جریر کس کا نام ہے؟ جریر نے اُٹھکر کہا" میں ہوں" جاریہ نے پوچھا کیا یہ بیت آپ کے ہیں؟

طرقتک صائدۃ القلوب ولیس ذا	حین الزیارۃ فارجعی بسلام
تجری السوالک علی اغرّ کانہ	برد تحدر من متون غمام

لو کان عهدك كالذی حدثتنا — لوصلت ذاك وكان غير ذمام

انی اواصل من اردت وصاله — بحبال لا صلف ولا لوام"

جریر نے کہا "لاریب"

جاریہ نے کہا آپ کے عفیف ہونے میں شبہہ نہیں مگر ذرا دل کے کمزور معلوم ہوتے ہیں، اچھا یہ ہزار دینار کی کشتی بطور انعام ہیں، اور آپ کو بھی جانے کی اجازت ہے۔ جریر نے اس کشتی زر کو لیا، اور نکل کر گھر کو روانہ ہو گیا۔ جاریہ گئی اور پھر ویسی ہی زر کی کشتی ہو کر واپس آئی۔ اور پوچھا "کثیر کون ہے؟" کثیر نے کہا "میں ہوں"۔ جاریہ نے دریافت کیا "یہ بیت آپ ہی کے ہیں؟"

واعجبنی یا عز منك خلائق — كرام اذا عد الخلائق اربع

دنوك حتى يدفع الجاهل الصبا — ودفعك اسباب المنى حين يطمع

[illegible]

وانك ان واصلت اعلمت بالذی — لدیك فلم یوجد لك الدهر مطمع"

کثیر نے سن کر کہا "ہاں میرے ہی شعر ہیں" جاریہ نے کہا "لیجیے یہ آپ کا انعام ہے" کثیر انعام لے کر وہاں سے رخصت ہوا۔ اور جاریہ حسب معمول کشتی زر اندر جا کر پھر لے آئی اور نصیب کو پوچھا۔ نصیب کی طرف سے پتہ پانے پر ذیل کے شعر پڑھکر اس نے پوچھا یہ آپ کے ہیں،

"ولولا ان يقال صبا نصيب — لقلت بنفسی النشأ الصغار

بنفسی كل مهضوم حشاها — اذا ظلمت فليس لها انتصار"

اثبات ہونے پر اس نے مختصر را‌ئے ظاہر کرنے کے بعد کشتی دینار اسکے بھی حوالہ کی اور چلی گئی۔ پھر آئی اور جمیل کی طرف خطاب کرکے بولی،

"شاہزادی سرکار تمہیں سلام کے بعد فرماتی ہیں کہ میں نے جب سے تمہارے یہ شعر سنے ہیں، اس وقت سے تمہارا اشتیاق ہے۔ وھو ھذا

الا ليت شعری هل ابيتن ليلة — بوادی القرى انی اذا لسعید

لكل حديث بينهن بشاشة — وكل قتيل عندهن شهيد

ہماری باتوں کو مژدہ ہائے مسرت بخش اور ہمارے مقتولین کو تم نے شہید کا لقب دیا، اور اچھا دیا، لیجیے (کشتی اسکی طرف بڑھا کر) یہ آپ کا حق ہے، جمیل نے بھی کشتی لی اور باہر چلا گیا۔ حسن یہ تمام ماجرا دیکھ رہا تھا،

حیرت کر رہا تھا' اُسکے لیے موجب حیرت کچھ یہ امر نہ تھا کہ اس مجلس مشاعرہ کی بنا ایک خاتون کے ایما سے تھی کیونکہ اُس وقت عرب مین شاعری کا مذاق عورتون مین عام تھا' چنانچہ اکثر عورتین مثل لیلی الاخیالیۃ وغیرہ کے تھین' صرف شاعری کی وجہ سے جنھین شہرت تام حاصل تھی' بلکہ جو کچھ حیرت اُسے تھی وہ باعتبار ذاتی علو مرتبت اور عظمت شان اُس خاتون محترم کی اہل مشاعرہ اور اُنکے کلام کے ساتھ اعتنا رخاص' اور عالی حوصلگی سے حسن سرانجام فرمانے پر تھی'

بہرحال یہ حیرت تو جیسی تھی' ویسی' مگر اب اُسے لیلے کے دیر کرنے سے انتظار کی بیچینی سخت تکلیف دینے لگی تھی' اُسکے بلانے کی بھی کوئی صورت نہ تھی' آخر کو اس نے یہ خیال کیا' کچھ بولون' میری آواز سُنے تو شاید جلد نکل آئے۔

تب اس نے شہ نشین کے پردون کی طرف غور سے دیکھا جو محرابون پر آویزان تھے۔ اسمین درخت اور پرندون کی مختلف قسم کی تصویرین بنی ہوئی تھین' جو صفائی اور خوشنمائی مین بے مثل تھین' اگرچہ مدینہ مین اس قسم کے پردون اور مسندون کا رواج عام تھا' مگر حسن کے لیے چونکہ یہ پہلا منظر تھا اسلیے جب سے وہ اس کمرہ مین داخل ہوا تھا۔ تب ہی سے اُسکا دل اس کی بابت سوال و جواب کر رہا تھا' اب جب اُس نے دیکھا کہ تمام شعرا ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے جاریہ فارغ ہوئی اور جانے لگی تب اُس نے اُس سے کہا "بی بی ذرا ٹھہرو"

یہ سنتے ہی وہ ٹھہری تو اُس نے پوچھا "کیا مین تم سے کچھ پوچھ سکتا ہون؟"

جاریہ۔ "بے شک۔ فرمائیے"

حسن۔ آپ کے پردون پر تصویرین بنی ہوئی ہین' حالانکہ جناب رسول اللہ صلعم کی حدیث ہے "انّ اشد الناس عذابًا یوم القیامۃ المصورون"[۱] جاریہ نے اُسکی طرف توقف کرنے کا اشارہ کیا اور اپنی سیدۃ (مالکہ) کی خدمت مین حسن کے سوال کو عرض کرنے چلی گئی۔ اور فوراً واپس آکر کہا "اس سے ہمارے لیے کیا قباحت لازم آئی کچھ ہم مصور تھوڑے ہی ہین"

حسن۔ مانا کہ مصور نہین' مگر اونھین استعمال تو کیا گیا' وہ بھی اگر صرف درختون کی تصویرین ہوتین تو مضائقہ نتھا' جاندار شئے کی تصویر بھی شامل ہے جس کی نسبت رسول للہ صلعم کا ارشاد ہے "انّ الملائکۃ لا تدخل بیتًا فیہ الصورۃ"[۲]

حسن ختم کلام بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اندر سے آواز آئی "رسول اللہ صلعم کے کلام مبارک مین الّا رقمًا"

۱؎ "سب سے زیادہ عذاب قیامت کے دن مصورون پر ہوگا" ۲؎ "ملائکہ اُس گھر مین نہین آتے جس مین کہ تصویر ہوتی ہے"

۳؎ "مگر جو کپڑے پر نقش ہو"

فی نوب" کا استثنار بھی تو ہے"

حسن آواز سے پہچان گیا' کہ لیلےٰ کی آواز ہے' اور ساکت ہوگیا' جاریہ اپنی جگہہ پر چلی گئی۔ حسن کو پھر وہی انتظار لاحق ہوا' نکل کر دیکھا تو آفتاب لب بام آچکا تھا' اور بھی پریشان ہوا' اس خیال سے کہ ایسا نہو کہ مین لیلیٰ کے انتظار مین رہون اور وہان مفت مین سلیمان کو میرے انتظار کی تکلیف اُٹھانی پڑے۔

عالی

کارنامہ عشق

از یادگار کامل مرحوم لکھنوی

نام کا تیرے وظیفہ ہے زبان کو صبح و شام
مرحبا اے درد الفت عشق ہے تیرا ہی نام

غمکدہ ہے خاطر ناشاد کی تشریف رکھ
منزل دل کو مشرف کر با عزاز تمام

بارک اللہ بارک اللہ اے دل اندوہگین
تیرے ویرانے مین ایسا میہمان عالی مقام

بے خبر تو مرتبہ سے عشق کے واقف نہین
عشق ہے فرمانروائے کشور نور و ظلام

عشق سے عالم مین ہے زینت دہ بزم جسم و جان
عشق سے دنیا مین روشن ہے چراغ ننگ و نام

عشق وہ سرکار ہے جس کی زلیخا ہے کنیز
عشق وہ بازار ہے جسمین ہے یوسف سا غلام

عشق ہے صبح ازل کا حکمران بند و بست
عشق ہے شام ابد کا رمزدان انتظام

عشق کے دریا کا اک قطرہ ہے نہر سلسبیل
عشق کے صحرا کا اک گوشہ ہے گلزار دوام

عشق ہے وہ نور' ہے اضداد مین جس کا ظہور
عشق ہے وہ ربط جس سے ہے عناصر کا قوام

باغ مین ہے بوئے گل اور دشت مین ہے نوک خار
سنگ کے دل مین شرر دریا مین ہے ماہی کا دام

شعلۂ سرکش کا پیراہن پہنتا ہے کبھی؟
پیک رنجور حسن مین گاہ کرتا ہے قیام

سرنگون خلوت مین ہے اور انجمن مین سرفراز
مدرسہ مین ہے کتاب اور معرکہ مین ہے حسام

مثل بلبل کے کبھی کرتا ہے نالہ درد خیز
پیرہن مین گل کے ملتا ہے کبھی عطر مشام

شمع کے جامے مین کرتا ہے کبھی شعلہ کا ناز
گاہ پروانہ کی صورت جل کے ہوتا ہے تمام

پردۂ محمل مین لیلےٰ سے یہی مقصود ہے
خاک مجنون ہے اسی کا نجد کی وادی مین نام

عہد طفلی سے ہے مجکو اسکی خدمت مین نیاز
جس زمانہ مین کنار مہد تھا میرا مقام

ے میری نظر سے چھپا ہوا نہین گزرا مگر خوب کلام ہے۔ میرے ایک دوست نے مجھے لکھا دیا ہے۔ ممتاز حسین

اتفاقاً میں ہوا ایسے الم میں مبتلا — جس سے رنج و فکر میں رہنے لگا ہر صبح و شام

عشق بھی کچھ خود بخود برخاستہ خاطر ہوا — میں تو اپنی فکر میں تھا پیشتر سے تلخ کام

دفعتاً بالکل ہوئی مسدود باب رسم و راہ — مدتوں تک کنج عزلت میں رہا میرا قیام

بعد مدت پھر قدم رنجہ کیا ہے عشق نے — یعنے پھر مد نظر ہے اک حسین لالہ فام

مجسم کی تشبیہ جسکے خال سے ہو نادرست — بدر کی تمثیل ہے چہرے سے جس کے ناتمام

واے قسمت دل جو آیا ہے تو کس محبوب پر — جس کی منزل سے دعا پھرتی ہے بے نیل مرام

اے نسیم صبح کوئی مشورہ تو ہی بتا — سخت حیرت ہے کہاں بھیجوں خط شوق و پیام

نامہ و پیغام کا جانا تو ہے امر محال — ہاں مگر تجھ سا پیمبر ہو کوئی بالاحترام

خیر سے تو ایک دن وقت سحر تکلیف کر — جس جگہ سوتا ہے وہ رشک قمر بالاے بام

صاحبان عشق ہونگے دست بستہ صف بصف — دربان حسن کا ہوگا نہایت اہتمام

بے محابا یوں نہ رکھنا قصر جاناں میں قدم — بوے گل کی روش سے آہستہ بڑھنا چند گام

خوابگاہ یار کے پہلو میں رہنا منتظر — دیکھنا خالی ہوے جب خواب سے آنکھوں کے جام

اولاً تعظیم سے ہونا زمیں بوس ادب — دست بستہ پھر یہ کہنا بعد تمہید سلام

اے فروغ ملک خوبی اے جہان آرائے حسن — تاج و تخت ناز کی رونق رہے تجھ سے مدام

بندگان بارگاہ عشق میں تیرے بہت — لیکن اک درویش ہے سب سے زیادہ تلخ کام

واقعی ایسا بھی کم ہوگا کوئی شوریدہ سر — عاشق صادق ہے پروانہ کی صورت لاکلام

ایک مدت سے عجب عالم میں رہتا ہے غریب — نالہ و فریاد واجب خواب و خور مطلق حرام

بیٹھ جاتا ہے کبھی صحرا میں مثل گردباد — مرغ بسمل کی طرح چلتا ہے گاہے چند گام

لب پہ نالہ تا لکیسا جیسے برق شعلہ بار — مشتعل اپنا رخ جس کی شکل اعصاب و عظام

ہیں مہیا وحشت میں بیکس کی راحت کے لیے — ریگ تفتیدہ کے بستر گرد صحرا کے خیام

اپنے دل میں آپ تو انصاف کرلے ماہرو — عاشقوں پر ہے جفا ہر ایک ملت میں حرام

درد فرقت تا کجا امید وصلت تا کجا — کچھ نفس باقی ہیں وہ ہو جائیں گے اک دن تمام

خیر اس قصہ سے کیا مطلب ہیں اے رشک مہ — کاتل غم دیدہ نے تجکو دیا ہے یہ پیام

جان کا خواہاں ہے بیٹھا ہے تیری راہ میں
مہربانی سے پیک نے برق تاباں والسلام

شاہد علم سے خطاب

اے شاہد علم خدا کی نظروں میں تجھ سے بڑھکر اور کون محبوب و مقرب ہوگا؟ تو سر سے پاؤں تک خوبیوں کا پتلا ہے، تیری کوئی ادا زیبائی سے خالی نہیں، تیری آنکھ کے ایک اشارہ پر بڑے بڑے سربلندوں کے سر جھک جاتے ہیں تیرا ادنیٰ سا کرشمہ بھی دلوں کو تسخیر کرنے اور بیگانوں کو اپنا بنانے کے لیے کافی ہے تیرے لب کیسے میٹھے اور دلربا اور تیرے وعدے کیسے معتبر اور قریب الوفا ہیں! تیری دل افروز جادو بھری نگاہیں دلدادگان پرشوق کے لیے پیام کامرانی و طمانیت ہیں، تو تیرہ و کور باطن حاسدوں کے خرمن تمنا کے لیے برق سوزاں، طلسم دنیا کی یہ نیرنگیاں اور ریب و سنار تیری ہی چشم جادو کے تابع ہیں، تیری زبان، تیری تجربہ آموزیاں، ماضی و حال اور مستقبل کی راست بیان ترجمان ہے، دلنشین پند و اصابت رائے اسکا اصلی جوہر ہے، اسکا قول پتھر کی لکیر اور اسکا حکم نہایت ہی اٹل ہے، کیا مجال جو یہ موقع پر چوک جائے، یا خطرات کے وقت اسکے استقلال میں ذرا بھی لغزش آئے۔

اے شاہد علم، وطن سے بڑھکر بھی کوئی چیز زیادہ عزیز ہو سکتی ہے؟ لیکن تیرے سرمست سودائیوں کی سیکڑوں مثالیں ایسی بتائی جا سکتی ہیں، جنھوں نے تیری جستجو میں وطن کو خیرباد کہا، ابنا وطن کو چھوڑا، دوست احباب سے دوری گوارا کی، اہل و عیال سے دامن چھڑایا، ماں باپ سے منھ موڑا، اور غربت و مسافرت کی سختیاں سہہکر تیرے عتبہ عالیہ کے دربانوں تک رسائی حاصل کی، انکی منت سماجت کی، خوشامد درآمد کی، اور آخر شوق دیدار کی آگ کو ٹھنڈا کرکے رہے، ہائے وہ وطن! جس کی مٹی سے ہماری ہڈیاں، اور ہمارا گوشت پوست بنا ہوتا ہے، جس کی آب و ہوا کا اثر ہماری رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے، جسکے گلی کوچے ہمارے پاؤں میں وابستگی کی زنجیریں پنھا دیتے ہیں، جس کا سواد جس کے مضافات، ہماری آنکھوں کے حق میں خنکی دہ اور روشنی بخش ہوتے ہیں، وطن، آہ وہ وطن! جس کی محبت ہماری لوح دل کا نقش اولین ہوتی ہے، تیرے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا، تیرے طلبگار تیری تلاش میں اُسے بھی خیرباد کہتے ہوے نہیں ہچکچاتے، ہائے وہی وطن! جس کا حقیر سا حقیر تنکا بھی دامن دل کو کھینچنے کے قابل ہو، تیرے دلدادگان صادق کی نظر میں کانٹا بنکر کھٹکنے لگتا ہے اور سے

پیاسے ترے سرگشتہ ہیں جو رہ طلب میں ... ہونٹوں کو وہ تر کرتے نہیں آب بقا سے

اے شاہد علم، تیرے روئے زیبا کے زیارت کرنے والوں کی آنکھیں اکثر حسن ظاہری سے مستغنی ہوتی ہیں الحسن

جو معمولی دلون کو ایک نگاہ مین تہ و بالا اور ازخود رفتہ کر دیتا ہے، کیا مجال جو تیرے شیفتگان باوفا کو تسخیر کرکے
اپنا حلقہ بگوش بنا سکے، تماشائے حسن سے جلد ہی نیت بھر جاتی ہے، مگر تیرے نظارۂ دل افروز سے کبھی سیری
نہین ہوتی، تیرے جمال جہان آرا کے جوہر شناسون کی چشم بصیرت اکثر صورتون مین حسینون کے غازۂ حسن کو خود بینی
و تکدر اور اغماز و آلودگی سے مرکب پاتی ہے، اور اسلیے وہ بھولے بھالے خوشنوا طیور، اور بعض خوشرنگ پھولون کو
دیکھکر زیادہ محظوظ ہوتے ہین، ایک خوشرو اور دلربا چہرہ اُنکو اپنی طرف اس بے ساختگی سے متوجہ نہین کر سکتا جیسا کہ
قدرت کے تھیٹر کا ایک خوش منظر پردہ، تیری کشش سب جذبات سے زیادہ پرزور، اور تیری چاہ ہر محبت پر غالب
ہے، اور حسن بعد چندے مبدل بہ کریہ المنظری ہوجاتے ہین، مگر تیرا حسن ہمیشہ نکھرتا ہی رہتا ہے، اور محبتین اکثر شکوک و
ناکامی سے دلون کو توڑتی رہتی ہین، یا کبھی نہ کبھی رسوائی اور تباہی کا موجب ہوتی ہین، مگر تیری محبت ہمیشہ ایسے اندیشون
سے خالی اور نت نئی نعمتون اور خوشیون کا سرچشمہ ہے پس مبارک ہین وہ لوگ جو چاہین تو تجھے چاہین، مرین تو تجھپر مرین۔

اے شاہد علم کسے انکار ہو سکتا ہے! کہ تیرے شہید، شہید راہ خدا نہین، جب اُنکی روشنائی کے قطرے مجاہدین
فی سبیل اللہ کے خون کی برابر قدر و قیمت رکھتے ہون تو بھلا اُنکے خونبہا کا اندازہ کون کر سکے؟ کیا یہ اُنکے خون کا
کچھ کم مصیبت انگیز اور خوفناک انتقام ہے کہ دنیا اُن بیگناہون کے قتل سے جہالت و تعصب کی قید گران سے آزاد
ہونے مین صدیون پیچھے پڑی رہی؟ کارکنان قدرت نے اُنپر توجہ کرکے اُنکے لہو کو تبرک جانکر جمع کر رکھا ہوگا،
اور حورون نے اپنے چہرون پر بطور غازہ کے ملا ہوگا، اب اُنکا تتبع پیدا کرنے والون کو جو تو یہ لگاتار نعمات دیتا رہتا ہے
یقیناً یہ سب اُنکی ارادت و عقیدتمندی کا معمولی صاصلہ ہے، اور تجھ سے لو لگائے رکھنے مین جو روحانی رفعتین اُنکو
حاصل ہوتی رہتی ہین، وہ مستزاد۔

اے شاہد علم، تیرا حسن لازوال ہے! اور تیری قوت ہمیشہ پائدار، وقت کی سرعت رفتار کا کوئی چیز مقابلہ کر سکتی
ہے تو تیری کبھی نہ رکنے والی روز افزون ترقی، دست قدرت کے بعد اگر کوئی زبردست ہے، تو تو ہے، زمانہ نے سیکڑون
قومون کو مٹا ڈالا ہزارون سلطنتون کو خاک مین ملا دیا، یہانتک کہ مرقع ہستی کے بہت سے نقوش مین تصرف اور تغیر
کرکے اُنکو کچھ سے کچھ بنا دکھایا، مگر تجھ سے وہ بھی سر بر نہو سکا، جتنا اُس نے تجھکو دبانا چاہا، اُتنے ہی تیرے جوہر کھلتے اور
تیرے کمالات نمایان ہوتے گئے، ہان اگر تیرا کوئی مدمقابل ثابت ہو سکا، اور تجھے تھوڑی سی دیر کے لیے نیچا دکھا سکا
تو وہ مذہب کے بھیس مین عقیدۂ باطل تھا، جس کی شہ پاکر ریاکار اور خودکام دینی مقتداؤن نے عوام کو اکثر
تجھ سے برگشتہ کر کر دیا، لیکن آخر مین، تیری حقیقت تیری صداقت، اور تیری روشنی ہی کو فروغ حاصل ہوکر رہا، اب

تیرا فرمان آدھے جہان پر جاری ہے، جس پر تو نے اپنے الطاف شاہانہ سے امن و آزادی اور حکومت و کامرانی کی نعمتین برسا رکھی ہین جو بدنصیب تیرے لطف و احسان سے بے بہرہ ہین، وہ اپنی محرومی و ناکامی پر خون کے آنسو بہا رہے ہین، اور بغیر تیری مدد کے مشکلات سے نجات پانے کے لیے جسقدر ہاتھ پاؤن مارتے ہین اُسی قدر اُنکی حالت غیر ہوتی جاتی ہے، بیشک اُنکی یہی سزا ہے، اُنھون نے تجھ سے بیوفائی برتی، اُنھون نے تیرے دشمن جانی، عقیدۂ باطل کی پیروی کی، جس نے اُنکو تجھسے غافل اور بے اعتنا کر دیا، اُنکے دلون سے تیری محبت اور ارادتمندی کا نقش مٹا دیا، اور اُنکو اس قابل نہ رکھا کہ وہ تیرے فیضان اثر سے متاثر اور مستفید ہو سکین،

غفلت کا خمار کم ہونے، اور زمانہ کے شور و اور گیر سے گھبرا کر اب ذرا اُنکی آنکھین کُھلی ہین، تو کیا دیکھتے ہین کہ وہی طفل ہونہار جسکو اُنھون نے یونان اور روما کی گلیون مین لاوارث اور بے پناہ پھرتا دیکھکر اپنے دامن حمایت و تربیت مین لے لیا تھا، اور جس کے ساتھ اُنھون نے کچھ دنون سلوک کیا اسکی پیاری پیاری میٹھی میٹھی باتون سے دل بہلایا، اسکے حسن و جمال کی گرمی سے آنکھین سینکین، اور اُسکو کمال و دانش کا فرشتہ جان کر اُسکی خدمت کا بیڑا اُٹھایا، مگر بعد چندے اپنے بیہودہ اور نامعقول مخمصون مین گرفتار ہو کر اُسے پھر اپنی قسمت پر چھوڑ دیا تھا وہی طفل ہونہار، مغربی یورپ کے رہنے والون کی لگاتار اور سالہا سال کی پرورش اور نگہہ و پرداخت کے بعد اب شباب و خوبی اور عروج کے عالم مین ہے اور سعید و رشید اولاد کی طرح اپنے مربی اور پالن ہارون کا دامے درمے قدمے قلمے سخنے حق خدمت ادا کر رہا ہے، کارپیتھین کے دامن سے لیکر کوہستان آوکی کی عظیم الشان سنگین دیوارون تک تمام آبادی اُسکے قدمون کی برکت سے نہال ہو رہی ہے، ہر ایک چہرہ فخر و مسرت کی شعاعون سے چمک رہا ہے، دشت و دریا اور جزائر و جبل تک اُسکے رخ انور کی جوت سے جگمگا اُٹھے ہین، لیکن ان خفتہ بختون کی شپرک مثال آنکھون کو اتنی بھی تاب نہین، کہ اسکے حسن کی رشک مہر تجلی کو آنکھ بھر کر دیکھ سکین، دل ہی دل مین حیران اور پشیمان ہو کر کہہ رہے ہین، کہ جب زمانہ طفلی ہی مین اسکے دل آویز خط و خال نے، باوجود ہمارے پہلے سے شاہد پرست و محبت آشنا نہ ہونے کے، ہمارے دلون مین گھر کر لیا تھا، تو ہماری عقلون پر کیسے پتھر پڑ گئے تھے جو ہم نے اسکی تربیت اور خدمت برابر جاری نہ رکھی، ہائے ہماری ذرا سی بے رخی نے تجھے ہم سے اسقدر بیگانہ کر دیا، تجھے تو یہ زیبا نہ تھا، کہ ہماری اُن خدمات اور شفقتون کو بھلا کر ہم سے یون مُنھ پھیر لیتا! اے شہ خوبان، اے جان عالم، ہم قسم کھا کر کہتے ہین کہ تجھپر ہماری نظر التفات کچھ اسلیے کم نہ ہو گئی تھی، کہ ہمین خدانخواستہ تجھ سے نفرت یا کراہت تھی، بلکہ سبب اسکا یہ ہوا، کہ ہماری پرانی خباثتین پھر عود کر آئی تھین جنھون نے ہمکو بُرے بھلے سے، بالکل بے خبر کر دیا، اور ہم اپنے ہاتھون اپنے سر پر لائی ہوئی شامتون مین گھرے رہے، اُدھر تو جان کے خوف سے بھاگ کھڑا ہوا۔

ہائے جب ہیجان ہو کر، زندہ درگور ہو کر اپنے اردگرد نظر ڈالی، تو کوئی رفیق و یاور، جو ہمارے درد کا درمان اور ہمارے زخموں کا بخیہ کر سکتا، دکھائی نہ دیا، ہان دیرینہ سلوک اور دل لگاؤ کا اعتبار کر کے تجھ سے دلجوئی اور چارہ گری کی بہت کچھ توقع تھی، مگر تو ٹھہرا، غیرون کے اختیار مین، ہماری غیرت کو سنت کش رقیب ہونا کیسے گوارا ہوتا؟ ایک مدت یون ہی گزر گئی، حریفون کو تیرے حسن لازوال کی بہار لوٹتے ہوئے دیکھتے تھے، اور رشک و حسرت کی کوفت اُٹھا اُٹھا کر رہ جاتے تھے، حمیت کسی عنوان اجازت نہ دیتی تھی، کہ بزم غیر ہی مین جا کر اپنی ترستی ہوئی آنکھون کو تیرے زندگی بخش دیدار سے ذرا تسکین دے لین، مگر ہائے حریفون پر تیرے الطاف و انعام کی بوچھار جس قدر زیادہ ہوتی جاتی تھی، اسیقدر ہماری بیتابی اور قلق بھی بڑھتا جاتا تھا، بڑی عمر رہا دائین تیری عفت بھری اور امید آفرین و حیرت افزا نگاہین ہائے تیری خرام قدم پر زر و جواہر لٹانے والی رفتار، غرض تیری نوعمری کی ایک ایک بات یاد آتی تھی، اور ہمارے لوٹتے ہوئے حسرت زدہ دلون کو پیس پیس کر رکھدیتی تھی، زندگی تجھ بن نہایت ہی شاق، شرمناک، اور عذاب دہ ہو گئی، آخر یہانتک نوبت پہونچی، کہ ہماری مسکین و زبون حالت پر حریفون کا دل بھی دکھنے لگا، خود اُنھون نے اپنی فیاضی اور صاف دلی سے ہمین تیرتہ جھلک دکھانے کی آمادگی ظاہر کی، پہلے پہل تو ہمارا مجنونانہ وہم و گمان، اُنکی بے لوث دعوت کو فریب و دغا پر محمول سمجھکر قبول کرنے سے مانع آتا رہا، مگر جب درد فراق ناقابل برداشت ہو گیا، اور اُنکی فیاضی سے فائدہ اُٹھائے بغیر چارۂ کار نظر نہ آئی تو چار و ناچار غرور اور غیرت کو خیرباد کہنا پڑا سے

مدتون رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا　　　دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہین

اے شاہد علم اے ناخدائے حیات، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے، کہ تو پھر اپنے قدیم شیدائیون کے سامنے جلوہ افروز ہے، اگرچہ تیرے روے منور پر نقاب پڑی ہوئی ہے، مگر یہ آنکھین تیرے حسن عالم افروز سے پہلے ہی خوب آشنا ہین تجھ سے دوچار ہوکر مرعوب نہ ہو نگی، مگر ہان پھر بھی ان مدتون سے تاریکی مین بند پڑی رہنے والی آنکھون کے سامنے بالفعل تیرے روے تابان کا زیر نقاب رہنا ہی عین مصلحت ہے، آہستہ آہستہ حجاب اور رکاوٹ کے پردے بھی درمیان سے آخر اُٹھ ہی جائین گے جلدی کیون کرین سے ہے وصل تو تقدیر کے ساتھ اے شہ خوبان + یان ہین تو فقط تیری محبت کے ہین پیاسے + اب ہم جی بھر کر تیرے سامنے اپنا دکھڑا روئین گے، گلہ و شکایت کرینگے، اور تیری جدائی سے جو مصیبت اور بپتا پڑی تھی تجھ سے اُسکا معاوضہ لیے اور اندمال کرائے بغیر نہ رہین گے، اے عشاق نواز، اے جوان بخت عنائے علم تو نے ہمارا ساتھ چھوڑا، اور ہماری قسمت نے پلٹا کھایا، ہم سے تمام اوصاف اور خدا کی ساری نعمتین یکے بعد دیگرے رخصت ہو گئین، برے وقت مین دولت و حکومت نے بھی ہم سے شاہدان بازاری کی طرح دامن چھڑا کر دوسرون کو جا تاکا، اب عزت کا بھلا کون روکنے والا تھا؟

مظلوم اور جفاکش مذہب پہلے ہی خود ہمارے ہاتھوں ستم پر ستم اٹھا کر زخموں پر زخم کھا کر ایسا خستہ و مجروح ہو گیا تھا کہ اُسے اپنے سر و پا تک کا ہوش نہ تھا، باطل عقیدے اُسکا روپ بنا بنا کر آتے تھے اور اُن سب کا جادو ہم نافہموں پر چل چل جاتا تھا، اُنکے اغوا سے ہم ایک دوسرے کے خون میں ہاتھ رنگتے تھے اور ثواب سمجھکر خوش ہوتے تھے، اُف! اُن ناخدا ترسوں نے ہمیں کیا سفاک اور شقی القلب بنا دیا تھا! اخوت و محبت ہمارے دلوں سے کچھ اس طرح فرار کر گئی تھی کہ گویا ہمارا انسے کبھی کوئی تعلق ہی نہ تھا، انکے بہکانے میں آکر ہم نے کل مومنٌ اخوۃ کو بھلا دیا ہمارا خون سفید ہو گیا، قومیت اور یکجہتی نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، ہم نے بزرگوں کی کمائی کو لٹا دیا، ہماری بزرگی، ہماری عزت، ہمارا اعتبار سب خاک میں مل گئے کاش تو ہمیں کچھ مدت پہلے مل جاتا اور مذہب سے روگردانی کرنے میں جبکہ ہم نے پہلی ٹھوکر کھائی تھی اُسوقت ہمیں سنبھال لیتا، ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر مذہب اور تو بروقت مل کر ہماری رہنمائی کرتے تو ہمیں یہ دن دیکھنے نہ پڑتے،

مذہب ابتک ہم سے ناراض ہے، ہم بدبختوں پر اُسکی برکات و فیوض کا دروازہ بدستور بند ہے، اے مشاہد علم یقین جان کہ ہم نے تیری قدر و قیمت اُسی کے تلقین و ارشادات سے پہچانی تھی، ورنہ تیرا کس مپرسی ہی کی حالت میں کام تمام ہو جاتا، اور ہم تیری طرف حمایت کا ہاتھ بڑھا کر شاید ہی تجھے ہلاکت سے بچاتے، یقین جان کہ وہ تیرا بڑا مشتاق تھا، اُسکی زبان سے تیری تعریفیں سن سن کر ہم پہلے سے تیرے نادیدہ عاشق ہو گئے تھے، اب ہمیں اب اُسکا بار بار یہ کہنا رہ رہکر یاد آتا ہے کہ تیرے بغیر ہماری عبادت تک عبث ہے، بارگاہ قدیر تک ہماری رسائی ہو سکتی ہے تو تیرے توسط سے زمانہ کی روندڈالنے والی جھپیٹ سے کوئی بچا سکتا ہے تو تو، اُسکا صاف صاف اور بالاعلان یہ کہنا ہمارے کانوں میں گونج رہا ہے، کہ ایک گھنٹہ تیرے درس اور تیرے لیکچر سننا، ہزار شہیدوں کی تشییع جنازہ سے افضل ہے! تیرا پوری سرگرمی اور محویت کے عالم میں ایک گھنٹہ تک خدا کے کاموں پر غور و فکر کرنا ستر برس نماز میں کھڑے رہنے سے بہتر ہے، جو شخص تیری جستجو میں پھرتا ہے خدا اُسے مسرت و شادمانی کے محلوں میں جگہ دیگا، تیری راہ میں جو قدم اُٹھاتا ہے، وہ مبارک ہے، اور جو دو رس وہ حاصل کرتا ہے انعام سے خالی نہیں، افسوس ہم احسان فراموشوں نے اُس سے اور اُسکی نصیحتوں سے تو منھ موڑا ہی تھا، بعد چندے تیرے مصحف رخسار کا مطالعہ بھی ترک کر دیا، اے خطا بخش و توبہ پذیر مشاہد علم، تم دونوں کے قدموں سے چھوٹ کر ہم پر وہ وہ سختیاں پڑی ہیں کہ اب اُنکے خیال سے دل کانپ کانپ اُٹھتا ہے، ہم اپنے کیے پر پیچھے دل سے نادم ہو رہے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ پھر بھول کر بھی تمھاری نافرمانی نہ کرینگے، ہماری روحیں اُسکی نذر ہیں، اور دل و دماغ تیری نذر، اس سے بڑھ کر پیشکش کے لیے ہم بے بضاعتوں کے پاس رکھا ہی کیا ہے؟

یہ کیا؟ مذہب کا نام آتے ہی تیری حالت کیوں متغیر ہونے لگی؟ کیا جوش رقابت سے؟ نہیں! تو صاف باطن اور

انصاف پسند ہو، تو رقابت و تعصب اور خود رائی سے پاک ہے، ہان تو جو سرزمین مغرب مین مذہب کے ہاتھوں بے انتہا مظالم مین مبتلا رہ چکا ہے، اس لیے شاید تجھے اس نام سے نفرت ہو گئی ہے، مگر یہ غلط فہمی ہے، نہ وہان تجھپر ستم ڈہانے والا مذہب تھا نہ یہان تجھے اُس سے کچھ خوف ہو سکتا ہے، اگر مان بھی لیا جائے، کہ مذہب ہی کے ایما سے وہان تجھپر ظلم توڑے گئے تھے، تو مذہب مذہب مین بھی تو فرق ہے، ہمارا مذہب صلح کل اور آزادہ رو ہے، اعتدال اسکا خاص جوہر ہے، یہ ایسا تنگ خیال نہین، اسکی نظر جسقدر وسیع اور بلند ہے، اسیقدر باریک و عمیق ہے، فطرت کا اور اسکا جادہ ایک ہے، اس نے تجھپر بڑا احسان کیا ہے، تجھے عز و شرف کا معیار اور خزائن دنیا کا کلید بردار قرار دیا ہے، یہ اسی کا قول تو ہے کہ تیرے بغیر معرفت نفس محال ہے، جس پر معرفت حق کی بنا ہے، پس اپنے دل کو شکوک سے خالی کرکے، گرمجوشی کے ساتھ، اپنے ایسے قدر دان سے گلے ملنے مین پس و پیش نہ کر، تجھ سے اُسکی شان دوبالا ہو جائے گی، اور اسکی رفاقت سے خدا تیری کوششون مین اور زیادہ خیر و برکت دیگا، تو اسکی شرکت مین بڑے بڑے کام کر سکتا ہے، تم دونون کی دوستی مخلوق کے لیے نہایت ہی مبارک ثابت ہوگی، اگرچہ مذہب ہم نا اہلون کی بدبختی سے کچھ بدل سا گیا ہے، لیکن بات یہ ہے، کہ ہم تیرے بغیر اُسکی کافی قدر نہ کرسکے، معدودے چند کے سوا اُسکی خوبی اور بزرگی کو کوئی نہ پا سکا، ورنہ ممکن نہ تھا کہ ہم اُس سے یہ بدسلوکیان کرتے، ہان اب تیرے توسط سے قدرے امید ہے کہ ہم مین اور بہت کچھ صفائی ہو جائے، وہ اپنے اصلی نورانی لباس مین ہمارے سامنے جلوہ گر ہو، اور ہم سب کی اُسکے سامنے گردنین جھک جائین، ہمین اچھی طرح تجربہ ہو گیا ہے، کہ دونون کا ساتھ لازمی ہے، نہ وہ تیرے بغیر کچھ قدرت رکھتا ہے، اور نہ اُسکے بغیر تو ہی کسی مصرف کا ہے، اگر تو کسی کے ساتھ شیر و شکر ہو سکتا ہے تو بس اس کے ساتھ،

لے شاہد علم مذہب کا وجود تجھ سے مقدم ہے، یہ بنی آدم کے لیے ودیعت فطری ہے، ہر ایک روح پر اُسکو تسلط ہے، کوئی روح بغیر اسکے چین نہین پا سکتی، روح اگرچہ تجکو قدر و عزت کی نظر سے دیکھتی ہے، مگر اسلیے کہ وہ اُس عالم سے تعلق رکھتی ہے جس سے تو بالکل نابلد ہے، وہ تیری ہر بات کو تسلیم نہین کرسکتی، قیاس دوڑا دوڑا کر تو وہان کی جو بے سر و پا خبرین بتاتا ہے وہ اُنپر ہنستی ہے، اور بجا ہنستی ہے، تو ہی انصاف کر، جو بات تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی نہو اُسپر کیونکر اعتبار کیا جائے، تو ہزار چلایا کرے، کہ خدا کے وجود کا خیال باطل ہے، تو ہزار چلایا کرے، کہ قیامت کے دن مردون کا پھر زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہونا جنون و سودا ہے، تو ہزار چلایا کرے، کہ روح کوئی چیز نہین، دماغی قوت، زمین سے بتدریج نشو و نما پانے والی ایک قوت یہ بھی ہے، جسم کے ساتھ یہ بھی فنا ہو جاتی ہے، اور اسکی بقا کا یقین خبط مین داخل ہے، تو ہزار چلایا کرے کہ حساب و کتاب، سزا و جزا محض گیدڑ بھبکیان ہین، تو ہزار چلایا کرے

کہ وحی و الہام مہمل الفاظ ہین، مگر روح تیرے ان پادر ہوا دعوون کو کب خاطر مین لاتی ہے، تو زمین و آسمان کو اُدھیڑ کر
رکھدے، مگر تو اُنکی تہ کو کب پہنچ سکتا ہے؟ تو نے جو یہ ایک انتہائی نظریہ قائم کیا ہے، کہ مادہ اور قوت کی ازل سے جو مقدار
ہے ابد تک وہی رہے گی، اگر صحیح بھی ہو، تو جب وہ تجھ سے سوال کرے گی کہ ع مادہ کیا ہے بھلا، تبلا تو دے مجھکو ذرا،
اُس وقت تجھے کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔

تو یہ بھی کہتا ہے کہ نیچر کی ماہیت پر آج بھی وہی پردے پڑے ہوئے ہین جو دو ہزار چار سو برس پہلے
اینکسی مینڈر (Anaximander) اور ایمپی ڈوکلز (Empidocles) کے زمانہ مین
یا دو سو برس قبل اسپینوزا (Spinoza) یا نیوٹن کے زمانہ میں یا سو برس قبل کینٹ (Kant)
اور گیٹی (Goethe) کے زمانہ مین پڑے ہوئے تھے، تو اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ ماہیت عالم اور بھی
پُراسرار ہوتی جاتی ہے، جون جون ہم اسکے خواص یعنی مادہ اور قوت کی تہ کے قریب پہونچتے جاتے ہین یا جس قدر ہم
اُسکے تغیرات اور مشاہدات کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہین، لیکن ہم خود اُس ذات کو نہین جانتے جو ان ممکن الدریافت
مشاہدات کے پیچھے چھپی ہوئی ہے ٭ اور اُلجھ جاتے ہین سلجھانے سے عقدے دہر کے + اور حیرت غور سے بڑھجاتی ہے اے تماشائی
پھر تیرا دیدہ دلیری سے یہ کہنا کہ "جب ہم اُس ذات کو دریافت کرنے کے وسائل نہین رکھتے اور نہ صاف صاف یہی معلوم ہے
کہ اُسکا وجود بھی ہے یا نہین تو اس عقدۂ لاینحل کو سلجھانے کی دردسری مین کیون پڑین؟" تو ہی بتا عجز مین داخل ہے کہ نہین؟

Vide "The Riddle of The Universe" by Ernest Haeckel
pp 134 Translated by Joseph Mccabe.

اے شاہد علم، اپنی فہم و دانش پر نازان نہو، تیرے مجہولات تیرے معلومات سے بدرجہا زیادہ ہین، اپنے کم ظرف مریدون کو
سمجھا کہ وہ اس طرح بڑھ بڑھکر باتین نہ بنائین، جب وہ اس عالم محسوس کی کامل اور بے عیب تحقیق نہین کر سکتے،
تو تمام کائنات، کے (جو نا محدود اور انکی دسترس سے باہر ہے) رازون کو کیونکر دریافت کر سکتے ہین؟

اے شاہد علم برانہ مان، ہم تیرے انکشافات، تیرے ایجادات، اور تیری دریافتون کو سر آنکھون سے تسلیم کرتے
ہین، تیری تحقیقات اور سعی کی داد دیتے ہین، اور تیری رضا جوئی کو اپنے لیے فخر و فلاح کا ذریعہ سمجھتے ہین، لیکن جن
امور مین تجھے دخل نہین، اُنمین پڑکر اپنا عزیز وقت نہ کھو، ہم تیرے کہنے سے سب باطل عقیدون، گمراہ کن تقلیدون
اور بیہودہ رسمون کے ترک کر دینے کو تیار ہین، رہا ہمارا مذہب، وہ سراسر تیرا موافق ہے، تجھے اُف کہنا تو کجا، وہ تجھے اپنا عزیز
بھائی سمجھتا ہے، جو باتین تجھے بُری معلوم ہوتی ہین وہ بھی اُنکو اچھا نہین سمجھتا، وہ ہماری روحون کی اصلاح کریگا،

اور تو ہمارے دل و دماغ کی۔

لے شاہر علم ہمیشہ سے انسان کو یہ خیال رہا ہے کہ کائنات کا بنانے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہے، بڑی بڑی غیور طبیعتیں بھی جن کی دانائی اور دقیق نظری کا ابتک ایک عالم پر سکہ بیٹھا ہوا ہے اس سے آزاد نہ تھیں، دیکھ سقراط نے جسکے حکمت و فلسفہ کے سامنے آجکل کا ترقی یافتہ زمانہ بھی سر جھکاتا ہے، ایک بیدین شخص ارسطوڈیمس نامی سے کیا گفتگو کی تھی

ارسطوڈیمس سے یہ بات تسلیم کرکے کہ وہ جدت شعار صناعوں کی ہنرمندی کو قدر و عزت کی نظر سے دیکھتا ہے، سقراط نے اُس سے دریافت کیا "کہ پھر صناعی کے ایسے اعلیٰ نمونہ کو جو خلقت انسانیہ میں پایا جاتا ہے کیسے جھٹلا سکتے ہو؟ مختلف احساس پذیر اشیا رکھے لیے اعضا رکی مناسبت، مژہ اور پلک سے آنکھ کی حفاظت، دانتوں اور ڈاڑھوں کی ترتیب و بناوٹ، ماں کی اولاد کے ساتھ فطری اور بے لوث محبت، اپنی حفاظت کی موثر و قدرتی معلومات، آیا یہ سب امور اور نظام ہائے فلکی محض اتفاق سے ظہور پذیر ہو سکتے ہیں؟"

ارسطوڈیمس نے جواب دیا "کہ مجھے تو بظاہر اس دنیا کا چلانے والا نظر نہیں آتا"۔

سقراط، "خوب! تمھیں اپنی روح بھی تو نہیں دکھائی دیتی جو تمھارے جسم پر حکومت کرتی ہے، اسلیے تمھارے افعال بھی محض اتفاقیہ ہوئے؟" اسپر ارسطوڈیمس ذرا سٹ پٹایا، اور کہا کہ میں خدا کی قدرت کا تو انکار نہیں کرتا، بلکہ میں اُسکی شان ایسی ارفع پاتا ہوں کہ مرے خیال میں اُسے میری عبادت کی مطلق احتیاج نہیں ہوسکتی"۔

سقراط۔"جسقدر اُسکی ذات ارفع و بلند ہے، یقیناً تم پر اُسیقدر اُسکی عزت و بندگی زیادہ واجب ہے در آں حالیکہ وہ اپنے لطف و احسان سے تمھاری خبر گیری بھی کرتا ہے"۔

ارسطوڈیمس۔"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ خدا کو انسان کا خیال بھی ہے"۔

سقراط "کیوں نہیں، انسان کو عقل و نطق عطا فرماکر تمام مخلوقات پر ممتاز و متصرف گردانا، اُسکی ہدایت کے لیے وقتاً فوقتاً الہام و وحی کے ذریعہ سے احکام بھیجتا رہا، اُسکی بہبودی اور کامرانی کے لیے بیشمار سامان پیدا کیے، جو برابر ایک قاعدہ سے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں، غرض جس طرح جسم انسانی پر روح کا عمل ہے، اُسی طرح اس تمام موجودات پر خدا کا حکم جاری و ساری ہے"۔ (ماخوذ از ذینوفن)

الحاصل ابتداے آفرینش عالم سے یہ خیال ہر سرزمین اور ہر آب ہوا میں نشو و نما پاتا رہا ہے، یہانتک یہ خیال پختگی اور کمال کو پہونچ کر آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں وادی فاران سے توحید کا آفتاب بنکر بلند ہوا اور چاروں طرف، دور دور، لا الہ الا اللہ کی پُر امن شعاعیں پھیلا دیں، جن سے بہت سی آنکھوں نے نور اور خنکی حاصل کی

اور بہت سی خیرگی سے چُندھیا کر رہ گئیں ؎

دیر ہوئے بے چراغ اور صلوات یہود | شرک ہوا مضمحل اور کہانت ہبا
بجھ گئے آتشکدے بیٹھ گئے بتکدے | ہوگئی تثلیث مات اور ثنویت فنا

توحید قوت روحانیہ کا انتہائی ارتفاع ہے' یہ ہزاروں صدیوں کی امانت ہے' یہ ہزاروں لطیف و پاکیزہ اور سبک سیر روحوں کا مقصود اعلیٰ ہے ہزاروں بزرگ اور گرانبہا جانیں اسکا راستہ صاف کرنے میں قربان ہوئی ہیں تب کہیں یہ ہم تک بے خلل و غش پہونچی ہے' ہم تیری سب باتیں مان لیں گے' مگر مر کر بھی اسے جدا کرنا منظور نہیں' یہ ہماری اصل حیات ہے' یہ دنیا کے لیے عافیت کی سند ہے' دنیا اسکو مان لے تو نسل و قومیت کا تفرقہ آج ہی مٹ جائے' اور اس طرح بنی آدم کے ایک حلقہ میں داخل ہونے سے یہ آئے دن کی خونریزیاں محض خواب و خیال ہوجائیں' پھر اے شاہد علم! خود تیرا راستہ بھی صاف ہوجائے' تیرے احکام کی کماحقہ تعمیل ہونے لگے' اور تیرے نام سے بعض نااہلوں نے جو یہ ظلم روا کر رکھے ہیں' اُنکی قرار واقعی بیخ کنی ہوجائے' لے سادہ دل تیرے احکام بغیر عمل کے گو شہرت زیادہ وقعت نہیں رکھتے' اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دامن بالکل پاک و صاف رہے تو مذہب کی رفاقت اختیار کر' ورنہ تیری صورت مسخ ہوجائیگی' تو مخلوق کے لیے بجاے رحمت کے قہر ہوجائیگا' اور تمام بد عمالیوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا'

تو اخلاق کی رو سے طب کی رو سے ہر طرح سمجھا بجھا کر بیٹھ رہا کہ لوگ دخت رز کو منھ نہ لگائیں' مگر رندمشرب طبیعتوں نے تیری ایک نہ سنی' بخلاف اسکے مذہب کی چند لفظوں کی تعمیل میں کروڑوں خدا کے ایسے بندے ہیں جو ام الخبائث کو منھ لگانا تو کجا ہاتھ سے چھونا تک حرام جانتے ہیں' تو تحفظ تمدن و اخلاق کے لحاظ سے حکمتاً' اصولاً' قانوناً' سب طرح منع کرچکا' کہ نامحرم مرد و عورت ایک دوسرے پر بُری نگاہ نہ ڈالیں' مگر ذرا گریبان میں منھ ڈال کر دیکھ' اسکی کہانتک تعمیل ہورہی ہے' بخلاف اسکے مذہب کا اثر دیکھ کہ اسکے چند سیدھے سادے جملوں پر نامحرم مرد و عورت کا یکجا ہونا در کنار دوچار ہونا تک دشوار ہوگیا ہے'

اسی طرح سیکڑوں اخلاقی باتیں ایسی ہیں کہ تو لوگوں کو بتاتا ہے اور وہ پابند مذہب نہونے سے ہنسی میں اُڑا دیتے ہیں' مذہب ایک بات کو نہایت سادگی سے چند لفظوں میں کہتا ہے اور لوگ اُسے لوح دل پر لکھ لیتے ہیں' اور بندہ بندہ جوڑ جوڑ کو اسکا تابع بنا دیتے ہیں' مگر جب تو اسی بات کو دلیل و برہان سے ہزار رنگ آمیزیاں کرکے' نمک مرچ لگا کے بیان کرے تو کوئی سنتا ہے' کوئی نہیں سنتا' اب اگر مذہب یہ کہکر فخر و مباہات کرے تو کچھ بیجا نہوگا ؎

دہر میں غارت گر باطل پرستی میں ہوا | حق تو یہ ہے حافظ ناموس ہستی میں ہوا
میری ہستی پیرہن عریانی عالم کی ہے | میرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدم کی ہے

لے شاہد علم اگر آج مذہب کا قدم دنیا سے اُٹھ جائے' تو عالم کا سنبھالنا کیا معنی' تجھے خود اپنی جان کے لالے پڑجائیں'

یہ مذہب ہی تو ہے جو فاسد طبیعتون کو فتنہ پردازی سے روکے رکھتا ہے' تیری شہ پانے سے تو اکثر خودکام اپنی ناجائز خواہشون
کے پورا کرنے کو کمزورون پر ظلم کرنے مین اور بھی دلیر ہو جاتے ہین' حال ہی کا واقعہ ہے' ذرا خدا لگتی کہنا' جاہل ترکون نے تعلیم یافتہ
اٹلی والون کا کیا بگاڑا تھا' جو اُنپر یہ زیادتی جائز رکھی گئی؟ اُنکی کیا خطا تھی؟ جو ایک تیرا کلمہ پڑھنے والی قوم نے امن والون
زیروزبر کر ڈالا' اور اُنھین بیٹھے بٹھائے ایسی آفات مین پھنسا دیا' کہ خدا ہی ہے جو وہ اُس سے سلامت نکل سکین' تیرا دلدادہ
یورپ بجاے اسکے کہ کمپنی اٹلی کو اُسکی "معقول حرکتون پر تنبیہ کرتا" اُلٹا اور دل بڑھا رہا ہے' کہ ہان ایکمرتبہ سارے
طرابلس پر قبضہ تو کرے' پھر کیا مجال جو کوئی تجھے وہان سے نکل جانے کے لیے زبان تک ہلا سکے! بتا اگر ایسی نازک حالت
مین ترک تنگ آکر نپولین کی طرح تلوار پکڑ کر اُٹھ کھڑے ہون' اور پاس پڑوس کی چھوٹی موٹی ریاستون کا قیمہ کرکے رکھدین
اور باقی یورپ کو نوٹس دیدین کہ خبردار ہو جا' تو بتا' تو اسکو روا سمجھے گا یا ناروا! کیا تو نے ان ظلم پسندون کو فنون جنگ اور
آلات حرب اسی لیے سکھائے تھے کہ یہ اُنکی مدد سے کمزور اور مسکین قومون کا نام و نشان تک مٹا ڈالے؟ کیا تجھے معلوم نہین ہے کہ ایک
طرف تو تیری محبت کے دم بھرنے والون نے بیگناہ مسکین ایران پر مصیبتون اور قتل و غارت کا آسمان توڑ رکھا ہے' ایک طرف مراکش
مین فتنہ و سازش کی آگ لگا رکھی ہے' اور ایک طرف طرابلس الغرب مین ظلم اور بیحیائی کا علم بلند کیا ہے' غرض چارون طرف
تیرے موذی موکلون نے ایک قیامت برپا کر رکھی ہے' وہ خون کے دریا بہا رہے ہین' اور ہزارون لوگون کو ناحق محض
نفسانیت سے بےخانمان اور بےوطن کر رہے ہین' اور تیری رگ حمیت جوش مین نہین آتی! ہزارون بچے یتیم و لاوارث ہو کر ٹھوکرین
کھاتے اور فریاد کرتے پھرتے ہین اور تیرا دل نہین پسیجتا! ہزارون نوجوان بیوائین اپنے خاوندون کو کھو کر اور بے آسرا
ہو کر عجب درد و یاس سے بین کر رہی ہین' اور تیرے کانون کے پردے شق نہین ہو جاتے! ہائے تو ان سفاک ناخدا ترسون
کو روکنے کے بجاے اُلٹی' علانیہ اور در پردہ مشورے سے ہتھیار سے ہر طرح اُنکی مدد کرتا ہے' افسوس تجھسے یہ امید نہ تھی ؎ مہر کی
تجھسے توقع تھی ستمگر نکلا ۔ موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا ۔ کیا اب بھی تجھے یہ کہتے ہوئے شرم نہ آئیگی کہ مذہب کی تلوار سے
ہمیشہ خون ناحق کے تازہ قطرے ٹپکتے رہے ہین' جہان جہان اُسکا مبارک قدم گیا' کشت و خون' اور قتل و غارت نے
اسکی پیشوائی کی' آزادی اور امن عامہ کا استیصال ہو گیا' کسی کو غلامی کی زنجیر پہنائی گئی' کسی کو جلاوطن کیا گیا' علم و ہنر
گہن مین آگئے' اور تمدن و معاشرت کے آفتاب پر دھوان دھار بادل چھا گیا! اے شاہد علم مذہب نے ہرگز ناحق خونریزی کو روا نہین
رکھا' اگر کسی نے اسکے علم پر ایسا کیا تو وہ خود اسکا جوابدہ ہو سکتا ہے' مذہب نے زیادتی کو ہرگز جائز نہین بتایا' وہ تو یہ کہتا ہے کہ
مغلوبون اور زیردستون سے نرمی اور ملاطفت کے ساتھ پیش آؤ' انکی حفاظت کرو عدل و داد اور مذہبی آزادی مین انکو
بھی پورا حصہ دو! کیا تیرے اصول بھی ایسے ہی ہین! کیا تو ضعیفون کے فنا کر ڈالنے کو انصاف نہین سمجھتا؟ کیا تیرے

مزاج مین خودکامی اور خودستائی نہین ہے؟ کیا تونے بعض طریقے ایسے اختیار نہین کیے ہین جن سے ہزارون بندگان خدا اپنی خداداد آزادی
اور قدرتی حقوق سے محروم ہو جائین اور تو الزام سے بری ہے؟ تیا کیا مذہب بھی تیری طرح جہل کو کشتنی اور ضعف و سکنت کو گردن زدنی قرار دیتا ہے
اے شاہد علم! ابھی تو گھٹنیون ہی چلتا اور تتلا تتلا کر باتین کرتا تھا اور ابھی تجھے سوائے چند نظمون یا بعض بے سر و پا افسانون کے اور کچھ نہ آتا
تھا کہ مذہب نے تمدن، معاشرت اور دنیاوی فلاح و ترقی کے لیے ایسا جامع اور مفید عام کوڈ منضبط کر دیا، کہ اب تو باین فہم و دانش سر ٹیک
کر بیٹھ رہے اور اسکا جواب لا سکے، روحانی اور غیر روحانی قوت مین یہی تو فرق ہے، کیا مجال جو نیک طبیعتین مذہب کے احکام مین ذرا بھی چون و چرا کر سکین
لیکن تیرے اصول اکثر مورد اعتراض ہوتے اور آئے دن بدلتے رہتے ہین، تیرے عمدہ احکام بھی اگرچہ رفاہ عام اور بہبودی جمہور کا پہلو لیے ہوتے
ہون مگر زیادہ باوقعت و باثر نہونے کی وجہ سے اکثر بہانہ جو نفس انکی شمہ بھر پروا نہین کرتے، اگر تری قدر دانی کے ساتھ وہ مذہب کی بھی اطاعت
کرین تو مخلوق کے حق مین کیا اچھا ہو،

بس اب جلی کٹی ہو چکی، ہم صاف باطن آدمی ہین، لگی لپٹی کچھ اُٹھا نہین رکھتے، جو دل مین ہے وہی زبان پر آتا ہے، اتنا ضرور کہین گے کہ
مغرب مین تیرے تقدس اور بزرگی کا کافی احترام نہین کیا گیا، اگر تو چاہتا ہے کہ تیری قوت و کامرانی کے ساتھ تیرے تقدس اور وقار کو بھی فروغ
ہوتا رہے تو ہم سے کھل کر مل، ہم تیرا نہایت ادب کرتے ہین، ہم تجھے محض کسب معاش اور حصول جاہ کا ذریعہ ہی نہین سمجھتے، آ ہمارے پاس آ، اگر تیری خواہش
ہے کہ تاریخ مین ہر طرح تیرا بول بالا رہے، تو ہم سے پیمان وفا باندھ، درازدستی اور بیحیائی تیری شان سے بہت گری ہوئی باتین ہین، تجھ جیسے
صاحب اقبال کے لئے تو خاکساری اور منکسر المزاجی زیبا ہے، نہ کہ عجب و نخوت و بلند دماغی، دیکھ بار بار لوگون کی غلط کاریون سے دنیا کو تیری نسبت شکوک پیدا
ہو چلے ہین، اپنے نیک نام کی حفاظت کر، خبردار تیرے کیرکٹر مین نام کو بھی کوئی کمزوری یا عیب نہ آنے پائے، دیکھ تمام ہند تجھ سے لو لگائے بیٹھا ہے
ہند مسلمان تیری تمنا مین ڈوبے ہوئے ہین، دھن دولت سب کچھ تیری راہ مین لٹا دینے کو تیار ہین، ہم مسلمانون کی سی بے بضاعت قوم بھی تیری
رضاجوئی مین کسی سے پیچھے نہین، علیگڈھ کا سا شاہانہ محل تیرے نام پر وقف کر رکھا ہے، آ اور اُس پر اپنا شاہی پھریرا اُڑا دے، ہمارا
کوئی گھر تیری روشنی سے محروم، اور ہماری قوم کا کوئی فرد بغیر تیرے فیض سے بے بہرہ نہ رہنے پائے، آ ہم سب مل کر تیرا خیر مقدم گاتے ہین آ ؎

زدر درآ و شبستان ما منور کن — دماغ مجلس روحانیان معطر کن
ازان شمائل و الطاف و حسن خو کہ تراست — میان بزم حریفان چو شمع سر بر کن
بگو بخازن جنت کہ خاک این مجلس — بتحفہ بر سر فردوس و عود مجمر کن
ستارۂ شب ہجران نمی فشاند نور — ببام قصر برآ و چراغ مہ برکن
فضول نفس حکایت بسی کند ساقی — تو کار خود مدہ از دست و می بساغر کن
لب پیالہ ببوس آنگہان بمستان دہ — باین لطیفہ دماغ خرد معطر کن
حجاب دیدۂ ادراک شد شعاع جمال — بیا و خرگہ خورشید را منور کن

سید تفضل حسین تاثر

ہفت بند حسینی

جناب مرزا کاظم حسین محشرؔ ہمارے شہر کی ممتاز جمعیت شاعری یعنی مجلس معیار کے ایک رکن اعظم ہین اور اُنکی پر لطف نظمون سے اردو زبان کے تقریباً تمام معزز رسالے زینت پاتے رہتے ہین ۔ ناظرین الناظر بھی اُنکی خوش کلامی کے نمونے ملاحظہ فرماتے رہے ہین ذیل کی نظم اُن کی جدت طبع اور فکر عالی کا نتیجہ اور مرثیہ کی صنف مین نئے مذاق شاعری کی ایک پاکیزہ مثال ہے ۔ ہم شکرگذار ہین کہ یہ لطیف نظم ہمارے پاس ایسے وقت ارسال کی گئی کہ ہمین ماہ محرم الحرام مین اوسکی اشاعت کا موقع مل گیا ۔ اور امید کرتے ہین کہ حضرت محشرؔ کی توجہ سے الناظر ہمیشہ اسی طرح متمتع ہوتا رہے گا ۔

کمال عشق ہے بے مونس و بے خانمان ہونا
نشاطِ زندگانی صرف راہ امتحان ہونا

بمجبوری ہجوم درد و غم مین چھوڑنا گھر کو
رضائے دوست کی خاطر خوشی سے بے نشان ہونا

تعلق طبع کو ایذائے راہ کوہ و صحرا سے
پریشان قلب کا ہم صورت ریگ روان ہونا

گرفتار سیاست ہو کے آخر ختم ہو جانا
تمدن کے طریقے پر تصدق جسم و جان ہونا

سمجھنا فلسفے کو صبر کے تا قوت امکان
بہ رنگ اہل باطن چشم دل کا خون فشان ہونا

زبان سے دفتر اخلاق کی تشریح کر دینا
نگاہون سے کسی نامہربان کا مہربان ہونا

مثال شمع خود رونے لگین سر کاٹنے والے
تکلم دلگداز ایسا دم سوز بیان ہونا

بھروسہ فطرۃً اتنا ہو نفس مطمئنہ پر
کہ اُف منھ سے نہ نکلے گو کہ مر جائے دل مضطر

زمین ہو دشمن جانی کہ ساتون آسمان دشمن
نہ بل تیوری پر آئے گو کہ ہو سارا جہان دشمن

قدم اُٹھے ہی جائے منزل مقصود کی جانب
غرض ہی کیا اگر ہو کاروان کا کاروان دشمن

گلے قبر عزیزان ہون خبر آہون کے یون نکلین
یہ مانا بڑھتے بڑھتے دل مین ہو سوز نہان دشمن

صفائے قلب کی مخبر نگاہ لطف بن جائے
کوئی مہمان دشمن ہو کہ کوئی میزبان دشمن

بگڑنا ہے تو بد مستان مینخانہ نہ بگڑ جائین
حواس اتنے رہین باقی نہ ہو پیر مغان دشمن

نشاط روح ہے راہ رضا مین کام آ جانا
کہان کی زندگانی ہو گیا جب جان جہان دشمن

پہونچ کر کوئے جانان مین جو ہو پاس ادب دل سے
بتا سکتی ہے پھر کیا ہو جو چشم پاسبان دشمن

مدارج دن بہ دن یون بڑھتے جائین جذبۂ دل کے ۔

کہ وقت ذبح بوسے دے رگِ جان تیغ قاتل کے

مزا دے محفلِ عیش و طرب کا رنجِ تنہائی — دلِ بیتاب کو دے چین سکون ہو ناشکیبائی
منور کر دے جا کر جو کہ قبرِ پیرِ کنعان کو — غمِ نورِ نظر میں جائے یون آنکھون کی بینائی
نہ ہووے بادہ نوشان کہن کی تشنہ کامی کو — میسر ہو اگر قسمت سے کوئی جام مینائی
صدا آئے حریمِ حسن سے جب جانستانی کی — بڑھے بیساختہ لبیک کہہ کر قلبِ شیدائی
زمین سے تا حجابِ قدس سناٹا سا پڑ جائے — تنِ زخمی کو جب رخصت کرے روحِ تمنائی
پسِ گردن روانی کند خنجر کی ہو خواب آور — درِ محبوب پر ہو اس طرح محو جبین سائی
دلِ خون گشتہ کے ماتم سے شورِ حشر برپا ہو — مٹے پر بھی رہے عالم میں یہ ہنگامہ آرائی

سُنے جو تذکرہ بے ساختہ آنسو نکل آئین
بڑھے یون گرمیٔ غم پردۂ چشم و دل کے جل جائین

شکستہ ہو رگِ دل گو کہ ہنگامِ جفا کاری — قیامت تک مگر ٹوٹے نہ پیمانِ وفاداری
اُڑے یون خون تازہ امتحان گاہِ محبت میں — در و دیوارِ بزمِ قدس پر جس کی ہو گلکاری
ملے خوابِ اجل کو ایسا تابستان مظلومی — جہان کے ذرے ہون صورت میں اور سیرت میں جگرکاری
سراپا زخم بن کر چھوٹنا لذت سے ایذا کی — بظاہر بیخودی طاری مگر باطن میں ہشیاری
خیالات وفا پرور میں آزادی سی آزادی — دلِ بیتاب کے ہر چند سامان گرفتاری
کہان ہو اہلِ دل ہان کربلائے عشق میں آؤ — کہ اک شبیر تنہا اور زمانے کی جفا کاری
دلِ مظلوم کی آہین ورقِ دنیا کا اُلٹین گی — قیامت ہے زمین سے تا بسیطِ چرخِ زنگاری

مصائب جتنے تھے سمجھے اُنھین داخل عنایت مین
اُٹھائے ایک دن مین سب کے سب خالق کی الفت مین

حواسِ خمسہ میں لیکن ذرا سا بھی نہ فرق آیا — نہ گردون ہو کے صد پارہ دل کے امتحان کیا کیا
بصارت چشمِ دل میں اور بھی پیدا ہوئی دونی — غمِ نورِ نظر نے سینے پر مارا اگر بھالا
دماغِ دل کو زور شامہ نے اور قوت دی — شہیدانِ وفا کے خون کی خوشبو کو جب سونگھا
پھر تیرِ قضا کی جو لنک آوازِ حسن سن کر — نہ گھٹنے پائی قوت سامعہ کی عصر تک اصلا
دہان سوزِ عطش سے گو کہ منھ مین پھر نہ سکتی تھی — مزا لیکن نہ ہرگز لذتِ بیداد کا بدلا
رگون کا خون بہ جانے پہ بھی تھی جسکی یہ حالت — مسیحا بن گئے جب نبض کو سجاد کی دیکھا

ارے اے واقف سر شہادت تیرا کیا کہنا

ارے اے پاسے بند حکم قدرت تیرا کیا کہنا

کھڑا ہے کربلا مین یادگار مصطفےٰ تنہا ہزارون دشمن جان اور حسین باوفا تنہا

نکالی قلب سے اکبر کے برچھی روسے اصغر کو جگر سینے مین تنہا اور دل درد آشنا تنہا

فضاے دہر مین طوفان غم سے اک قیامت تھی کلیجہ تھامے یہ مظلوم جب رو دیا کیا تنہا

تصدق اسپہ علم کربلا مین جتنی ہون روحین کہ جو وعدہ وفائی کے لیے زندہ رہا تنہا

جدھر اٹھ جاتی تھین نظرین خدا دکھلائی دیتا تھا وہ وقت آیا کہ ہے روح علی مرتضےٰ تنہا

ابل کر گرے زخمون سے لہو بھی ہوگیا رخصت بوقت بیکسی یون ہے غریب نینوا تنہا

وصال دوست کی تمہید آخر ہے یہ تنہائی

بس اب دم بھر مین دل ہوگا نہ زور ناشکیبائی

کدھر ہو آؤ لے وقت قیامت دیکھنے والو کہ دیکھو تیر اعظم کی رنگت دیکھنے والو

دم عصر آگیا اب آسمان سے خون برسے گا لہو آنکھون سے روؤ شام غربت دیکھنے والو

بس اب شبیر کی تشنہ دہانی خاتمے پر ہے بس اب منہ پیٹو اے افسردہ صورت دیکھنے والو

وہ دیکھو شمر ظالم فوج سے خنجر بکف نکلا جگر تھامو اکیلے کی مصیبت دیکھنے والو

وہ زخمی کے قریب آیا وہ رکھا پاؤن سینے پر کہان ہو لے ستمگاری کی شدت دیکھنے والو

شکستہ دل پہ کیا گذری ذرا انصاف سے کہنا کتاب ظلم مین رمز شہادت دیکھنے والو

جدا سر ہوگیا دنیا مین آندھی اک سیہ اٹھی ہوا اندھیر لے طوفان آفت دیکھنے والو

حسینی زخمون کے خاطر ہمارا گریہ مرہم ہے

ہمارا دین اور ایمان لے محشر یہی غم ہے

مرزا کاظم حسین محشر لکھنوی

سر پہ او قاتل ترے ذرخستا آہی گیا پونچھ دامن سے لہو دست حنا آہی گیا

ہم نہ کہتے تھے کسی کی بد نظر لگ جائیگی ٹوٹ کر سینہ تلک نہد نقاب آہی گیا

اتنا کہکر ہوگیا رخصت کسی کا بچپنا لے خدا حافظ کہ اب تیرا شباب آہی گیا

نزع کی الجھن مری کم تو تمی نے ٹالدی مین تو سمجھا تھا کہ اب تجکو حجاب آہی گیا

تیرے ہی کہنے سے مینے اپنا افسانہ کہا پھر وہ کیا تھا جس پہ یون تجکو عتاب آہی گیا

چاہیے انسان کو تقدیر پر شاکر رہے مجھ تلک بھی دور مین جام شراب آہی گیا

کیا غرض اس سے جیے گا یا کوئی رجیگا میرے نامہ کا وہان سے کچھ جواب آہی گیا

سو گئے کب تک اٹھو اے ہجر کے نالہ کشو وہ سوا نیزہ پہ دیکھو آفتاب آہی گیا

جاگنے مین جو ہوئی تھین ہجر کی راتین بسر تیغ کے سایہ مین عالم تجکو خواب آہی گیا

عالم لکھنوی

اقوام یورپ کی ترقی تجارت و صنعت و حرفت مین

اقوام یورپ کو جو برتری صنعت و حرفت مین آج حاصل ہے اُسپر بحث تفصیل کے ساتھ طوالت کے اندیشہ سے نہین کیجا سکتی۔ لیکن مختصراً بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس مضمون کو بیان کرنا ان تمام اقوام کی ترقی دولت۔ ترقی آبادی تمدنی حالات۔ لوگون کی عام خصوصیات وطرز عمل اور قومی ذرائع آمدنی کو اور تمام تغیرات کو بیان کرنا ہے جو کہ۔ کی اقتصادی حالت مین وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہین۔

اقوام مین اس تنازع للتفوق کی تاریخ اسوقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ یورپ کے حرص و آز کا دامن وسیع ہونا شروع ہوا اور اپنے ملک کی تجارت کو ترقی دینے مین یورپ کی مختلف اقوام نے سرگرمی شروع کی۔ کبھی ایک قوم کو عروج حاصل ہوا کبھی دوسری کو پھر ایک زمانہ آیا کہ تیسری ہی قوم کھڑی ہو گئی۔ جو اس دوسرے سے زیادہ ذکی و فریس تھی اور زیادہ عملی قابلیت رکھتی تھی اس لوائد کی روشنی مین پہلی مدہم پڑ گئی۔ غرض کہ اقوام یورپ کی یہی زیر وزبر حالت ہوتی رہی ہے اور رہے گی صنعت و حرفت و تجارت کا چولی دامن کا ساتھ ہے ایک کو دوسرے سے آپ جدا نہین کر سکتے۔ ایک کی بحث مین دوسری کی بحث چھڑ جائے گی ایک کا ذکر کرتے وقت دوسری کی جانب خاموش رہنا بالکل غیر ممکن ہے۔

صنعت و حرفت کو یہ ترجیح ضرور حاصل ہے کہ اسکی مدد سے آئے دن انسانی جفاکشی کے نئے نئے نتیجے ظاہر ہوتے رہتے ہین اسکی مدد سے ملک کی قدرتی پیداوار کو محنت وجفاکشی کی مدد سے عمدہ شکل مین ڈہال سکتے ہین۔

تجارت خام و پختہ اشیاء کے باہم تبادلہ اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجانے کو کہتے ہین تجارت ہی کی بدولت ایک ملک کی زیادتی دوسرے ملک کی کمی کو پورا کرتی ہے اسکی مدد باہم تبادلہ اشیاء۔ تقسیم عمل۔ دولت پیدا کرنے کے ذرائع مین پابندی ضابطہ کے اوصاف پیدا کر دیتی ہے۔

قبل اسکے کہ ترقی صنایع کا کچھ ذکر کیا جائے مختصراً کچھ حال اس باہمی تنازع کا بیان کیا جاتا ہے جو اقوام قدیم مین دولت جمع کرنے کے لیے تجارت کو ترقی دینے کی صورت مین ظاہر ہوا تھا۔ شروع شروع مین انسان اپنی ضرورتون کو دریائی وصحرائی جانور کا شکار کرکے پورا کر لیا کرتا تھا۔ اور کسی چیز کے بنانے کی تکلیف نہین گوارا کرتا تھا لیکن زمانہ نے جب ایک قدم اور آگے بڑھایا اور انسان نے آہستہ آہستہ اپنی نئی ضرورتون کے لحاظ سے تھوڑی سی سادی سودی چیزین بنانا شروع کین۔ آبادی کی ترقی کے ساتھ قدرتی اشیاء کا استعمال آدمی کم کرنے لگا اور ضرورتون کے

لحاظ سے کھانے کپڑے کے لیے جانور پالنے شروع کیے۔ اب زمانہ نے اور ترقی کی اور انسان مدنی الطبع ظاہر ہونا شروع ہوا
زراعت کے رخ دکھایا اور انسان نے خانہ بدوشی چھوڑ کر ہل کاندھے پر لیا اور سوسائٹی کا نظام درست ہونے لگا۔ ذاتی
جائداد میں لوگ بنانے لگے اور مکان زمین جائداد غیر منقولہ و منقولہ کی صورت نظر آنے لگی اسکے ساتھ صنعت و حرفت کا زمانہ
آیندہ آدمی نے صرف اپنے ہی لیے محنت جفاکشی کو محدود نہین رکھا۔ بلکہ دوسرون کے لیے بھی کام کرنا شروع کیا اقوام کے باہم
میل جول سے تبادلہ خیالات شروع ہوا اور انسان مین اخلاقی و تمدنی ترقی ظاہر ہونے لگی قدیم زمانہ مین مغرب کی تجارت
مغرب مین تھی اور مشرق کی مشرق مین۔ جب سے مغرب نے مشرق کے ساتھ اور مشرق نے مغرب کے ساتھ مواصلت کی
اور باہم آمدورفت کے راستے کھل گئے تو تجارت مین بہت زیادہ ترقی ہونے لگی اس زمانہ مین مغرب و مشرق کی تجارت کے
صرف دو راستے تھے ایک تو۔ بحر کیسپین کی طرف سے وسط ایشیا مین ہوتا ہوا گیا تھا۔ اور دوسرا بحر فارس و دریائے فرات
کے برابر اسکندریہ ہوتا ہوا گیا تھا۔ اسکے بعد جب تحقیقات نے ظاہر کیا کہ بحر ہند مین موسمی ہوائین جاڑے مین شمال و مشرق
کی جانب سے چلتی ہین اور گرمی مین جنوب و مغرب سے تو لوگون نے یہ دریا کا راستہ نکالا۔ اور جزیرہ لیوانٹ کی تجارت
کو فروغ ہونا شروع ہوا اس دریائی راستے کے نکل آنے سے بحر قلزم کی راہ سے تجارتی و صنعتی ترقی کے دروازے کھل گئے
قدیم فینشیا والون نے نئے نئے ملک معلوم کرکے اور اپنے مال کے لیے نئی بازارین دریافت کرکے بہت کچھ خطرات کے مقابلہ
مین اپنی تجارت کو ترقی دی انکے بعد کارتھیج۔ انکے جانشین ہوے جنسے یونانیون اور رومیون نے جانشینی حاصل کی
اب مرکز تجارت یونان اور رومۃ الکبریٰ کی طرف منتقل ہوگیا اور دوسری صدی عیسوی مین تجارت و صنعت و حرفت
سلطنت روما کے بنائے ہوے نقش پر چلتی تھی۔ اس زمانہ مین لیوانٹ (Levant) کی تجارت نے اور ترقی کی
حتیٰ کہ چین سے شام تک سفر کرنے مین آٹھ ماہ صرف ہوتے تھے۔ مارسیلز (Marseilles) جنیوا (Geneva)
پائسا (Pisa) اور وینس (Venice) کی تجارت نے اسکے بعد ترقی شروع کی انکے تعلقات
زیادہ ایشیائے کوچک سے تھے اور انھین کے بیڑہ جہازمین سوار ہوکر شمالی یورپ کے جنگجویان صلیب نے ارض مقدس کا
قصد کیا تھا اس زمانہ مین ایشیا کا تجارتی راستہ دریائے ڈینوب (Danube) سے منحرف ہوکر کوہ ہائے
الپس (Alps) کی طرف قائم ہوا۔ صلیبی لڑائیون کی وجہ سے ایشیا کی بہت سی قسم کی صنعتون اور فنون کا
چرچا یورپ مین ہوا۔ حسین زائرین ارض مقدس کی متواتر آمدورفت سے اور زیادتی ہوگئی غرض کہ انھین تعلقات
آمدورفت کا نتیجہ تھا کہ یورپ کو تہذیب و ترقی حاصل ہونی شروع ہوئی۔ اور قطب نما مطبع اور بارود کا رواج دنیا
مین ہوا اسی زمانہ مین زائرین ارض مقدس ان چیزون کے علاوہ یورپ مین ریشم لوہا کاغذ وغیرہ لائے۔ اس

زمانہ کے بعد بھی یورپ مین تجارت کو بے اندازہ ترقی ہونے لگی اور دریائی سفر اختیار کرنا لوگون کا تجارتی معاملات مین اظہار ہمت کرنا جو کھم لینا معمولی بات ہوگئی۔ نئے ملکون اور نئی نئی ایجادات کے معلوم ہونے سے تجارت کو اور بہت مدد ملی۔ اسی زمانہ مین راس امید Cape of Good Hope کی طرف سے ہندوستان کا راستہ پرتگالیون نے دریافت کیا۔ اس راستے کے دریافت ہونے کے بعد سے تجارتی آمدورفت کا رُخ بحر قلزم کی طرف سے بحر اطلانطک کی جانب ہوگیا۔ پندرھوین صدی عیسوی کے وسط مین قسطنطنیہ ترکون کے ہاتھ مین آیا اور یورپ کے عیسائیون کو ایشیا والون سے تعلقات پیدا کرنے کا اور زیادہ موقع ملا۔ اسی زمانہ مین کولمبس (Columbus) نے ہندوستان کی تلاش مین امریکہ کا پتہ دریافت کیا۔

سر جان سیلی کہتے ہین کہ دنیاے جدید کے معلوم ہونے کے یورپ کی پانچون دول عظام کی حالت و توجہ کو اپنی جانب کر لیا۔ اسپین و پرتگال سولھوین صدی عیسوی مین منتہاے ترقی پر پہونچے واسکوڈی گاما کے بعد پڈرو الورنیر کیبرال نے سفر دریا کیا اور ۱۵۰۰ء مین ساحل مالابار پر پہونچا اور کوچین و کنانور مین تجارتی منڈیان قائم کین۔ اس طرح پر ہندوستانی اشیا لسبن (Lisbon) کے ذخیرون مین جمع ہو کر تمام یورپ مین مشتہر ہونا شروع ہوئین۔ سترھوین صدی عیسوی مین بحر اطلانطک کے سواحل کے باشندون نے میدان تجارت مین قدم رکھا اور اٹھارھوین صدی مین اسپین و پرتگال کا ستارۂ اقبال غروب ہونا شروع ہوا اور ہالینڈ انکے قبضہ سے نکل گیا جو دولت کثیر ہسپانی مکسیکو اور پیرو سے لائے تھے اسکے عوض مین صنعت و حرفت کی جانب انکی طبیعت مائل نہوئی اور آخرکار مسابقت اقوام مین انھین پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ ہالینڈ جو ممالک اسپین مین مرکز تجارت تھا وہ بھی اب آزاد ہو چکا تھا۔ ہالینڈ کے آفتاب تجارت و صنعت و حرفت کی شعاعون نے اہل اسپین کی آنکھون کو خیرہ کر دیا۔

ہالینڈ والون نے تمام قسم کے ٹیکس اشیاے تجارتی پر سے اُٹھا دیے اور اقوام یورپ بجاے اسپین کے اب ہالینڈ کے بازارون مین تبادلہ اشیا اور بین الاقوامی کاروبار کے لیے جمع ہونا شروع ہوئین۔ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہندوستان کی تجارت مین کچھ کمانا شروع کیا لیکن انکی کوشش فرانس اور انگلستان کی زیادہ باضابطہ اور شائستہ کوششون کے سامنے ناکامی سے بدل گئی۔ اور ہند کا بازار فرانس اور انگلستان کے قبضہ مین آنا شروع ہوا اور ڈچ لوگون کی صنعت و حرفت انکی تجارت اور سمندر پر انکی عظمت سب نے یکے بعد دیگرے خیرباد کہنا شروع کیا۔ اب فرانس و انگلستان مین مسابقت شروع ہوئی ہندوستان کی شکست پلاسی اور شمالی امریکہ کی شکست کوہ ابراہیم نے فرانس کی ترقی کو روک دیا اور انگلستان میدان مین آگے نکل گیا اور جس طرح طائر اور کارتھیج کی

بربادی کے بعد روما کو عظمت نصیب ہوئی تھی اسیطرح اسپین و فرانس کے زوال کے بعد انگلستان کو تجارتی عظمت حاصل ہوئی۔اب ہم اُنیسوین صدی کے کنارے پہونچ گئے جبکہ انگلستان اپنے نومقبوضات کے انتظام مین مشغول تھا اور سمندر کی تجارت پر پورا پورا قبضہ رکھتا تھا۔اس زمانہ مین بہت سی ایجادین ہوئین جنھون نے ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور یورپ کی تجارت مین حیرت انگیز تبدیلیان پیدا ہوگئین انگلستان چارون طرف پانی سے محیط ہونے کی وجہ سے نہایت محفوظ حالت مین تھا۔ممالک غیر کے حملون سے محفوظ رہکر امن و امان کی حالت مین یہان والون نے عجیب و غریب ایجادین پیدا کین واٹ کے اسٹیم انجن ہمنگٹن کے دخانی جہاز اور سٹفنسن کی گاڑیون نے تمام ملک کی تجارت کی رفتار بدلدی اور جو قدم کہ پہلے آہستہ آہستہ پڑتا تھا اب اسپر دوڑنے کا شبہ ہونے لگا اور انگلستان کی کامیابی اور عظمت تجارت وصنعت وحرفت تمام عالم مین تسلیم کر لی گئی۔جہازون کی مدد سے انگریزون نے ممالک غیر مین اپنے سامان کی منڈیان قائم کین اپنے ملک کی مصنوعات سے اُنھین بھر دیا۔ارک رائٹ۔ہارگیریوز۔اور سمارٹ رانٹ کی ایجادون نے کپڑا سستا بُننا اور جہازون پر ممالک غیر کو روانہ کرنا آسان کر دیا۔نلسن اور کارٹ نے کم خرچ مین لوہا نکالنا بتایا سیمبر ہیچنسن مارٹن اور طامسن نے کم خرچ مین فولاد بنانے کی تعلیم کی غرض کہ یہ وہ چیزین تھین جنھون نے آلات صنعت وحرفت مین بے نظیر تبدیلیان پیدا کر دین اور نفاست وارزانی دونون اوصاف کے ساتھ بیشمار چیزین بننی شروع ہوئین۔ان ایجادون کی مدد سے انگلستان نے تمام دیگر ممالک یورپ کے مقابلہ مین زیادہ لوہا اور فولاد بنانا عمدہ اور زیادہ مشینریان تیار کرنا کان سے زیادہ کوئلہ نکالنا زیادہ کپڑا بُننا شروع کیا۔ لیکن ان ترقیات کے ساتھ انکی بعض غلط حکمت عملیون کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ ہاتھ سے نکل گیا اور ۴ جولائی ۱۷۷۶ء کے اعلان خودمختاری نے ممالک متحدہ امریکہ کو ایک جدید سلطنت بنا دیا۔

انگلستان کو اس نوآبادی کے ہاتھ سے نکل جانے سے سخت صدمہ پہونچا۔لیکن امریکہ سے جو اسکے تجارتی تعلقات تھے اُنمین فوراً تغیر عظیم پیدا ہوگیا۔انگلستان کی خوش نصیبی کہ یورپ مین اس زمانہ مین انقلابات ہو رہے تھے۔فرانس کی حالت منقلب تھی۔جرمنی وغیرہ کی کوئی ہستی نہ تھی۔اسپین پہلے ہی گر چکا تھا اسلیے انگلستان کے صدمے سے دوسری کوئی قوم نفع نہین اُٹھا سکی مگر خود ممالک متحدہ امریکہ جو مختلف اقوام یورپ کا ایک ملغوبہ تھا خاص ذکاوت کے ساتھ جو اس قسم کے لوگون کا خاصہ ہے ترقی کے میدان مین آگے بڑھنے لگا۔تجارت وصنعت مین ترقی وعظمت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کاریگر اور مزدوری پیشہ لوگ خاص طور پر ہوشیار و ذکی اور فطین ہون۔ممالک متحدہ امریکہ کو یہ سب باتین حاصل تھین اور دنیاے جدید کے قدرتی ذرائع آمدنی بے حد

اور بے کام مین لائے پڑے تھے صرف تھوڑی سی سعی کی ضرورت تھی ادبل پڑے۔ اور تمام ملک کو مالامال کردیا
انگلستان مین اسوقت تک "فری ٹریڈ" یعنے تجارتی آزادی کے اصولون پر عمل نہین تھا اس صدمہ کے بعد سے
سبق حاصل ہوگیا۔ ۱۸۴۶ء مین اسنے فری ٹریڈ کا اعلان کردیا۔ ممالک متحدہ امریکہ کی اب یہ حالت ہے کہ لوہا اور کوئلہ
اسکے ہان سب سے زیادہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح اون اور ریشم بھی جتنی روئی تمام عالم مین بولی جاتی ہے اسکا تین ثلث
حصہ یہان پیدا ہوتا ہے۔ اسکے مصنوعات کی قیمت انگلستان کے مصنوعات سے تین حصہ زیادہ ہے۔ کھانے کی اشیائ
اسکی ریلوے اسکی تجارت کی منڈیان تمام دیگر ممالک سے زیادہ ہین جتنی بڑی بڑی جماعتین یہان متحد ہوکر کاروبار
بارکرتی ہین کہین دوسری جگہ اسکی نظیر نہین مل سکتی۔ اس ملک کے قدرتی ذرائع آمدنی اسقدر وسیع ہین اور اسقدر
اشیاء خام پیدا ہوتی ہین کہ کوئی چیز ایسی نہین ہے جو دنیا کے کسی حصہ مین تیار ہوتی ہو۔ اور یہان نہ تیار ہوسکتی ہو۔
اب جرمنی کی طرف نظر کیجیے ۱۸۷۰ء کی جنگ مین جو فرانسیسیون سے اور جرمنیون سے ہوئی تھی جو کامیابی
انھین حاصل ہوئی اسکے صلہ مین تاوان جنگ اسقدر ملا کہ جرمنی نے اپنے ہان بجاے چاندی کے دیگر ممالک کی طرح
سونے کا سکہ جاری کردیا اس روپیہ نے جرمنی کی حالت قائم کردی اور جنگ سیڈان نے فرانس کی برتری کو
یورپ مین صدمہ پہونچایا اور ریاست ہاے جرمنی کو شاہنشاہی کے درجہ تک پہونچایا۔ روڈ دان بسمارک کے
زمانۂ انتظام مین جرمنی نے ہاتھ پاؤن نکالنے شروع کیے لوگون کی عادات حالات طبع ذہن وذکاوت اور
جوش وحوصلہ مندی تجارت اور صنعت وحرفت کی ترقی مین جزو اعظم ہین۔ ان باتون کو مدنظر رکھ کر دیکھا گیا تو
جرمن قوم نہایت مستقل مزاج با اصول محتاط کام کو اچھی طرح تکمیل کرنے والی اور دیگر اقوام کے مقابلہ مین اپنی
عزت رکھنے والی نظر آئی۔ انھین نگران کار اور کاریگر دونون کی صفتین بدرجۂ اتم ہین۔ یہ صفات مالی امداد کے ساتھ اس
قوم کی ترقی کی باعث ہوئین۔ اب اسکی حالت یہ ہے کہ فولاد کے تیار کرنے مین ممالک متحدہ امریکہ کے بعد اسی کا
نمبر ہے۔ تمام دنیا مین اسکا مال کثیر تعداد مین فروخت کے لیے جاتا ہے اسکے جہازون کی رفتار بہت زیادہ ہے اور
انگریزی جہازون سے آرام انتظام اور رفتار کی کسی مین کمی نہین۔ پرنس بسمارک نے یہ دیکھکر کہ انگلستان کو
"فری ٹریڈ" سے کیا فائدہ پہونچا تھا ابتدا سے اپنے ہان اسی اصول پر عمل کرنا شروع کیا اس نے ریلوے کا انتظام
سرکار کے ذمہ کیا تمام اوزان یکسان ملک مین جاری کیے۔ ایک ہی قسم کے سکے تمام ممالک جرمنی مین رائج کیے
نقدی اور مالی اصلاحین کین شاہی بنک قائم کیے اور برلن دارالسلطنت جرمنی کو وہ بنادیا جو آجکل نظر آتا ہے
اسی زمانہ مین لوگون نے تجارتی جوکھم لینا شروع کیے۔ جن مین ناکامیابی ہوئی اس موقع کو دیکھکر امریکہ اور روس نے

اپنے ہان سے گیہون جرمنی بھیجنا شروع کیا اور حالت اتنی ابتر ہوئی کہ زراعت پیشہ لوگ تباہ ہونے لگے لیکن ریاست نے "فری ٹریڈ" کو چھوڑ کر اصول محافظت کو جاری کر دیا اور جبتک حالت درست نہوئی "فری ٹریڈ" سے باز رہے۔ انگلستان ممالک متحدہ اور جرمنی کے مقابلہ مین جتنی دوسری ریاستین اور ہین سب بے حقیقت ہین لیکن بلجیم جو ایک چھوٹی سی ریاست ہے اپنے جثہ کے لحاظ سے بہت زیادہ کام کرتی ہے اسکی تجارت اور مصنوعات کی حالت یہ ہے کہ درآمد و برآمد کی اشیاء کا اگر حساب لگایا جائے تو فی کس حساب بمقابلہ برطانیہ اعظم کے بہت زیادہ پڑتا ہے۔

فرانس کے قبضہ مین اب بھی بعض بعض مصنوعات ہین مثلاً ریشم اون اور شراب کے بیوپار ہین اور نیز اشیاء جرمنی کی تجارت مین اسکا مرتبہ بلند ہے۔ موٹر مشنری کی تجارت مین بھی یہان ترقی بہت زیادہ ہوئی ہے۔

ہالینڈ سے مکھن گوشت اور انڈون کی برآمد بہت ہے اور ناروے سویڈن اور ڈنمارک بھی لاکھون روپیکے مکھن کا بیوپار کرتے ہین اور تمام عالم مین یہان سے مکھن اور پنیر تقسیم ہوتا ہے۔

جاپان کی حالت یہ ہے کہ چالیس پچاس برس پہلے اسے کوئی جانتا بھی نہ تھا اب اس نے کچھ گمنامی سے سر نکالا ہے اور دنیا کو اپنی مصنوعات دکھا کر محو حیرت کر دیا۔ اسکی حالت بحیثیت جغرافیہ کے ایسی ہے جیسی کہ ایک بڑے تجارتی اور کاریگر ملک کے ہونی چاہیے اسکی زمین اسکی آب وہوا اور اسکے لوگون کی خصوصیات طبع اور چینی بازار کا ہر وقت سکے لیے کھلا رہنا ایک بہت بڑی قوم بننے کی امید دلاتے ہین ملک ہی مین اشیاء خام پیدا ہوتی ہین اور ملک ہی مین تیار کر کے اشیاء باہر بھیجی جاتی ہین کوئلے کے یہان بہت بڑے بڑے ذخیرے ہین اور لوگون مین تجارت اور صنعت وحرفت کی طرف بڑا میلان ہے۔ یہان جہازات بھی بنائے جاتے ہین۔ جاپان کی ترقی کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ یہان کے لوگون مین سائنٹفک طریقہ پر بہت بڑے بڑے پیمانے کے ساتھ کام کرنے کی قابلیت خدائے تعالے نے بدرجہ اتم ودیعت کر رکھی ہے اور کچھ ہی عرصہ کے بعد یہ ملک مشرقی کارخانجات کا معدن بنجائے گا۔ یہان کی اشیاء برآمدہ ہین تانبا۔ کافور۔ تصویر کے چوکھٹے۔ صندوق۔ چھتریان پردے۔ بید کی مختلف قسم کی مصنوعات۔ لکڑی۔ پنیر۔ کاغذ۔ چاول۔ چائے اور چینی کے برتن وغیرہ ہین۔ ان تمام ممالک کے حالات پڑھ کر اگر ہندوستان کی حالت پر نظر کیجائے تو شرم سے آپ ہی گردن نیچی ہوجاتی ہے۔ یہ نہین کہا جا سکتا کہ یہان کے لوگون مین صنعت وحرفت کی قابلیت ہی نہین ہے۔ یہین کی اشیاء تھین جو یورپ تک جاتی تھین اور لوگ دیکھکر محو حیرت ہوجاتے تھے بعض دستکاریان جو یہان تھین وہ اب دنیا سے مفقود ہوگئی ہین۔

ڈھاکہ کی ململ کشمیر کی شال بنگالے کا ریشم آگرے کی سنگ مرمر کی چیزین ایک زمانہ مین یورپ کی آنکھ کو خیرہ کرتی تھین انگریزون کے ابتدائی زمانہ تک کشمیر کی شالین بادشاہون کے پاس تحفۃً جاتی تھین - یہان کی عمارتین آج تک یورپ کے لیے قابل حیرت ہین ہندوستانی لوہے کی چیزین بھی کسی سے کم نہ تھین یہان کے فولاد کی ایک زمانہ مین اسقدر قدر تھی کہ دمشق مین یہین کے فولاد سے تلوارین بنائی جاتی تھین ہندوستانی فولاد تلوار اور چاقو وغیرہ کے لیے بہت تلاش کیا جاتا تھا شیفیلڈ جو اس امر کی مصنوعات کا مرکز ہے وہان کے سوداگرون کا بیان ہے کہ انگلستان مین کہین ایسا نفیس لوہا نہین پیدا ہوتا جیسا کہ ہندوستان مین پیدا ہوتا ہے یہان کے معدنیات کی کچھ انتہا نہین کپڑے بننے کے بھی کارخانے ایک زمانے مین درجۂ کمال پر تھے اور موسلی پٹم کا کپڑا اور ڈھاکہ کی ململ یورپ تک جاتی تھی - سورت اور اور کٹنادی کی روئی مشہور تھی اور ریشم تیل شکر تمباکو اور رنگون کی تجارت ہندوستان مین بہت تھی ہمین شک نہین کہ یوروپین اقوام کے سخت محصولون نے یہان کے مصنوعات کی کمر توڑ دی لیکن ہمین موجودہ زمانہ کے ساتھ سابقہ پڑا ہے اور اسی سے میدان مین شرط پڑی ہے کیا وجہ ہے کہ ہم بھی اپنے ہان کی خام اشیاء سے طرح طرح کی اشیاء بنانے کی کوشش نہ کرین ضرور کرنا چاہیے خواہ شروع شروع مین ہمین نقصان ہی کیون نہ ہو یہ ملحوظ رہے کہ تجارت کے معاملات مین ہر قوم خود غرضی پر کمر باندھے ہوے ہے اور انگلستان کو ہم سے ہی سابقہ نہین ہے بلکہ تمام اقوام یورپ سے تجارتی تعلقات ہین اگر ذرا سا موقع انھین ملا تو انگلستان کو فوراً پیچھے چھوڑ دین گی اور کہین سے کہین آگے جا پہنچین گی - اس لیے سرکار سے زیادہ توقع نہ رکھو خود اپنے دست و بازو سے کوشش کرو اور چاہے شروع شروع مین نقصان ہی کیون نہ ہو مگر ہمت باندھے رہو انجام کار اس سے کہین زیادہ نفع حاصل ہوگا اور تمام نقصانات کی تلافی ہوجائے گی ہندوستان سے سب سے زیادہ روئی کی برآمد ہے اسکے بعد کھالون کی جسکا اندازہ ایک کروڑ سالانہ سے زیادہ کا ہے اس مین سے نوے فی صدی ممالک غیر کو چلی جاتی ہین اور صرف دس فیصدی سے ہم یہان کام کرتے ہین تمام قسم کی اشیاء خام یہان پیدا ہوتی ہین انسے اشیاء ریختہ تیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے - کوئلے کی کانین یہان بہت ہین اس طرف بھی اب لوگ متوجہ ہونا شروع ہوے ہین لوہے کے کارخانے بمبئی کے جمشید جی نسروان جی ٹاٹا نے قائم کیے ہین اورون کو چاہیے کہ وہ بھی انکی تقلید کرین ہندوستان مین سب سے زیادہ تیل اور شکر کا خرچ ہے یہان سے تیل کے بیج نہایت کثیر تعداد مین ہر سال باہر جاتے ہین افسوس ہے کہ انھین سے ہمین تیل نکالنے کی طرف کوئی توجہ نہین کرتا ہندوستان گنے کا گھر ہے بڑا افسوس ہے کہ شکر کی صنعت و تجارت مین ممالک غیر ہم سے سبقت لیجائین اور ہمین یقین کامل ہے کہ جسقدر روپیہ اور وقت اس کام مین صرف کیا جائیگا انجام کار اسکا بہتر نتیجہ نکلے گا - اور خاطر خواہ نفع حاصل ہوگا -

"زید"

ہوائی جہاز

جدتین کیا کیا بھری ہین حضرت انسان مین — کیون نہ ہوان کی صفت اللہ کے فرمان مین
اشرف المخلوق کا کلمہ ہے ان کی شان مین — دیکھ لو توریت مین انجیل مین قرآن مین
آسمانی سیرکو یہ کل بنا کر اوڑ گئے[1] — قید خانون سے یہ حضرت پر لگا کر اوڑ گئے[2]

بھاپ سے گاڑی چلا دینا انھین کا کام ہے — آگ پانی مین لگا دینا انھین کا کام ہے
کاٹھ کی چڑیا اوڑا دینا انھین کا کام ہے[3] — بے پرون کے پر جما دینا انھین کا کام ہے
ان زمین والون نے گردون کو مسخر کر لیا — گیس یا ورکی مدد سے باد کو سر کر لیا
لاکھ کچھ ہو کر ہی گزرین جی مین جو کچھ ٹھان لین — عقل کے رہوار سے ساتون سمند پھاند لین
شکل سے اوڑتی ہوئی چڑیا کو یہ پہچان لین — بیٹھے بیٹھے آسمانی حال یہ سب جان لین

یہ ملا ہے انکا برسون حضرت جبریل سے — بے سفینہ پار اوترے ہین یہ رود نیل سے
عالم ایجاد مین یہ صاحب ایجاد ہین — منچلے ہین چلنے پھرنے مین بڑے استاد ہین
انکو تسخیر ہوائی کے عمل بھی یاد ہین — آدمی ہین طائر سدرہ کے یا ہمزاد ہین
یہ وہان پہونچے جہان جلتے ہین پر جبریل کے — اوپری اوپر سفر کرتے ہین لاکھون میل کے
ان پہ جب روشن ہوا تخت سلیمانی کا حال — اور جب ان پر کھلا اگلے بزرگون کا کمال
آسمانی سیر کا پیدا ہوا دل مین خیال — جی مین آیا دیکھیے شان خدائے لایزال
پھر تو ان پانی کے پتلون نے بنا ڈالا جہاز — اوڑنے والا آسمان والا ہوا والا جہاز

مرحبا اے آلۂ پرواز کیا کہنا ترا — ہندو و مسلم مین صدیون سے ترا مذکور تھا
تیرا قائل ایشیا اور تجھ سے واقف انڈیا — بندھ گئی ہے آجکل یورپ مین بھی تیری ہوا
قطب سے تا قطب تیری دھوم ہے ای شعلہ رو — ڈوب کر مشرق مین نکلا گو شفا مغرب سے تو
آلۂ پرواز حیرت خیز ملیارہ[4] رہا ہے تو — آسمانی ڈاک لے جانے کا ہرکارہ ہے تو

[1] ارشمیدس نے قبل مسیح شتلہ مین اڑنے والی کلین بنائی تھین [2] یونان مین ڈیڈیلس اکرس باپ بیٹے شاہ مائنس کی قید سے پر لگا کر اوڑ گئے تھے۔ [3] ارخی طاس نے لکڑی کی فاختہ بنا کر اوڑائی تھی۔ [4] یعنی کشتی وجہاز تیزرو۔

دشمنون پر آگ برسانے کا غبارہ ہے تو
جنگ کے میدان مین ہیبت ناک نظارہ ہے تو

ڈائنا میٹون سے تیرے توپ کی چلتی نہین
جسکو تاکا تو نے اُسکی موت پھر ٹلتی نہین

تیرا شیدا چین ہے شایق ترا جاپان ہے
آج کل اٹلی و ٹرکی مین بھی تو مہمان ہے

عالمِ ایجاد تجھپر جان سے قربان ہے
انگلش و جرمن فرینچ و امریکن کی جان ہے

تیرا لوہا مانتا ہے آج کل ہر تاجدار
قدر تیری جانتا ہے آج کل ہر شہریار

دشمنون کے مورچون کا تو لگاتا ہے پتا
اونچے برجون کا بتاتا ہے ہمین تو ماجرا

سلسلہ قائم کیا تو نے ہوائی جنگ کا
تو ہمارا ناخدا ہے تو ہمارا رہنما

ہم کو دیتا ہے خبر دشمن کے لشکرگاہ کی
کھینچ لادیتا ہے فوٹو کیمپ و خرگاہ کی

جان و دل سے تجھ پہ شیدا کیون نہون اہلِ فرنگ
آلۂ پرواز تیرے ہاتھ ہے میدان جنگ

تیرے دامن تک پہونچ سکتی نہین بادِ تفنگ
تو ہمارے واسطے ہے ایک انسانی پتنگ

اوپری اوپر خبر دینے کا ٹیلیفون ہے
تو ہزارون میل کے پرواز کا بیلون ہے

اوڑکے اونچا دنگ چہرون کا اوڑا دیتا ہے تو
سرکشون کو جنگ مین نیچا دکھا دیتا ہے تو

لشکرِ دشمن کی خبرین ٹھیک لادیتا ہے تو
آگ برسا کر عدو کے دل بجھا دیتا ہے تو

بندھ گئی ہے وہ ہوا تیری عجب انداز سے
دشمنون کے ہوش اوڑتے ہین تری پرواز سے

اے فلائنگ فش تری ایجاد میرا اسرار ہے
آسمانی سیر کو تو ماہی پردار ہے

جب زمین پر تو اوتر آیا تو موٹر کار ہے
سیر دریا کے لیے بھی شوق سے طیار ہے

تو ہوا کے دوش پر تخت سلیمان ہے کبھی
گاہ سطحِ آب پر تو ہے عصاے موسوی

آلۂ پرواز تیرا اوج پر اقبال ہے
خلق دیوانی ہے تیری تو پری تمثال ہے

ہاتھ تو جس کے لگا سمجھو وہ مالا مال ہے
اپنے موجد کے لیے تو مرغ زرین بال ہے

نام ہے مشہور جسکا وہ ہما تو ہی تو ہے
وہ مبارک فال مرغ خوشنما تو ہی تو ہے

تیرے دم سے دشمنون پر نت نئی افتاد ہے
جنگ کا میدان دہشت سے عدم آباد ہے

بالمقابل تیرے ہر تدبیر اب برباد ہے
رزم گاہون مین تو مرغ[1] بیضۂ فولاد ہے

تیرے آگے جنگ مین شیرون کے بھی مُنھ مڑ گئے
دیکھکر صورت تری ہاتھون کے طوطے اوڑ گئے

اوڑکے طے کرتا ہے جب تو منزلِ عرش برین
عالمِ اجسام ہوتا ہے ترے زیر نگین

[1] تصویر مرغ آہن کی کہ جو خود پر نصب کرتے ہین۔

ڈھونڈتی ہے اور بھی کچھ تیری نظر دور بین
ہو نہ ہو دیکھی ہے دنیا اور بھی تو نے کہین

کھل گیا ہان کھل گیا ہم پر ترے دستور سے
تو پری کے بھیس مین جا تا ہے ملنے حور سے

نیچے اوپر کیون تماشائی نہ ہو خلقت تری
منطقہ سے منطقہ تک کیون نہ ہو شہرت تری

ہے محیط گنبد نیلوفری وسعت تری
چرخ سے کرتی ہے باتین آجکل رفعت تری

دیکھ تو دکھلائے گا سورج کو تارے ایک دن
آسمان سے توڑ لائے گا ستارے ایک دن

تو ہوا کے تند جھونکون سے کبھی ڈرتا نہین
واہ وا باد مخالف کی تجھے پروا نہین؟

آندھیان چلتی رہین تجکو مگر کھٹکا نہین
سیکڑون طوفان اُٹھے لیکن تجھے خدشا نہین

وہ ہوا تیری بندھی ہے جو بگڑنے کی نہین
ناؤ کاغذ کی نہین تو کاغذ بادی[51] نہین

مرغ نامہ بر ہے یا تو آلۂ طیار[52] ہے
تو براق جم[53] ہے یا تو مرکب پردار ہے

ہو گیا معلوم ہان تو مرغ آتشخوار ہے
گیس پاور کی بدولت تو سبک رفتار ہے

کیون نہ لرزے ترا عرش معلےٰ پر نشان
تیری مٹھی مین ہے جب طاؤس علوی آشیان[54]

عالم ایجاد مین نقشے جمائے جا رہے ہین
اپنے عاقل موجدون کے دل بڑھائے جا رہے ہین

جو ہر بیکار میدان مین دکھائے جا رہے ہین
آسمانی تیر[55] دشمن پر چلائے جا رہے ہین

ہم بھی آنکھین سینک لین جی بھر کے تیرے نور سے
اور بھی اچھا نظر آتا ہے ہم کو دور سے

کیون نہ تیرے راکبون کا آسمان پر ہو مزاج
دم قدم سے تیرے کرتے ہین ہوا پر رام راج

تیرا طوطی بولتا ہے عالم بالا پہ آج
کیا تعجب ہے کرے تو شاہ خاور سے خراج

کانپتا ہے خوف سے تیرے عقاب آسمان[56]
تیرا کلمہ پڑھ رہا ہے آج کل زاغ کمان[57]

تو ہمیشہ باغ ہستی کی ہوا کھاتا رہے
جنگ مین دشمن کو باغ سبز دکھلاتا رہے

گلشن امید تیرا پھول پھل لاتا رہے
پرچم شاہی ہمیشہ تجھپہ لہراتا رہے

بیسوین صدی کی تو سب سے بڑی ایجاد ہے
عالم ایجاد مین تو اک نئی ایجاد ہے

موسیٰ حسین اختر (جلال آبادی)

---

[51] پتنگ۔ [52] پرواز کنندہ۔ [53] وہ ہوا جو تخت سلیمانؑ کو لے جاتی تھی [54] کنایہ از آتش [55] کنایہ ہے تیر شہاب سے یہان ڈائنامیٹ سے مراد ہے۔ [56] نسر طائر چند ستارے بصورت عقاب ہوتے ہین۔ [57] نوک گوشہ کمان۔

نیرنگ جمال

پر

اظہار خیال

جناب مولوی احمد علی صاحب شوق قدوائی کا پایہ دنیاے سخن مین بظاہر اسقدر رفیع ہے کہ زمانۂ موجودہ کے کسی دوسرے شاعر کو انکا ہم پلہ نہین کہا جاتا۔ آپ ایک مسلم الثبوت اور کامل فن نغز گو شاعر سمجھے جاتے ہین۔ آپ کی متعدد لاجواب مثنویان نیچرل نظمین۔ قومی ترانے۔ وغیرہ اُردو لٹریچر مین ایک ایسا بیش قیمت اضافہ ہین جو بقول صاحب الناظر جذبات شاعری کے لحاظ سے بے مثل ہین۔

کشش حسن و جذبۂ عشق کو جس پاکیزہ پیرایہ مین دست داغل کرکے آپ نے "عالم خیال" کے رنگون مین دکھلایا ہے ملک کے انشا پردازا اور سخن فہم حضرات نے اُسکا بار بار اعتراف کیا ہی اور متعدد رسائل مین اُنکے ریویو نکل چکے ہین۔

اسی سلسلہ مین آپ کی ایک اور نظم "نیرنگ جمال" کے عنوان سے معرض اشاعت مین آئی ہے جس کا پہلا نمبر ماہ فروری ۱۲ء کے رسالہ ادیب کی زینت بڑھا رہا ہے۔ بزبان شوق صورت واقعہ یہ ہے۔

ایک نوجوان نے ریلوے ٹرین مین سٹیشن پر ایک نوخیز حسین عورت دیکھی۔ یہ اُسکے حُسن پہ دلدادہ ہو کے دیکھتا رہا۔ اتنے مین ٹرین روانہ ہوگئی اسے معلوم نہین۔ وہ کون تھی۔ کہان گئی۔ اب یہ اُسکے حُسن اور اُسکی اداؤن کو یاد کرکے عشق و ولولہ انگیز کے خیالات مین محو ہے۔

اور بے ساختگی کے عالم مین کہتا ہے ؎

کیا خبر مین ہون کہان۔ آپ مین تو ہون نہین ‌ ‌ ‌ کیا مین ہون حواس مین۔ کیا مجھے جنون نہین

سبحان اللہ وارفتگی کا ہوبہو فوٹو کھینچدیا ہے۔ سلسلۂ خیال کی ابتدا جو پردازِ نظم ہے۔ کس خوبی سے اُٹھائی گئی ہے لیکن وہ خاکہ جس پر یہ تصویر خیالی کھینچی گئی ہی۔ اخلاقی شان اور شریفانہ جذبات سے کسی قدر ہٹا ہوا ہے۔ کسی جنٹلمین کا ریلوے اسٹیشن پر زنانہ گاڑی کے مسافرون کو گھورنا اور اس درجہ متاثر ہونا جسکی تصریح آیندہ اشعار مین کی گئی ہی اُسکے دامن اخلاق پر ایک بدنما دھبہ ضرور لگاتا ہے۔ تاہم چونکہ قدیم شاعری کی دنیا مین تہذیب جدید پورے طور پر نہین پھیلی ہے اور جناب شوق کے متموج خیالات کی نشو و نما اسی فضا مین ہوئی ہے۔ اس لیے یہ امر کوئی قابل خیال نہین۔ دوسرا شعر ملاحظہ ہو۔

ہوش کچھ جنون میں ہے۔ کچھ جنون ہے ہوش میں   جوش کچھ سکون میں ہے۔ کچھ سکون ہے جوش میں

تسلسل نہایت خوبی کے ساتھ قائم ہے۔ اور جذبات کا بتدریج ابھرنا فطرت انسانی کی حقیقت پر فلسفیانہ روشنی ڈال رہا ہے مگر تیسرے شعر کا انداز بدل گیا ہے کیون سکون ہے۔ کیا کہون حسن کے اثر سے ہے

دل پہ حسن کا اثر عشق کی نظر سے ہے

حسن کے اثر کا نتیجہ سکون نہین ہوسکتا۔ بلکہ حسن کے اثر سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اُسی کا نام عشق ہے۔ جس کو سکون سے کوئی واسطہ نہین۔ یہ دونون باہم متضاد ہین۔ جیسا کہ جناب شوق ہی آگے چل کر فرماتے ہین۔ ع۔ عشق اور سکون چہ خوش۔ وہم کیون۔ گمان کیون۔

چوتھا شعر ہے ؎ کیون سکون ہے اس لیے تاکہ دل جار ہے + میرے دل مین اُسکا رخ چین سے جار ہے۔

یہ وجہ سکون بلحاظ فطرت انسانی کے تو نہین البتہ باعتبار شاعرانہ مبالغون کے نہایت دلچسپ اور پر لطف ہے لیکن رخ کا دل مین چین سے جار ہنا بے جوڑ سی بات ہے۔ آئینۂ دل مین تصویر یار یا کعبۂ دل مین صنم یا خانۂ دل مین معشوق کو جگہ دی جاتی ہے۔ محض دل مین آج تک رخ کسی نے نہین جمایا۔ اور الفاظ "چین سے" تو قطعی بھرتی ہین۔ جنکو کوئی مناسبت ہی نہین رکھتے۔

اسکے بعد چند شعر حسن وعشق۔ جنون وسکون کے متعلق ہین۔ پھر دیکھئے سینری کا تخیل شروع ہوتا ہے اور بہت عمدگی سے آغاز ہوا ہے۔ اشغال ذہنی کا طرز نہایت پسندیدہ ہے۔ ؎

مل چکی نظر مگر ہاتھ مل کے رہ گئی   دور تک ٹرین کے ساتھ چل کے رہ گئی

بیساختہ شعر ہے۔ بعینہ حسرت بھری نظر کی ٹرین کے ساتھ جاتی ہوئی اور تھوڑی دور پہونچ کر رہ جانے کی تصویر کھنچی ہوئی ہے بیشک یہ حقیقی شاعری ہے۔

کیا خبر کہ ہجر مین کیا ہوا اور کیا نہ ہو   میرے عشق کی خبر اُسکو ہو بھی یا نہ ہو

دونون مصرعے الگ الگ ہین۔ لیکن مصرعہ ثانی مین بالکل سچا تخیل ہے۔ ایسی حالت مین جب کہ کسی کی محبت تیزی کے ساتھ دل مین گھر کر رہی ہو اس خیال کا پیدا ہونا کہ اُسکو بھی میرے درد دل کی خبر ہے یا نہین فطرت انسانی کا خاصہ ہے۔ چنانچہ اپنے دل کو یہ باور کرانے کے لیے کہ ہان ضرور خبر ہوگی۔ کہتا ہے ؎

شکل تھی پیامبر میرے درد عشق کی   تھی شہادت اُسکے ساتھ رنگ روغن عشق کی

ترچھی چتونون سے وہ دیکھتی تھی بار بار   میرے رخ پہ کی نظر اُس نے تین چار بار

پہلا شعر نہایت ہی پرکیف ہی۔ الفاظ سانچے مین ڈھل کر آئے ہین۔ مگر ایسا ہونا صورت واقعہ کے بالکل خلاف ہی۔ اتنی ہی دیر مین دردِ عشق کا پیامبر بن جانا غیر ممکن اور رنگِ رخ کی شہادت تو قطعی ناقابلِ اعتبار ہی۔ بلکہ یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ "مسٹر نظر باز" پہلے ہی سے بیمار تھے جس کی وجہ سے۔ ع زرد چہرہ تھا ارغوان کی طرح۔

دوسرے شعر مین " میرے رخ پہ ۳-۴ بار نظر کی " محاورہ اور زبان کے خلاف ہے۔ میری طرف دیکھا۔ یا میری طرف نظر کی۔ بولا جاتا ہی۔ میرے رخ پہ نظر کی شاید شطرنج کی اصطلاح ہو تو ہو۔

ہر نظر کے بعد کچھ رنگ رخ کا اوڑ گیا   کھتی ہوگی دل مین لو اور گل کھلا نیا

کسی ہیبت ناک نظر کے دیکھنے سے انسان کے منھ پر ضرور ہوائیان اوڑنے لگتی ہین۔ لیکن دل فریب نظارہ تو اور سرخی کی جھلک پیدا کر دیتا ہے۔ علاوہ ازین ہر نظر کے بعد کچھ رنگ کا اوڑنا بھی نرالی شان ہے۔ دیکھتے ہی رنگ اوڑ جاتا یا منھ فق ہو جاتا تو شاید ایک حد تک درست بھی ہوتا۔ اس تدریجی رفتار نے تو شعر کو بہت ہی بدنما کر دیا بجز رنگ اور گل کی مناسبت کے اور کوئی بات اس شعر مین معلوم نہین ہوتی۔ سہ

سمجھی ہوگی کچھ ضرور۔ ہین شعور کے یہ دن   ابتدا شباب کی ہے یہی سمجھ کا سن

انتہا درجہ کا معنی خیز اور پر لطف شعر ہے جس کو تمام نظم کی جان کہنا چاہیے۔

مان لو کہ سمجھی وہ سمجھی بھی تو کیا ہوا   چشمِ عشق سے نہان عشق خودنما ہوا

مصرعہ ثانی کو مصرعۂ اولی سے کوئی تعلق نہین۔ مطلب یہ ہے کہ سمجھی بھی تو کیا جبکہ وہ چلی ہی گئی۔ لیکن اچھی طرح ادا نہ ہو سکا۔ سہ

کون تھی کدھر گئی دل کو لے کے چل بھی دی   وار کر کے چل بھی دی داغ دے کے چل بھی دی

یہ بھی بھی کی تکرار جو وزن کی کمی کو پورا کرنے کے لیے کی گئی ہے نمایان حشو ہی۔ اور داغ دے کے چل دینا بھی ایک خلاف موقع معنی پیدا کرتا ہی۔ سہ

اسکے بے حجاب گال اور وہ بے عتاب سرخ   بال بے بنائے جال دیدے بے شراب سرخ

بے بنائے جال۔ بے شراب سرخ بہترین سخن طرازی ہی۔ لیکن بے عتاب سرخ اور بے حجاب گال کی ترکیب سے شعر کا لطف جاتا رہا۔ بے عتاب کوئی لفظ نہین ہی۔ نہ اس طرح استعمال کیا جاتا ہی۔ اور نہ محض گال بے حجاب یا در پردہ ہوتے ہین رخ بے حجاب ہو سکتا ہی۔ اس شعر مین لف و نشر کی ترتیب بھی قائم نہین رہی۔ ورنہ اسی کی داد سے تلافی ہو جاتی۔

جا کے بے نظر وہین تم جہان چھپاؤ دل   ہر پلک اشارہ سے کہتی تھی کہ لاؤ دل

سبحان اللہ۔ خوب کہا ہے۔ ہر پلک کے اشارہ کا مطلب "لاؤ دل" بلند خیالی کی اعلےٰ مثال ہے۔ ؎

پان سے دہن ابھی شاید آشنا نہ تھا | پاے بند رسم تھی بیاہ ابھی ہوا نہ تھا

مصرعہ اولیٰ مین لفظ شاید نے ایک اعلیٰ خوبی پیدا کر دی ہے۔ پان نہ کھانے کے ہونے سے بلحاظ رسم و رواج کے نتیجہ نکالا کہ ابھی بیاہ نہوا تھا لیکن اُسکے ہونٹ سرخ ضرور تھے جو اُنکی اصلی رنگت تھی۔ اور چونکہ کنواری لڑکیان پان نہین کھاتین لہٰذا بغور سے معلوم ہوا کہ وہ پان کھائے نہ تھی جسکو لفظ شاید نے بہت اچھی طرح ادا کر دیا ہے۔

آتے تھے ہوا سے بال اُڑکے اُسکے گال پر | حسن ڈالتا تھا جال بار بار لال پر

لب پہ دانت تھے کبھی اور اُسکا لب تھا لال | لال لب سفید دانت لال پر سفید خال

دونون شعرون مین امانت لکھنوی مصنف اندرسبھا کا رنگ غالب ہے۔ جن کا ایک مشہور خاص و عام مصرعہ ہے۔

بھیڑیے بنتے تھے آنکھین تری گرگابی پر

اس قسم کے تلازمون سے لفظی پابندیان تو ضرور پیدا ہو جاتی ہین۔ لیکن شعر کا لطف جاتا رہتا ہے۔ اس قسم کے چند شعر منیر شکوہ آبادی کے تنویر الاشعار سے منتخب کرکے کسی ریویو نگار نے ماہ نومبر کے ادیب مین بھی نقل کیے ہین جو حسب ذیل ہین۔ ؎

پوچھا جو مین نے چوڑیون کا حال رنگ گئے | اک بات کے بتانے پہ اتنے کڑوے ہوئے

نیل بھرتا تری زلفون کے لیے آنکھون مین | چشم خاقان کوئی چینی کی پیالی نہ ہوئی

کاغذ کے گھوڑے دوڑتے ہین رہ عشق مین | لکھ بھیجتے ہین حال مجھے ترک تاز کا

کھائے جاتے ہین تمنائے لب شیرین سن کر | میٹھی باتون سے مجھے حلوا جانا

تشبیہ و استعارات کی یہ گل کاریان منیر و امانت کے وقت مین جائز تھین۔ حضرت شوق کے زمانہ کی ہوا انکو راس نہین ہے۔ آگے ملاحظہ ہو ؎ دیدے اُنہین پتلیان پھرتی تھین ادھر ادھر ہر جو شام ادھر سحر اُدھر شام اُدھر سحر ادھر

شوق صاحب عموماً بجائے آنکھون کے دیدہ کا لفظ استعمال کرتے ہین۔ چنانچہ قاسم و زہرہ مین فرماتے ہین۔

چمکتے ہین دیدے لٹکتے ہین بال

یہ ہیروئن کی تعریف کے اشعار مین سے ایک مصرعہ ہے۔ جو بالکل نرم کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ بلا ترکیب فارسی کے "دیدہ" کا تنہا استعمال بالخصوص تعریف کے موقع پر غیر فصیح بلکہ مکروہ ہے۔ یہ لفظ مستورات کی زبان پر زیادہ تر تحقیر کے ساتھ جاری ہے مثلاً۔ تیرے دیدے پھوٹ جائین۔ دیدے نکلے پڑتے ہین۔ کیا دیدہ دلیر ہے۔ دیدہ ہوائی

ہوگیا ہے۔ وغیرہ۔ یہ کبھی نہین کہا جاتا کہ۔ اسکے دیدے بڑے پیارے ہین۔ یا۔ اسکے دیدون مین موہنی ہے۔ ۵

قد کبھی ادھر جھکا۔ سر کبھی اودھر جھکا ۔۔۔ اس طرف شجر جھکا۔ اُس طرف ثمر جھکا

سر کی ثمر سے تشبیہ خیالات کی تھوڑی سی ترقی کا پتا دیتی ہے۔ ابتک شعرا ثمر کی تشبیہ سر سے ایک بالشت نیچے کے بعض اعضا سے دیتے تھے۔ غنیمت ہے کہ اب ثمر سینہ سے اُٹھ کر گردن پر رکھ لیا گیا۔ اور

اس طرف شجر جھکا اُس طرف ثمر جھکا

ایسی ناممکن الخیال صورت ہے کہ اگر کوئی خاص اعصابی مرض ہو تو شاید مشاہدہ مین آسکے۔ والا ویسے تو اسکا نظارہ نہین ہو سکتا۔ ۵

ابروؤن کو تھی کبھی یون وہ بل دیے ہوئے ۔۔۔ جیسے ہو ہرن کی شاخ پیچ و خم لیے ہوئے

تشبیہ نئی ضرور ہے۔ مگر ناقص اور بھدی۔ ابروؤن کو بل دینا اور ہرن کے سینگون کی طرح بنا دینا محال نہین تو غیر ممکن ضرور ہے موچھون اور زلفون کو بل دیتے دیتے ابروؤن پر بھی ہاتھ صاف ہونے لگا۔ ۵

پڑ رہی تھی ہر طرف وہ نگاہ مست سی ۔۔۔ حسن کی شراب سے تھی سیاہ مست سی

نہایت بے ساختہ اور مستانہ شعر ہے۔ ست

بائین سمت سیٹ پر اُسکی مان ہو یا بہن ۔۔۔ رخ ادھر کو پھیر کر ہوتی تھی وہ ہم سخن

ہم سخن ہونا ہم کلام ہونے کے بجاے محاورے کے خلاف ہے۔ ہم سخن ہونا ایک دوسرے کی تائید کرنے کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ نیز بہن کا قافیہ سخن بھی درست نہین۔ سخن کی خا بالفتح و بالضم دو طریقون پر استعمال ہوتی ہے۔ اور بہن کی ہا ء ہوز مین کسرہ کی خفیف آواز ہے۔ بہن کا قافیہ بین بمعنی پوشیدن صیغہ امر ہونا چاہیئے۔

دمبدم ہوا کے ساتھ بیٹھین کھاتی تھین لٹین ۔۔۔ چھوٹی چھوٹی ناگنین سے رہی تھین کروٹین

اس شعر مین قافیہ کی خوبی قابل داد ہے۔ لیکن لٹون کا بیٹھیں کھانا جو ناگن کی مناسبت سے لایا گیا ہے مہمل ہے اور محض لٹین بول چال مین نہین ہے۔ بالون کی لٹ یا لٹین کہا جاتا ہے۔ ۵

کہہ رہا تھا رخ کہ ہے اتباع اشباب کی ۔۔۔ بڑھ رہی تھی دمبدم دولت آب و تاب کی

اس کا دل امنگ کا لطف پا چلا ہے اب ۔۔۔ حسن کے غرور کا وقت آ چلا ہے اب

دونون شعر دلچسپ اور کیفیت خاص کے شارح ہین۔ بالخصوص شعر دوم کا مصرعہ ثانی انسانی فطرت کے جذبہ کو نہایت عمدگی سے تبلا رہا ہے۔ اسکے سلسلے کا تیسرا حسب ذیل شعر تو واقعی سحر حلال ہے۔ ۵

کچھ سمجھ چلی کہ ہان مین بھی کوئی چیز ہون حسن ہو جسے عزیز اُس کو مین عزیز ہون

کیون نہو حسین ہونے کا اقتضا یہی ہے۔ ؎

دیکھتی تھی آرسی ہاتھ اوٹھا کے باربار تیوریان چڑھاتی تھی مسکرا کے باربار

اس شعر نے خال کو بڑھا کر مسہ کر دیا ہے۔ کوئی چیز سمجھ لینا ہی کافی تھا تیوریان چڑھانا۔ آرسی دیکھنا مسکرانا وغیرہ لقبیہ ادائین چھچھوراپن ظاہر کرتی ہین۔ نہ کوئی بن بیاہی لڑکی اس طرح محو آئینہ داری ہوسکتی ہے۔ خاص کر ایسی حالت مین کہ اُسے کوئی دیکھ بھی رہا ہو۔ نیز کسی دوشیزہ کے ہاتھ مین آئینہ دار آرسی کا ہونا بھی رسم و رواج کے خلاف ہے۔ اور لڑکی بھی ایسے گھرانے کی جسے کو پان کھانے کی اجازت بھی رواج نے نہ دی ہو ؎

پڑھ کے اُسکی تیوریان مستحق تھین نازکی خوبیان دکھاتی تھین حسن خانہ ساز کی

مصرعہ اولی مین تیوریون کی پہلی یار کا وزن سے نکل جانا بھونڈا معلوم ہوتا ہے۔ اور مصرعہ ثانی مین خانہ ساز کی ترکیب وہی ہے جو یونانی اطبا، شربت وغیرہ کے ساتھ استعمال کرتے ہین۔ ؎

بجلیان لبون مین تھین اور ہل رہی تھین وہ چومنے کو بار بار رخ سے مل رہی تھین وہ

یہ شعر نہ اچھا ہے نہ بُرا۔ اور اس مضمون مین صرف وہی اشعار نقل کیے گئے ہین جنمین کوئی خوبی یا کمزوری پائی گئی۔ لیکن اس شعر مین لفظ رُخ نے جس سے ابتک قطع نظر کیا گیا تھا توجہ کو اپنی جانب مبذول کر لیا۔ کُل نظم مین رُخ کی بیحد دُرگت بنائی گئی ہے حتی کہ عنوان بھی رخون سے خالی نہین۔ عالم خیال۔ کے پہلے رخ۔ دوسرے رخ۔ تیسرے رُخ۔ چوتھے رُخ۔ تو تھے ہی یہ نرنگ خیال کا بھی دوسرا رخ شروع ہوگیا۔ جدھر دیکھتا ہون اودھر تو ہی تو ہے۔

ایک ہی لفظ کا بار بار استعمال کرنا منافی بلاغت اور شاعر کی عدم قدرت کلام پر دلالت کرتا ہے۔ ؎

ناک مین سفید لونگ حسن اُسکا جلوہ گر پڑ رہی تھی جس کی چھوٹ اسکے بائین گال پر

یہان بھی رسم و رواج کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ آرسی تو بعض حصص ہندوستان مین لڑکیان بھی پہنتی ہین۔ لیکن لونگ تو قطعی نہین پہنی جاتی۔ مسلمانون مین تو یہی رواج ہے دوسری قومون کی خبر نہین۔ البتہ بجائے لونگ کے کمسن لڑکیون کو نتھ جسمین ایک موتی ہوتا ہے پہنائی جاتی ہے۔ جیسا کہ جناب شوق ہی اپنے ڈراما رشید و مبینہ مین جسکے بعض اجزا جناب محوی (شاگرد شوق) وارشد و ایڈیٹر صاحب الناظر (معتقدین شوق) کے اصرار پر الناظر مین قبل از وقت شایع ہو چکے ہین۔ فرماتے ہین ؎ نتھ مین آتا ہے نظر ایک ہی موتی مجھکو دو جو ہوتے تو کچھ امید نہ ہوتی مجھکو

یعنے دو ہوتے تو یہ سمجھکر کہ شادی شدہ عورت ہے کوئی امید پیدا نہ ہوتی۔

چھوٹی لڑکیان تونتھ پہن لیتی ہین مگر بڑی لڑکیان عموماً کچھ نہین پہنتین۔ اور اس غرض سے کہ چھدے ہوے سوراخ بند نہو جائین اُن مین تنکے ڈال لیتی ہین۔ لکھنؤ کے ایک مشہور اور حضرت شوق کے ہمنام شاعر کا ایک شعر ہے۔ ؎

ناک مین نیم کا فقط تنکا ؟ شوخی چالاکی مقتضا سن کا

اس سے قطع نظر کرکے شعر کے الفاظ پر نظر ڈالی جائے تو جناب شوق کا مطلب بھی سمجھ مین نہین آتا۔ سفید لونگ سے خدا جانے آپ۔ چونہ۔ کھریا۔ کاغذ۔ وغیرہ کس چیز کی لونگ مراد لیتے ہین۔ معمولاً لونگین سونے کی ہوتی ہین۔ اور چونکہ بہت کم قیمت مین تیار ہوجاتی ہین اس لیے غربا بھی طلائی لونگین استعمال کرتے ہین۔ شائد حضرت شوق کی مراد چاندی کی لونگ سے ہے۔ وہ البتہ سفید کہی جاسکتی ہی۔ اگرچہ چاندی کے رنگ کی اشیا کو بھی سفید نہین کہا جاتا۔ اور اُسکے لیے لفظ روپہلا وضع کیا گیا ہے۔ پھربھی یہ تاویل صحیح نہین رہتی کیونکہ مصرعہ ثانی مین اُسکی چھوٹ بائین گال پر پڑنا بیان کی گئی ہے۔ اور چھوٹ جواہر کے عکس کو کہتے ہین۔ آپ کا مطلب غالباً یہ ہوتو ہوکہ ناک مین جو لونگ تھی اُسمین کوئی سفید نگ مثل الماس کے جڑا ہوا تھا۔ جسکی چھوٹ بائین گال پر پڑرہی تھی۔ مگر یہ معنی شعر سے نہین نکلتے بلکہ فی البطن الشاعر ہین۔ اور خدا جانے ہین بھی یا نہین۔ کیونکہ لونگ مین جس قدو قامت کا نگ جڑا جاسکتا ہی۔ اسمین چھوٹ نہین ہوتی۔ ؎

خوشنا کریلیان خوشنا کلائیان بلین یا کریلیان شاخین یا کلائیان

تلکڑی کے دو کڑے چوڑیون کے ساتھ ساتھ تھے طلائی وہ کڑے اور نقرئی تھے ہاتھ

شعر اول کا مقصد مصرعہ ثانی مین ادا ہوگیا ہے۔ مصرعہ اولی محض بھرتی ہی۔ اور اگر یہ غرض ہی کہ صفت بیان کرنے سے پہلے وجود ثابت کردیا جائے تو مصرعہ اولی سے یہ غرض بھی پوری نہین ہوتی۔ وہ بھی کریلیون اور کلائیون کی خوشنمائی ہی کو بیان کرتا ہے۔ کریلیان چوڑیون کی ایک قسم ہی۔ لیکن یہ لفظ مختلف المعانی ہے۔ اس لیے کسی ترمیم کے بعد تقدیم وتاخیر کی دونون شعرون مین ضرورت تھی۔ ؎

پھر وہ کھیلنے لگی اپنی اوڑھنی کے ساتھ سر کو وہ جھکائے تھی اور نقرئی تھے ہاتھ

چُنٹ اوڑھنی مین وہ چٹکیون سے ڈالتی اوڑھنی کو تان کر پھر شکن نکالتی

یہ دونون شعر ایک بھولی بھالی خوبصورت تصویر کو سامنے لاکر کھڑا کردیتے ہین جس کا الھڑپن اُسکے بچپن کی اداؤن سے شوخیان کررہا ہے۔ لیکن یہ وہ نازنین نہین ہے جس کی نسبت شوق صاحب اوپر کہہ آئے ہین کہ

کچھ سمجھ چلی کہ ہان مین بھی کوئی چیز ہون

اس لیے یہ مرقع بھی غلط کھینچا گیا ہے۔

صرف دو شعرون مین اوڑھنی کا لفظ ۳ جگہ آیا ہے۔ اسی طرح کل نظم مین الفاظ کی تکرار ہزارون مرتبہ کی گئی ہے۔ اگر کل اشعار پر تنقید کی جائے تو ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس لیے دو ایک جگہ ہی اشارہ کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے بیشتر اشعار کو موزون بنانے مین اضافہ وغیرہ اس قسم کا کیا گیا ہے جو نہ صرف روزمرہ ہی کے خلاف ہے۔ بلکہ اوسکی مثالین مشہور عام ہین مرزا دبیر کے قابل ناز مرثیہ کا پہلا بند۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ اوسکی ٹیپ جسکو تجنیس خطی کرکے اب بیت کہتے ہین یہ ہے۔ ؎

شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو   جبریل لرزتے ہین سمیٹے ہوے پر کو

اسکے مصرعہ ثانی کے "کو" پر جو ردیف کی مجبوری کے لیے لایا گیا ہے کسی نے اعتراض نہین کیا۔ بایں ہمہ حضرت شوق اب بھی اوسکی تقلید مین "سر جھکائے تھی" کے بجائے "سر کو جھکائے تھی" کہنا پسند فرماتے ہین۔ آپ کی ایک اور غزل کا شعر ہے۔ ؎

زلفون سے دل کو پھینک بھی دو ورنہ عمر بھر   بیٹھے رہو گے درد کو سر مین لیے ہوے

نیرنگ جال کے خاتمہ کے دو شعر یہ ہین۔

شوق میرے رنگ کو دیکھتے تھے بار بار   دیکھتے ہی دیکھتے رنگ اوڑا ہزار بار

آہی جاتا ہوش ہین وہ جو ٹوکتے مجھے   پھر تو مین نہ مانتا لاکھ روکتے مجھے

جناب شوق کا بایں پیرانہ سالی ایک نوجوان کو باوجود ایسی شناسائی کے جس کا اُسے خود اعتراف ہے اس بدحالی پر نہ ٹوکنا اور خود محو نظارہ ہو جانا تو چندان عجیب نہین ہے لیکن خود اس مجنون صفت ہیرو کا اپنے رنگ رخ کے اُڑنے کو محسوس کرنا ضرور تعجب انگیز ہے۔ اگر جناب شوق اپنی زبان سے اُسکے رنگ رخ اوڑنے کی کیفیت اس طرح ظاہر فرماتے تو مناسب تھا۔ ؎ شوق اُسکے رنگ کو دیکھتا تھا بار بار   دیکھتے ہی دیکھتے رنگ اوڑا ہزار بار

اس نظم کا دوسرا رخ رسالۂ ناظر کے نومبر نمبر مین شایع ہوا ہے

تریتہ چلدی۔ عورت اور مرد اسٹیشن سے اپنی اپنی قسمت کو لیے ہوئے علیحدہ ہو گئے۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہین۔ اب فراق زدہ عورت اپنے خیال سے باتین کر رہی ہے۔

مرا صبر کس نے لوٹا کہ ہے مجھکو بیقراری   مرا سر یہ کہہ رہا ہے کہ ہوا جنون مجھکو

مرا دل پسا اسی سے ہوے رخ اشک جاری   کہ دکھا رہا ہے آنچل مرے دل کا خون مجھکو

مرا حسن کس نے دیکھا کہ نظر لگا گیا ہے

عورت جسمین صبر و تحمل کا مادہ مرد سے زیادہ مانا گیا ہی ۔ شرم و حیا جس کا زیور ہی ۔ تعجب ہے کہ حضرت شوق جیسے فطرت پرست شاعر نے اسکو مرد سے زیادہ بیباک بنا دیا ۔ اس دو رخی تصویر کا پہلا رخ اتنا زیادہ تاریک نہین ہی جتنا یہ دوسرا رخ ہی ۔ ایک دوشیزہ لڑکی کا اپنے دل سے یہ کہنا ۔ مرا صبر کس نے لوٹا کہ ہی مجھکو بیقراری ۔ اصولاً فطرت نسوانی کے خلاف ہی ۔ آتش شوخ چشمی طبیعت مین فوراً پیدا ہو نہین سکتی نہ اسقدر تیزی سے جنون کسی عورت کے سر مین مسکن بنا سکتا ہی ۔ اور سرخ اشکون کا آنچل کو رنگین کر دینا تو بالکل ہی بے بنیاد و سراسر غلط ہی ۔ اگر یہ عورت کوئی زبان دان شاعرہ (اور جناب شوق کی شاگرد) ہوتی تو شاید مبالغہ سے کام لے کر خون کے آنسوؤن سے رونے کی کیفیت اپنے معشوق صفت عاشق سے اُسکا دل موم کرنے کے لئے بیان کرتی ۔ تاہم اسوقت بھی یہ مطلب حقیقی طور پر نہوتا بلکہ گریہ کا انتہائی عالم ظاہر کرنا مقصود ہوتا ۔ اور " میرے حسن کو نظر لگ گیا ہی " تو کسی شریف خاتون کی زبان سے نکل ہی نہین سکتا ۔

اس دوسرے رخ کو دیکھکر خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ پہلا نمبر مثنوی کی شان رکھتا تھا ۔ دوسرا انگریزی نما مخمس کیون ہو گیا جناب شوق کی قادر الکلامی سے یہ سو ظنی تو پیدا ہو نہین سکتی کہ آپ نے ابتدائً جو بحر اختیار کی تھی اوسمین زیادہ لکھنے سے مجبور رہ گئے اور بحر کے ساتھ صنف نظم بھی بدلدی ۔ البتہ یہ سمجھ لینا بیجا نہوگا کہ چلبلی یا غیر مستقل طبیعت نے یکسان روانی کو پسند نہین کیا ۔ اس لیے ایک رخ دوسرے سے مختلف ہو گیا ۔ پھر بھی ایک سوال باقی رہ جاتا ہی کہ پہلا رخ ادیب مین شایع ہوا تھا تو سلسلہ کے لحاظ سے دوسرا بھی اُسی مین کیون نہ شایع کیا گیا ۔ کیونکہ یہ تو لازمی نہین ہی کہ جملہ ناظرین ادیب رسالہ الناظر بھی منگاتے ہون یا الناظر کے تمام خریدار ادیب بھی دیکھتے ہون ۔ اس سوال کی اہمیت اس علم سے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہی کہ " عالم خیال " کے رخ بھی بالترتیب الناظر ۔ تمدن ۔ ادیب مین باوقات مختلف نکلے ہین اور جس رسالہ مین جو رخ چھپا ہی اُسی مین اسکا ریویو بھی شایع ہوا ہی ۔ اسکا سبب شاید یہ ہو کہ جناب شوق اپنے علمی فیض کو مختصر جماعت ہی تک محدود رکھنا نہین چاہتے ۔ بلکہ ہر حصۂ ملک مین مشتہر فرمانا پسند کرتے ہین ۔ یا کوئی دوسری غرض ہو

ہر کسے مصلحت خویش نکو می داند

اب اصل نظم کے تیسرے بند کا شعر ملاحظہ ہو ؎ کہون کیا نظر کا جادو مرے منھ پہ کس نے ڈالا + مرے رخ پہ رہگیا ہی مرا رنگ زرد ہوکر ۔ یہ آج تک مشخص نہوا تھا کہ جادو کس عضو پر ڈالا جاتا ہی ۔ لیکن اس شعر نے تبلادیا کہ جادو کوئی مادی چیز ہے اور رُخ پر ڈالا جاتا ہے ۔ اور سُنئے ؎ نہ وہ کان اور نہ بندے نہ وہ بال اور گھونگھر — نہ شگفتگی وہ رخ کی نہ وہ رنگ اب گلابی

کوئی دیکھے چپ لبون کو تو وہ سمجھے لال تھر — کوئی دیکھے سرخ آنکھین تو کہے مجھے شرابی

یہ شگوفہ کس نے چھوڑا کہ یہ گل کھلا گیا ہے

عجب طرح کا عشق تھا کہ بجاے ہوش و حواس پرواز کرنے کے بیچاری کے کان کاٹ لیے (حالانکہ ناک پرواز ہونا چاہئے تھا) اور سر مونڈ دیا اوسپر بھی وہ غریب صبر و شکر کر کے کہتی ہے ۔ ؎ نہ وہ کان اور بندے نہ وہ بال اور گھونگھر ۔ شگوفہ تو واقعی اچھا چھوڑا اور خوب گل کھلایا ۔

دوسرے شعر میں "لال پتھر" شاید سنگ سرخ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور شرابی کا لفظ اپنی نسبت ایک عورت کی زبان سے کتنا بموقع اور مکروہ معلوم ہوتا ہے آگے چل کر یہی عفت مآب فرماتی ہیں۔ ؎

مین جوانی ہی کو پیٹون مین شباب ہی کو روؤن — کہ بھری ہے آگ اسی مین مرا دل جلا اسی سے

ایک کھائی کھیلی سمجھی بوجھی۔ دیکھی بھالی عورت کی گفتگو ہے۔ کسی کمسن لڑکی کی بات تو نہین ہے۔ ؎

مرے رخ سے یہ ہٹا کیون مین حجاب ہی کو کوسون — جو نہ کھلتین میری آنکھین تو نہ لڑتین یہ کسی سے

حجاب چہرہ پر ڈالنے کی کسی چیز کا نام نہین ہے۔ جو منھ دیعنے بالفاظ شوق۔ رخ) پر سے ہٹ جائے۔ بلکہ عام پردہ کو کہتے ہین منھ چھپانیکے لیے گھونگٹ۔ دوپٹے کا آنچل۔ اوڑھنی کا پلو۔ نقاب (جو برقع مین لگا ہوتا ہے) استعمال مین آتے ہین۔ اور اس شعر مین یہ آخری لفظ زیادہ موزون ہوتا۔ ع مرے رخ سے یہ ہٹا کیون مین نقاب ہی کو کوسون۔ کتنا صحیح معلوم ہوتا ہے۔

وہ رخ اور اسکی آنکھین کسی گل پہ جیسے بھونرے — وہ سیاہ کوٹ تن پر وہ سر اور لال ٹوپی

یہان رخ کے ساتھ بجائے آنکھون کے "دیدہ" استعمال نہ کرنے کی وجہ معلوم نہین ہوئی۔ اور مصرعہ ثانی تو فارسی کے اس شعر کا جواب ہے

دندان تو جملہ در دہانند — چشمان تو زیر ابروانند

نیز یہ مصرعہ اودھ کے ایک ادیب کے بیان کی بھی تائید کرتا ہے جس نے واقعات کی ہو بہو تصویر کھینچ دی ہے ؎

تکّے کو گھوڑا کیا گھڑا ہے + ہاتھی کو بڑا کیا بڑا ہے + آندھی کو چلایا چل رہی ہے + رسی کو جلایا جل رہی ہے

زندون کو عیان کیا عیان ہین + مردون کو نہان کیا نہان ہین

سیاہ کوٹ اور لال ٹوپی نے (جو غالباً ترکی نہین بلکہ ترکی ہے) اتنا پتہ چلا دیا کہ جنکے فراق مین ایک دوشیزہ لڑکی نے یہ بیحیائی اختیار کی ہے وہ۔ یو۔ پی (U. P.) کے ایک مشہور کالج کے تعلیم یافتہ اور خدا کی عنایت سے مسلمان کہے جاتے ہین۔ اگر سوء اتفاق سے یہ نظم کسی دوسری زبان مین ترجمہ کے ذریعہ سے پہونچ جائے تو ہندوستانیون کے اسلامی کیرکٹر کا اچھا پھریرا اُڑنے لگے گا۔

اسی بند کے سلسلہ کا دوسرا شعر و مصرعہ یہ ہے۔ ؎

نہ بجھے گی آگ اسکی کہ لگی ہے میرے جی سے — وہ بنے ہار گئے تو نبون مین اسکی گوپی — مجھے دے کے چاہ اپنی وہ کٹھن بنا گیا ہے

خدا کی پناہ اس سے زیادہ عفت سوز لب و لہجہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ اس قسم کے واقعات نفس الامر مین وقوع پذیر ہون اور خدا وہ دن نہ لائے کہ اس نازک طبقہ کی کوئی دیوی ان اداؤن کی مثال اختیار کرے۔

کاش اس نظم کی ہیروئن ایک دوشیزہ شریف لڑکی کے بجائے کوئی شوخ و شنگ اور چالاک طرارہ شاہد بازاری قرار دی جاتی تو مضائقہ نہ تھا جو شامت اعمال سے کسی کڑیل جوان پر فریفتہ ہو جائے اور فرط شوق سے ہر وقت اس مصرعہ کو جپتی رہے۔

وہ بنے مرا کنھیا تو نیون مین اُسکی گوپی ۔

بقیہ اشعار بھی اسی شان کے ہین جن پر مزید ریمارک کرنے کی ضرورت معلوم نہین ہوتی ۔ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ابھی تک تو یہ گندہ خیالات اس شاعر کے دماغ ہی مین محفوظ تھے ۔ تینادہ ایک غیر شخص یعنی شوق ۔ کو بے تکلفی سے اپنی رازداری کی خدمت سپرد کرنے کو تیار ہے اور اپنی قوت مردم شناسی پر بھروسہ کرکے بلا کسی تامل و پس و پیش کے اپنے محبوب کا پتہ حضرت شوق سے پوچھنے کا قصد اس طرح کرتی ہے ۔ سہ

اُسے شوق ہی مین پوچھون جو مین کبھی کہین وہ ۔۔۔ وہ ضرور ہونگی واقف کہ رہی تھی ساتھ انکے ۔۔۔ وہ ملے تو قہر ڈھادون کہ ستم وہ ڈھا گیا ہے

ابوالرشاد

داستانِ غم

یہ سن کر داستانِ غم پشیمان ہوتے جاتے ہین ۔۔۔ ہم اُنکی اس پشیمانی پہ حیران ہوتے جاتے ہین

مسلسل آنسوؤن کی موتیون سے بھر دیا دامن ۔۔۔ یہ قطرہ قطرہ ہائے آب نیسان

خبر ہے کچھ تجھے بھی یا نہین اے باغبان اس کی ۔۔۔ ترے پھولے پھلے گلزار ویران

یہ انداز تغافل کچھ سمجھ ہی مین نہین آتا ۔۔۔ خراب اکثر بلاد روم و ایران

بڑھے تھے پل کے جو گہوارۂ امید مین یارب ۔۔۔ وہی پیارے لہو مین اپنے غلطان

شہیدان وفا کا خون اک دن رنگ لائیگا ۔۔۔ یہ شیدائی تری الفت مین قربان

ذرا دیکھ اک نظر اے سونے والے باغ یثرب کو ۔۔۔ یہ کس کی خانہ بربادی کے سامان

دل بیتاب کیونکر چین پا سکتا ہے دم بھر بھی ۔۔۔ خدنگ جور پیوست رگ جان

کہین ترکی کا اسلامی نشان سجدہ کو جھکتا ہے ۔۔۔ کہین پامال مقتولین بلقان

ستاتا ہے کوئی تربیت مین تیری نونہالون کو ۔۔۔ یونہی ہنگامہ پے در پے نمایان

الٰہی یہ جنون انگیزیان کیا رنگ لائین گی ۔۔۔ گریبان گیر دست سینہ ریشان

ہے کوئی سُننے والا یا نہین افسانۂ غم کا ۔۔۔ ہم اپنی بیکسی پر آپ نالان

تماشا کیا دکھائین دیکھیے مظلوم کی آہین ۔۔۔ یہ نالہ ساکن گردون گردان

جو گنتی کے جوان اسلام مین سُنی و شیعہ ہین ۔۔۔ الٰہی خیر دست و گریبان

بھرا ہے دل مین یہ کینہ نہین رہ سکتے مل جل کر ۔۔۔ ہمین آپ اپنی بربادی کے خواہان

اثر نا اتفاقی کا سرایت کرتا جاتا ہے — ہمارے زخم کے کیا خوب درمان

اصول اسلام نے اتنے پسندیدہ ہین عالم مین — مسلمان جو نہین وہ بھی مسلمان

مگر ہم ہین کہ قدر اونکی نہین کرتے — ہمین معلوم ہے سب پھر بھی نادان

ہمارے پاؤن سے جو خاک کے ذرہ پلٹتے ہین — وہ اجزا غیرت کحل صفاہان

مگر ہم خاک ہوتے ہی چلے جاتے ہین کچھ ایسے — کہ آثار انحطاط آگین نمایان

دل احباب پر گرد کدورت جمتی جاتی ہے — ترقی کے ہماری راز پنہان

ہمارا اختر اقبال دیکھین کب چمکتا ہے — ستارے دوسری قومون کے تابان

نہین ہے نام کو بھی بوئے ہمدردی خوش اخلاقی — بہایم اور انسان دونون یکسان

کسے خلق حسن کہتے ہین کس کا نام الفت ہے — ہم ان اوصاف سے کوسون گریزان

شادین نام کس کا صفحۂ ہستی سے دم بھر مین — سمند اس فکر کے ہر سمت جولان

نہین لیتے ہین اپنی عقل سے کچھ کام بھولے سے — غضب ہے نفس کے ہم زیر فرمان

ذوی القربیٰ کی دلجوئی سے بالکل ہم کو نفرت ہے — یہ کیا اندھیر ہے انسان سے حیوان

اُلجھ کر خارزار وادی نا اتفاقی مین — گلون کی طرح ہم بھی چاک دامان

نظر قدسی کی ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ پر — اسی سے مشکلون کے عقدے آسان ہوتے جاتے ہین

سید محمد جعفر قدسی

قطعہ

خود ہی ہوجائے گا تو میری وفا کا قائل — شرط اس بات کی اے شوخ جفاجو بدلے

کشتی حسن و محبت ہو اگر طوفانی — اور صبا باد مخالف سے ہر اک سو بدلے

جس سے تاراج ہو بالکل چمن مہر و وفا — گل سے بلبل بھی کشیدہ رہے ابرو بدلے

قمریون کی بھی صدائین ہون تنفر آمیز — عندلیبون کی بھی فریاد کا پہلو بدلے

سرو شمشاد بھی گلشن مین اکڑنا بھولین — پھول مرجھا کے گرین رنگ مٹے بو بدلے

وہ تغیر ہو کہ بے حس مین ہو جنبش پیدا — صورت پیکر تصویر بھی زانو بدلے

دل کسی کا نہ کوئی تیر نگہ بر مارے — اشک خونین سے نہ اپنے کوئی آنسو بدلے

گردش چرخ سے ہوجائین تغیر سارے — مین بدلنے کا نہین لاکھ اگر تو بدلے

صدق جائسی

پڑھا ہوا خاوند اور ان پڑھ بی بی

اس عنوان سے ایک مضمون رسالہ عصمت دہلی مین شایع ہوا تھا اور اُسکے جواب مین اسی عنوان سے ہماری لایق
بہن مسز عزیز الدین صاحبہ نے بہت ہی اچھے پیرایہ مین اخبار تہذیب النسوان مورخہ ۲۰ جولائی مین جواب دیا ہے ہماری
بہن بیشک سچ فرماتی ہین۔ کہ راقم مضمون کو لازم تھا کہ شادی سے پیشتر دریافت کر لیتے۔ کہ آیا بی بی ان پڑھ ہے یا پڑھی لکھی
وہ کس طرح دریافت کرتے کہ بی بی ان پڑھ ہے یا پڑھی لکھی ؟ ۔ کیونکہ زمانے مین ہوا ہی ایسی مخالف چلی ہے کہ
مرد اک ذرا سی بُرائی پہ جھٹ دوسری شادی کرنے پر تیار ہو جاتے ہین۔ یہ تو ممکن نہین کہ شادی سے پہلے اُنکو خبر ہی نہ ہو کہ
میری آیندہ رنج و راحت کی شریک خواندہ ہے یا ناخواندہ اگر بالفرض وہ بے خبر ہی تھے تو کیا انکو اب شادی کے بعد بھی بی بی
کی تعلیم سے ایسا ہی بے خبر رہنا لازم تھا جیسے کہ شادی سے پہلے تھے ؟ پھر اب ان کی یہ شکایت فضول ہے یہ رشتہ
وہ رشتہ ہے کہ دنیا مین اگر اچھا ہے تو جنت ہے اور اگر بُرا ہے تو جیتے جی دوزخ سے بھی بدتر ہے۔ کن کے لیئے؟ زیادہ تر
عورتون کے لیے غرض کہ یہ رشتہ کسی صورت سے کبھی ٹوٹ نہین سکتا۔ پھر بی بی کی بُرائی اوروں پر ظاہر کر کے آپس مین
بیفائدہ رنجش کیون کی جائے۔ اگر تعلیم یافتہ بی بی کا شوق ہے تو کسی لایق اُستانی سے بی بی کو اپنے حسب منشا تعلیم
دلوانی لازم ہے۔ کیونکہ یہ کوئی مشکل امر نہین ہے کیا جوانی مین علم حاصل کرنا مشکل ہے۔ ہرگز نہین۔ یا یہ مناسب ہے
کہ ان پڑھ بی بی ہونے کی وجہ سے بڑی جلدی اور بغیر کسی روک ٹوک کے دوسری شادی کر لی جائے جیسا کہ فی زمانہ
دستور ہے۔ افسوس۔

اے خدا اور اُسکے رسول کے ماننے والے مسلمان مردو۔ خدا کے لیے کمبخت بدنصیب عورتون پر اسقدر ظلم روا نہ
رکھو۔ کیا عورتون کے دل تمھارے دلون کی طرح نہین؟ کیا اُن مین تمھاری طرح مادہ رقابت نہین ہے؟ کیا
جس خداوند کی مخلوق تم ہو اُسی اللہ کی مخلوق بے گناہ عورتین نہین ہین۔ تو پھر اسقدر ظلم اُن پر کیون روا ہے؟ کیا اسلیے
کہ وہ بے دست و پا تمھارے بس مین ہین؟ افسوس صریحاً کس قدر ناانصافی ہے کہ اگر عورت کسی کریہ منظر بدصورت
بدسیرت بدچلن سے بیاہی جائے تو خواہ اُسکی صورت تو درکنار اُسکے نام سے بھی اُسے نفرت ہو لیکن دنیا کی شرم ماں
باپ کی لاج سے وہ کبھی کسی کے روبرو یا اُس رنج و راحت کے شریک شوہر کے روبرو ہرگز ہرگز اپنی دلی نفرت کا اظہار
نہ کرے گی۔ اور اگر طوعاً و کرہاً دل کمبخت نے اوپری محبت اور چاپلوسی کو نہ منظور کیا اور نفرت کا اظہار برادری والون

یا ماں باپ کے روبرو ہوا تو پھر دیکھو کہ وہ نیک باحیا جس نے سوائے اپنے باپ بھائی چچا ماموں وغیرہ کے کسی غیر مرد کی شکل تک نہ دیکھی ہوگی وہ بدنصیب پھر ایک فاحشہ رنڈی سے بھی بدتر خیال کی جائے گی۔ اُس کی صورت سے بیزاری ہو جائے گی اُسکا محفل یا مجلس میں آنا جانا بند کسی سے ملنا جلنا گیا گزرا ہوا ہمچشموں میں حقیر۔ اگر ماں بہن کی ملنے والی کوئی آ بھی گئی تو اس بیچاری کو کسی نے کتے کی طرح بھی مُنھ نہ لگایا۔

اور اگر نکاح ثانی کہیں کرنے کا ارادہ ہوا تو جو کوئی سُنے گا کانوں پہ ہاتھ دھرے گا۔ کہ توبہ توبہ صاحب کوئی خرابی تو تھی جو پہلے خاوند نے چھوڑ دیا۔ اور شامت اعمال سے اگر کوئی اولاد اُس پہلے شوہر سے ہوئی تو بس پھر تو دنیا کے عیش و آرام اور خوشی سے قطعی دست بردار رہنا پڑا بھلا ایک بچے کی ماں سے کون نکاح کرے دو دو انسانوں کا بار بیٹھے بٹھائے کون اپنے ذمہ لے۔ برعکس اسکے اگر شوہر کے دس بچے اُسکی پہلی بیوی سے ہوں تو اُنکو آنکھوں سکھ کلیجے ٹھنڈک تصور کرکے پالنا پڑے گا کسی بات میں بھی کسر رہ جائے تو ساس نندیں اور جس کا دل چاہا یہی کہے گی کہ اے بی آخر سوتیلی ماں ہے نہ بھی تو یہ حال ہے۔"

آج کل اگر مرد کو اپنی بی بی میں کوئی کجی ذرا بھی معلوم ہوئی تو اُسی دن سے دوستوں ہم جلیسوں سے کہنا شروع کیا کہ بھئی شادی کر لی ہے تو کیا ہوا۔ ہم تو انشاء اللہ اپنے حسب منشا اور شادی ضرور کریں گے یہ بھی رہیں وہ بھی رہیں گی جیسا یہ کھائیں پہنیں گی ویسا ہی وہ کھائیں پہنیں گی۔ میں تو اول روز سے ہی اپنے حسب منشا شادی کرنا چاہتا تھا لیکن والدین کی خوشی اسی جگہ تھی۔ خیر ان کی خوشی پوری ہوگئی۔ لیکن ہم تو اور شادی ضرور کرینگے۔

ناظرین بہنو اور بھائیو میری یہ تحریر ضرور آپ کو ناگوار گزرے گی لیکن ذرا انصاف کرنا کہ یہ تو اپنے حسب منشاء دوسری شادی کریں گے اُس ناکردہ گناہ کا کیا قصور تھا اُسے زندہ درگور کس عذاب میں کیا؟ اُسکا صبر کس پر؟ اُسکی فریاد کون سُنے؟ میاں نے برس دو برس میں کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈھ کر دوسری شادی کرلی۔ یہ لہو کا سا گھونٹ پی کر خاموش ہوگئیں۔ ہائے وہ شوہر جس سے کمبخت بی بی کی ساری امیدیں ہوتی ہیں۔ آہ جس کے دم سے بی بی کا عیش وابستہ ہوتا ہے اب وہ کسی اور کا خاوند بن جاتا ہے۔

اگر شاذ و نادر کوئی خدا ترس ساس سسرے ہوئے تو اُنھوں نے دنیا کی شرم کے خیال سے ایک دو دفعہ کہدیا کہ بہو تم کوئی غم مت کرو۔ جب تک ہم زندہ بیٹھے ہیں تمھاری سب ضروریات ہم پوری کرینگے۔ دل میں آیا تو کسی مہینے خرچ دے دیا ورنہ کئی کئی مہینے خبر بھی نہیں ہوتے۔ اگر کسی سے کہکر یا اشارتاً بھی خرچ مانگا تو جواب ملا کہ ہمارا کوئی ذمہ تھوڑے ہی ہے۔ جو ہم خرچ دیں۔ اُس نالائق سے مانگو ہمیں کچھ خبر نہیں یہ بیچاری اپنا سا مُنھ

لے کر چپ ہوگئین۔ ماں باپ بیچارے اپنی حسب حیثیت ان کا اور اگر انکے کوئی بچہ ہوا تو اُسکا بھی خرچ پورا کرتے رہے۔ اگر کسی نیک خداترس نے عورت کے والدین کو سمجھایا کہ بھئی دیکھو۔ تمھارا بڑھاپا ہے تمھارے کوئی اولاد نرینہ نہین ہے۔ نہ ایسی معقول جائداد ہے آج تو تم اس لڑکی کے سر پر زندہ بیٹھے ہو اور کل کو نیکی بدی بیتیں آئی تو یہ کہان جائے گی۔ بہتر ہے کہ فیصلہ کرا لو۔ یا داماد سے کہو کہ گھر مین آباد کرے۔ بڑے میاں بیچارے خود بھی سوچے کہ وہنی بات معقول ہے چار اشرافون کو لے کر سمدھیانے گئے کہ میرا بڑھاپا ہے مین نہین چاہتا۔ کہ میری لخت جگر میرے بعد خوار ہوتی پھرے بہتر ہے کہ فیصلہ کردو۔ اس پر ادھر سے جواب ملا کہ بچون کو ہم لے لین گے اُنکا فیصلہ کر دین گے۔ یہ سنتے ہی بڑے میاں سناٹے مین آگئے اور گھر جا کر ذکر کیا بیٹی کا حال جو لخت جگرون کے چھوٹنے کے غم سے ہوا وہ احاطہ تحریر سے باہر۔

یا بالفرض اگر کوئی بچہ نہوا اور ناچاقی کی حالت مین مرد سے فیصلہ کرنے یا طلاق دینے کو کہا گیا تو بھلا یہ کونسا خداپرست حق شناس مسلمان گوارا کرے گا۔ کہ مین اس آفت زدہ بی بی کو طلاق دون اور یہ پھر دوسرے کا گھر آباد کرے۔ آہ ظالم مرد و تم تو پہلی بی بی کے جیتے جی دوسری شادی کرکے عیش و عشرت کرلو تو تم سے کوئی بھی پوچھنے والا نہین ہے اور عورت کمبخت اگر اپنا فیصلہ کرانا چاہے تو وہ بھی نہو حالانکہ ہماری شرع محمدی مین حکم ہے کہ اگر عورت شوہر کے گھر بسنا نہ چاہے تو قاضی سے کہکر خلع کرالے۔ لیکن یہ حکم عورتون کے واسطے مفید ہے اس لئے اسکا تو کوئی ذکر ہی نہین کرتا البتہ مرد اپنے واسطے بات بات پر شرع کا ذکر کرتے ہین خصوصاً دوسری شادی کرنے پر۔ افسوس کہ عورتین پڑی سڑتی ہین اگر کسی کا حق مہر معقول مقدار مین ہوا اور کوئی والی وارث بن کر نالش کرنے پر آمادہ ہوا اور مرد نے فوراً طلاق دی تو خیر اور اگر کوئی والی وارث نہوا اور نہ معقول حق مہر ہی ہوا کہ اسکے ڈر سے میاں قطع تعلق کردے تو اور مصیبت ہے عدالت سے بھی کوئی قانون ایسا رائج نہین کہ سرکار مرد سے فیصلہ کرادے۔ مرد جتنے بھی ظلم کرے کون دیکھتا ہے کسی باہر والے کو کیا خبر کہ چار دیواری کے اندر کیا ہو رہا ہے۔

کیا ہمارے پیغمبر خدا رسول مقبول صلعم نے یہ روا رکھا ہے کہ عورتون کے حقوق بچا لو اور اُنپر ظلم کرو اگر وہ اپنا فیصلہ کرانا چاہین تو نہ کرو۔

اے میری پیاری بہنو تم خواہ کچھ کہو تمھاری کون مانتا ہے۔ مردون کا دوسری شادی کرنا تو کوئی اچنبھے کی بات نہین ہے۔ ایک ایک محلے مین کئی کئی بدنصیب ایسی ملین گی جو مردون کے ہاتھ سے ساری عمر نالان رہین۔ یہ انصاف دنیا مین تو کوئی کرے گا نہین۔ اور نہ ہوگا۔ بھلا وہ کون ہمارا ہمدرد خدا کا پیارا۔ ایسا اُٹھے جو سینہ سپر ہوکر مردون سے

ہمارے حقوق طلب کرے بس یہ انصاف خدا ہی کرے گا۔ صبر کرو۔

جناب مولانا مولوی سید ممتاز علی صاحب منیجر تہذیب النسوان نے تہذیب مین اپنی راے بہت ہی عمدہ اس بارے مین لکھی ہے یعنے وہ کہتے ہین کہ بہتر ہے پہلی بی بی والے مرد کو کوئی شخص اپنی بیٹی نہ دے خواہ کیسا ہی لائق کیون نہو۔ اگر قوم مین سے کوئی دے بھی دے تو اُس سے نفرت کا اظہار کیا جائے۔ واقعی انکا فرمانا درست ہے۔ خدا کرے کہ انکی اس راے پر سب عمل کرین تو ضرور کچھ نہ کچھ اصلاح ہو۔

بدر النسا بیگم

ہماری موجودہ معاشرت مین جہان ہزارون خرابیان ہین وہان ایک یہ بھی بدنصیبی ہے کہ مرد اور تعلیم یافتہ مرد عورتون کے حقوق ہرطرح پر پامال کرتے ہین اور سوسائٹی کی اخلاقی قوت اسقدر کمزور ہوگئی ہے کہ ان مظلوم زیردستون کی حمایت نہین کی جاسکتی۔ مردون نے یورپ کی اندھی تقلید مین اور مغربی معاشرت کی ظاہری خوبیون پر شیدائی ہو کر یہ تو کہنا سیکھ لیا ہے کہ عورتون کو تعلیم دلانا چاہیے۔ اُنکو پردہ کی قیدست آزاد کردینا چاہیے اور اُنکی وہی عزت کرنا چاہیے جو انگریزون مین ہے لیکن افسوس کہ عورتون کے یہ نام نہاد حامی خود اُنکے اصلی حقوق کے غصب کرنے مین انتہائی ظلم و تعدی جائز رکھتے ہین وہ ایک لمحہ کے لیے اس پر غور نہین کرتے کہ اسلام نے عورتون کو جو حقوق عطا کیے ہین وہ نہ ترقی یافتہ یورپ دے سکا ہے اور نہ جاہل ہندوستان اور ان تمام حقوق کی پامالی کے اصلی ذمہ دار خود ہم ہی ہین جو فرضیت بیگانہ۔ روایات اسلامی سے ناآشنا اور انتہا درجہ کے خود غرض ہونے کی وجہ سے اپنی ذمہ داریون سے ناواقف ہوگئے ہین۔

عورتون کی عزت ایسین نہین ہے کہ وہ بے برقع و نقاب تماشا گاہون۔ پارکون اور بازارون مین ماری ماری پھیرین۔ طبقۂ نسوان کی ترقی کا ذریعہ یہ نہین ہے کہ ہماری طرح وہ بھی تمام قیود مذہب و اخلاق اور پابندی ہاے رسم و رواج سے آزاد ہوجائین اور نہ ان ظاہری اور نمائشی تغیرات و انقلابات سے قوم کا تمدن کسی طرح یورپ کی تہذیب کا ہمسر بننے کے قابل ہوسکتا ہے بلکہ عورتون کی اصلی اور حقیقی عزت ایسین ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی پوری حکمران اور اپنے حقوق ذاتی کو اچھی طرح حاصل کرنے اور اُن سے مستفید ہونے کے قابل بن جائین۔ وہ عورت جو صبح سے اُٹھ کر کیسٹیون۔ بازارون تفریح گاہون مین پھرتی رہی اور بستر خواب پر جانے سے چند ہی منٹ پہلے کسی تھیٹر یا بائیسکوپ کا تماشہ دیکھکر آئی ہو۔ اگر اُنکا ہم جلیس اور محافظ عزت و آبرو شوہر رات کو گھر مین ہونے کے بجاے کسی غیر کے ساتھ شریک استراحت ہوگا تو کیا دنیا مین کوئی شخص بھی اسقدر لایعقل اور خبیث النفس ہوسکتا ہے کہ وہ اس عورت کی دن بھر کی تمام سیر و تفریح کو رات۔ خاموش اور تاریک رات کے چند گھنٹون کی کلفت و مصیبت کا بدل و معاوضہ قرار دے۔

پھر وہ زیبہ دیکھیں جس نے دن بھر گھر کا کام کاج بچوں کی نگرانی اور تمام ضروری فرائض معاشرت اس لئے خوش کن امید مین انجام دیے ہوں کہ اُسکا دنیاوی خداوند اور اسکا مونس ہمراز شام کو کچہری سے تھکا ماندہ آئیگا اور وہ تمام فرائض سے سبکدوش ہونے کی وجہ سے ہمہ تن اُسکی خدمت مین مصروف ہو کر زندگی کی بہترین مسرت حاصل کر سکے گی اور اسکی یہ دلی آرزو۔ یہ نہایت حق بجانب تمنا شوہر ہاں ظالم و خود غرض شوہر کی خفض اس آزار کارروائی سے کہ وہ سر شام سے دوسری بی بی یا کسی آشنا کے یہاں چلا جاتا ہے خون کے آنسوین کر چشم نم کی راہ بہ جائے تو اوسکی حالت کتنی قابل رحم نظر آئے گی۔

یہ کوئی شاعرانہ مبالغہ یا معنی آفرینی نہین بلکہ واقعات اور وہ واقعات ہین جو شب وروز پیش آتے ہین اور تقریباً ہر ذی ہوش شخص کو انکا تجربہ ہوتا ہے۔ کوئی قریہ کوئی بستی اور کوئی شہر ایسا ہی خوش نصیب ہوگا جہان اس قسم کے واقعات بکثرت نظر نہ آجائین۔ ایسی صورت مین کیا قوم کے نبض شناس طبقہ اور عورتون کی حمایت مین اخبارون اور رسالون کے صفحے کے صفحے رنگنے والے حضرات کا یہ فرض نہین ہے کہ وہ اس بدنصیب حالت مین کوئی مناسب تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کرین اور ایک کثیر جماعت مظلومین کو اپنی بروقت ہمدردی سے اس قسم کی آفتون اور مصیبتون سے نجات دلائین۔

"آزادی۔ مساوات اور نوعی برادری" کے نعرہ مارنے والو۔ مذہب کے مسلمات امور کو عقل کی روشنی مین دیکھنے والو۔ امام ابوحنیفہ اور امام اشعری کے ارشادات کو بیکن اور سپنسر کے فلسفہ کی روشنی مین دیکھنے والو۔ لباس مین گھر کی آرایش مین معاشرت کے اصولون مین انگریزی اور مغربی طریقون پر اصلاح کرنے والو! خدارا نہین نہین مسیح کے واسطے۔ تم ایک لمحہ کے لئے اپنی موٹر کی رفتار کو دھیما کر کے اپنی حالت پر غور کرو کہ تمھارے اعمال و کردار کہان تک تمھارے لمبے چوڑے دعوؤن کا ساتھ دیتے ہین اور تمھین اپنی قابل مضحکہ اور ذلیل و خوار حالت کا احساس ہو جائے گا۔

ہم نے مانا کہ بنگلے کی سجاوٹ مین انداز مغربی سے ایک گونہ دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمین تسلیم ہے کہ کوٹ پتلون نکٹائی کالر عبا و اچکن کی ارتقائی منزل طے کر کے تہذیب کی سند حاصل کر چکے ہین۔ ہمین کچھ عذر نہین کہ آپ کل مومنین اخوۃ کی جگہ (Liberty, Equality and Fraternity) کے جوش دلانے والے نعرے مارین یا ہم اسکو بھی جائز قرار دینگے کہ آپ مذہب کی تطبیق سائنس سے اور علماے اسلام کے اقوال کی جانچ مغربی حکما کے معیار سے کرین۔ لیکن آپ انصاف سے بتائیے کہ اس ظاہری ٹیم ٹام کو درست کرنے کی فکرون سے فرصت پا کر کبھی اس چیز کی آراستگی پر بھی آپ کی توجہ ہوتی ہے جس کی آہستہ مگر مستقل حرکت پر آپ کی اس متکبرانہ زندگی کا انحصار ہے اور جس کی غلامی ہی نے آپ کو اس نکبت و ضلالت کے قعر مین پہونچا دیا ہے۔

آپ کا دل خود غرضیون اور بدنفسیون سے اتنا آلودہ ہے کہ اپنی خوبصورت بی بی کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ نہین کر سکتا

تو سارے عالم اور ساری قوم کے ساتھ کب مساوات برتنے لگا۔ آپ کو اپنی خواہشات سے آزادی نہین حاصل تو آپ دنیا بھر مین آزادی کا کوس لمن الملک کب بجانے کے قابل ہو سکتے ہین۔ آپ ایک بیکس پر رحم کرکے اُسکے آزار کا درمان نہین کر سکتے تو نوع انسانی آپ کی برادرانہ نوازش و کرم سے کیا توقع رکھ سکتی ہے۔

اے نشۂ غفلت کے مستو! اے چند روزہ زندگی پر غرور کرنے والو! اے جسمانی آرام اور نفسانی خواہشات پر دنیا اور آخرت کی بھلائیون کو قربان کرنے والو۔ اے خواب غفلت کو عالم بیداری جاننے والو۔ اے بیکس فرقے کے حقوق کے غصب کرنے والو چونکو بیدار ہو اور راہ راست پر آجاؤ۔

تمھاری غفلت اور نفس پرستیون نے اسلامی روایات کا قلع قمع کر دیا مسلمانون کو ذلت و خواری اور پستی کا مرادف بنا دیا۔ مذہب۔ علم۔ اخلاق سب سے ہمین بے بہرہ کرکے بہایم اور چوپایون کا ہم پایہ بنا دیا ہے۔

للہ اب تم اپنی حالت زار پر رحم کھاؤ اور اس صراط مستقیم کو اختیار کرو جو تمھاری گذشتہ غفلتون کی تلافی ہو سکے اور تم پھر عروج و اقبال کے سر بفلک منازل طے کرنے کے قابل ہو جاؤ۔ برائے خدا اب تو تم اپنی ذلت یا بدحالت اور اپنی بے عقلی و گمراہی کا احساس کرو کہ قعر مذلت و خواری سے نکل کر علم و تہذیب کی روشنی مین آ جاؤ اور متمدن اقوام کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھنے کے قابل ہو جاؤ۔ ورنہ

مجو سعادت طالع دمے کہ فرصت رفت   بجز سر بریدہ شود سایہ ہما چہ کند   (عرفی)

ایڈیٹر

بیوفائی اور وفاداری

اک شاعرہ عہد مسیحی کے   چھ سو برس آگے گزری ہے
سب اسکو سیفو کہتے تھے   نام اُس کا مشہور اب بھی ہے
یونان مین اسکی فصاحت کا + ہر بزم مین چرچا ہوتا تھا
عاشق یہ گلاب کے پھول کی تھی   شور اس کا تھا ملک یونان مین
ہوتی تھی نغمہ سرا ایسی   بلبل جس طرح گلستان مین
سب اسکے کلام کے دلدادہ + اور اسکے نام کے دلدادہ
ایجاد کین اس نے کئی بحرین   اور طرز نکالے پڑھنے کے

ماہر طنبورہ نوازی مین   کہ ساز کیا ایجاد اس نے
شاگرد اسکے اُستاد ہوئے + برسون ہی رہے اسکے چرچے
تھے اسکے مرتب نو دیوان   اب ہو گئے انمین تلف اکثر
اخلاق کو اُنسے تھا نقصان   کہتے ہین یہی سب اہل ہنر
لیکن شعرا جو تھے کامل + تھے اُسکے کمال کے سب قائل
الکیوس کہ اک غزل گو تھا   دیوانہ تھا عشق مین سیفو کے
یون عشق کو ظاہر اُس نے کیا   کچھ شعر کہے اور بھیجدیے

اک شعر مین وہ مطلب اپنا + کرتا ہے اس عنوان سے ادا

اے سادہ مزاج اے مطلعت اک بات ہے میرے ذہن نشین
کہتے ہوئے آتی ہے خجلت اس وجہ سے کچھ کہہ سکتا نہین

اس نامہ کو پڑھ کر سرتاپا + سیفو نے دیا یہ جواب اس کا

جو بات تو کہنا چاہتا ہے وہ بات اگر ہوتی اچھی
تیرے لیے مانع تھی کیا شَے آتی تجھے کاہے کو شرم اتنی

یہ شوخ کلامی دیکھو ذرا + کیا زخم جگر پہ نمک چھڑکا

سیفو کے جہان سے گزرنے کی کرتے ہین روایت درد انگیز
افسوس کہ اُسکے مرنے کی بے شک ہے حکایت درد انگیز

اک شخص کہ فون تھا نام اُسکا + سیفو سے عشق جتانے لگا

جب دیکھی فون کی یہ الفت سیفو نے بھی اس سے محبت کی
تھا فون کہ بدخو بے غیرت چھوڑ اس کو بھاگ گیا سسلی

یہ اُس کے پیچھے پہنچی وہان + لیکن نہ ملا کچھ اس کا نشان

دستور تھا اُسکے زمانہ کا جو لوگ کہ عاشق ہوتے تھے
مقصود کی ناکامی کی دعا مانگا کرتے تھے زہرہ سے

کچھ شعر کہے سیفو نے بھی + زہرہ سے چاہی مراد اپنی

لیکن جب داد اُس کو نہ ملی تو جینے سے وہ تنگ آکر

یان سے یونان کی سمت پھری جس جا تھا اپالو کا مندر

وان آکے اس نے قیام کیا + دریا کے کنارے یہ مندر تھا

عشاق جو ہوتے تھے ستائے وہ درد دل اپنا آکے یہان
کرتے تھے بیان اپالو سے اور جان اپنی کرتے قربان

دریا مین کود وہ پڑتے تھے + بچنے کو عشق کی آفت سے

اس طرح غرض سیفو نے بھی مرنے کا ارادہ کر ہی لیا
یہ دیکھکے سب نے خوشامد کی جو لوگ تھے جمع وہان صدہا

اور سیکڑون چھوٹی کشتین گرنا درین + تا ڈوبے نہ سیفو دریا مین

اُس دن تھی غضب کا بناؤ کیے اور پہنے لباس عروسانہ
پڑھتے ہوئے کچھ اشعار اپنے اور جوش جنون کا افسانہ

جھم سے دریا مین کود پڑی + یون عشق مین جان اُس نے دیدی

افسوس کہ کیونکر آئے یقین سیفو سے کی فون نے کیسی دغا
الکیوس سزاوار تحسین تھا عاشق صادق اہل وفا

پہنچا اُس دن یہ بھی نالان + سیفو کے لیے دینے کو جان

لیکن یہ ہوئی جب اُسکو خبر سیفو ہی نے پہلے جان دیدی
روتا واپس آیا مضطر تھی غم سے عجب حالت اُسکی

لکھی ہین خود اُس نے اس غم مین + کہتے ہین سوا سو ہین نظمین

سید غلام مصطفیٰ ذہین

مین بھی ہون تہ مزار گلپوش اٹھلاکے نہ چل نسیم مدہوش
واعظ کہے جا مذمت مے مینا کی طرح ہون پنبہ در گوش
ارنی کا جواب لن ترانی او عہد عتیق کے فراموش
مجبور حیات ہون وگرنہ ہے مجھ سے زمانہ تنگ آغوش
نظارگیان محشر حسن بیہوش ہین یہ کہ کچھ نہین ہوش
آتشکدۂ جمال ہو سرد جس نے کہ بڑھا ہے دید کا جوش

بے چینی کا اقتضا ہے کہ ضبط فریاد کا مشورہ ہے۔ خاموش
مت دیکھ مجھے۔ کہ اب تو مجھ مین باقی نہین نام کو بھی کچھ ہوش
مرقد مین نہین ہون بلکہ ہون مین نکہت کی مثال گل مین روپوش
تربت مین پڑا ہون ایسا بدمست کچھ سر کی خبر نہ پاؤن کا ہوش
کوثر کا بیان نہ کر کہ مین ہون اک رند اور وہ بھی اک بلانوش
دل بجھ گیا محفل جہان سے قیصر ہون اب ایک شمع خاموش

قلعہ مراد

خود بین نہ ہو۔ خوددار ہو   سرکش نہ بنو۔ سردار ہو   (مظہری)

حسب معمول سر جھکائے آنکھین بند کیے بیٹھا تھا۔ ارادہ تو یہ کہ کسی خاص طرف دھیان لگاؤن اور اسی وجہ سے وہ پاک نام وہ سب سے پاک نام وہ ایک کا پاک نام یعنی اللہ اللہ کبھی کبھی زبان سے نکل جاتا تھا۔ مگر خیالات پھر بھی ڈانواڈول تھے قوت ارادی بندوبست مین مشغول تھی مگر کامیابی مشکل سی معلوم ہوتی تھی یہ پراگندگی خیالات تکلیف دے رہی تھی۔ مین چاہتا تھا کہ اپنے تاریک پہلوؤن پر نظر ڈالون اور خیالات باغون کی سیر کرانا چاہتے تھے۔ مین چاہتا تھا کہ اپنے قصورون کا شمار کرون۔ (اور نہین تو ایک ہی دن کے سہی کیونکہ وہ بھی سیکڑون سے کیا کم ہون گے میرا وہ کون سا کام ہے جو بُرا کہلانے کی قابلیت نہین رکھتا) مگر خیالات تھے کہ کبھی جنگل اور کبھی پہاڑ دکھاتے تھے کبھی سیدھے ریگستان اور کبھی راجپوتانہ کی رتیلے چٹیل میدان۔ کبھی تیز رو دریا اور کبھی بے پر کے اُڑنے والے ریت کے ٹیلے۔ کبھی لنکا کے اور کبھی دریاے نربدا کے کنارے پر کے برگد (بڑھ) کے درخت جنمین سے ایک ایک کے نیچے چار چار ہزار سوار مع گھوڑون اور خیمون کے اور اُنکا نواب یا بادشاہ مع اپنے شاہانہ ساز و سامان کے نہایت آرام اور فراخی سے بلا خوف ترشح باران و تیزی آفتاب قیام پذیر ہو سکین۔ اور کبھی ریاست ٹراونکور کے بیشمار پودے جنمین سے ایک ایک مین بہت بہت سے رنگون کے پتے اور اُن پتون پر اُنکے رنگون کے موافق چھوٹے چھوٹے دل لبھانے والے نہایت ہی دھیمی آواز مین گانے والے جانور جنکے پرون سے گلکاری اور جنکے اعضا سے نزاکت کی شان ظاہر۔ کبھی ملک سندھ کا درخت لو جس کے پتون مین سے ہوا چلتے وقت وہ مدہم مدہم آواز آتی ہے جو کسی خیالات مین مستغرق شاعر کے گنگنانے کی نقل اُتارنے مین کامیاب اور جو کسی نہایت باحیا سچی محبت رکھنے والی اپنے محبوب خاوند سے جدا خاتون کی زور سے وبائی ہوئی مگر پھر بھی لبون پر آجانے والی آہون کے مقابلہ کرنے کو تیار۔ اور کبھی وہ چھوٹی سی ندی جیسکی نہ کوئی سہیلی نہ ہمجولی۔ نہ بات کرنے کو نہ بات سُننے کو۔ جو لمبے چوڑے ریگستان مین آپھنسی ہو اور جیسے ریت سہاگ سُکھاے جا رہی ہو جیسے اپنی سوت سامنے سے آکر پاس کھڑی معلوم ہو رہی ہو اور جو دم آخر بھی اپنے کام کے پورا کرنے اور اپنے مقرر شدہ فرض کے ادا کرنے مین اپنی زیست و موت کا خیال نہ کرکے چلا چلا کر (جتنی آواز ایسے وقت میں نکل سکتی ہو) اور چمک کے اشارون سے مخاطب کر کر کے ہوا کے پرندون اور زمین کے چرندون بلکہ بلا تفریق نیک و جنگلی درندون اور آوارہ گرد با معیت زدہ انسانون کو بلا رہی ہو کہ آؤ آؤ جلدی آؤ پیاس بجھاؤ۔ غوطے لگاؤ۔ نہاؤ لطف اٹھاؤ

دیکھو جلدی کرو ایسا نہو کہ پھر پچھتاؤ۔ غرض یہ کہ کبھی کچھ اور کبھی کچھ سامنے لا لاکر وہ خیالات میرے پیش نظر کیے جاتے تھے۔
آخر جیسا کہ غیر مستقل مزاج کا قاعدہ ہے مین ان خیالات کے ساتھ ہولیا۔

نہ معلوم کہان کہان پھرے۔ نہ معلوم کتنے کتنے ہزار کوس پلک مارنے مین طے کیے۔ نہ معلوم اس بڑے بر اعظم ہندوستان کے کون کون سے کونون اور حصون کی دوبارہ سیر کی۔ نہ معلوم کن کن لاپتہ اور غیر معلوم بر اعظمون مین جا نکلا جنکے نامون سے بھی ابھی شاید دنیا واقف نہین۔ نہ معلوم وہ کونسا وقت تھا۔ کیا موقع تھا! اور کیا سماں تھا جو یہ تماشا دیکھا۔

خیالات اور باتین کرتے چلے جارہے تھے کہ دور سے ایک قطار دیکھی۔ گروہ کے گروہ ایک طرف سے دوسری طرف جارہے ہین نزدیک گئے تو ایسا جگمٹ نظر آیا کہ اللہ کی پناہ مانگی۔ سیکڑون ہزارون کا تو ذکر ہی کیا لاکھون کی شمار وہان اکائی مین ہوگی جیسے کسی بڑے بھاری سمندر مین سیکڑون کوس لانبی لہرین ہون اور برابر چلی آرہی ہون ایسے ہی وہان بیشمار انسان مرد عورت۔ چھوٹے بڑے امیر کبیر۔ مفلس قلاش۔ مریض تندرست۔ عالم فاضل۔ جاہل کندۂ ناتراش۔ ٹھنگنے بونے۔ لانبے چوڑے۔ دبلے پتلے۔ موٹے تازے چلے آرہے ہین۔ کتنا ہی زور لگا کر دیکھا مگر دونون سرون مین سے ایک بھی نہ دکھائی دیا۔ بہت سون سے پوچھا۔ کہان سے آئے کہان جاتے ہو۔ کیون جاتے ہو۔ مگر کسی کو اتنی فرصت نہ اتنی پرواہ کہ جواب دے۔ بعض تو کچھ ایسے محو تھے اور بعض بلکہ اکثر ایسے مغرور کہ اُنھون نے منھ پھیر کے دیکھا تک بھی نہین۔ اس عقدہ کو حل کرنا اچھا معلوم ہوا۔ ساتھ ساتھ ہولیا۔ نہ معلوم کتنے برس اور کتنے ہزار فرسنگ چلا۔ آخر ایک جگہ پہونچا جسے دیکھتے ہی ہنگامہ محشر کا یقین ہوگیا اسقدر کثرت سے لوگ کہ کرورون کی گنتی اکائیون مین ہو بلکہ شاید اربون اور سنکھون کی۔ اور وہی نفسی نفسی۔

کوئی پستہ قد۔ زرد رو۔ لانبے لانبے بالون کی جٹائین سر سے لٹکتی ہوئی۔ کاغذ کے جوتے اور کسی کے کاغذ کے کرتے پاجامے۔ کوئی ٹھنگنے ٹھنگنے۔ سیاہ سرخ رنگ۔ تندرست۔ دھوتیان باندھے۔ ماتھا اور گردن رنگ برنگی لکیرون سے بھرا ہوا۔ کسی کے منھ اور کلائیون پر نیل سے کچھ گدا ہوا کوئی کوئی ننگے سر اور چھوٹی چھوٹی سی تیلی سی چٹیا سر پر کوئی کشیدہ قامت سیاہ رنگت دہانہ بہت فراخ دہن۔ لحیم شحیم۔ سفید کپڑے پہنے ہوے۔ پھندنے دار ٹوپیان سر پر دیے ہوے اور کوئی بڑی بڑی پگڑیان باندھے ہوے۔

کوئی سفید رنگت سبز چشم۔ چھجہ دار ٹوپیان فیتہ سے بندھی ہوئی بھورے بھورے بال لال لال داغ۔ پیلے پیلے دانت۔ بیٹھنے اُٹھنے مین دق کرنے والی پوشاک پہنے ہوے۔

کوئی سرخ سفید رنگ کشیدہ قامت۔ سیاہ تپلی۔ سیاہ بال۔ پنڈلیون اور ٹخنون تک کے بنتے ڈھیلے ڈھالے

پائینچے اور سفید سفید پگڑیاں پینے شملے سر پر۔

اور کچھ ہندوستانی مسلمانون کے مثل۔ عربون ترکون کی سی رنگت۔ بھوکون کے سے جسم۔ مرغ کی سی اکڑ۔ انگریزون کی جوتی۔ جرمنون کی پتلون۔ ترکون کی ٹوپی۔ فرانسیسیون کا رومال۔ چارون طرف نظر بچا بچا کر دیکھتے ہوے مگر کسی گروہ کے کسی شخص کو بھی اپنی طرف متوجہ یا مخاطب پاکر غصہ مین پیچ و تاب کھاتے ہوے پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے ہوے۔ کپڑون کو سنبھالتے ہوے۔ گرد وغبار صاف کرنے کو ٹھہر ٹھہر جاتے ہوے۔ تھکن کے آثار چہرون سے ظاہر۔ کبھی کبھی آہ لبون سے باہر۔ آرام کے خواہان۔ سو جانے کو تیار۔ ایک آدھ کے ہاتھ مین بائین طرف سے لکھے ہوے ایک دو ورق اور وہ آپے سے باہر۔ کسی کسی کے ہاتھ مین سڑا ہوا اور ذلیل اخباری پرچہ اور وہ دغا فریب کرنے کو آمادہ۔ آنکھ بچی اور رومال کسی بیچارے کے کندھے پر سے اُتار لیا۔ موقع پایا اور کسی کی جیب مین ہاتھ ڈال کر جو ملا نکال لیا۔ اور نہ ہوا تو جیب ہی کاٹ لی۔ کسی کو وہ پرچہ یا ٹکڑا دکھایا اور زبردستی ڈرا کر کچھ وصول کیا۔ مگر لطف یہ کہ ذرا دیر بعد پھر وہی بُرے حال۔ منھ پر لعنت کی پھٹکار۔

اب لیجیے اُن مین عورتون کا حال سُنیے۔ بعض کو آدمی کی شان مین اور بعض کا بُرا ڈھنگ۔ ایسی دیدہ دلیر اور حیا سے بیزار۔ کہ مردون مین سے لپٹے پڑے کا کیا خیال کاندھے سے کاندھا چھلتا ہوا۔ منھ کھولے آنکھین پھاڑے کبھی زور مین آگے بڑھین اور کبھی تھک کر پیچھے رہین اور اس وجہ سے کبھی ان مردون مین کبھی اُن مردون مین۔ کبھی انکی مدد کی کبھی اُنکے کام آئین۔ ہمدردی کی شان دکھائی ہوئی۔ ضرورت وقت سمجھاتی ہوئی۔ خوب یاد رکھنے کے قابل سبق پڑھاتی ہوئی۔ لباس کا تو ذکر ہی خرافات مین داخل ہوگا۔ اس لیے معافی چاہتا ہون۔

خیال نے کہا کہ مجمع کیون ہین آگے بڑھے تو ٹھہر جانا کچھ تعجب کی بات نہ تھی۔ دلدل اور دلدل بھی کیسی کہ بکاولی کے قلعہ کو شرمائے اور ایک اُنگل برابر کیچڑ کہلانے کا حق اس دلدل کے سامنے مشکل سے پائے۔ یہان سب کی نظرین سامنے کو اُٹھین۔ بیچون بیچ ایک قلعہ تھا۔ نہایت وسیع۔ عریض۔ طویل۔ خوبصورت شاندار خوشبو وہان سے یہان دلدل کے پار ہم لوگون کو مہکائے دیتی تھی .... دس بیس سے پوچھا ایک دو نے جواب دیا کہ یہ قلعہ مراد ہے۔ اس دنیا مین بھی بہت سے ایسے ہین جو دوسرے کی طرف توجہ کرنا ذلت اور کسر شان سمجھتے ہین جواب دینا تو کار لیست مشکل و قبیح۔ خیر خوش رہین۔

اس قلعہ کے دروازے پر ایک تحریر ہے اور وہ ایسے نرالے خط مین ہے کہ ہر مذہب اور ہر ملک اور ہر زبان والا یہی سمجھتا ہے کہ وہ اُسی کے مروجہ خط مین ہے۔ سب پڑھنے لگے۔ مین نے بھی دیکھا تو مگر ردو معلوم ہوئی اور

وہی حروف جو مرادآباد کے مسلمان لکھتے ہین۔ مین بھی پڑھنے لگا۔ مگر اُس نرالی تحریر مین یہ اور نرالا پن۔ کہ پڑھ کوئی نہین سکتا۔ لوگ نہایت غور اور کوشش سے۔ ایک آنکھ بند کر کرکے۔ مٹھی کے سوراخ مین سے۔ عینک لگا لگا کر دوربینون سے کام لے کر اور ہر طرح سے دیکھتے ہین۔ تھک تھک جاتے ہین۔ ٹھہر ٹھہر کر پھر دیکھنے لگتے ہین آنسوؤن کی طرح پانی کی دو۔ چار۔ چھ بوندین آنکھون سے گرین۔ اسی طرح کئی بار ہوا۔ آخر تھک کر پڑھنے سے دست بردار اور اب اور ہی کام مین مشغول ہوے۔

بعض بعض کچھ سستا کے اور آرام کرکے اور بعض یون ہی اناپ شناپ۔ نہ تھکن کا خیال نہ ماندگی کی پروا نہ آگے کی تیاری نہ پیچھے کی یاد۔ نہ داہین بائین پر نظر۔ نہ کوسون چوڑی دلدل کا ڈر۔ نہ بھیانک جانورون کا خوف۔ بس مُنھ سامنے کی طرف اور آناً قلعہ کے دروازہ پر۔ کسی نے دایان اور کسی نے بایان جو مبارک سمجھا قدم بڑھا ہی دیا۔ مگر واہ۔ واہ مرحبا۔ ذوالجلال اور قادر مطلق کی شان کے قربان۔ پل کے لاکھوین حصہ سے بھی کم مین جو چاہے سو کرے۔ کیا دیکھتا ہون کہ قدم دلدل پر پڑتا تھا کہ سواری ایک ایک کی ران تلے موجود۔ کوئی ایسا نہین جو دلدل مین گیا ہو اور اب سوار نہو۔ اگرچہ نہ کہین دینے ڈالا اور نہ کہین اب سے پہلے سواری کا پتہ تھا۔ مگر تفریق یہان بھی دیکھی۔ کسی کو گدھا۔ کسی کو ٹٹو۔ کسی کو عربی نسل کا گھوڑا۔

مین الگ کھڑا کچھ تو گھبرایا ہوا۔ اور کچھ کم زور۔ لیکن اصل تو یون ہے کہ کم ہمتی نے روک رکھا تھا۔ مگر جب سب کو سواریان ملین تو جی للچایا کہ لاؤ مین بھی چلون۔ مگر صد آفرین اے میری کم ہمتی۔ جانے کیا کیا خوف پیدا کر لیے۔ اور آخر مین وہین کا وہین رہا۔ نہ ہلا نہ سرکا۔ اس سوچ کے بعد جو سر اُٹھایا تو عجیب عبرت انگیز واقعہ درپیش تھا جو گدھون پر تھے۔ لگے دلدل مین دھنسنے۔ گدھون کے گھٹنون تک دلدل آگئی۔ وہ سینہ تک۔ ارے۔ ارے وہ گردن ہی گردن۔ سوار صاحب کو ابھی تک تو منزل تک پہونچنے کا یقین تھا۔ مگر اب لگے اُسے پھیرنے۔ بہتیرا کچھ کیا۔ مگر اب سب محنت اکارت۔ لوٹ کر جانا ناممکن۔ اتنے مین وہ گردن بھی غائب۔ لو وہ سوار بھی سینہ تک دھنس گیا۔ دیکھنا دیکھنا۔ وہ سوار۔ گردن .... وہ سر.... وہ بھی ختم.... افسوس۔ گدھے والون کا تو یہ حشر ہوا۔

ٹٹو بچارے دھنستے۔ گھستے۔ ہانپتے کانپتے۔ تھمتے۔ بڑھتے۔ اندر باہر۔ اور سوار قمچی چلاتے۔ گھونسے مارتے پچکارتے۔ ایڑ لگاتے۔ لگام ہلاتے۔ ٹک ٹک کرتے۔ پھسل پھسل پڑتے ہین۔ سنبھل سنبھل جاتے ہین۔ گاتے روتے ہنستے مسکراتے۔ مُنھ بناتے۔ ہنستے بسورتے۔ دم لے کر۔ قہر درویش برجان درویش۔ افتان خیزان۔ مدد چاہتے ہوے۔ دعائین مانگتے ہوئے جا رہے ہین۔

اب وہ شاندار گھوڑوں کے سوار۔ اُنکے گھوڑوں نے منہ اُٹھایا۔ قلعہ کی سیدھ مین ہوے۔ سواروں نے نشست درست کی۔ لگام سنبھالی۔ ایک دفعہ گھوڑے کو خود دلدل دکھائی اور پھر قلعہ کا دروازہ۔ اب ذرا سا ایڑ کا اشارا اور ذرا سا لگام کا۔ ایک آن کی آن مین ابھی یہان تھے ابھی وہان۔ اور جیسے کوئی منتظر ہی ہو۔ پہونچنا تھا۔ کہ دروازہ کھلا۔ سوار اترا۔ گھوڑا غائب۔ سوار اندر۔ دروازہ بند۔

اب تو مین حیران رہگیا۔ عبرت کی حد ہوگئی۔ کچھ چارہ نہ دیکھا۔ بس بارگاہ باری تعالی مین عجز اور اُمنگ کے ساتھ دعا کی کہ اپنی شان ربوبیت کے صدقے۔ نیک مخلوقات کے طفیل۔ یہ بھید مجھپر کھول دے۔ سجدے سے سر اُٹھانا ہی تھا کہ آنکھین دوربین مین کیا سے کیا ہوگئین۔ جیسے دوربین لگا لگا کر دنیا پڑھنے سے عاجز تھی صاف صاف پڑھنے مین آگیا۔ نہایت نستعلیق حد درجہ جلی قلم اور واقعی خوشخط لکھا ہوا تھا۔ اول تو نام تھا قلعہ مراد۔ اور اُسکے نیچے چار سطرین تھین۔ اُردو مین۔ مین پڑھنے پایا تھا۔ کہ بائین طرف شور سا ہوا۔ آہٹ پائی۔ گردن پھیر کر دیکھا۔ وہی دنیا وہی جھگڑے۔ پھر قلعہ کی طرف رخ پھیرا۔ مگر وہی آنکھین جو پہلے تھین۔ سچ ہے اچھا کام چھوڑا۔ ادہر اُدہر مشغول ہوا۔ سزا پائی جو کچھ پڑھا وہ یہ ہے۔ والسلام۔

قلعہ مراد

نہ جانے کچھ بھی اور جو سمجھے مجھ کو سب کچھ آتا ہے ۔۔۔ وہی دلدل کی گہرائی مین گدھے کو پھنساتا ہے

جو جانے سب کچھ اور سمجھے کہ مجھ کو سب کچھ آتا ہے ۔۔۔ وہ ٹٹوانی کو ٹک ٹک کرکے کھائی پار لاتا ہے

جو جانے سب کچھ اور سمجھے کہ مجھ کو کچھ نہین آتا ۔۔۔ وہی اک ایڑ مین سیدھا قلعہ کے اندر آتا ہے

محمد شفیع احمد مظہری بی اے

وہ خرابات کی چہلین وہ مدارات گئی ۔۔۔ کیا کہین اب کی بھی یون ہی بھری برسات گئی

مہلت ہوش جو پائی تو سحر تھی موجود ۔۔۔ نہین معلوم کہان آئی کدہر رات گئی

حسرت عشق گئی شوق کی بیتابی سے ۔۔۔ ایک ذرا ضبط نہ کرنے سے جو تھی بات گئی

ہاے صیاد کو ذوق چمن آرائی ہے ۔۔۔ گل و بلبل کی گھڑی بھر کی ملاقات گئی

دخت رز شیفتہ ہے میری آشنائی پہ ۔۔۔ اب خوشامد تری اے پیر خرابات گئی

دیکھتا یہ ہون کہ اب درد کہان اُٹھتا ہے ۔۔۔ سات دن رہتی تھی جو فکر مدارات گئی

دل گیا ساتھ تمنائین گئین اے بسمل ۔۔۔ ایک سناٹا ہے دولہا گیا بارات گئی

غزلیات

کردے یہ خبر کوئی بت شوخ ادا کو — عشاق ترے ڈھونڈتے پھرتے ہین قضا کو
دل توڑکے او بت نہ مٹا نام ولا کو — میرا نہ کہا مان ارے مان خدا کو
آئے ہین وہ بکھرائے ہوئے زلف دوتا کو — کہتے ہین کہ ہم مان گئے آہ رسا کو
مرجایئن اگر درد محبت مین کمی ہو — بیمار ترے زہر سمجھتے ہین دوا کو
ہے ہم نے جو پی ہو تو گنہگار مگر ہان — دیکھا ہے کسی کی نگہ ہوش ربا کو
مرجاتے ہین عشاق جہان ہاتھ اوٹھایا — مٹھی مین لیے رہتے ہین گویا وہ قضا کو
مجھکو تو بناتے ہین وہ دیوانہ و وحشی — روکا نہین جاتا نگہ ہوش ربا کو
عیسیٰ وہ بنے جب سے نہین ایک بھی بیمار — اب درد کو ڈھونڈو تو ملے گا نہ دوا کو
کیا وصل کی امید مین تاثیر ہے واللہ — سو بار پلٹتے ہوئے دیکھا ہے قضا کو
کچھ کرکے دعا اوٹھ گئے بالین سے ہمارے — گویا وہ ہمین سونپنے آئے تھے خدا کو
ہین عشق کے بیمار بھی دنیا سے نرالے — مرجایئن مگر منھ نہ لگایئن گے دوا کو
دل اتنے کہان ہین جو کوئی نذر کو لائے — اک ان کو ہے درکار تو سونا نہ ودا کو
آئے ہو جو ہنستے ہوئے ہمراہ عدو کے — چھوڑ آئے کہان آج مری جان حیا کو
غفلت نہ ہوئی ہم سے کبھی حسن عمل مین — دیکھا جو بتون کو تو کیا یاد خدا کو

اچھے سے جلیل آپنے دل اپنا لگایا
جانے جو محبت کو نہ پہچانے وفا کو

حافظ جلیل حسن جلیل

جو کیا دخت رز تک رسائی ہوئی ہے — جواب ریش زاہد حنائی ہوئی ہے
وہ کیا ہم سے ایسی برائی ہوئی ہے — کہ دشمن ہماری خدائی ہوئی ہے
دبائے تھے مٹھی مین وہ دل کو شاید — کف ناز اُن کی حنائی ہوئی ہے
صبا آتش گل ہو یا داغ بلبل — یہ سب آگ انہین کی لگائی ہوئی ہے
امنڈ آئے ہین آج قبلے سے بادل — یہ کیا خم کدے پر چڑھائی ہوئی ہے
کوئی بڑھ کے اب منھ کو چومے نہ چومے — ہنسی ہونٹھ پر اُنکے آئی ہوئی ہے
جو سختی نہو کم ہے خلق خدا پر — نئی اب بتون کی خدائی ہوئی ہے

اب انکو غرض میرے پہلو سے کیا ہے — حسینون مین دل کی رسائی ہوئی ہے

نہین رخ پہ اب جلوۂ ریش اقدس
ریاض اُن سے شاید صفائی ہوئی ہے

ریاض احمد ریاض

ناخدائے عاجزان کیفی پریشانی مین ہے — یہ جہازِ عمر اس کا سخت طغیانی مین ہے
دیدۂ گریان ہے قصر تن دل مایوس ہے — آگیا ہے سر پہ پانی اور یہ پانی مین ہے
شہسوار عمر نادان راستہ دیکھا نہین — اور اسپ زندگانی اپنی جولانی مین ہے
حال باطن مل سکا ہے خود نماؤن سے کہین! — آئینہ ہے سامنے لیکن پشیمانی مین ہے
ساکنِ دنیا مسافر یعنے ہر کاروان — نقطۂ موہوم یعنے مرکز فانی مین ہے
دیکھیے ہو فتح کس کو اور ہو کس کو شکست — ہوش سے میرا جنون دست و گریبانی مین ہے
غور سے دیکھے تو زاہد بھی ہے ستون کا شریک — ہجو مے کرتا ہے وعظ جہل و نادانی مین ہے
کیا تعجب دیدۂ گریان سے ہو تیرا حصول — پائے ہین موتی صدف مین اور وہ پانی مین ہے
جامہ آرائی سے حاصل! دیکھیے شمشیر کو — صاف ظاہر ہے کہ جوہر اپنی عریانی مین ہے

بھیڑ ہے ستون کی دروازہ ہے میخانے کا بند
کیفی بے خود وہان شوق غزل خوانی مین ہے

ایس ایم مبین کیفی

ڈریے نہ دل کی زاری و فریاد و آہ سے — ہان ہان حلال کیجیے تیغ نگاہ سے
ہے کام دل کو نالہ و فریاد و آہ سے — کیا چوٹ کھائی گر کے تمھاری نگاہ سے
انداز جان لینے کے دیکھے کوئی ذرا — خنجر کا کام لیتے ہین ترچھی نگاہ سے
بسمل کا فیصلہ بھی کیے جا ترے نثار — او جانے والے دیکھ لے پھر اک نگاہ سے
اس ڈر سے دیکھتے نہین مجھ زار کی طرف — ایسا نہو لپٹ رہے تار نگاہ سے
عشاق گر کے خاک پہ دم توڑنے لگے — انگڑائی لیکے یون وہ اُٹھے خوابگاہ سے
لو آؤ اُترو بام سے تم کو کھلے نگائین — صورت ملا کے دیکھ چکے روے ماہ سے
طول شبِ فراق کا قصہ ہے کیا طویل — سن لیجیے گا رات کو زلفِ سیاہ سے
کٹتے ہین زلف و رخ کے تصور مین رات دن — مطلب نہین جہان کے سپید و سیاہ سے

دل آئے جس پہ ٹوٹ کے اے راز جان جائے
ایسا کوئی حسین نہ گزرا نگاہ سے

سید محمد باقر راز لکھنوی

نظرے خوش گزرے

۲۷ دسمبر کو مسلم یونیورسٹی فاونڈیشن کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا دن بھر نہایت جوش اور آزادی کے ساتھ بحث ہوتی رہی اور دوبارہ پھر ۲۹ دسمبر کو اس کمیٹی نے آخری فیصلہ کے لیے نشست کی جس مین باتفاق یہ قرار پایا کہ ممتاز اور اہل الرائے بزرگون کی ایک جماعت (جن کے اسماے گرامی اُسی وقت سُنا دیے گئے تھے) حضور ویسرائے کی خدمت مین حاضر ہوکر مسلمانون کی طرف سے امور بحث طلب پر گفتگو کرکے تمام مسائل کا تصفیہ کرے۔ اس جماعت کو ہدایت کی گئی ہے اور اس ذمہ داری کو اُس نے قبول بھی کرلیا ہے کہ مسلمانون کی ضروریات۔ خواہشات اور جذبات کا لحاظ رکھکر یونیورسٹی کے چارٹر کو حاصل کرنے کے لیے پوری مستعدی اور یک دلی سے کوشش کی جائے۔ اور امید کرنا چاہیے کہ قوم کی متحدہ رائے کی مضبوط اور مستحکم فصیل کو پشت پناہ بناکر ذمہ دار اور چیدہ معتمدون کی یہ جماعت جب ویسرائے کے حضور مین جائے گی تو یقیناً ناکام و نامراد نہ آئے گی۔ اور اس جماعت کو پورا اختیار اس بات کا دے دیا گیا ہے کہ اگر بدقسمتی سے یونیورسٹی کا چارٹر ایسے شرائط پر نہ مل سکے جو جمہور مسلمانان ہند کے لیے قابل قبول ہون اور انکی قومی آزادی اور عزت کو برقرار رکھنے والے ہون تو اُس صورت مین چارٹر لینے سے انکار کردیا جائے۔ لیکن جو اعتماد گورنمنٹ کو مسلمانون پر ہے اور جس قدر مسلمان گورنمنٹ پر بھروسہ کرتے ہین اُسکے لحاظ سے یہ امید کرنا بے جا نہین کہ مسلم یونیورسٹی کا چارٹر قابل اطمینان شرائط پر مل جائے گا۔

اس جلسہ مین چند باتین ایسی نئی اور اہم پیش آئین جو ہماری قوم کے مستقبل کے لیے نہایت امید پرور اور ہمت افزا ہین۔ سب سے زیادہ نمایان یہ امر تھا کہ حریت و آزادی جو ہماری قومی مجالس مین کبھی بار نہین پاتی تھی اس جلسہ مین اپنی پوری شان اور قوت سے ظاہر ہوئی۔ اور ایک پرجوش گروہ نے اپنے طرز عمل سے ظاہر کردیا کہ معاملات قومی مین خودمختاری حکومت کا دور دورہ ختم اور امور ملی مین شخصی سلطنت کا چراغ گل ہوگیا۔ اور یہ امر خود برسر اقتدار جماعت کے خیال مین خواہ کتنا ہی قابل اطمینان اور اندیشہ ناک ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ قومی زندگی کی یہ وہ شاہراہ ہے جس پر استقامت و استقلال کے ساتھ گام زن ہونے والی جماعت منزل مقصود پر پہونچے بغیر نہین رہ سکتی۔

جن خاص امور پر کانفرنس کو گزشتہ نمبر مین توجہ دلائی گئی تھی اُن مین سے ایک کے متعلق الحمدللہ کہ قابل اطمینان انتظام ہوگیا ہے۔ یعنی انجمن ترقی اُردو کے جان بلب مریض کو ایک نسخۂ آب حیات پلادیا گیا ہے اور اگر اس کی زندگی حق مین بقا اور نشو ونما پانا لکھا ہے تو یقیناً وہ قوم کے حق مین جلد مایۂ رحمت ثابت ہوگی۔ ہمارے شفیق دوست مولوی

عبدالحق بی اے اوسکے سکریٹری منتخب کئے گئے ہین اور اونکی اعلیٰ علمی قابلیتون مخلصانہ و پرجوش دردقومی اور نہایت ہی پاکیزہ اور بے پایان ذوق ادبی سے امید ہوتی ہے کہ وہ اس اہم اور ضروری شعبہ کو پوری کامیابی کے ساتھ چلائین گے ہم آیندہ نمبرین اسکے متعلق بتفصیل بحث کرینگے اسس لیے کہ ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ انجمن مذکور کی کوششون کو بارآور کرنے اور اُسکے دائرہ عمل واثر کو وسعت دینے کے لیئے الناظر کے اوراق خاص طور پر وقف رہین گے۔

انجمن اصلاح تمدن اب بھی مرض النوم سے نجات پانے کے قابل نہین ہے منتظمین کانفرنس سے جس قدر گفتگو اور بحث ہوئی اُس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر خواجہ غلام الثقلین صاحب کا کوئی مناسب قائم مقام دستیاب ہوسکتا تو انجمن اُس کے ہاتھ مین دے دی جاتی۔ لیکن یا تو قحط الرجال کے باعث کوئی ایسا شخص نہین ملتا جو اس اہم ذمہ داری کا اہل ہو۔ یا جستجو مین کافی مستعدی نہین ظاہر ہوئی۔ بہرحال ہم تمام اسلامی اخبارات اور قومی درد رکھنے والے بزرگون کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری جانتے ہین کہ وہ اس تلاش وجستجو مین اراکین کانفرنس کو مدد دین اور کسی مناسب شخص کو اس عہدہ کے لیے تجویز کرین۔ آنریبل خواجہ صاحب کی طرف سے ہماری امیدین بظاہر منقطع ہوجانا چاہیے ہین۔ اس لیے کہ اول تو کونسل کی ممبری کے فرائض اتنے اہم ہین کہ وہ انھین سے عہدہ برآ ہوجائین۔ تو نہایت قابل مبارکباد کامیابی ہوگی اور دوسرے جب ایک دفعہ بادۂ اعزاز کی لب بوسی کا مزہ پڑگیا تو خواجہ صاحب سے اس قسم کے اثیارآزما اور ہمت شکن کام کی طرف توجہ کرنے کی بھی امید نہین ہوسکتی۔

مسلمانان اودھ کی خوش قسمتی ہے کہ اب کی کانفرنس کے اجلاس مین اُنکی تعلیمی ترقی کے عملی پہلوؤن پر بھی غور کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ صوبۂ اودھ مین اسی کانفرنس کی ایک پراونشیل یا صوبجاتی شاخ قائم کی جائے۔ ۱۲ دسمبر کو جلسہ شوریٰ جناب راجہ صاحب جہانگیرآباد کے دولت خانہ پر ہوا تھا اُس مین اس قرارداد کے مطابق یہ طے پایا ہے کہ سردست مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب جو ہمارے شہر کے ممتاز وکیل اور اسی ضلع کے معزز رکن ہین اُس ہنگامی کمیٹی کے سکرٹری بنائے جائین جو اس ضروری تجویز کو جلد عملی صورت مین لانے کے لیے بنائی گئی ہے اسکے بعد جو کارروائی ہوگی اُسپر آیندہ تفصیل بحث کی جائے گی۔ لیکن نامناسب نہوگا اگر ہم تعلیمی کانفرنس کے منتظمین کو مبارکباد دین کہ انھون نے ایک نہایت اہم کام کی طرف توجہ فرماکر مسلمانان اودھ کو اپنا شکرگزار اور رہین منت بنایا۔

دسمبر سنہ ۰۹ء کے الناظر کی بعض غلطیون کی اصلاح درج ذیل ہے:-

صفحہ ۴۳ کالم ۲ سطر ۲ ریح کی جگہ ذبح ہونا چاہیے۔
" ۱۲ نفرین " بنفشین "
" ۲۲ عمل " عمل

صفحہ ۷۸ سطر ۲ ابر مینائی کی جگہ ابر نیسانی ہونا چاہیے
" ۳ سیدان " طوفان "
" ۱۲ حنا " حنا "

گولیان!! گولیان!! گولیان!!

لیجیے! آپ کو بقائے صحت و زندگی کے لیئے اکسیر کی تلاش نہ رہی

ہماری ایجادکردہ آتنگ نگرہ گولیون کا نام شاید آپنے نہ سنا ہوگا یہ گولیان عجیب و غریب صفات سے بھری ہین۔ بڑے بڑے نامی گرامی ڈاکٹرون۔ ویدون اور حکیمون نے اسکا تجربہ کرکے اسکی تعریف مین ہم کو خط لکھین ہین۔ ہزارون سندنین اور سارٹیفکٹ اسکے موجود ہین۔ سیکڑون فرمایشین ان گولیون کی نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ملکون سے برابر ہمارے شفاخانہ مین پہنچتی رہتی ہین جسمی کمزوری کو جڑ سے کھودینا۔ مایوسون کو سراپا امید بنانا۔ مادہ تولید کے تمام نقصانات کو دور کرنا ذہن مین جودت اور تیزی پیدا کرنا۔ حافظہ کو قوت دینا جسم کو تندرست و توانا بنانا مردہ دلون مین تازی روح پھونکنا اسکا ادنی کرشمہ ہے۔ مرد ہون یا عورتین ان کے ہر قسم کے ضعف دور کرکے عالم جوانی دکھانے مین یہ گولیان اکسیر کا کام کرتی ہین۔ اگر انھین تندرستی بھی کھائے تو بیشمار فائدے اپنے جسم مین پائے جن لوگون نے انھین استعمال کیا ہے ان سے دریافت کرکے اپنا اطمینان کرلیجیے خود ایکبار تجربہ کرلیجیے قیمت فی بکس جس مین (۳۲) گولیان ہوتی ہین عہ علاوہ محصولڈاک پھر اگر مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو ہماری کتاب **کام شاستر مفت منگوا لیجیے**۔ جو اردو۔ انگریزی۔ ناگری۔ گجراتی مرہٹی۔ بنگالی۔ تامل وغیرہ زبانون مین ۵۰ صفحے پر چھپی ہوئی موجود ہے اور ہم محصولڈاک اپنے پاس سے لگاکر آپکو بھیجدینگے۔ ابتک چھ لاکھ سے زیادہ کا پیان ہم مفت تقسیم کرچکے ہین اس کتاب کے دیکھنے سے آپکو بہت سی مزید مفید معلومات حاصل ہوجائنگی۔ **ملنے کا پتہ**

ویدشاستری منی شنکر گووندجی۔ آتنگ نگرہ فارمیسی

شہر جام نگر ملک کاٹھیاواڑ۔

ڈاکٹر لالور
کا
فاسفوڈائن



عصبی کمزوری، فالج، کمزوابی، ڈراونے خواب دیکھنا، قوی کا قبل از وقت انحطاط نظام جسمانی کی وہ تمام بدنظمی اور عوارض جو قوت نامیہ کے کم ہوجانے سے لاحق ہون، اور امراض کے بے ضرر اور قابل اعتماد علاج مین اس دوا نے چالیس برس سے زیادہ اپنی عام شہرت قائم کر رکھی ہے۔

فاسفورس کے اس مرکب سے عصبی کمزوری اور اسی نوع کی دوسری بیماریون مین فوری و مستقل نفع ہوتا ہے اور تمام فاسد خیالات اور علامات تکلیف حیرت انگیز سرعت سے دور ہوجاتے

کے بالکل خلاف تقویت اور تسکین چید ہوجاتی ہے، ہاضمہ مین قوت آجاتی ہے بھوک بڑھ جاتی اور قبض رفع ہوجاتا ہے نیند آرام سے آتی اور فرحت بخش ہوتی ہے چہرہ بھر جاتا ہے، لب سرخ آنکھین روشن اور جلد صاف اور صحت مند ہوجاتی ہے، بالون مین مضبوطی آجاتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعضاے نفذیہ پر کیسا عظیم اثر کرتی ہے۔

دنیا کے تمام حصون کے باشندون اور فن طبابت کے اعلیٰ ماہرون کی ہزارون مستند شہادتون سے

خبردار!

"فاسفوڈائن" کا نام قانون ٹریڈمارک کے مطابق محفوظ کر لیا گیا، اس لیے اس کی نقل (رنگ مین یا کسی دوسری حیثیت سے) فروخت کرنے والون سے عدالتی چارہ جوئی کی جائےگی ہن

مین یہ قسم اور نام کی صرف یہی ایک دوا ہے جسکو کلکتہ کی نمایش واقع سنہ ۱۸۸۳-۸۴ء مین اعلیٰ سند ملی تھی۔ عالمگیر

اس کی قوت بخش تاثیرات پہلے ہی روز استعمال کرنے سے ظاہر ہوجاتی ہین عصبی اور دماغی قوتون مین ... مریض کے دل مین عادت

فیصلہ تجربی ہوگیا ہے، کہ سائنس کی تحقیقات کی دنیا مین فاسفورس کے کسی دوسرے مرکب کو ایسی شناوصفت اور معزز بیماری کی قدردانی نصیب نہین ہوئی

... دوا فروش بحساب فی بوتل (خورد) ... اور (کلان) ... فروخت کرتے ہین

صرف ڈاکٹر لالور کی

...

الناظر

جامیست جہان نماے ہر صفحہ وریں

۱۳۲۷ھ

قسم اول

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک ...

الناظر پریس واقع خیالی گنج لکھنؤ میں طبع ہوکر

دفتر رسالہ الناظر قلعہ دلنزر لکھنؤ سے شائع ہوا

قیمت ...

قیمت سالانہ قسم اول صہ | قیمت سالانہ قسم دوم عہ

الناظر

نمبر ۴ جلد ۸ | یکم فروری سنہ ۱۹۱۳ء

فی پرچہ قسم اول ۸ر | فی پرچہ قسم دوم ۴ر

پیم کہانی وارث جانی

یہ وہ نادر کتاب ہے جس کا شہرہ قبل از طبع شائقین علم موسیقی مین ہوچکا ہے۔ اس سے ہر مشرب ہر مذاق کا آدمی لطف اُٹھا سکتا ہی درویشون کے لیے تصوف بھرا ہی عاشقون کے واسطے حسن و عشق کا اچھا نقشہ ہی۔ خوش آوازون اور زندہ دلون کے لیے اس سے بڑھکر اور کیا ہو کہ ہندی زبان ہے۔ ٹھمریان۔ بھجن۔ اور بسنت وغیرہ اس سے بہتر گانے کے لیے اور کون سی چیز ہوسکتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف حضرت سید شاہ امین صاحب قبلہ وارثی باخدا درویش ہین۔ یہ کتاب ذیل کے پتہ سے (عصہ) کو مل سکتی ہے۔

حیدرآباد دکن عقب مسجد چوک۔ مکان

عبد اللطیف عطر فروش

سفوف برق

تیر بہدف — نمونہ مفت

معدے و جگر کے تندرست اور اُنکے کام صحیح رہنے پر انسان کی تندرستی توانائی اور زندگی کا دارومدار ہے۔ ورنہ معدہ کمزور ہونے سے بھوک کم لگتی ہر کچھ کچھ غذا کھائی جائے تو دیر مین ہضم ہونے کے علاوہ درد شکم اسہال نفخ۔ ریاح قبض سینہ کی جلن وغیرہ تکلیف دینے والی شکایتین بڑھ جاتی ہین۔ جگر ضعیف ہوگا تو معدے سے آئی ہوئی رقیق غذا کو بخوبی جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھے گا بدن مین رطوبت زیادہ اور خون کم پیدا ہوگا جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بدن زرد چہرہ بے رونق ہوجائیگا ضعف بڑھ جائیگا درد سر دل دھڑکنا کسی کام مین جی نہ لگنا سر گھومنا ہاتھ پیرون کا ٹوٹنا شروع ہوگا اور اکثر ایسا کہ ور آدمی سنگرہنی ورم و درد معدہ بدہضمی بواسیر بادی استسقا۔ طحال۔ پتھری۔ ریگ گردہ دمہ گٹھیا کی بیماریون مین بہت جلد مبتلا ہوکر لب گور ہو پہنچ جائے گا پس چاہیے کہ معدہ و جگر کی مندرجہ بالا بیماریون مین بھی سفوف برق منگا کر استعمال کرین۔ سفوف برق معدہ و جگر کی مندرجہ بالا بیماریون کو بہت جلد دور کردینے مین اکسیر صفت ہی اور سفوف برق کے آزمانے والے نوابان رؤسا و عظام و معززین کی رائے ہے کہ ہر گھر مین اسکی ایک شیشی رہنا نہایت ضرور ہے۔ قیمت فی شیشی کلان ۱ر خورد ۶ر (ایک آنہ کا ٹکٹ بھیج کر نمونہ مفت طلب فرمایئے)

دلو الشفا حکیم محمد شمس الحسن مالک کارخانہ معدن الشفا۔ گیا

اک نظر ادھر بھی

قران شریف مترجم۔ شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی کا ترجمہ سلیس اردو مین قیمت غیر مجلد عما، مجلد سے،

فتوحات بہنسا۔ حالات محاربہ صحابۂ کبار ترجمہ اردو کتاب مولانا محمد بن محمد المعز علیہ الرحمہ رومیون کی حکومت کا بیان مسلمانون کا راہ خدا مین ثابت قدمی سے جہاد کرنا قیمت عمار

اثبات التقدیر مسئلہ تقدیر کے متعلق مولوی اشرف علی تھانوی کی بے مثل کتاب قیمت ۶ر

موتیون کی کان جسمین زمانۂ گذشتہ کے نامور بادشاہون نامی گرامی حکیمون اور شاعرون مشہور و معروف عالمون اور مشائخون کی بیش بہا اور قابل قدر نصیحتین جنکو عزیز مرزا نے بجانفشانی سے انتخاب کرکے درج کی ہین مولفہ عفت مآب جنابہ بدر النسا بیگم صاحبہ قیمت ۴ر

تاریخ جنگ طرابلس مصور

(مولفہ قاضی عبد اللطیف ایم اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس سابق ایڈیٹر اخبار دار السلطنت کلکتہ) جسمین جنگ طرابلس یعنی جنگ اٹلی و ٹرکی کے صحیح اور چشم دید واقعات اس شرح و بسط کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہین کہ اس جنگ کے متعلق جتنی کتابین شائع ہوئی ہین سب سے افضل و بہتر یہی کتاب ہے اور موقع موقع پر بہ تعداد کثیر تصاویر کے ہونے سے کتاب کی زینت دوبالا ہوگئی اور قدر و قیمت بڑھگئی ہے۔ ادبی خوبیون کے لیے مولف کا نام نامی کافی ضمانت ہے۔ اور ظاہری خوشنمائی اور اندرونی اوصاف کے لحاظ سے قیمت نہایت کم رکھی گئی ہے یعنی علاوہ محصول ڈاک صرف عہ،

منیجر الناظر بک ایجنسی امین آباد لکھنؤ

الناظر

نمبر ۴۴ جلد ۸ — یکم فروری سنہ ۱۹۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر ہکسلے کے خیالات

نمبر ۲

۵۷ - مین نے ایک مضمون ماہران ارضیات کی غور و فکر کے لیے لکھا تھا۔ تاکہ وہ اپنے خیالات پر نئے سرے سے غور کر کے اکتشافاتِ جدیدہ کی روشنی مین ترمیم کرین۔ اُس مین نہ صرف مجھے بڑے بڑے علماے طبیعیات ہی سے جھگڑنا پڑا، بلکہ انکے دعاوی پر بھی گہری نظر ڈالنا پڑی۔ اور ان مین سب سے مشہور لارڈ کیل ون بہادر میرے محترم کرم فرما بھی ہین۔ مین نے اپنے ایڈریس مین جیالوجی پر بحث کرتے ہوے کہا تھا کہ ہم ایسے بدعتی نہین ہین ارضیات اور انواع کی ابتدا جیسا خیال کیا جاتا ہے (سنہ ۱۸۶۹ء مین ہکسلے نے برٹش ایسوسی ایشن کے سالانہ جلسہ مین جیالوجی پر ایڈریس دیا تھا) اور اگرچہ ہم بدعتی ہون بھی، تو اس انکار سے مسئلہ ارتقا پر کوئی برا اثر نہین پڑ سکتا۔

مین یہ دیکھکر خوش ہون کہ لارڈ ممدوح نے میری نکتہ چینیون کا جواب شائع فرمایا ہے۔ اور مین ناظرین سے التماس کرتا ہون، کہ وہ اسے پڑھین۔ جو کچھ لارڈ ممدوح نے مدت کے تجربہ اور غور و خوض کے بعد طبعی مسائل کی بابت رائے قائم فرمائی ہے، مین اس مین رخنہ اندازی کرنے کی جرأت نہین کرتا۔ مین خود اس امر کو تسلیم کرتا ہون، کہ وہ اس سے کبھی چشم پوشی نہ کرین، کہ کرۂ ارض کی ابتدائی تاریخ پر بحث کرتے وقت ارضیات اور طبعیات کی طرف رجوع لانا اور اس سے ضروری امداد حاصل کرنا لازمی ہے۔

مین پھر یاد دلانا چاہتا ہون۔ کہ چاہے کرۂ ارض کی عمر کروڑ دو کروڑ برس کی قائم کی جائے۔ جیسے لارڈ کیلون نے فرمایا ہے۔ یا دس بیس کروڑ۔ جیسے اور عالم کہتے ہین۔ اور چاہے جانداروں کی ابتدا اسی زمین سے ہوئی ہو یا کسی اور دنیا سے انکے تخم شہاب ثاقبون کے ساتھ آئے ہون۔ مگر نباتات اور حیوانات کی بیشمار انواع کی مسلسل ہستی کا مسئلہ جیسا اثریات سے ظاہر ہوگیا ہے۔ جون کا تون موجود ہے۔ اسپر ان مختلف خیالات کا کوئی اثر نہین پڑتا ہے۔

اس امر کو سب تسلیم کرین گے کہ شہاب ثاقبون کے ساتھ جو جراثیم عالم بالا سے اس زمین پر پہونچے۔ وہ ہاتھیون اور مگرمچھون کے ننھے جراثیم نہ تھے۔ اور نہ ناریل اور بلوط کے تخم ہی تھے۔ اور نہ وہ مونگے کے کیڑے اور نہ مچھلیون کے گھونگے ہو سکتے ہین۔ بلکہ اگر آسمان سے کسی قسم کے تخم یہان آکر گرے ہون گے تو وہ نہایت ادنی قسم کے جاندارون اور پودون کے جراثیم ہون گے۔ اب چونکہ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ کروڑون برس سے زمین اعلی قسم کے جانورون اور پودون سے آباد چلی آتی ہے۔ اس لیے یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ یا تو وہ پیدا کیے گئے تھے یا ارتقا کی بدولت وجود مین آئے ہین۔ جانورون کی بعض انواع پر غور کرنے سے اثریات کی شہادت پر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی ہستی کے لیے اگلون کے مشکور ہین۔ ایسی شہادت بھی موجود نہین ہے جس کی بنا پر علمائے بیالوجی یہ دعوی کرسکین کہ فلان انواع کے جانور تغیر کے قاعدے سے فلان نوع سے اتنے لاکھ برس کے عرصہ مین وجود مین آئے ہین۔ مین نے زندہ جانورون کی انواع اور طبقات کی قدامت پر بحث کرتے ہوے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ مختلف جانورون کی صورتون مین مختلف طور سے تغیر واقع ہوتا رہا ہے۔ بعض جانور ایسے بھی ہین۔ جو لاکھون برس سے ویسے کے ویسے چلے آتے ہین۔ اور ان مین بہت تھوڑا فرق واقع ہوا ہے۔ اور پھر ایسی انواع ہین۔ جن مین ایک مدت معینہ کے اندر حیرت انگیز تغیر عمل مین آیا ہے۔ مین نے ۱۸۶۲ء اور پھر ۱۸۶۴ء مین وہ واقعات بیان کیے تھے۔ جن کا تعلق اس وقت تک ظاہر نہین کیا گیا تھا۔ کہ اسباب ارتقا کی بابت جو نظریہ قائم کیا جائے اس مین اس امر کو ملحوظ رکھنا امر لازمی ہے کہ ایک نوع ایک زمانۂ خاص مین تغیر قبول کرکے آگے بڑھتی ہے۔ کبھی وہ ایک ہی مرحلۂ نشو ونما مین عرصۂ دراز تک پڑی رہتی ہے اور کبھی وہ اپنی موجودہ صورت چھوڑ کر اس حالت پر پہونچ جاتی ہے جو کچھ زمانہ پہلے تھی پھر مختلف زمانون مین اسکی حالت جون کی تون رہتی ہے۔ اور نیز ایسی انواع بھی ہین جو ایک زمانہ کے اندر مختلف صورتین قبول کرتی ہین۔ ڈارون نے جو نظریہ قائم کیا تھا وہ ان تمام واقعات اور حالات پر حاوی ہے اور ان تغیرات اور انکے جملہ اسباب کی اس سے خاطر خواہ تشریح ہوتی ہے۔

اس مسئلہ کی رو سے ارتقا کی بنیاد دو بڑی باتون پر ہے ایک تو تغیر (Variation) پر

اور دوسرے انتخاب (Selection) یہ عمل تغیر کن اسباب سے ہوتا ہے۔ اسکی نسبت کچھ بھی معلوم نہین ہے
اور یہ بھی معلوم نہین ہے کہ اس وقت تک جو نوع موجود ہے۔ اسمین کتنی مدت کے بعد تغیر واقع ہوتا ہے۔ اور وہ کب
اپنی اصلیت سے محروم ہوکر نئی صورت مین نمایان ہوتی ہے۔ عمل انتخاب کس طرح ہوتا ہے جس سے سب جاندار
ہلاک ہوجاتے ہین۔ اور صرف وہی باقی رہ جاتے ہین۔ جو زندگی کی کشاکش کی صلاحیت طبعی سے بہرہ ور ہین۔ اور
نیز یہ عمل کتنی سرعت سے ہوتا ہے ہم کچھ نہین جانتے۔ ہم صرف اتنا کہنے مین حق بجانب ہین کہ جس اعتبار سے یہ عمل ہوتا
ہے وہ مختلف انواع اور زمانہ مین بہت مختلف ہوتا ہے۔ فلوریڈا (صوبجات متحدہ۔ امریکہ) مین ایک قسم کی بوٹی
ہوتی ہے۔ اگر سفید سور اسے کھائین تو وہ مرجاتے ہین۔ مگر کالے سورون پر اسکا اثر نہین ہوتا۔ اگر یہ بوٹی کثرت سے
ہو اور اسکا مہلک اثر یقینی ہو تو دو تین سال کے عرصہ مین سفید کے بجائے کالے سور رہ جائین۔ اگر برعکس اسکے یہ
جڑی بہت کم ہو اور اسکا اثر بھی غیر معین ہو۔ تو سفید سور صدیون تک قائم رہ سکتے ہین۔

۵۸۔ کرۂ ارض کی تاریخ کی ایک مطول فصل کھریا مٹی کے طبقہ پر نقش ہے۔ اور بنی آدم کی تاریخ مین بہت تھوڑے
بیانات ایسے ہین جن کی تصدیق اُس شہادت بالواسطہ سے ہوسکتی ہے جس سے کرۂ ارض کی تاریخ کی بھی تائید ہوتی
ہے۔ اور یہ مین آج آپ کے روبرو پیش کرتا ہون۔ تاکہ آپ اپنی آنکھون سے اس شہادت کو خود پڑھ لین۔ مین یہ
کھریا مٹی کے کہنا چاہتا ہون۔ کہ اس سے بڑھ کر اور شاید ہی باب بنی آدم کی تاریخ مین ایسی دلچسپی سے لبریز
طبقہ کے اسرار پائے جاتے ہین۔ یہ بات مین غور کرنے کے بعد کہتا ہون کہ جو شخص کھریا مٹی کے ٹکڑے کی پوری
سرگزشت جاننے کا خواہشمند ہو وہ چاہے اور کسی علم سے یا کسی اور قسم کی تاریخ سے ناواقف ہو اگر وہ اسپر غور کرکے
اسکی تہ تک پہونچے۔ تو اس عالم اور اس سے انسان کا جو تعلق ہے۔ اسکی نسبت اُس شخص سے اسے بہتر واقفیت
ہوگی جس نے بیسیون تاریخی کتابون پر عبور حاصل کیا ہو۔ مگر صحیفہ قدرت سے محض نابلد ہو۔

اگر کھریا کا اچھا سا ٹکڑا لو۔ اور اسے غور سے دیکھو تو اسکے اجزائے ترکیبی کا اچھی طرح اندازہ ہوسکتا ہے اور نیز یہ کہ
وہ کس تناسب سے مرتبط پائے جاتے ہین ایک ٹکڑے کو لو اور ایک برش لے کر اسے پانی مین رکھکر اس سے دھو ڈالو۔
بعد ازان وہ دھیا پانی کو نتھار کر پھینک دو تو اسکے نیچے ننھے ننھے ریتے ملین گے جو شکل و صورت مین ایک
دوسرے سے الگ پائے جائین گے۔ اگر انھین خوردبین سے دیکھو تو بعض شفاف اور بعض غیر شفاف نظر آئین گے
اور انکی عجیب ترکیب بھی ظاہر ہوجائے گی۔ اسکے اندر نہایت ننھے ننھے خانے نظر آئین گے جو ایک دوسرے سے وابستہ
ہونگے۔ اور انکے اندر نہایت ننھے ننھے جاندار بھی دکھائی دین گے۔ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ یہ جاندار کیا ہین۔ اور

کس طرح زندہ رہتے ہین۔ تو ہمین کھریا کی ابتدا کا بھید معلوم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہی جاندار اب بھی اپنے کام مین مصروف ہین۔ انکا شمار سمندر کے کنارہ کی ریت کے دانون سے بھی کہین بڑھکر ہے۔ سمندر کے نیچے چٹانین بن رہی ہین۔ اور یہ کام ان ہی ننھے بیقدار جاندارون سے ہو رہا ہے۔ سمندر مین جتنی چٹانین ہین (جن سے جہازون کو اتنا خطرہ رہتا ہے) وہ ان ہی ننھے ننھے جانورون کا کام ہے۔ اسی وجہ سے سمندر کی گہرائی۔ چٹان۔ پہاڑ وغیرہ کی تحقیقات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مبادا اس سے جہاز ٹکرا کر تباہ ہو جائے۔

صوبجات متحدہ امریکہ کی بحری سپاہ کے ایک افسر نے ۱۸۵۳ء مین بحر اوقیانوس کے اُس حصہ سے جو نیو فونڈلینڈ اور جزیرۂ ازورس کے درمیان واقع ہے۔ دس ہزار فٹ کی گہرائی سے گارا نکالا اور اسے برلن کے عالمون ایرن برگ اور بیلی کے پاس معائنہ کے لیے بھیجا۔ اُنھون نے دیکھکر یہ کہا۔ کہ گارے کے اندر وہ ننھے ننھے جاندار پائے جاتے ہین جو کھریا مین ہوتے ہین۔ برطانیہ اور امریکہ کے درمیان بحری تار لگانے کی غرض سے کپتان ڈےمین نے بحر اوقیانوس کے مختلف حصون کی گہرائی معلوم کی۔ تو ظاہر ہوا کہ وہ دس اور پندرہ ہزار فٹ کے درمیان ہے۔ سترہ سو میل تک سمندر کے نیچے ایک میدان معلوم ہوتا ہے۔ اگر سارا پانی وہان سے نکال دیا جائے تو گاڑی بآسانی جا سکتی ہے۔ چڑھاؤ اوتار بہت کم پائے جائین گے۔ صرف امریکہ کی جانب دو سو میل تک کچھ چڑھائی ہے۔ اور یہ سب ٹیلے اور میدان ان ہی ننھے جانورون کے گھرون سے پٹے ہوے ہین۔ اور یہ وہی جانور ہین جو کھریا کے اندر پائے جاتے ہین۔ سمندر کے نیچے کی چٹانین اور پہاڑ ان ہی کے طفیل سے بنتے ہین۔

۵۹۔ کھریا کے ٹکڑون اور طبقون کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے اندر تین ہزار مختلف قسم کے بحری جانورون کی ہڈیان پائی گئی ہین اور ان مین سے بہت سے تو وہی ہین جو اب بھی سمندر کی تہ مین پائے جاتے ہین اور اسکی بنا پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خشکی مین جہان کھریا مٹی پائی جاتی ہے۔ وہان پہلے سمندر بہتا تھا۔ کیونکہ بحری یہ جاندار جو کھریا کے اندر پائے گئے ہین اب سمندر کی تہ مین موجود ہین۔ اور مٹی اور ننھے جانور چٹانین بنا رہے ہین۔ چونکہ کوئی اور وجہ ایسی نہین ہے جس سے ہم سمجھین کہ کھریا کا طبقہ سمندر کے نیچے نہ تھا اس لیے ہم اسکو صحیح سمجھتے ہین۔

کھریا کے طبقہ کی شہادت قطعی کی بنا پر ہم یہ بھی سمجھتے ہین۔ کہ انگلستان فرانس۔ جرمنی۔ پولینڈ۔ روس مصر عرب اور شام کا جنوبی مشرقی حصہ کسی زمانے مین سمندر کے اندر عرصہ تک ڈوبا رہا۔ بعض جگہ کھریا کا طبقہ ہزار فٹ گہرا پایا گیا ہے۔ اب یہ امر بآسانی تسلیم ہو سکتا ہے۔ کہ اتنا موٹا طبقہ مٹی کا کسی زمانے مین نہین بنا

ہوگا۔ کیونکہ یہ جاندار ایسے ننھے ہین۔ کہ ایک کیڑے کی لمبائی انچہ کا سوان حصہ ہوتی ہے۔ اگر یہ مانا جائے اور
مانا بھی جاتا ہے۔ کہ ایک سال کے اندر ایک انچہ مٹی جمع ہوتی ہے تو اس حساب سے ہزار فٹ کا تختہ بارہ ہزار
سالون مین بنا ہوگا۔

۶۰۔ ابتدائی ذہنی تعلیم کا کیا مقصد ہے؟ میری دانست مین اسکا مدعا یہ ہے کہ لڑکا اُن وسائل سے علم
حاصل کرنے کے قابل ہو جائے۔ جن کی بدولت آدمی تغیر پذیر مظاہر سے علم حاصل کرتا ہے۔ دوسرا مقصد یہ
ہے کہ لڑکا اُن بنیادی قوانین سے واقف ہو جائے۔ جو موجودات پر حکمران ہین۔ تاکہ وہ دنیا مین جاکر اُن باتون
ابتدائی تعلیم سے ناواقف نہ رہے۔ جو روزمرہ کے کاروبار مین پیش آتی ہین اور معاملات انسانی کی
اصلیت سے لاعلم رہ کر نقصان نہ اُٹھائے۔ لڑکے کو اپنی مادری زبان اور غیر ملکی زبانین اس لیے سکھائی جاتی
ہین۔ کہ اسکے وسیلہ سے وہ ہر قسم کا علم بآسانی حاصل کرے۔ جو اپنے ہم جنسون سے میل جول رکھنے سے حاصل
نہین ہو سکتا۔ اسکو لکھنا اس غرض سے سکھایا جاتا ہے کہ بنی آدم سے وسیع پیمانہ پر راہ و رسم قائم رکھ سکے اور
نیز اپنا حاصل کردہ علم کتابون مین بند کردے۔ جس سے وہ مستفید ہو سکتے ہین۔ حساب کا یہ مطلب ہے کہ اسکے ذریعہ
سے اعداد کے تعلقات یعنے زندگی کے معاملات اور تناسب کا پورا علم ہو جائے۔ جو قومون کے درمیان جاری ہی
اور نیز اس مین استدلال و استخراج کی لیاقت پیدا ہو جائے۔ لکھنا پڑھنا۔ حساب وغیرہ ذہنی آلات ہین۔ جن کا
استعمال سیکھنا سب سے مقدم ہے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی مین کامیابی کے ساتھ راحت و آرام حاصل کرے اور
دانائی اور علمیت مین سال بسال ترقی کرتا جائے۔

علاوہ ازین ابتدائی تعلیم سے لڑکے کو ایک قسم کے علم اثباتیہ اور بہت کارآمد معلومات پر عبور حاصل ہو جاتا
ہے۔ اسے اخلاق کے بڑے بڑے اصول سکھائے جاتے ہین۔ اور احکام دینی کی تربیت کی جاتی ہے۔ تاریخ اور جغرافیہ
سے اسے دنیا کے بڑے بڑے ملکون اور قومون کا حال معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس طرح بڑے بن گئے ہین۔ اور انکی
موجودہ حالت کیسی ہے۔ لیکن جب مین اس پر نظر غائر ڈالتا ہون۔ تو میرے دل مین ایک عجیب سوال پیدا
ہوتا ہے۔ پندرہ سو سال ہوے۔ آسودہ حال رومی بھی اپنے لڑکون کو اسی قسم کی باتون کی تعلیم دیتے تھے
مادری زبان کے سوا یونانی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ حساب۔ دینیات۔ علم اخلاق۔ تاریخ اور مروجہ جغرافیہ
پڑھایا جاتا تھا۔ اگر وہ رومی لڑکے آج ہمارے اسکولون مین داخل ہون۔ تو نہین کوئی ایسا مضمون نظر
نہین آئے گا جس سے وہ واقف نہ تھے۔ جو کچھ اسکولون مین سکھایا جاتا ہے۔ اس سے اُنھین ہرگز یہ خیال نہ گزریگا

کہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے عالم کی بابت جو خیال تھا۔ وہ آج بھی ویسا ہی ہے۔ اسمین کوئی فرق واقع نہین ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی چوتھی اور انیسوین صدی ع کے تمدن مین بہت فرق ہے اور ان ہر دو صدیون کے خیالات اور قیاسات اور علمی مشاغل مین بھی تفاوت عظیم ہے۔ اور یہ فرق کیون ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ گزشتہ دو صدیون کے دوران مین طبیعیات مین بہت عظیم ترقی ہوئی ہے تمدن جدید کی بنیاد طبعیات پر ہے۔ اس کی بدولت جو برکتین ہمارے ملک کو نصیب ہوئی ہین۔ اگر آج اسے محروم کردو۔ اور کل ہماری عظمت اور عزت جو اقوام عالم مین ہمکو کچھ عرصہ سے نصیب ہے۔ ہم سے رخصت ہو جائے گی کیونکہ علم طبعی ہی کی بدولت ذہانت اور اخلاقی جوش حیوانی قوت سے افضل ٹھہرتا ہے۔

۱۶۔ زمانۂ حال کے علما اور ارباب تحقیق سائنس کے پجاری ہین۔ علمی مشاغل اور مصروفیتون کا کوئی شعبہ اسکے اثر سے محفوظ نہین ہے۔ بڑے بڑے شاعرون کے شاعرانہ تخیلات اس سے خالی نہین ہین۔ کسی ادیب کی تصنیف کو لو تو ظاہر ہو جائے گا کہ گو وہ سائنس کی تحقیر کرتا ہے۔ مگر وہ بھی اسکے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے۔ اس نے جتنی بڑی بڑی کتابین تصنیف کی ہین۔ وہ سائنس کے طریقہ سے لکھی ہین۔ میری راے یہ ہے۔ کہ سب سے بڑا ذہنی انقلاب سائنس اور   علمی ترقیان   سائنس ہی کی بدولت عمل مین آ رہا ہے۔ وہ دنیا کو یہ سکھا رہا ہے۔ کہ تمام مسائل کا قطعی فیصلہ مشاہدہ اور تجربہ سے ہو سکتا ہے اور کوئی وسیلہ اسکے سوا نہین ہے۔ سند بھی کوئی حیثیت نہین رکھتی۔ سائنس شہادت کی حقیقی قدر و قیمت ظاہر کر رہا ہے۔ اسی کے طفیل سے طبعی اور اخلاقی قوانین کی عدم تغیر پر مستقل اعتقاد قائم ہو جاتا ہے جس کی فرمانبرداری اور پابندی ہر ایک صاحب فہم کا فرض ہے۔ مگر طریقۂ تعلیم اس میلان کی خبر پروا نہین کرتا۔ لڑکون کو پرانے ڈھنگ پر پڑھایا جاتا ہے اور فرسودہ باتین سکھائی جاتی ہین طبعیات اسکے اصول تحقیق۔ اسکے مسائل اور مشکلات سے ہر موقع پر دوچار ہونا پڑے گا تاہم تعلیم کے باوجود بھی وہ سائنس سے ویسا ہی ناواقف رہے گا۔ جیسا وہ اپنی پیدایش کے روز تھا۔ زمانہ حال کی جنگ آرائی مین توپ سب سے ضروری ہے اور جو ملک یا قوم اپنی سپاہ کو تلوار اور ڈھال سے مسلح کر کے بھیجتی ہے۔ کیا وہ اسمین کامیاب ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہین۔ یہی حال لڑکون کا بھی ہے۔ وہ کشاکش زیست مین سائنس سے معتد بہ واقفیت پیدا کیے بغیر کبھی کامیاب نہین ہو سکتے۔

اگر ہم اسکا تدارک نہین کرتے تو آنے والی پود ہم پر لعن طعن کرے گی۔ نہین نہین۔ اگر ہم بیس سال تک زندہ رہین گے تو ہمارا ضمیر ہمین خود ملامت کرے گا۔ میرے خیال مین اسکا تدارک یہی ہے کہ ابتدائی تعلیم مین سائنس کے ابتدائی اصول سکھائے جائین۔ مین نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ سائنس کے جس شعبہ سے میرا تعلق ہے اسکی تعلیم کس طریقہ سے دی جا سکتی ہے۔ اور مین یہ امید کرتا ہون کہ وہ دن بڑا ہی مبارک ہوگا جب اس ملک کے

اسکولوں کے سب اوستاد علوم تجربیہ کی کسی نہ کسی شعبہ مین ماہر ہوکر اپنے لڑکون کو اسکی تعلیم دین گے۔ اس وقت اس ملک کی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔

مین اخیر مین آپ سے یہ التماس کرتا ہون۔ کہ کتابون سے طبعیات کی تعلیم حاصل نہین ہوسکتی یہ صرف دھوکہ ہے اور اصل سائنٹفک تعلیم سے کوسون دور ہے۔ جو کچھ آپ سکھانا چاہتے ہین۔ بشرطیکہ آپ لوگون کو اپنی علمیت کا دھوکا دینے کے خواہشمند نہون پہلے آپ کو خود تجربی معلوم ہونا چاہیے اور سائنس کے حقیقی علم کے یہ معنی ہین۔ کہ آپ حقائق اور واقعات سے خوب ماہر ہون۔ چاہے ان کا ذخیرہ بالکل محدود ہو۔

۶۲۔ تمام جان دار ایک عنصر ذی حیات سے پیدا ہوے ہین۔ اس مسئلہ کو پہلے پہل ایک شخص نے ظاہر کیا تھا جو ہاردے سے عمر مین چھوٹا مگر اسکا ہم عصر تھا۔ ہاردے نے اٹلی مین اُن لین ماہرون سے سائنس کی ضروری تعلیم پائی تھی۔ فرانسسکو ریڈی نے بھی اُن ہی تعلیم گاہون مین تعلیم پائی تھی۔ جن سے ہاردے بہرہ اندوز ہوا تھا۔ اس نوعمر آدمی کے
جان دارون کی ابتدا
معلومات نہایت وسیع تھے۔ اور اسکی لیاقتین گوناگون تھین وہ ایک نامی عالم مشہور شاعر تجربہ کار طبیب اور نامور محقق طبعیات تھا۔ اس شخص نے دو ڈھائی سو سال ہوے۔ ایک کتاب لکھکر یہ مسئلہ قائم کیا تھا جس پر مین بحث کرنا چاہتا ہون۔ بیس سال کے عرصہ مین یہ کتاب پانچ دفعہ شایع ہوئی۔ اسکے مطالب اور اس کا استدلال ایسا عام فہم تھا۔ کہ ہر شخص بآسانی ان سے مستفید ہوسکتا۔ اور جو تجربے ثبوت مین بیان کیے گئے تھے انھین گھر مین کرکے انسان اپنے لیے خود نتیجہ اخذ کرسکتا تھا۔

ریڈی نے فلسفی قیاسات کی چھان بین مین وقت صرف نہین کیا۔ مگر اس نے آپ سے آپ پیدا ہوجانے والے جان دارون کے بعض واقعات کو لیا اور ان پر خوب بحث کی۔ مثلاً وہ کہتا ہے۔ مردہ جانور یا گوشت کا ٹکڑا لو اسے موسم گرما مین ہوا مین پڑا رہنے دو۔ چند روز مین وہ کیڑون سے بھر جائے گا۔ لوگ کہتے ہین کہ یہ گوشت سے پیدا ہوتے ہین۔ اب تازہ گوشت کے دو چار ٹکڑے لے کر ایک برتن مین ڈال دو اور اسکے اوپر جالی باندھ دو تو کوئی کیڑا پیدا نہین ہوگا۔ گو گوشت بگڑنا شروع ہوجائے گا۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ کیڑے گوشت سے پیدا نہین ہوتے بلکہ کسی خاص سبب سے پیدا ہوتے ہین جس مین جالی کے سبب سے رکاوٹ حائل ہوجاتی ہے۔ ہوا مین ایسے جراثیم بھی نہین ہوتے جو برتن کے اندر جاکر گوشت مین اور کیڑے پیدا کرین۔ بلکہ مکھیون کی وجہ سے کیڑے پیدا ہوتے ہین۔ وہ گوشت کی بو سے وہان جمع ہوجاتی ہین اور انڈے دیتی ہین جو کچھ عرصہ بعد کیڑون کی صورت مین نمایان ہوتے ہین۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ گوشت سے کیڑے پیدا نہین ہوتے۔ بلکہ مکھیون کے انڈون سے پیدا ہوتے ہین۔

یہ تجربے بہت سیدھے سادے ہین کہ لڑکے بھی گھر مین کر سکتے ہین۔ مگر کیا وجہ ہے۔ کہ اورون کو اس کا پہلے خیال نہین گزرا۔ مگر یہ قابل غور ہین۔ اور خاص توجہ سے انکے نتائج پر غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ بعدازان جو تجربے کیے گئے۔ انکی ترغیب اور تحریک ریڈی کے تجربات سے ہوئی تھی۔ اس نے مختلف چیزون کے تجربے کیے۔ اور اُن وہی نتیجہ حاصل ہوا۔ اس لیے اس نے یہ خیال کیا۔ کہ ان تمام حالتون مین جب بے جان چیزون سے جاندار پیدا ہوتے ہین۔ تو اسکا اصل سبب یہ ہوتا ہے۔ کہ باہر سے زندہ جراثیم انکے اندر داخل ہوجاتے ہین۔ جو تھوڑے عرصہ کے بعد پیدا ہوجاتے ہین۔ اور اس سے یہ مسئلہ نکلا۔ کہ "جاندار ذوی حیات تخم ہی سے پیدا ہوتا ہے" اس وجہ سے یہ مسئلہ بہت معقول سمجھا گیا کیونکہ جب تک اس مسئلہ کی تردید کرکے کوئی دوسرا اسکی جگہ قائم نہ کیا جائے اُس وقت تک یہ درست سمجھا جائے گا۔ چونکہ مجھے بار بار اس مسئلہ کا ذکر کرنا پڑے گا۔ اس لیے مین اسے مسئلہ تولید حیات (Biogenesis) کے نام سے پکارون گا۔ اور اسکے مخالف یہ مسئلہ ہے۔ کہ جاندار مردہ مادہ سے پیدا ہوتے ہین۔

سترھوین صدی مین آخرالذکر مسئلہ مروج تھا جس کی تصدیق سند سے اور نیز قدیم زمانہ کے اعتقاد سے ہوئی تھی۔ اور ریڈی کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تھا۔ کہ وہ اپنے دعویٰ کو کتب مقدسہ کے بیان کے مقابلہ مین کس طرح صحیح سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ اسکے مخالفون نے کہا کہ قاضیون کی کتاب مین ایک جگہ مذکور ہے۔ کہ ایک جگہ مردہ شیر کے اندر شہد کی مکھیان پیدا ہوگئی تھین۔ اور اس سے وہ معمہ پیدا ہوا تھا جس سے شمسون نے فلسطیون کو پریشان کیا تھا: "یعنے کھانے والے کے اندر سے کھانے کی چیز نکلی اور زور آور سے مٹھاس" بتاؤ یہ کیا ہے؟

اب یہ امر ظاہر کرنا باقی رہ گیا ہے۔ کہ گوشت کے ٹکڑون کے اندر فی الواقع جراثیم ہوتے ہین۔ جس سے کیڑے وغیرہ پیدا ہوجاتے ہین۔ ایک فرانسیسی موسیو پاسٹیور نے اپنی تحقیقات اور تجربات سے اسے پایۂ ثبوت تک پہونچادیا ہے۔ کیونکہ اس نے تجربات مین کمال صفائی اور صحت سے کام لیا اور اس نے کمال دانائی سے استدلال کرکے استخراج نتائج کیا ہے۔ اس نے گوشت کے ٹکڑے ایک برتن کے اندر رکھدیے۔ اور اوپر روئی کی تہلی تہین لگا دین تاکہ ہوا کے ذریعہ سے جراثیم وغیرہ اندر نہ جانے پائین۔ پاسٹیور نے پہلے خوردبین کے ذریعہ سے روئی کو بہت غور سے دیکھ لیا تھا کہ کہین اسکے اندر جراثیم تو نہین ہین۔ پھر خاص قسم کے مرکب تیار کیے گئے۔ اور وہ برتنون مین چند روز تک رکھے گئے۔ انکے اوپر روئی باندھی گئی تاکہ ہوا کے ساتھ انکے اندر جراثیم نہ جانے پائین۔ اور بعدازان دیکھا گیا۔ کہ جراثیم پیدا ہوگئے ہین۔ دوسری بات پاسٹیور نے یہ ثابت کی کہ اگر ان جراثیم کو کسی مرکب کے اندر رکھا جائے

جس کے اندر انکی نمو ہو سکے۔ تو اس سے اور جان دار پیدا ہو جاتے ہین۔ پاسٹیور نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ روئی سے کام لینے کی چندان ضرورت نہین رہے گی۔ اگر مرکب خاص برتنون مین ڈالا جائے یعنی ایک پتلی ٹیڑھی گردن کی کانچ کی چھوٹی صراحی لو۔ مرکب اسکے اندر ڈال کر اسے گرم کرو۔ تاکہ اندر کی جراثیم والی ہوا نکل جائے۔ پھر اسے ٹھنڈا ہونے دو۔ اور نلی کا مُنھ بیشک کھلا رہنے دو۔ باہر کے جراثیم ٹیڑھی نلکی سے اندر داخل نہین ہو سکتے۔ لیکن اگر صراحی کی ٹیڑھی گردن توڑ ڈالو اور ہوا کو اندر آنے جانے کا موقع دے تو دو چار روز مین مرکب جراثیم سے بھر جائے گا۔

۴۳۔ زمین کے طبقات کی ترکیب کی بابت علماے ارضیات تین مختلف گروہون مین منقسم ہین۔ اور اُنکے خیالات ایک دوسرے سے متبائن اور متناقض ہین۔ ایک تو اہل حادثہ (Calastrophe) دوم طبقات کی موافقت کے ماننے والے۔ سوم۔ اہل ارتقا۔ مین ہر ایک فرقہ کے خیالات کی تشریح کرتا ہون، تاکہ معلوم ہو جائے، کہ انکی تقسیم ارضیات کے صحیح ہوئی ہے یا نہین۔ اہل حادثہ کا یہ خیال ہے۔ کہ مظاہر ارضیات جن قوتون سے وقوع مین مختلف مسائل آئے ہین وہ اُن طاقتون سے بے حد مختلف تھین بجواب عالم کے اندر مصروف بکار نظر آتی ہین۔ مثلاً حضرت موسیٰ نے توریت کی پہلی کتاب کے شروع مین دنیا کے وجود مین آنے کی جو کیفیت بیان کی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ دنیا اور ما فیہا اور عالم ایک فوق الطبعی قوت سے وجود پذیر ہوے۔ اور یہ بھی مانا جاتا ہے کہ زمین کے مختلف طبقات دریا اور پہاڑ وغیرہ بعض ایسے حوادث سے یکایک معرض ہستی مین آئے۔ جن کے ثانی اس وقت دنیا مین نہین پائے جاتے ہین۔ اسکے فاسل بہت بڑے بڑے عالم اب بھی موجود ہین۔ دوسرے گروہ مین وہ لوگ ہین جو طبقات کی ترکیب کی موافقت مانتے ہین۔ اور اس گروہ مین ہٹن اور سر چارلس لائل کے ہم خیال لوگ ہین۔ "زمین کی ابتدا کا مسئلہ" گو ناتمام کتاب ہے۔ مگر ارضیات کی نسبت ایک بہت زبردست کتاب ہے اور اس سے اس علم مین معتد اضافہ ہوا ہے۔ جہان تک طبقات وغیرہ کی ترکیب کا تعلق ہے۔ اس کتاب مین اُسے ثابت کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہٹن کے خیالات اپنے ہم عصرون کے خیالات سے کیون مختلف تھے۔ جو اب صحیح ثابت ہوئے ہین اور بعض مسائل مین وہ کیون اتنے محدود تھے تو میرا جواب صرف یہ ہے کہ ہٹن نے ارضیات کے حقائق کا ایک وسیع ذخیرہ ذاتی مشاہدے سے بہم پہونچایا۔ اور اسکی بنا پر اپنا نظریہ قائم کیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ اس نے کیمسٹری اور طبعیات کی بہت عمدہ تعلیم پائی تھی۔ اسکی وجہ سے وہ شخص تحقیق و تجسس کا عادی اور غور و خوض سے کام لینے والا تھا۔ اور مظاہر ارضیات کی توجیہ کرنے کے ہر طرح قابل تھا۔ ان وجوہات سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ فطرت کے کارندے جو اس وقت کائنات کے اندر پائے جاتے ہین۔ وہ کروڑہا برس پہلے بھی تھے۔ اور اسی کام مین مصروف تھے۔ جو وہ اب کر رہے ہین۔

زمین کی داخلی حرارت۔ اسکے بیرونی طبقہ کی بلندی یا پستی۔ لاوا۔ راکھ اور گرم بخارات کا اخراج وغیرہ ارضی قوتون کی مصروفیتین ہین۔ جو حیوان کی سانس لینے۔ مختلف حرکات کرنے اور گرمی سے مشابہ ہین۔ موسمی تغیرات تجارتی ہوائین۔ گلف اسٹریم۔ وغیرہ ان بیرونی اور اندرونی قوتون کے باہمی عمل مخالف کا نتیجہ ہین۔ اور اس لحاظ سے وہ موسم خزان مین پتے جھڑنے اور موسم بہار مین کونپلین اور کلیان پھوٹنے کے عمل سے مشابہ ہے۔ جو پودہ کے اندرونی ڈھانچہ پر سورج کی حرارت اور روشنی کے باہمی عمل سے وقوع مین آتا ہے۔ جیسے کسی جاندار کے اعضاء کے افعال و ترکیب کے علم کا نام فزیالوجی ہے۔ اسی طرح ان خارجی مظاہر کے مطالعہ کا نام کبھی میٹریالوجی (علم الجو والسما) اور کبھی جغرافیہ طبعی اور کبھی ارضیات رکھا جاتا ہے۔ ظرف و زمان مین زمین کا ایک خاص رتبہ ہے۔ اور اس اعتبار سے اسکا تعلق دیگر اجرام خلا سے بھی ہے۔ اور ان تعلقات کا مطالعہ ایک ماہر فلکیات کا کام ہے۔ مگر اسکی سطحی واقفیت اور مظاہر کا علم ارضیات سے متعلق ہے جس سے ہمکو واقفیت حاصل کرنا چاہیے۔ کرۂ ارض کا خلا مین کیا مرتبہ ہے۔ اور کن قوتون کا اثر اسکے اوپر زیادہ ہوتا ہے۔ اور اسے کس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اسکی ساخت کیسے ہوئی ہے۔ ان باتون کا جواب اسکی تاریخ طبعی ہم پہونچاتی ہے۔ اب رہا باقی یہ امر کہ ان واقعات سے استدلال کرکے اسباب معلوم کیے جائین جیسے بیالوجی مین ہوتا ہے تو یہ ایک جداگانہ علم ہے جسے ارضی علم الاسباب (Etiology) کہتے ہین

امانوئیل کانٹ کے نظریہ مین چاہو جتنے عیب نکالو۔ مگر اصل یہ ہے۔ کہ اس شخص نے سب سے پہلے سلسلہ ارتقا کی بنیاد رکھکر ارضی قیاسات کو ایک فلسفیانہ ڈھنگ مین قائم کیا۔ مین نے شروع مین بیان کیا ہے۔ کہ علماء ارضیات کے تین بڑے گروہ ہین۔ جو ایک دوسرے سے متغائر اور متخالف خیالات کے قائل ہین۔ مگر اہل ارتقا اول الذکر دونون گروہون کو سایہ مین ڈالا چاہتے ہین۔ کیونکہ انکا شمار روز افزون ترقی پر ہے۔ میری رائے مین اول الذکر دونون فرقون کے درمیان اختلاف رائے ہونا ضروری نہین ہے۔ انھون نے بعض بیش قیمت حقائق کو بڑی حفاظت سے آج تک سنبھال کر رکھا۔ علاوہ ازین ترکیب طبقات مین حوادث کا بھی امکان ہے۔ جن کی وجہ سے طبعی قوتون کی نوعیت مین کوئی فرق واقع نہین ہوا۔ مین ایک مثال پیش کرتا ہون۔ گھنٹہ برابر چلتا رہتا ہے۔ اور یہ اسکے عمل کی موافقت ہے اور اچھا وقت رکھنے کے یہ معنی ہین کہ اسکے عمل مین کوئی رخنہ نہو۔ بلکہ برابر چلتا رہے۔ مگر اسکا بجنا ایک حادثہ یا امر اتفاقی ہے۔ اگر اسے ایسے طریقے سے لگایا جائے کہ اسکا لنگر مختلف وقتون مین مختلف قسم کی آوازین پیدا کرسکتا ہو۔ جو شمار نمبر اور آوازمین ایک دوسرے سے بالکل جدا ہون تو اسکی بابت اہل فکر کے دو مختلف خیالات ہو سکتے ہین۔

مسلسل قائم رہنے والی شئے کیا ہے؟ جاندارون یا پودون کی کوئی خاص نوع نہین ہے بلکہ وہ عمل ہمیشہ

قائم رہے گا۔جس سے عالم وجود مین آیا ہے۔ اورجس کی عارضی صورتین یہ انواع ہین۔ جان دارون کی دنیا مین یہ عمل
جہد للحیٰوۃ کی شکل مین نمایان ہوتا ہے یعنے ہرایک جان دار کو اپنی زندگی کی بقا کے لیے دوسرے سے کشاکش کرنا پڑتی ہے۔
اوراسکا انجام انتخاب ہے یعنی اس مجادلہ مین وہی جان دار عہدہ برآ ہوتا ہے جسکی فطری قابلتین
بقاء نوع اور
جہد للحیٰوۃ
اورون سے بہت بڑھ چڑھکر ہین۔ یا یون کہو کہ قدرت نے جنھین اس دنیا مین ہمیشہ زندہ رکھنے
کے لیے بنایا ہے۔ انھین اس نے خاص طاقتین عطا کردی ہین اور جو جان دار اس مناقشہ سے صحیح وسالم بچ نکلتے ہین وہ
بقاے ادفق کے زمرہ مین شمار ہوتے ہین۔ کیونکہ یہ اپنے گردوپیش کے حالات مین بخوبی زندہ رہنے کے قابل ہوتے ہین اور
یہ عمل کائنات کے اندر اسی طرح سدا جاری رہتا ہے۔ پودون کی بھی یہی حالت ہے ان مین سے بھی وہ باقی رہتے ہین
جو موجودہ حالات کو برداشت کرلیتے ہین۔ سردی گرمی اور دیگر اقسام کے درخت اور پودے انکی زیست کو محال کردیتے
ہین۔ کمزور نکمے پودے جلد سوکھ جاتے ہین۔ مگر اچھے اور مضبوط قائم رہتے ہین۔ جیسے بیج سے درخت یا انڈے سے
مرغ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح عالم اور مافیہا وجود مین آئے اور عمل ارتقا کے تابع ہین۔ کسی فوق العادت ہستی
کے اشارے سے وہ پیدا نہین ہوئے ہین۔ اور نہ دنیا ہی اتفاق سے معرض ہستی مین آئی ہے۔ کیونکہ ارتقا کے عمل
مین اسباب ونتائج کا سلسلہ پایا جاتا ہے اور جیسے جیسے موجودات کی نمو ہوئی ہے۔ اسکے ہرایک مرحلہ کا نشان موجود ہے
مگر اس امر کو ذہن نشین کرلینا چاہیے۔ کہ ارتقا سے عمل عالم کی تشریح نہین ہوتی۔ لیکن اس سے یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ عمل
کس طرح ہوتا ہے اور اس سے کیا نتیجے پیدا ہوتے ہین۔ علاوہ برین اگر یہ ثابت ہوجائے کہ عمل عالم کو کسی ہستی نے قائم
کیا ہے۔ تو وہ اسکی خالق ٹھہرے گی۔ اور اسکے ذریعہ سے جو نتائج پیدا ہوئے ہین بالواسطہ انکی بھی خالق ٹھہرے گی
مگر اس سے فوق العادت رخنہ کا احتمال بعید و بالا ہے یعنی یہ کہ ایک خالق نے سب چیزون کو خلق کیا ہے۔ اور
وہ عمل عالم کے خالق سے جدا ہے۔

۶۵۔ گو انسان کے خیالات اور طبائع مختلف ہین۔ مگر ایک تمنا سب مین مشترک پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے
کہ ہر شخص دکھ سے بچنے اور سکھ حاصل کرنے کا متمنی رہتا ہے۔ دوسرے لفظون مین اسکا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص اپنی مرضی
پہ چلنا اور اپنا مطلب حاصل کرنا چاہتا ہے اور سوسائیٹی کی فلاح کا کوئی خیال نہین کرتا۔ یہ میلان موروثی ہے۔
جو انسان نے اپنے انسانی نیم انسانی اور حیوانی اجداد سے ورثہ مین پایا ہے۔ وہ لاکھوں برس
ایک عالمگیر تمنا
خود پرستی اور خود غرضی سے تحریک پذیر ہوتے رہے۔ اور اسی کے طفیل سے انھون نے جہد للحیٰوۃ مین کامیابی حاصل
کی۔ یہی وجہ ہے کہ انسان سکھ حاصل کرنے کا اسقدر خواہشمند پایا جاتا ہے۔ اور اسی کے توسط سے اسے خارجی قدرت

جنگ آرائی کرنے مین کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر سوسائٹی کے اندر اس خواہش کو پورا کرنے کا پورا موقع دیا جائے۔ اور اسکے راستہ سے تمام رکاوٹون کو دور کر دیا جائے۔ تو وہ برباد ہو جائے۔ اگر ہر ایک آدمی اپنے ہی فائدے اور بھلائی کا خیال رکھے۔ تو نظام تمدن درہم برہم ہو جائے۔ کیونکہ ہر آدمی اپنے دل کی خوشی کے حصول مین دوسرون کی فلاح کا کوئی خیال نہین کریگا۔ اس طرح آپس مین ہمیشہ لڑائی ہوتی رہے گی۔

۶۶۔ نفس پروری یا فطری آزادی پر جس سے ہیئت اجتماعیہ معرض وجود مین آئی ہے۔ نبدش عاید ہونے کی بڑی وجہ مدنی ضروریات ہین جو شہد کی مکھیون کے مل جل کر رہنے کے قاعدہ سے بالکل مختلف ہین۔ ان مین سے ایک تو مان باپ اور اولاد کی باہمی محبت ہے۔ جو بچہ کے مدت دراز تک اپنے والدین کے پاس رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک سب سے اہم اور ضروری امر یہ ہے۔ کہ ایک آدمی کے اندر وہی جذبات اور خیالات ہوتے ہین جو دوسرون مین پائے جاتے ہین اور وہ وہی کام کرتا ہے جو اسکے باقی ہم جنس کرتے ہین۔ یعنی خیالات اور جذبات اور نیز اپنی بہتری کے کام کرنے کا مادہ سب آدمیون مین یکسان سا ہے۔ عالم حیوانات مین انسان ہی ایسا جانور ہے جو نقل کرنے مین اُستاد یکتا ہے۔ وہ نمونے بنا سکتا اور شکلین کھینچ سکتا اور بہروپ بھر سکتا ہے۔ وہ زبان سے صفائی کے ساتھ نقل اُتار سکتا ہے وہ اشارون سے کام لینے مین بھی فرد ہے۔ اور یہ سب کچھ وہ اپنا جی خوش کرنے کے لیے کرتا ہے۔ اور ما سوا اسکے انسان دوستون کے دمگون اور خواہشون مین بھی اپنا نظیر آپ ہے۔ نفس کے ایک عمل خاص سے انسان دوسرے کے جذبات سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو دوسرے کی جگہ شخصی طور پر تصور کرنے سے نفس پر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جسے ہم ہمدردی کے نام سے پکارتے ہین اور اپنے ارادہ کے بغیر بھی ہمین دوسرون کا درد محسوس ہوتا ہے۔ اور یہ بہت حیرت افزا ہے۔ عقلی نقطۂ نظر سے چاہے کوئی آدمی عام رائے کی طرف سے بالکل بے پروا ہو۔ جسے حکیمانہ اور فلسفیانہ بے اعتنائی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مگر مجھے ابتک ایسے آدمی سے ملنے کا کوئی موقع نہین ملا ہے جو لوگون کی مخالفانہ رائے سے ذرا بھی متاثر نہو اور انکی باتون کو ٹھنڈے دل سے سنا کرے مین نہین کہہ سکتا کہ آیا کوئی ایسا فلاسفر اس وقت زندہ ہے یا کبھی اس دنیا مین ہوگزرا ہے جو بازاریون کی آبروریز باتین سن کر چین بجبین نہوا ہو۔ ہامان نے مردکی کو پھانسی دینے کی ٹھانی تھی۔ اور ہم اسکے اس فعل کو مبنی برحق نہین ٹھیرانا چاہتے۔ مگر یہ امر ظاہر ہے کہ جب اس گمنام اور غریب یہودی نے اسکی تعظیم وتکریم نہین کی تو سب جھنجھلایا ہوگا۔

اگر ہم اپنے اردگرد دیکھین۔ تو ظاہر ہو جائے گا کہ اپنے ہم جنسون کے خلاف اپنا کوئی میلان ظاہر کرنے سے

اگر کوئی بات مانع آتی ہے۔ تو وہ خوف ہے اور یہ قانونی مواخذہ کا اندیشہ نہین۔ بلکہ اپنے ہم جنسون کی راے کا خدشہ ہے۔ جو آدمی قانون ملکی اصول اخلاق۔ اور احکام دینی کی خلاف ورزی کرتے ہین۔ وہ بھی عزت و آبرو کے رسوم سے ایک دوسرے سے بندھے رہتے ہین۔ اور یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ لوگ جسمانی دکھ برداشت کرکے جان بچا لیتے ہین۔ لیکن شرم وحیا کمزور کو خودکشی پر آمادہ کرتی ہے۔

جیسے جیسے تمدن مین ترقی ہوتی ہے۔ انسان ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوتے جاتے ہین اور انکی خوشی اور رنج مین ترقی ہوتی ہے۔ جو ہمدردی سے پیدا ہوتا ہے۔ ہم دوسرون کے افعال پر اپنی ہمدردی کی روشنی مین نظر ڈالتے ہین۔ اور ہمارے اعمال پر دوسرے اپنی ہمدردی کے مطابق اچھی بُری راے لگاتے ہین جتنی زیادہ مجھے کسی سے ہمدردی ہے۔ مین اتنا ہی زیادہ اسکے اچھے کامون کو بہت قابل تعریف اور اس کے افعال شنیعہ کو اتنا ہی کم قابل الزام خیال کرونگا۔ اور ایسا ہی میرے کامون کا حال ہے جتنی ہمدردی دوسرون کو مجھ سے ہے اتنا ہی وہ میرے اعمال کو زیادہ مستحسن خیال کرینگے۔ یہ قاعدہ لڑکپن سے شروع ہوکر جوانی اور بڑھاپے تک قائم رہتا ہے۔ اور باہمی ہمدردی بہت مستحکم ہو جاتی ہے۔ یہان تک کہ ایک خاص قسم کے اعمال پسندیدہ اور دوسری قسم کے معیوب شمار ہونے لگتے ہین۔ اور ہمارے دوستون اور ہمدردون کے خاص گروہ بن جاتے ہین۔ جو ہمارے اعمال کو پسند یا ناپسند کرنے والے ہوتے ہین۔ یہ نہین ہوسکتا کہ ہم ایک آدمی کے بعض کامون کو پسند اور بعض کو ناپسند نہ کرین۔ چاہے ہم خود ہون یا کوئی غیر ہو۔ اور انھین کو ہم اخلاقی پہلو سے نیک و بد سمجھنے لگتے ہین۔ اور ایک مصنوعی شخصیت "باطنی انسان" جسے ایڈم اسمتھ ضمیر کے نام سے پکارتا ہے۔ فطری شخصیت کے گرد پیدا ہوجاتی ہے۔ اور سوسائیٹی کا چوکیدار رہتا ہے۔ اور وہ وحشی ابتدائی انسان کو خلاف تمدن میلانون سے باز رکھتا ہے۔ جس سے اورون کی فلاح کو ترقی ہوتی ہے۔

مین نے جذبات و تاثرات کے اس ارتقا کا نام جس سے انسانی ہیئت اجتماعیہ کے تعلقات پیدا ہوتے ہین۔ اور جو شخصی ہمدردی یا ضمیر مین نمایان ہوتے ہین۔ عمل اخلاقی رکھا ہے۔ اور جب اسکی بدولت مجلس خارجی نیچر یا دیگر سوسائیٹون اور گروہون کے ساتھ کشاکش کرنے کے زیادہ اہل ہوتی ہے۔ تو یہ عمل عالم کے عین موافق ہے مگر اسکے ساتھ یہ امر بھی صحیح ہے کہ چونکہ قانون اور اخلاق سے انسانون کے آپس کے مجادلہ پر بندشین عاید ہوجاتی ہین۔ اس وجہ سے وہ عمل عالم کے اصول کے نقیض ہے اور اسکے توسط سے وہ قابلیتین نشو ونما پانے سے باز رہتی ہین جن کی بدولت انسان جہد للحیوٰۃ مین بآسانی کامیاب ہوسکتا ہے۔

ہر زمانہ اور ہر ملت کے اہل اخلاق نے جو آدمی کے باہمی تعلقات کی خوبی اور صفائی پر زور دیتے ہیں اس بارہ مین کہ وہ کامل سوسائٹی کے درمیان کیسے ہونے چاہییں باتفاق رائے سے یہ قول زرین وضع کر لیا ہے "دوسرون سے ایسا سلوک کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ دوسرے تمھارے ساتھ کرین" بالفاظ دیگر اسکے یہ معنی ہین کہ تمھارا طرز عمل ہمدردی کے تابع ہو۔ اور زندگی کے تمام کامون مین اسی اصول سے ہدایت پذیر ہو۔ جب کوئی کام کرو۔ تو اپنے کو دوسرے کی جگہ تصور کر کے دیکھو۔ کہ فلان بات یا کام تمھاری طبیعت پر کیا اثر کرتا ہے۔ یا اسی قسم کے حالات مین اپنے ساتھ کیسا سلوک چاہتے ہو۔ یہ اصول نہایت اچھا ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے والا بھی قابل تعریف ہے مگر یہ بھی تسلیم کر لینا چاہیے۔ کہ ہر ایک آدمی اس اصول کی پوری پابندی کبھی نہین کر سکتا۔ اسلیے یہ قاعدہ حکومت کے وجود سے متناقض ہے۔ کیونکہ عام طور پر یہ میلان پایا جاتا ہے کہ بدی کرنے والا اسکے نتائج سے گریز کرتا ہے۔ کیونکہ اگر مین اپنے آپ کو اس آدمی کی جگہ تصور کرون۔ جس نے میرا گھر لوٹ لیا ہے۔ تو مجھے معلوم ہوگا۔ کہ مین کسی قسم کی سزا اپنی بدکرداری کے لیے برداشت کرنے کے لیے تیار نہین ہون۔ اگر ایمان کی پوچھو۔ تو یہ قول زرین ہر قسم کے قانون کو بیکار ٹھہراتا ہے کیونکہ اگر ہم اس قول کی پابندی کرین تو بدکردارون کو قانوناً سزا نہین دی جا سکتی۔ پھر قوم اور ملک کے خارجی تعلقات بھی قائم نہین رہ سکتے۔ دوسرے لفظون مین اسکے یہ معنی ہین کہ ہمین زندگی کی کشاکش سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اس دنیا مین اس قول زرین پر عمل کرنا دشوار ہے کیونکہ اگر تم اس پر قائم رہو۔ تو بدکردار تمھارے مال و متاع اور ملک و دولت پر قابض ہو جائین گے۔ البتہ وہ آدمی اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے جو بہشت مین پہونچنے کی امید لگائے بیٹھا اور دنیا کی خواہشون سے بالاتر ہو۔ اُس باغ کا کیا حال ہوگا جس کا مالی۔ گھاس۔ پرندون اور پھل پھول چرانے والون کے ساتھ وہی برتاؤ کرے۔ جو وہ چاہتا ہے کہ اُسکے ساتھ کیا جائے۔

۶۷۔ جیسے تیز رو نالے مین پاؤن اُسی پانی سے دوچار نہین ہوتا جس مین پہلے انگوٹھا تر ہوا ہے۔ اسی طرح کوئی آدمی صحت اور وثوق کے ساتھ یہ نہین کہہ سکتا کہ محسوسات مین فلان شئے مستقل اور قائم ہے۔ انقلاب اور تغیر نہایت سرعت کے ساتھ جاری ہے تو ہم اسے نہین پہچان سکتے۔ تم زبان سے جو لفظ بولتے ہو۔ نہین نہین۔ دل مین جو خیال سوچتے

عالم کی بے ثباتی

ہو وہ ایک ہی آن مین ماضی مین داخل ہو جاتا ہے۔ چشم زدن مین حال ماضی مین بدل جاتا ہے۔ مستقبل اسکی جگہ حاصل کرتا ہے۔ جس قدر زیادہ ہمین موجودات کا علم ہوتا ہے۔ اسی قدر زیادہ یہ واضح ہوتا جاتا ہے۔ کہ جسے ہم سکون سمجھتے ہین وہ در اصل غیر محسوس مصروفیت یا حرکت ہے اور یہ کہ بظاہر امن و سکون ہے مگر پھر بھی خوفناک جنگ جاری ہے۔ عالم کے ہر گوشہ مین اور ہر گھڑی متضاد قوتون کی کشمکش جاری ہے۔ اور وہ غلبہ حاصل کرنے کے درپے رہتی ہین۔

اور کائنات کے انقلابات اور تغیرات کا توازن قائم رکھتی ہین۔ جو امر ایک حصے پر صادق آتا ہے وہ باقی حصون پر بھی عاید ہوتا ہے۔ علم طبعی ہر روز اس امر کی تائید و تصدیق کرتا رہتا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام موجودات ہیولائے عالم کے مجموعے ہین۔ اور وہ عمل ارتقا کے تابع ہین۔ آسمان مین جو سفید براق دخان ہے۔ وہ بھی اسکے عمل سے باہر نہین ہے۔ اور اس سے جو چیزین بنی ہین جیسے سورج۔ چاند۔ تارے وغیرہ بھی تغیر پذیر ہین۔ دن بدن انکے جسم مین کمی واقع ہو رہی ہے۔ نکشتر بھی اس تغیر سے بالاتر نہین ہین۔ ہزارون قسم کے پودے۔ اور جاندار بھی انقلاب کے چکر مین پھنسے ہوے ہین۔ خیالات مین انقلاب لاحق ہے۔ ایسی ہستیان بھی ہین جن کی نسبت ہم کوئی رائے نہین لگا سکتے اور نہ اس مادہ کی بابت کوئی خیال قائم ہو سکتا ہے۔ جس سے یہ ہستیان معرض وجود مین آتی ہین۔ اور اشیا عمل ارتقا کی تابع اور تغیر پذیر ہین۔ پس اس بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عالم بے ثبات ہے۔ اسکے اندر کوئی شے مستقل اور تغیر سے بالا نظر نہین آتی ہے۔ صرف قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور انتظام تربیت مین خوبی قائم رہتی ہے۔ اس مین کوئی رخنہ واقع نہین ہوتا ہے۔

۶۸۔ پرانے سے پرانے نظام تمدن کو لو۔ تو اسمین بھی انصاف کا خیال پایا جائے گا ہیئت اجتماعیہ کا انتظام ایک دن نہ چلے جبتک کہ جملہ افراد ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کرنے مین خاص قواعد کی پابندی نہ کرین۔ سوسائٹی کا ثبات و قیام انکی پابندی معاہدہ پر موقوف ہے۔ اگر وہ اسپر قائم نہ رہین تو ایک دوسرے کا اعتبار برباد ہو جاتا ہے جو سوسائٹی کے تعلقات کا ایک بہت زبردست رشتہ ہے۔ بھیڑیے ٹولیان بنا کر کبھی شکار کھیلنے کو نہ جائین۔ اگر انکے درمیان یہ قرارداد نہو۔ کہ وہ راستہ مین ایک دوسرے کو پھاڑ کر نہین کھائین گے۔ وحشیون کے ہر قبیلہ یا گروہ کے درمیان بھی اسی قسم کا مجہول سمجھوتہ ہوتا ہے۔ مگر انسان اور بھیڑیون کے جتھون مین بڑا فرق یہ ہے۔ کہ اول الذکر اپنی جمعیت کی تمام قوت ان شخصون کے خلاف استعمال کرنے کو تیار رہتے ہین۔ جو اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہین۔ اور جو اسکا لحاظ کرتے ہین۔ یہ جمعیت اسکے حق مین اپنا اثر اور قوت صرف کرتی ہے۔ اس عام سمجھوتے کا نام جس کی اسے جزا اور سزا دی جاتی ہے۔ انصاف ہے۔ اور اسکے برخلاف جو کارروائی ہوتی ہے وہ بے انصافی کہلاتی ہے۔ ابتدائی زمانے کے اخلاق مین ضوابط ہیئت اجتماعیہ کی خلاف ورزی کرنے والے کو اتنی سخت سزا نہین دی جاتی تھی۔ لیکن اگر دانستہ اور نادانستہ بدکرداری کا امتیاز نہ کیا جاتا اور نامناسب حرکت اور ارتکاب جرم کے درمیان خاص تفاوت بیان نہ کیا جاتا۔ تو تمدن مین خاطر خواہ ترقی نہین ہو سکتی تھی۔

انصاف روی اور مساوات

پھر رفتہ رفتہ اخلاقی افعال کی قدر و قیمت میں شستگی اور باریک امتیاز پیدا ہوتا گیا۔ اور جزا و سزا نے جو امتیاز سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک خاص خیالی اور عملی صورت اختیار کی۔ گو یہ قاعدہ رائج ہوا کہ خون کے بدلے خون دیا جائے مگر جس شخص نے نادانستہ قتل کیا ہو۔ وہ اپنی جان سے کیسے محروم ہو سکتا ہے۔ جمہوری اور شخصی انصاف کے تصور میں بھی کچھ رد و بدل ہوا۔ اس لیے ایک ایسی جگہ تجویز ہوئی۔ جہان قاتل مقتول کے عزیزون کے غضب سے بچنے کے لیے پناہ لے سکتا تھا۔ اس طرح انصاف کے خیال میں کچھ تغیر ہوا۔ اور منشا کو داخل کیا گیا۔ راست بازی جو انصاف کے ہم معنی ہے نہ صرف بیگناہی کا رکن ٹھہری۔ بلکہ نیکی کی جان اور روح بن گئی حتیٰ کہ انسان جو کام کرے اور نیک دل اور نیک ارادے سے کرے تو وہ مستحسن ہے۔ اور اس قسم کا آدمی راستباز۔ بے گناہ اور نیک سمجھا جائے گا۔

قانون توارث

۶۹۔ روزمرہ کے تجربہ سے ہم اُن حقائق سے واقف ہوتے جاتے ہین۔ جو توارث کی ذیل میں شمار ہوتے ہین۔ کوئی آدمی نہین ہے جو اپنے والدین بلکہ دور افتادہ اجداد کی مشابہت اپنی طبیعت مین لیے ہوئے نہو۔ ایک خاص رُخ پر چلنے اور ایک مخصوص شیوہ اختیار کرنے کے میلان کا جسے کیرکٹر (سیرت یا طبیعت) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسکی پشتون تک کھوج لگ سکتا ہے۔ اس لیے ہم یہ کہنے مین حق بجانب ہین۔ کہ اخلاقی اور ذہنی خصوصیات ہم سب کو پشت در پشت ورثہ مین ملتی چلی جاتی ہین۔ نوزائیدہ بچہ مین جدی خصوصیات موجود ہوتی ہین مگر وہ مجہول صورت مین ہوتی ہین۔ مگر جون جون وہ بڑا ہوتا ہے۔ یہ خصوصیات اسی کے تناسب سے ظاہر ہونے لگتی ہین۔ بزرگون کی برائیان۔ اور خوبیان۔ ذہانت اور گاؤدی پن حالات کے مطابق ظاہر ہونے لگتا ہے۔

کیا عالم رحیم خدا کا بنایا ہوا ہے

۷۰۔ اگر یہ عالم کسی قادر مطلق حقیقی بے حد رحیم و فیاض ہستی کے اشارے سے وجود مین آیا ہے تو دکھ تکلیف تو ایک طرف رہی۔ موروثی بدی کا وجود بھی نقیض و متضاد ٹھہرتا ہے۔ تاہم بنی آدم کا گذشتہ صدیون سے لے کر آج تک یہ تجربہ ہے۔ کہ چاہے ہم اپنے گریبان مین مُنھ ڈالین یا اپنے اردگرد نظر دوڑائین۔ دکھ ہمین ہر طرف سے گھورتا ہے اگر کوئی شے حقیقی اور یقینی ہے تو وہ دکھ۔ غم۔ اور بدی ہے۔ تاریخ عالم مین یہ ایک نئی بات ہوگی۔ اگر اسباب و نتائج پر غور کرنے والے فلاسفر تجربہ کی مخالفت سے دہشت زدہ ہو جائین اور اسٹوئک فلاسفر (رواقیہ) واقعات اور حقائق کی بنا پر اپنی شکست کبھی تسلیم نہین کرین گے۔ ان مین سے ایک کا یہ قول ہے "مجھے ایک اصول بتاؤ۔ اور مین اسکی تشریح و توجیہ کے لیے وجوہات تلاش کر لون گا" اور اس طریقے سے اس فرقے کے حکما نے ایک نہایت عمدہ نظام قائم کر لیا۔ جو اصول انصاف خدا (Theodicy) کے نام سے پکارا جاتا ہے اسکے رو سے ثابت کیا گیا ہے کہ بدی اور

دکھ کوئی چیز نہین ہے۔ بلکہ جو کچھ ہے وہ نیکی کا لزوم ہے۔ اور یہ دکھ یا تو اپنے کام سے لاحق ہوتا ہے یا ہماری بہتری کے لیے نازل کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ خوشی اور بھلائی کو ہم نظر انداز کرین۔ مگر دکھ اور برائی سے چشم پوشی محال ہے دُکھ اور غم ہمارے دروازے پر راحت اور شادمانی کی نسبت زیادہ زور سے کھٹکھٹاتے ہین۔ اور انکے قدمون کے نشان بآسانی نہین مٹائے جاتے۔

۱۷۔ مسئلہ ارتقا کے اخلاقی پہلو کی نسبت ایک اور عام غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ پودون اور جانورون کے نظام کی تکمیل جہد للحیوٰۃ سے واقع ہوئی ہے۔ اور اسی سے "بقائے اوفق" منتج ہوئے ہین۔ اسلیے بانیہ اخلاق انسان کو بھی اپنے تمدنی نظام کی تکمیل اسی قاعدے سے کرنا لازم ہے۔ مین خیال کرتا ہون کہ یہ مغالطہ "بقائے

مسئلہ ارتقا کا اخلاقی پہلو

اوفق" کے مبہم مفہوم سے پیدا ہوا ہے "بقائے قابل ترین" "اوفق" کی بقا کے مترادف ہے۔ اور آخرالذکر اصطلاح مین کچھ اخلاقی خوبی مستور ہے۔ کائنات کے اندر "قابل ترین" کا کل مدار اسکے مکتفیات اور ارد گرد کے حالات پر ہے۔ مدت ہوئی مین نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر زمین اب سے کئی گنا زیادہ ٹھنڈی ہو جائے تو "بقائے قابل ترین" کے اصول کے مطابق نباتات قد و قامت مین بہت چھوٹے ہو جائینگے۔ اور رفتہ رفتہ وہی روئیدگی رہ جائے گی جو برفستان مین پائی جاتی ہے۔ برعکس اسکے اگر حرارت بڑھ جائے۔ تو انگلستان۔ ناروے وغیرہ مین نباتات بالکل نیست ہو کر گرم ملکون ہی مین رہ جائینگی۔ کیونکہ متغیر حالات مین اسی قسم کے پودے باقی رہنے کے قابل پائے جائینگے جو گرمی کو بآسانی برداشت کر سکتے ہین۔

نیک کرداری جو اخلاقاً مستحسن سمجھی جاتی ہے ایک ایسا طرز عمل ہے۔ جو اُس رویہ کے سراسر مخالف ہے جس سے جہد للحیوٰۃ مین کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اسکے رو سے ہم طبیعت کے ضبط کرنے پر مجبور ہو جاتے ہین۔ حالانکہ کشاکش کا تقاضا خود غرضی اور نفس پروری ہے اسکے رو سے انسان اپنے ہمجنسون کی دستگیری اور اعانت پر مجبور رہے۔ حالانکہ اول الذکر اصول کے مطابق ہمین اپنے مخالفون کو پامال کرنا پڑتا ہے اس کی رو سے ہم اپنی ذات کی فکر چھوڑ کر دوسرون کی بہتری مدنظر رکھتے ہین۔ اور جو آدمی سوسائٹی کے حدود کے اندر پیدا ہوتا ہے اسکے لیے یہ واجب ٹھہرتا ہے۔ کہ وہ اسکے انتظام اور قواعد کا پورا لحاظ کرے۔ اور جنھون نے اسے قائم کیا ہو انکا عمر بھر احسان مانتا رہے۔ اسے یہ خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کہ کوئی ایسی چال نہ چلے جس سے اس نظام کو ضرر پہونچے۔ قوانین اور اخلاقی اصول خود غرضی کے طبعی میلان کو ضبط کرنے کے لیے بنائے جاتے ہین۔ اور انکی فرمانبرداری اسکا فرض منصبی ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ اسکے اقتدار اور اسکی حفاظت کے سبب سے گو اسے زندگی حاصل نہین ہوتی۔ مگر

ہان ایسی معاشرت اسے ضرور نصیب ہوتی ہے جو اسے وحشیون سے افضل تر ٹھراتی ہے۔

۲۷۔ علما بیان کرتے ہین کہ پولیٹکل اکانومی (علم الاقتصاد) کا ایک بڑا اصول یہ ہے۔ کہ زمین۔ سرمایہ اور محنت ہر قسم کی پیداوار مین نہایت ضروری ہین۔ اور باقی جتنے اصول ہین وہ اسی سے نتیج ہوتے ہین۔ مگر اس بیان کو بلاچون وچرا قبول کرنا محال ہے۔ اسمین توکوئی شک نہین ہے کہ "سرمایۂ حیات" نہایت لازمی ہے۔ کیونکہ کوئی کام۔ جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہے اسکے بغیر نہین چل سکتا۔ جسم کا اندرونی کام بھی اسکے بغیر دشوار ہے۔ رہی محنت۔ سو اسکی بابت یہ گزارش ہے۔ کہ کسی چیز کے بنانے مین انسان کی اپنی محنت اتنی بے مقدار ہوتی ہے کہ وہ کسی شمار مین نہین آسکتی۔ پیداوار کے لیے سب سے ضروری سبز پودا ہے۔ کیونکہ وہ قدرتی اشیاء سے سرمایۂ حیات یعنے غذا حاصل کرکے بڑھتا ہے۔ اور پھر پھول پھل لاتا ہے۔ انسان چاہے محنت کرے یا نہ کرے چاہے اسکے پاس زمین ہو یا نہو۔ وہ گذارہ کرسکتا ہے۔ لیکن اگر پودے نہون۔ تو وہ ضرور ہلاک ہو جائے۔

زمینی پیداوار

یہ خیال کہ کسی چیز کی قیمت اسکے بنانے یا پیدا کرنے کی محنت پر منحصر ہے غلط ہے اور اسکی کافی تردید ہوچکی ہے۔ کڑاہی گرم کرنے مین جو محنت درکار ہوتی ہے۔ اس سے گولڈ کوسٹ کے وحشیون کی نظرون مین اسکی قیمت نہین بڑھ جاتی۔ اور نہ اسکیمو اعلیٰ درجہ کی برف بنانے والی مشین کے عوض چربی کا ایک ٹکڑا دینے کو تیار ہوگا۔ جیسے وہ سمندر کے جانورون سے حاصل کرتا ہے۔ کیا کبھی اس امر پر غور کیا گیا ہے۔ کہ دولت جو مالک کے پاس سرمایہ کہلاتی ہے۔ مزدور کے پاس پہونچ کر اس حیثیت سے محروم ہو جاتی ہے؛ فرض کرو ہفتہ کے روز ایک کاریگر کو بیس روپیہ کی رقم ہفتہ بھر کی محنت کے معاوضہ مین ملتی ہے۔ اور وہ مالک کے سرمایہ سے دی جاتی ہے اور "مزدوری" کہلاتی ہے۔ کیونکہ اسکا محنت کے ساتھ تبادلہ کیا جاتا ہے۔ اسکی جیب مین وہی رقم ہے جو آدھ گھنٹہ پہلے مالک کے سرمایہ کا جزو تھی۔ وہ مزدور ویسا ہی سرمایہ دار ہے۔ جیسا راس چائلڈ۔

۲۸۔ اس دنیا مین جتنے عجیب خیالات رائج ہین۔ ان مین سے ایک یہی ہے۔ اور یہ بہت ہی احمقانہ ہے کہ سرمایہ اور محنت مین تضاد ہے۔ اور نیز یہ کہ سرمایہ محنت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے طبعی استحقاق کی رو سے یہ مزدور کا ہے۔ اور نیز یہ کہ سرمایہ دار قزاق ہے۔ جو مزدور کا پیٹ کاٹتا ہے۔ اور اسے اپنی جیب مین ڈال لیتا ہے حالانکہ اس کا کوئی استحقاق نہین ہے۔

سرمایہ اور محنت

لیکن اصل یہ ہے۔ کہ سرمایہ اور محنت ایک دوسرے کے معاون ہین۔ سرمایہ محض انسانی محنت سے پیدا نہین ہوتا۔ اور وہ اسکی کوشش کے بغیر بھی پایا جاتا ہے۔ محنت سے پہلے اسکی ضرورت ہے۔ کیونکہ اسکے وسیلے سے وہ

سامان حاصل ہوتا ہے جس پر محنت صرف کی جاتی ہے۔ سرمایہ کی ایک نہایت ضروری صورت یعنی سرمایۂ حیات انسان کی محنت سے پیدا نہین ہوتا۔ انسان صرف اتنا کرسکتا ہے کہ جن اسباب سے یہ پیدا ہوتا ہے۔ انھین مہیا کرے۔ کسی شئے کے تیار کرنے کی محنت اور اسکے تبادلہ کی قیمت کے درمیان کوئی اندرونی تعلق نہین ہے۔

۴۷۔ جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو لانبی سانس لیتا ہے اسکے بعد وہ اس سے زیادہ لانبی سانس کبھی نہین لے سکتا کیونکہ پھیپھڑون کے خانے جب ایک دفعہ ہوا سے بھر جاتے ہین۔ تو وہ پھر خالی نہین ہوتے۔ بلکہ عمل تنفس کے ساتھ انکا ایک حصہ خالی ہوتا ہے۔ سانس لینے کا عمل ایسا ہی ہے۔ جیسے ہوا بھرتے وقت دھونکنی کے دستے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہین اور اس عمل مین کچھ محنت یا زور صرف ہوتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسان محنت اور مشقت کے واسطے پیدا ہوا ہے۔ عمل تنفس جو روز ولادت سے شروع ہوتا ہے اس کی آنکھین بند ہونے تک رہتا ہے۔ اور اس اعتبار سے شہزادہ اور کسان کا بچہ یکسان ہین۔

انسان محنت کا بندہ ہے

لیکن نوزائیدہ بچہ اس زر کے پہلے حصے کو کس طرح بھگتنا شروع کرتا ہے جس سے کسی کو گریز نہین ہے۔ اس اعتبار سے چاہے کچھ ہی ہو۔ مگر اسمین کوئی شک نہین ہے۔ کہ اسکے جسم کا ڈھانچ بہت پیچیدہ ہے۔ اور وہ اس مصالحہ سے تیار ہوا ہے جو اسکی ماں نے اسے بہم پہونچایا ہے۔ اور اسی اثنا مین اسے محرکات یعنے عضلات بھی ملے۔ ہر ایک پٹھے کے اندر ایک مادہ ہوتا ہے جس سے قوت پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہ قوت خاص حالات مین ظاہر ہوتی ہے اور انمین سے ایک یہ ہے کہ پٹھے کے متعلقہ عصبی ریشہ کی حالت مین کچھ تبدیلی ہو۔ بندوق کے اندر کی بارود بھی ایک ایسی ہی شئے ہے جس کے اندر قوت موجود ہے۔ مگر اسکے لیے حالت کا بدلنا ضروری ہے۔ اور وہ گھوڑے کو انگلی سے دبانے سے واقع ہوتی ہے بارود کی مخفی طاقت فوراً قوت معروضہ مین تبدیل ہوجاتی ہے اور ایک لمحہ مین گولی نکل کر نشانہ پر جا پہونچتی ہے۔ اس لیے بارود کو کام کے مصالحہ کے نام سے پکارنا واجب ہے۔ اس لیے نہین کہ اسے فوراً کام مین لگایا جاسکتا ہے۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے۔ کہ اسکی تیاری مین بہت سا کام کرنا پڑتا ہے۔ خام شورہ اور گندھک کو جمع کرنے۔ لانے۔ اور صاف کرنے مین بہت محنت لگتی ہے۔ پھر لکڑی کاٹ کر جلائی جاتی ہے پھر اسکے کوئلہ کو پیسا جاتا ہے۔ پھر ان سب چیزون کو تناسب خاص سے ملایا جاتا ہے۔ اور پھر اسکے ننھے ننھے دانے بنائے جاتے ہین۔ بارود تیار ہو چکنے کے بعد بارود سازکے سرمایہ اور اساسہ مین شامل ہو جاتا ہے نہ صرف یہی ہوتا ہے کہ چند چیزون کو بارود کے اندر داخل کیا جاتا ہے بلکہ انکے لانے بنانے مین جو محنت درکار ہوتی ہے۔ وہ بھی اسی مین شامل ہے۔

پس اصولاً ظاہر ہوا۔ کہ نوزائیدہ بچے کے عضلات کے اندر جو قوت کا مادہ ہوتا ہے۔ وہ اس شئے کے

مشابہ ہے جو بندوق کی نالی کے اندر پائی جاتی ہے۔ بچہ ایک نئی دنیا مین داخل ہوتا ہے۔ اور اسکا اثر اسکے اور عصبی ڈھانچہ سے ہوتا ہے۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ عضلات کی مخفی اندرونی قوت عمل تنفس سے قوت معروف مین تبدیل ہوجاتی ہے۔ اور اس طرح سانس چلنے لگتی ہے۔ جب قوت کے ذخیرہ کا ایک حصہ خارج ہوتا ہے۔ تو پسلیان اوپر کو اُٹھتی ہین اور چھاتی اور پیٹ کے بیچ کا پردہ نیچے کو دبتا ہے۔ قوت کا مادہ اس سرمایہ کا ایک حصہ ہوتا ہے جو بچہ اپنی مان کے پیٹ سے لے کر آتا ہے اور مان کی قوت کی کمی اُن خوراکون سے پوری ہوتی رہتی ہے۔ جو وہ روزمرہ کھاتی ہے۔

ان حالات پر غور کرکے یہ امر یقینی ٹھہرتا ہے۔ کہ زندگی کی مشقت کا پہلا کام جو پیدا ہوتے ہی شروع ہوتا ہے اور عمر بھر ہوتا ہے اس طبعی سرمایہ پر منحصر ہے۔ جو اسکے جسم مین ایسے انتظام سے جمع رہتا ہے۔ کہ جب وہ چاہے اس سے کام لے۔ اور مین سمجھتا ہون۔ کہ اس ذخیرۂ قوت کو سرمایہ کے نام سے پکارنا نامناسب نہین ہے۔ کیونکہ یہ امر بآسانی ثابت ہوسکتا ہے۔ کہ بچے کے عضلات کے اندر جو کام کرنے کی قوت جمع ہے وہ اُن اشیاے خوردنی سے پیدا ہوتی ہے۔ جو اسکی مان کھاتی اور جس سے وہ اسے بہرہ ور کرتی ہے۔ بعد ازان جو کام بھی ہوتا ہے۔ ہمین اسی طبعی ذخیرۂ قوت یا سرمایۂ حیات سے کام لیا جاتا ہے۔ اور عمل تنفس کا مقصد یہ ہے۔ کہ اس طرح جو قوت صرف ہوتی ہے اسکے اثر سے آزادی حاصل کرے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اگر صرف سانس لینے ہی کا کام جاری رہے۔ تو اسکا طبعی سرمایہ جلد یا بدیر ختم ہوجائے گا۔ اور اسکے ساتھ ہی تنفس بھی بند ہوجائے گا۔ مگر نہین اس سرمایہ کو دودھ قائم رکھتا ہے۔ جو بچہ اپنی مان کی چھاتیون سے پاتا ہے۔ اب یہ دودھ اُن چیزون کی ایک صورت ہے۔ جو مان کھاتی ہے۔ اور جس کو بچہ کا جسم بہت جلد قبول کرکے قوت مین تبدیل کرلیتا ہے یعنی وہ مان کے سرمایۂ حیات سے اپنی طاقت کی کمی پورا کرتا ہے۔ اب دودھ پینے مین بھی کچھ قوت درکار ہوتی ہے۔ جیسے کہ سانس لینے مین صرف ہوتی ہے۔ اس طرح بچہ اسے محنت سے حاصل کرتا ہے۔ گویا جو طاقت وہ مان کی چھاتیون سے پاتا ہے وہ اسے محنت کیے بغیر حاصل نہین ہوسکتی لیکن محنت کے مقابلہ مین اسے سرمایۂ حیات زیادہ ملتا ہے۔ اس لیے اسکا ہر طرح فائدہ ہی فائدہ رہتا ہے۔ وافر سرمایہ جسم کی نشوونما مین خرچ ہوتا ہے۔ اور نمو کے عمل مین جو قوت صرف ہوتی ہے۔ وہ بھی اسی قوت سے پوری ہوتی ہے۔ اس طرح بچہ اپنے بچپن۔ لڑکپن۔ اور جوانی کے ایام مین اُس سرمایۂ حیات پر بسر اوقات کرتا ہے۔ جو اسے دوسرون کی عنایت سے حاصل ہوتا ہے۔

۵۷۔ جن لوگون نے شروع مین صلح و آشتی سے آپس مین مل جل کر رہنے کے بجاے باہمی جنگ آزمائی قائم کی چاہے انکی اصل غرض کچھ ہو۔ مگر انھون نے ہیئت اجتماعیہ کی بنیاد ڈالی۔ امن قائم کرنے مین اُنھون نے زندگی کی کشاکش

کی حد باندھ دی یعنے ایک گروہ کے آدمی آپس میں اسی طرح لڑائی نہ کرین۔ جیسے دو دشمن ایک دوسرے کی جان لینے کو لڑتے
ہین بعد ازان نظام اجتماعیہ نے جو صورتین اختیار کین ان مین سب سے اعلیٰ اور کامل وہ سمجھی جاتی ہے جس مین افراد
وحشی اور مہذب کی جنگ ایک دوسرے کے ساتھ سخت ممنوع و محدود قرار دی گئی ہے۔ ابتدائی وحشی جو جی
مین آتا کرتا۔ اور جو اسکے مانع آتا۔ اگر اسکا بس چلتا تو اسے مار ڈالتا لیکن برعکس اسکے ذی اخلاق انسان اپنے کردار کو
اس حد کے اندر رکھتا ہے جس سے دوسرون کی شخصی حریت پر کوئی بندش عاید نہین ہوتی۔ وہ اپنی بھلائی کے ساتھ
دوسرون کی بہبودی کا بھی خیال رکھتا ہے۔ کیونکہ اسکی ذاتی بہتری اسی کے طفیل سے حاصل ہوتی ہے۔ اس اسکے
نزدیک انتہائی مقصد اور اپنی ذاتی بھلائی کا عمدہ وسیلہ ہے اور وہ اپنے طرز عمل کی کامل ضبط نفس سے رہنمائی
کرتا ہے جو غیر محدود جہد للحیٰوۃ کے بالکل نقیض ہے۔ وہ عالم حیوانات سے بھاگنا چاہتا ہے جہان کسی قسم کی
اخلاقی بندشین نہین ہین۔ وہ اپنی جداگانہ اقلیم انسانی قائم کرنے کا خواہشمند رہتا ہے۔ جو ارتقاے اخلاق کے
اصول کے تابع ہے کیونکہ ہیئت اجتماعیہ نہ صرف اخلاقی مقاصد ہی سے ہدایت پذیر ہوتی ہے۔ بلکہ اسکی تکمیل
یعنے تمدنی زندگی مین وہ اخلاق مجسم بن جاتی ہے۔

۷۶۔ جتنے بڑے بڑے ادیب ہو گزرے ہین ان مین سے گیٹی مین محقق اور صناع کی خوبیان یکسان موجود
تھین۔ بلکہ مطالعہ و مشاہدۂ فطرت مین وہ اورون سے بڑھا ہوا تھا۔ اس نے اپنا علم محض کتابون سے
حاصل نہین کیا تھا۔ معدنیات۔ ارضیات۔ نباتات۔ اور علم استخوان ہاے حیوانات (Osteology)
گیٹی مشہور جرمن سے وہ اسقدر واقف تھا کہ اس زمانہ مین جو لوگ ان علوم کے اُستاد تھے وہ بھی اتنے ماہر
عالم مصنف نہ تھے اور اگر اسے ان علوم مین سے کسی ایک کو پڑھانے کے لیے کسی یونیورسٹی مین مقرر
کیا جاتا۔ تو بہت ہی اچھا ہوتا۔ مگر اسکے ہم عصر محققون نے اسکی گوناگون لیاقتون کی کوئی قدر نہین کی۔ اور
اس نے اپنی توجہ ادبیات ہی تک محدود رکھی۔ اور دنیا اسے ایک مشہور و معروف اہل قلم اور اہل سخن سمجھنے لگی
مگر گیٹی نے اسی پر کفایت نہ کی۔ بلکہ اس نے سائنس کے متعلق تحقیقات کی۔ اور کچھ لکھا۔ عوام کو یہ خیال نہ گزرا
کہ زبردست عقل ایک ایسا انجن ہے کہ جس سے ہر قسم کے عقلی کارخانے چل سکتے ہین۔ اور ان لوگون کو یہ نہ سوجھا
کہ انسان (بقول گیٹی) اپنے اور نیز اورون کے فائدے کے لیے زندہ رہنے کا مستحق ہے۔ اس لیے اسے ان علوم کو
ترقی دینا چاہیے۔ جن سے اسے خاص دلچسپی ہے۔
واقعات سے ظاہر نہین ہوتا ہے۔ کہ گیٹی نے علم طبعی کی ان نام نہاد محققون سے کم قابل قدر خدمت کی

سو سال بیشتر حیوانات۔ نباتات۔ اور دیگر علوم کی بابت غیر معین خیالات پھیلے ہوے تھے۔ اور انھین خاص صورت اور خاص نام دینا ضروری تھا۔ اور یہ کام گیٹی نے انجام دیا۔ اس نے کئی مضامین پودون کی ترکیب اور نو حیوانات کی ہڈیون کی بناوٹ اور ایک دوسرے کے تعلق پر لکھے۔ لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ جو نقائص مابعد کے عالمون کی تصانیف مین مارفالوجی (جاندارون اور پودون کی بناوٹ کا علم) کے متعلق پائے جاتے ہین۔ وہ متعدد نمونون کے پہلو بہ پہلو گیٹی کی تحریرون مین بھی موجود ہین۔ فزیالوجی اور طبعیات مین اسے کامیابی ہوئی۔ اور اسپر وہ کہتا ہے کہ حسد کی وجہ سے علما میرے خیالات اور میری تحقیقات کے نتائج پر غور کرنے سے انکار کرتے ہین۔

۷۷۔ انسان کے اعمال اور انکے معاوضہ مین بہت فرق ہے۔ اس وجہ سے قدرت ہم سے زیادہ منصف ہے وہ اوس توشہ کو نظرانداز نہین کرتی۔ جو انسان اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اور انسان کے انصاف مین یہ خوبی بالکل نہین ہے۔ اگر مین جو پیدایش سے خونخوار وحشی ہون اور اپنے اجداد سے یہ عادتین مین نے ورثہ مین پائی ہین اپنے آپ کو مار ڈالون۔ تو میرے ہم جنس مجھے کسی اونچے درخت کی مضبوط ٹہنی سے پھانسی دین گے۔ مگر مجھے افسوس اور ضمیر کے تازیانے برداشت نہین کرنا پڑین گے۔ جو میرے لیے حقیقی سزا ہوتی۔ موجودات کے نظام کامل کا انصاف میرے لیے ایسا واضح ہے جیسے کوئی سائنٹفک حقیقت۔ گناہ کے ساتھ تاسف ایسا ہے جیسے زمین سورج کی کشش سے کھنچتی ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ تجربہ اسکا شاہد ہے۔ بلکہ ہر ایک شخص اپنے ذاتی تجربہ سے جانتا ہے۔ کہ

فطرتی اور انسانی فعلون مین تضاد

جب کوئی برائی کی جاتی ہے تو اسکے بعد دل کو کس قدر بےچینی اور تکلیف ہوتی ہے مین جزا و سزا کا بھی منکر نہین ہون۔ لیکن لوگ اسے اگلی زندگی کے باہر ڈھونڈتے ہین جس کی وجہ سے وہ اس امر سے بے بہرہ رہتے ہین کہ سزا و جزا یہین مل جاتی ہے۔ اگر جہنم کے عذاب کے خوف سے مین برائی سے باز رہون۔ تو یقیناً میرے لیے جہنم یہین موجود ہے: اگر کوئی انسان اس بات کو بخوبی سمجھے کہ چوری کرنے سے مجھے ویسا ہی نقصان پہونچتا ہے۔ جیسے سنکھیا کھانے سے۔ تو کیا وہ اس طرح بدی سے باز نہین رہیگا

۷۸۔ عورتون کی فطری کمزوریون کی بابت حال مین بہت کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اسمین کوئی شک نہین۔ کہ ان مین سے بعض تو انکی طبیعت مین ودیعت کی گئی ہین۔ مگر باقی انکی اپنی پیدا کردہ ہین۔ یعنی انکی طرز زندگی سے پیدا ہو گئی ہین اصل بات یہ ہے کہ عورتین گھر مین بیکار بیٹھی رہتی ہین۔ جس سے جسم ناتوان ہو جاتا ہے

عورتون کی کمزوریان

اور واہی تباہی خیالات پیدا ہوتے ہین۔ اگر وہ طاقت بخش کام کرین۔ یا کسی نیک کام کی تکمیل مین ساعی ہون۔ کھیل کود کا عمدہ موقع ملے۔ الغرض مردون کی طرح انھین بے روک ٹوک عمدہ

زندگی بسر کرنے کا موقع ہو تو انکی بہت سی کمزوریان جلد دور ہو جائین ۔

عام راے کا خدشہ

۷۹ ۔ کثرت راے کا عقیدہ میرے سینہ مین جاگزین نہین ہے ۔ اگر تمام دنیا میری مخالف ہو جائے تو مین اپنی راے اور خیالات کی نظر ثانی کرون ۔ اور انپر نقادانہ نگاہ ڈالون ۔ مگر مین ان سے کبھی دست بردار نہین ہونگا یہ بات برملا کہتا ہون کہ اگر میری گردن مین چکی کا پاٹ باندھکر مجھے سمندر مین ڈالدیا جائے ۔ تب بھی مین اُن لوگون کے ساتھ حصہ دار نہین ہونگا دنیا جن کی دست نگر رہتی ہے اور وہ اسکی چاپلوسی کرتے ہین ۔ اور خوفناک حقائق کے دوچار ہونے سے گھبراتے ہین ۔

اخلاقی اصول کی پابندی

۸۰ ۔ کیا ہم اخلاقی اصول کی تمام و کمال پابندی کر سکتے ہین ! میرا جواب نفی مین ہے ہم مین بہت سے ایسے ہین جو اسکے سیدھے سادے احکام کی بھی پابندی نہین کر سکتے ۔ جیسے بعض آدمی پیدائش سے اپاہج یا فاترالعقل ہوتے ہین ۔ ایسے ہی اخلاقی اعتبار سے بھی بعض آدمی لنگڑے لولے اور کوتاہ عقل ہوتے ہین ۔ چاہے اُنھین جتنی سزا دو ۔ مگر وہ کبھی سیدھا راستہ اختیار نہین کرینگے ۔ ایسے لوگون کو یا تو کسی مکان کے اندر بند کرنا چاہیے یا انھین توپ دم کرنا چاہیے ۔

قابل آدمیون کی کمزوری

۸۱ ۔ قابل آدمیون کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنی حرف گیری اور مخالفت کی تاب نہین رکھتے ۔ جو لوگ اس کمزوری پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہین ۔ وہ بھی خوشامد کی باتون مین آکر اسکے نادانستہ شکار ہو جاتے ہین ۔ سائنس کی سب سے بڑی لعنت "سند" "چیلہ" اور "اسکول" (فرقہ) ہے ۔ اُنکے ذریعہ سے سائنس کے کام مین بہت رخنہ واقع ہوتا ہے ۔ حالانکہ اسکے دشمن اتنے حاسد نہین ہوتے ۔ لوگ اس بات کو کبھی نہین سمجھ سکتے ۔ اور محض علمیت اور ہوشیاری زندگی مین کوئی قدر و قیمت نہین رکھتی ۔ بلکہ مستعدی اور معاملہ کے تمام پہلوؤن پر ذرا سی دیر مین عبور حاصل کرنا ہی سب کچھ ہے ۔ اور یہ خوبیان جبلّی ہوتی ہین ۔ سکھانے سے حاصل نہین ہوتی ہین ۔

اپنی ضروریات کا خود اہتمام کرنا

۸۲ ۔ میری راے مین ہر آدمی کا یہ فرض منصبی ہے ۔ کہ وہ اپنی پرورش کا فوراً انتظام کرے ۔ اور دوسرون پر بوجھ نہو ۔ علاوہ ازین ہوشیاری اور صفائی سے کام کرنے کا ہنر پیدا کرنا بجائے خود عمدہ تعلیم ہے ۔ جس کا نتیجہ ہر پیشہ مین ظاہر ہو جاتا ہے ۔ کسی ایسے کام کرنے کی عادت جسے تم پسند نہین کرتے (حالانکہ وہی کام کرنا اچھا ہوتا ہے جس سے تمھین دلچسپی ہے) نہایت بیش قیمت ہوتی ہے ۔

۸۴۔ انسان ایک عجیب و غریب جانور ہے۔ اس مین گھوڑے کی سی قوت برداشت۔ گدھے کی سی ڈھٹائی اور اونٹ کا سا کینہ پایا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس مین فرشتے کی سی باتین بھی پائی جاتی ہین۔ اور جب اسے اپنی مرضی کے مطابق چال چلنے کا موقع مل جاتا ہے۔ تو اسے کسی کام پر آمادہ کرنا دشوار ہے۔ انسان کی سرشت

جے۔ آر۔ راے

پھول

(نظم بطرز انگلش)

۱
تو عجب دل فریب ہے اے پھول
تجھ سے ہے گلشن جہان کی بہار
تیرے صدقے ہین نہ بانا پھول
ہم تو کرتے ہین تجھکو دل سے پیار

۲
تو حسینون کی خلوتون کا انیس
تو امیرون کی بزم کی زینت
کنج عزلت مین عاشقون کا جلیس
تجھ سے ہے ہر دماغ کو فرحت

۳
تو ہے نیچر کا ہدیۂ نادر
کس کے دل مین نہین ہے تیری چاہ
مدح مین تیری ہے زبان قاصر
تو عجب چیز ہے خدا ہے گواہ

۴
تیری خوشبو دماغ کو مرغوب
آنکھ کو ہے پسند تیرا رنگ
خوش مذاقون کا با وفا محبوب
دلبری کے ہین تجھ مین سارے ڈھنگ

۵
اپنے کمرون کی تجھ سے آرائش
اپنی میزون کی تجھ سے ہے زینت
تجھ سے صحن مکان کی زیبائش
جان گلدستہ ہے تری نزہت

۶
اصل تو اصل ہے مگر در اصل
در و دیوار کی بھی گل کاری
یاد دلواتی ہے تری بے فصل
اس لیے سب کو دل سے ہے پیاری

۷
سادگی ناز کی صفائی مین
سب سے افضل ہے سب سے ہے بہتر
نہین تجھسا کوئی خدائی مین
سچ مین کہتا ہون یہ قسم کھا کر

۸
پڑتی ہے جب کسی کی تجھ پہ نظر
ہو کے بیتاب لوٹ جاتی ہے
بھول جاتی ہے جیسے اپنا گھر
نہین آنکھون مین پھر کے آتی ہے

۹
قدر کرتے ہین تیری جنٹلمین
پیار کرتی ہین تجھکو سب لیڈیز
اب تجھے ہے مزا تجھے ہے چین
تو ہے فیشن کی بھی نظر مین عزیز

۱۰
تجھکو سینہ سے کہہ لگاتے ہین
کبھی ہوتا ہے تو گلے کا ھار

ناز تیرے سبھی اُٹھاتے ہین
تجھکو کرتے ہین جان و دل سے پیار
شوخیان تیری شوخ رنگت کی
شوخ چشمون سے کرتی ہین چشمک
شوخیون کو ادا نزاکت کی
اور بھی دیتی ہے غضب پر چمک
جچنے دیتا نہین کسی کا رنگ
رنگ تیرا وہ شوخ چنچل ہے
رنگ رخسار بھی ہے تجھ سے دنگ
دلربا کیسا ہی تیری چھل بل ہے
ایسے ہنس مکھ بھی کم کہین دیکھے
ہنستے جاتے ہین لوٹے جاتے ہین
ہم بھی کہتے ہین ہان نہین دیکھے
باتون باتون مین گُل کھلاتے ہین
کہین جنگل مین تجھ سے ہے منگل
کہین ٹیسو لگا رہے ہین آگ
کہین باد صبا کی چھل بل
کہین گاتے ہین طائر اپنا راگ
خیر ہے محتسب تجھے چپ رہ
ہم کو تیری شراب سے کیا کام
مے جو پینا ہو اُس سے جا کر کہہ
پھول پیتے ہین ہم نہ کر بدنام
بعد مردن ہین کوئی غمخوار
اپنے بیگانے منھ چھپاتے ہین

ہان مگر ہم کو اس کا ہے اقرار
پھولون مین پھول کام آتے ہین
کشتۂ ناز کی سر تربت
جب کوئی مہ جبین کھڑی ہو کر
کانپتے ہاتھون سے بصد منت
تجھکو لاکر چڑھاے رو رو کر

(ق)

اُس گھڑی قدر ہو تری معلوم
تیرا اس وقت مرتبہ ہو عیان
تو تسلی دہِ دلِ مغموم
مرہمِ زخمِ سینۂ ریشان
تو بڑھاتا ہے شان سہرے کی
تجھ سے ہے آن بان دولھا کی
لین بلائین دولھن کے چہرے کی
شوخ دیدہ ہے تیری بیباکی
کھلتے ہی کھلتے تو ہے مرجھاتا
تو بقا و فنا کا ہے فوٹو
عمر پاتا ہے تو غضب ڈھاتا
مار ہی ڈالتی تری خوشبو
سونگھنے سے دماغ ہو تازہ
دیکھنے سے بصر کو ہو قوت
تیری خوبی کا کیا ہو اندازہ
کوئی پوچھے قمر سے تیری صفت

سید قمرالدین احمد قمر سندیلوی

مثنوی مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ والغفران

مثنوی شریف کی اور اور خوبیون سے قطع نظر کرکے اگر صرف تاثیر کلام کے لحاظ سے - اسکے طرز بیان پر غور کیا جائے - تو میرے فہم ناقص مین - فارسی کی جملہ اخلاقی تصانیف پر - اُسکی ترجیح کا پلہ بھاری ہوگا -

آپ کو میرے دعوے کا ثبوت - وعظ و تذکیر کی مجلسون مین پورے طور پر ملے گا - کسی وعظ و پند مین مثنوی کے دو چار شعر بھی مناسب موقع پر پڑھے جاتے ہین - تو وہ وعظ و پند تاثیر کے گہرے رنگ مین ڈوب جاتا ہے اور اہل جلسہ پر اُسکا اثر ہی کچھ اور ہوتا ہے -

اب سے تقریباً - پندرہ برس پہلے کا ذکر ہے - کہ ایک روز انجمن اسلامیہ بانکی پور کا ماہواری جلسہ تھا - مکان انجمن کے لیے چندے کی تحریک کی جارہی تھی - بڑے بڑے واعظ اور مقررین نے ولولہ خیز اور ترغیب انگیز تقریرین کین مگر جلسے کا رنگ پھیکا ہی رہا -

اخیر مین ایک معزز اور متبرک بزرگ کھڑے ہوئے اور اپنی پُرزور تقریر اور پُر رعب آواز مین - موقع موقع پر مثنوی کے جادو اثر - اشعار ملانے شروع کیے -

مین کیا عرض کرون کہ مثنوی کے درد آمیز اور تاثیر خیز اشعار نے معزز واعظ کی بلند اور پاٹ کی آواز اور اُنکے دلکش انداز شعر خوانی کے ساتھ مل کر کیسی کیفیت پیدا کی ؟ اور حاضرین کی کیا حالت تھی ؟ دل ہلے جاتے تھے - آنکھین اشکبار تھین - ہر شخص بے خود تھا اور تمامی مجلس پر ایک محویت طاری تھی -

اثنائے تقریر مین جب اُن بزرگ نے اپنی زبان مبارک سے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎ ہر چہ داری صرف کن در راہ او - لن تنالوا البر حتی تنفقوا - تو حاضرین کا حال ہی دوسرا ہوگیا - ساری مجلس کی گویا کایا پلٹ ہوگئی - ہر طرف سے چندہ کی بوچھار ہونے لگی - نقدی سے گزر کر چیز و اسباب تک نوبت پہنچ گئی - کوئی عمامہ اتار کر پھینک رہا ہے - کوئی اچکن و کوٹ نذر کر رہا ہے - کسی نے چادر اُتار دی - کسی نے جیبی گھڑی نذر کی - الغرض مضمون شعر کی پوری پوری تعمیل ہو رہی تھی -

جلسے مین مشکل - ایک چوتھائی - ایسے لوگ تھے - جو اُس شعر کے لفظی معنی بھی سمجھتے ہون - مگر ایک الٰہی تاثیر تھی جو دلون پر جادو کا کام کر رہی تھی -

مین نے ارادہ کیا ہے کہ مثنوی مین سے۔ عام اخلاقی مضامین کے اشعار۔ وقتاً فوقتاً منتخب کرکے نذر ناظرین کیا کرون۔ امید ہے کہ یہ کام کچھ نہ کچھ مفید ہی ثابت ہوگا۔ "وما توفیقی الا باللہ"

فی زمانناَ۔ مثنوی کے جاننے والے۔ سمجھنے والے اور اُسکے نکات غریب۔ مقامات رفیع۔ مضامین بلند۔ خیالات ارجمند۔ حقائق ومعارف۔ اور دیگر مقاصد اعلیٰ کے مغز کو پہنچنے والے تو درکنار۔ اُسکی طرف توجہ والتفات کرنے والے بھی کمیاب ہین۔ بلکہ روز بروز نایاب ہوتے جاتے ہین۔

ایسے وقت مین۔ اس مقدس تصنیف کے مضامین سے جسقدر واقفیت ہوجائے اور قوم کو اُن سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے وہی غنیمت ہے۔

فی الحال۔ جبر وتوکل۔ تدبیر وتقدیر واختیار وجبر کے پیچیدہ اور باریک مضامین سے ابتدا کی جاتی ہے اور بتدریج حسب موقع۔ اور مضامین بھی پیش کش کیے جاینگے۔

مذکورۂ بالا مسائل۔ مذہب اسلام مین ہمیشہ سے معرکۃ الآرا چلے آتے ہین اور ہنوز غیر منفصل ہین۔

ایک گروہ۔ سرے سے۔ تقدیر کا قائل ہی نہین وہ انسان کو ہرامر مین مختار کل سمجھتا ہے۔ اسکے نزدیک ہر کام کا دارومدار سعی اور کوشش پر ہے "لیس للانسان الا ماسعیٰ"

دوسرا فرقہ۔ بندہ کو مجبور محض جانتا ہے اور کہتا ہے کہ جملہ تحریک کی ڈوری۔ فعال مطلق ہی کے دست قدرت مین ہے "لا تتحرک شئ الا باذن اللہ"

آج تک ان مباحث کا قطعی فیصلہ نہین ہوا اور اگر ہوا تو اسی قدر ہوا کہ "انسان نہ مختار کل ہے اور نہ مجبور محض" اسکے اختیارات علم اسباب تک محدود ہین اور اسکی مجبوریان اعلیٰ اور ما فوق القدرت امور مین ہین۔ پس دونون گروہ کے دعوے اپنے اپنے موقع پر بجا ہین یعنی انسان مختار بھی ہے اور مجبور بھی۔ سارے جھگڑے غلط فہمیون اور کج اندیشیون کے نتیجے ہین۔ اور قوت ممیزہ کی بے تمیزی سے پیدا ہوگئے ہین۔ یہ باتین آگے کے بیان سے غالباً کسی قدر ذہن نشین ہوجائنگی۔

دنیا عالم اسباب ہے۔ یہان کے موجودہ واقعات۔ واقعات گزشتہ کے نتیجے ہین اور واقعات آئندہ کی بنیاد۔ یا یون سمجھیے کہ زمانۂ موجودہ مین۔ جو کچھ ہورہا ہے۔ اسکے اسباب وعلل پیشتر ہی قائم ہوچلے تھے۔ اور آئندہ جو کچھ ہوگا۔ اُسکے اسباب وعلل اسوقت قائم ہورہے ہین۔

یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔

اب ہر ایک موجودہ واقعہ کے سبب وعلت کا۔ گزشتہ واقعات سے ٹھیک ٹھیک پتہ لگانا۔ اور اُسی واقعہ کے

آئندہ نتائج کو صحیح صحیح سوچنا۔ اور سوچ سمجھ کر اپنے لیے ایک محفوظ طریق عمل اختیار کرنا۔ یہی سب کام عقل انسانی کے فرائض ہین۔ اور اسی اعتبار سے انسان مختار کہلاتا ہے۔ اور ان فرائض کی انجام دہی مین اُس سے جو جو غلطیان سرزد ہون انصافاً وہ اُن کا جواب دہ ہے۔

"انصافاً" اسلیے کہا کہ انسان کو ان فرائض کی بجا آوری کے لیے۔ آلات و اوزار۔ داخلی اور خارجی دونون قسم کے فطرت کی طرف سے۔ کافی طور پر (بلکہ کافی سے زیادہ) مہیا کردیے گئے ہین۔ داخلی مثلاً۔ عقل۔ فہم۔ قوت ممیزہ اور دیگر قوا اور دماغی وغیرہ وغیرہ۔ خارجی مثلاً بعثتِ انبیا۔ نزول کتب سماوی اور ہدایات بزرگان دین وغیرہ وغیرہ۔ پس اگر انسان قصداً اپنے کو مجبور سمجھ لے اور ان خداداد ذرائع سے۔ حسب موقع و مناسبت کام نہ لے۔ تو ہر معقول پسند کے نزدیک وہ اس قابل نفرت غفلت سستی اور کاہلی کا بیشک جواب دہ قرار پائے گا۔

لیکن اس عالم اسباب کے سوا اور بھی بے شمار عوالم ہین جہان تک فطرةً ناقص[۱] ہونے کے سبب سے انسانی عقل کی رسائی ممکن نہین اور اُن عالمون کے متعلق نہ اُسکے ذمہ فرائض ہین۔ نہ اُنکی جواب دہی۔ بایں لحاظ انسان کو مجبور رکھتے ہین۔ پس انسان عالم اسباب تک مختار ہے اور عالم اسباب سے باہر مجبور۔ اُسکے اختیارات محدود ہین اور اس کی مجبوریان غیر محدود۔

الغرض یہ باتین۔ نہایت دقیق اور پیچیدہ ہین۔ مولینا نے جس حسن خوبی سے اس اُلجھی ہوئی گتھی کو سلجھایا ہے یہ اُنھین کا کام تھا نہ دوسرے کا۔ اور صرف اسی پر منحصر نہین ہے مولینا جس مضمون کو لیتے ہین اُسکے سمجھانے کا ایسا آسان۔ دلچسپ اور موثر طریقہ اختیار کرتے ہین جس سے بڑھکر خیال مین نہین آتا۔ وسعت معلومات اور روحانی ادراکات۔ زور بیان۔ حسن ادا۔ نئی نئی تشبیہین۔ جدید جدید نظیرین۔ اچھوتے اچھوتے استعارے۔ الغرض اُنکے کلام کامل کی تعریف مجھ ہیچدان سے کیا ہوسکتی ہے؟ بلکہ اُسکی توصیف مین لب کشائی کرنا خودستائی کرنا ہے سہ

مادحِ خورشید مداحِ خوداست۔ سچ ہے۔

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

مذکورۂ بالا مسائل کے متعلق اشعار ذیل شیر و خرگوش کے اس قصہ کے جستہ جستہ مقامات سے منتخب کیے گئے ہین جس کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے۔

---

[۱] آدمی بیشک ناقص العقل ہے کیونکہ باوجود ہزارون برس کی غور و خوض کے۔ ابھی تک کسی شے کی پوری پوری حقیقت نہ دریافت کرسکا۔ اور آج تک جو کچھ ٹوٹے پھوٹے نکتے نکلے ظہور مین آئے ہین۔ اُن پر بھروسا نہین کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ آئے دن غلط ثابت ہوا کرتے ہین ۱۲

از کلیله باز خوان این قصه را ∗ وندران قصه طلب کن حصه را

گفت پیغمبر به آواز بلند ∗ بر توکل زانوی اشتر ببند

رمز الکاسب حبیب الله شنو ∗ از توکل در سبب کاهل مشو

رو توکل کن تو با کسب ای عمو ∗ جهد می کن کسب می کن مو به مو

جهد کن جدی نما تا وارهی ∗ ور تو از جهدش بمانی ابلهی

پایه پایه رفت باید سوی بام ∗ هست جبری بودن این جا طمع خام

پای داری چون کنی خود را تو لنگ ∗ دست داری چون کنی پنهان تو چنگ

خواجه چون بیلی بدست بنده داد ∗ بی زبان معلوم شد او را مراد

دست همچون بیل اشارتهای اوست ∗ آخر اندیشی عبارتهای اوست

چون اشارتهاش را بر جان نهی ∗ در وفای آن اشارت جان دهی

پس اشارتهاش اسرارت دهد ∗ بار بردارد ز تو کارت دهد

حاملی محمول گرداند ترا ∗ قابلی مقبول گرداند ترا

سعی شکر نعمتش قدرت بود ∗ جبر تو انکار آن نعمت بود

شکر نعمت نعمتت افزون کند ∗ کفر نعمت از کفت بیرون کند

جبر تو خفتن بود در ره مخسپ ∗ تا نبینی آن در و درگه مخسپ

هان! مخسپ ای جبری بی اعتبار ∗ جز به زیر آن درخت سایه دار

تا که شاخ افشان کند هر لحظه باد ∗ بر سر خفته برد نقل و زاد

جبر خفتن درمیان رهزنان ∗ مرغ بی هنگام کی یابد امان

گر توکل می کنی در کار کن ∗ کسب کن پس تکیه بر جبار کن

شیر گفت آری ولیکن هم ببین ∗ جهدهای انبیا و مرسلین

---

۵۱ یعنی اونٹ کو باندھ چھاندکر یعنی دشمن کا حفاظت ظاہری بجا لاکر، خدا کی حفاظت پر توکل کرو۔ اور شتر بے مہار چھوڑ کر اس کا کام خدا کی مہربانی پر چھوڑنا گویا اسکا امتحان لینا ہے اور یہ بات سراسر بے ادبی کی ہے ۱۲

۵۲ حدیث میں ہے "الکاسب حبیب اللہ" یعنی پیشہ ور مزدور خدا کا دوست ہے ۱۲

سعی ابرار و جہاد مومنان ۔ تا بدین ساعت ز آغاز جہان

حق تعالیٰ جہد شان را راست کرد ۔ آنچہ دیدند از جفا و گرم و سرد

دامہاشان مرغ گردونی گرفت ۔ نقصہاشان جملہ افزونی گرفت

جہد کن تا توانی اے کیا ۔ در طریق اولیا و انبیا!

با قضا[1] پنجہ زدن نبود جہاد ۔ زان کہ این را ہم قضا بر ما نہاد

کافرم من گر زیان کردست کس ۔ در رہ ایمان و طاعت یک نفس

سر شکستہ نیست این سر را مبند ۔ یک دو روزے جہد کن باقی بخند

بد محالے جست کو دنیا بجست ۔ نیک حالے جست کو عقبیٰ بجست

چیست دنیا؟ از خدا غافل بدن ۔ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

مال[2] را گر بہر دین باشی حمول ۔ نعم مالٌ صالحٌ گفت آن رسول

---

[1] یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ کامیابی اور ناکامیابی تقدیری امور ہیں پس انکے حصول اور دفعیہ کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا گویا قضاء الٰہی سے جنگ کرنا ہے۔ یہ خیال کاہلی سستی غفلت۔ آرام طلبی اور مفت خوری کے اوصاف ذمیمہ نے قوم میں پھیلا رکھا ہے۔ مولنا فرماتے ہیں کہ جہد و کوشش کرنا قضاء الٰہی سے جنگ کرنا نہیں ہے بلکہ مشیت ایزدی ہی نے اس عالم اسباب میں ہر قسم کی کامیابی کا راز جہد و کوشش میں پوشیدہ کر رکھا ہے ۱۲

[2] مال و اولاد کی نسبت آیت قرآنی اور حدیث نبوی دونوں میں آیت میں ہے "المال و البنون فتنۃ" اور حدیث میں ہے "المال و البنون باقیات الصالحات" بادی النظر میں دونوں کے معنی باہم متضاد معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ آیت میں مال و اولاد کو فتنہ فرمایا اور حدیث میں انھیں چیزوں کو باقیات الصالحات کہا۔ مگر فی الحقیقت دونوں معنی اپنے اپنے محل پر ٹھیک ہیں۔ مال اگر عمدہ مصرف میں نہ لگایا جائے۔ اور اولاد کی اگر مناسب تعلیم و تربیت نہ کی جائے تو دونوں چیزیں فتنہ ہیں۔ جن سے ہمیشہ کے لیے انواع و اقسام کی برائیوں کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ برخلاف اسکے اگر مال کو عمدہ کاموں میں خرچ کیا جائے اور اولاد کو تعلیم یافتہ۔ مہذب و شایستہ بنایا جائے۔ تو وہی دونوں چیزیں باقیات الصالحات ہیں اور ہمیشہ کے لیے خیر جاری کا منبع اور مصدر بن جاتی ہیں۔

اس شعر میں مولینا نے حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور شعر آیندہ میں دونوں چیزوں کو (یعنی مال و اولاد کو) آب در کشتی اور آب بیرون کشتی سے مثال دیکر سمجھایا ہے۔ کہ پانی اگرچہ ماہیت ایک ہی ہے مگر موقع استعمال بدل جانے سے اسکے نتائج باہم مخالف پیدا ہوتے ہیں یعنی سبب ہلاکت اور باعث سلامت۔ ان اشعار کی یوں بھی تاویل ہو سکتی ہے۔ کہ مال و اولاد کی محبت جب تک واجبی واجبی قانون قدرت کے موافق ہے تو اس محبت کی مثال "آب بیرون کشتی" کی ہے جو کشتی کی سلامتی کا باعث ہے۔ اور جب وہ محبت حد سے تجاوز کر گئی۔ اور جوش میں آکر خلاف ایمان اور خلاف عقل کام کیا گیا تو اس محبت کی مثال "آب در کشتی" کی ہے جو موجب ہلاکت کشتی ہے ۱۲

آب در کشتی ہلاک کشتی است — آب در بیرون کشتی پشتی است

اس جبر سے آگے چل کر ایک جبر اور ہے جس پر ہزارون بلکہ لاکھون کروڑون قدرت و اختیار نثار ہین اور جس کے حصول کے لیے بڑی بڑی عبادتون اور ریاضتون کی ضرورت ہے اور عالم اسباب کا ہر کس اس جبری دعوے کا مستحق نہین۔ کیونکہ اس عالم کا ہر کام جہد وکوشش سے وابستہ ہے۔

تصوف کا ایک انتہائی مقام "فنا فی اللہ" ہے۔ سالک جب تصفیہ باطن کے ذریعہ سے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اپنی ہستی کو باری تعالیٰ کی ذات پاک مین بالکل محو و مستغرق پاتا ہے۔

اس بیخودی مین وہ مجبور محض اور ہر قسم کی تکلیفات شرعی اور جواب دہی سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ اس عالم مین عابد و معبود دونون ایک ہو جاتے ہین۔ اور اُس بندۂ خاص کا قول و فعل گویا خدا کا قول و فعل ہوتا ہے

مصرعہ فانی است و گفت او گفت خدا است۔

مثنوی کے اشعار ذیل مین ایسے ہی جبر و اختیار کی طرف لطیف اشارے ہین۔

گفت با جسم آیتے تا جان شد او — گفت با خورشید تا رخشان شد او

گفت در گوش گل و خندانش کرد — گفت با لعل خوش و تابانش کرد

تا بگوش خاک حق چہ خوانده است — کو مراقب گشتہ خاموش مانده است

تا بگوش ابر آن گویا چہ خواند — کو چو مشک از دیدۂ خود آب راند

در تردد ہر کہ او آشفتہ است — حق بہ گوشش او معما گفتہ است

گر نہ خواہی در تردد ہوش جان — کم فشار این پنبہ اندر گوش جان

پنبہ وسواس بیرون کن ز گوش — تا بگوش آید از گردون خروش

تا کنی فہم آن معماہاش را — تا کنی ادراک رمز فاش را

ان اشعار سے اشارتاً پایا جاتا ہے کہ بندہ مجبور محض ہے اور کوئی کام خدا کی مرضی کے خلاف نہین ہوتا اگرچہ حقیقتہً ہے بھی ایسا ہی مگر یہ بات اُس سرے کی ہے اور تصوف کی آخری حد ہے۔ اور جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا "عالم اسباب کا ہر کس و ناکس اس بڑے دعوے کا مستحق نہین" اور یہ کہنا اُسکا ہرگز ہرگز معقول و مقبول نہین ہو سکتا کہ "ہم کچھ نہین کرتے جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے"

وہان تک رسائی پیدا کرنے والے پہلے ہی شاذ و نادر تھے اور اس زمانے مین تو بالکل عنقا ہی ہین سب سے بہت

بسیار اہل حال از صوفیان ÷ نادر ست اہل مقام اندر میان۔

مولینا علیہ الرحمہ۔ اس جبر کو معیت با حق سے تعبیر کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ یہ جبر عالم اسباب والا جبر نہین ہے۔ اُسکے معنی۔ اُسکا مفہوم۔ اُسکا اثر۔ اُسکی قدر و قیمت۔ الغرض اُسکی ساری ماہیتین دوسری ہی ہین۔

این معیت با حق است این جبر نیست ... این تجلی مہ ست۔ این ابر نیست

ور بود این جبر۔ جبر عامہ نیست ... جبر آن امارہ خود کامہ نیست

جبر را ایشان شناسد اے پسر ... کہ خدا بکشاد شان در دل بصر

غیب و آئندہ بر ایشان گشت فاش ... ذکر ماضی پیش ایشان گشت لاش

اختیار و جبر ایشان دیگر است ... قطرہا اندر صدف ہا گوہر ست

ہست بیرون قطرہ خورد و بزرگ ... در صدف آن دُرّ خورد است و سترگ

طبع نافِ آہو است آن قوم را ... از برون خون و ز درون شان مشکہا

تو مگو کاین مایہ بیرون خون بود ... چون رود در ناف مشکے چون بود

تو مگو کاین مس برون بُد محتقر ... در دلِ اکسیر چون گشت ست زر

اختیار و جبر در تو بُد خیال ... چون در ایشان رفت شد نور جلال

نان چو در سفرہ ست او باشد جماد ... در تن مردم شود او روح شاد

اب اسی مسئلہ کو تمثیل دے کر سمجھاتے ہین۔

یک مثال اے دل پئے فرقے بیار ... تا بدانی جبر را از اختیار

دست کو لرزان بود از ارتعاش ... وانکہ دستے را تو لرزانی ز جاش

ہر دو جنبش آفریدہ حق شناس ... لیک نتوان کرد این با آن قیاس

زین پشیمانی کہ لرزانیدیش ... چون پشیمان نیست مرد مرتعش

مرتعش را کے پشیمان دیدۂ ... بر چنین جبرے چہ بر چسپیدۂ

مولانا نے "عالم اسباب" کے جبر اور "فنا فی اللہ" کے جبر کو آب باران۔ خون آہو۔ مس کان اور نان سفرہ سے تفہیم دے کر سمجھایا ہے کہ دیکھو آب باران پہلے قطرۂ آب تھا مگر سیپی مین پڑ کر بیش قیمت موتی ہو گیا۔ خون آہو ابتدا ایک کریہ منظر چیز تھا۔ نافہ مین جانے سے مشک خالص ہو گیا۔ تانبا اصل مین

ایک کم قیمت دھات تھا۔ اکسیر کی برکت سے زرِ خالص بن گیا۔ اور دسترخوان کی روٹی ایک جمادی چیز تھی آدمی کا جزو بدن بن کر مایۂ روح ہو گئی۔

یہی حال جبر کا ہے کہ عالم اسباب سے عالم "فنا فی اللہ" میں پہنچ کر اس کی اور اسکے متعلقات کی قدر و قیمت بے شمار گونہ زیادہ ہو جاتی ہے۔

دیانت حسین

اگر میں بھی مسلمان ہوتا

(ایک ترکی شاعر کی نظم کا ترجمہ)

قول شاعر ہے "اگر میں بھی مسلمان ہوتا ۔۔۔ ہمہ تن عاشق ہمدردی اخوان ہوتا
سر سے پاؤں تک اسلام کی ہوتا تصویر ۔۔۔ میں بھی اس پیکر خاکی میں وہ انسان ہوتا
جب کسی بھائی مسلمان پر آفت آتی ۔۔۔ ساتھ دینے کو اس آفت میں پریشان ہوتا

اس قدر دین کی تعلیم موثر ہوتی ۔۔۔ صاف لفظوں کا اثر دل پہ نمایان ہوتا
دین ہے قومی بھلائی کا فقط نام اگر ۔۔۔ دین کے واسطے میں قوم پہ قربان ہوتا
نہ سہی زور سے زر سے سہی ہمت سے سہی ۔۔۔ ہر طرح اُن پہ تصدق بدل و جان ہوتا

نہ مجھے گردش تقدیر کی پروا ہوتی ۔۔۔ نہ میں طوفان مصیبت سے ہراسان ہوتا
اس طرح دوڑتا رگ رگ میں امیدوں کا لہو ۔۔۔ یاس کا ڈر نہ غم حسرت و حرمان ہوتا
نا امیدی کا نہ کھٹکا کبھی آتا دل میں ۔۔۔ نہ کسی حال میں مایوس و پشیمان ہوتا

روح غیرت کی جو قالب میں سمائی ہوتی ۔۔۔ جسم میں خون حمیت کا بھی جولان ہوتا
سست پڑتے نہ کبھی عرصۂ ہستی میں قدم ۔۔۔ چست سرگرم ہمیشہ سر میدان ہوتا
مجھکو سرگرمی و ثابت قدمی پر بیتاب ۔۔۔ جو کوئی دیکھتا دنیا میں وہ حیران ہوتا

سچ تو یہ ہے کہ شفق شاعر ترکی کا سخن
مانتا دل سے "اگر میں بھی مسلمان ہوتا"

شفق عماد پوری

ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر

ایک مفصل ریویو

یہ کتاب مصنفہ جناب مولوی فقیر کرم الٰہی صاحب صوفی ہے۔ اسکی جلد اول جس مین ہند مین ظہور اسلام سے عہد افغانیہ تک کا حال ہے زیر تبصرہ ہے اس پہلی جلد کی قیمت باین تشریح کہ مجلد تین روپیہ اور بلا جلد ڈھائی روپیہ ہے کتاب کی ضخامت یعنے معمولی تقطیع کے ۷۶۴ صفحے اور مصنف کی عرق ریزی پر نظر کرتے ہوئے یہ قیمت ہمین کچھ زیادہ نہین معلوم ہوتی۔ کتاب خود مصنف مدرس اول اسلامیہ ہائی اسکول، راولپنڈی سے مل سکتی ہے مصنف کی دو اور تصنیفین خالد بن ولید اور تذکرہ بہادران اسلام پبلک مین پیش اور بحد سے مقبول ہو چکی ہین۔ اسلیے خود مصنف تعریف سے بے نیاز ہین۔

قبل اسکے کہ ہم تصنیف کی بابت کچھ کہین کتاب کی ظاہری حالت کی نسبت اتنا کہنا چاہتے ہین کہ کاغذ اور لکھائی چھپائی سب کچھ اچھا ہے۔ لیکن املا کی بے بجا۔ گو زیادہ نہین۔ غلطیان ہین۔ لوح کے صفحہ کا کاغذ کچھ اور دبیز ہوتا تو مناسب تھا۔

اس کتاب مین ایک کمی اور بہت بڑی کمی ہے۔ وہ یہ کہ اسمین نقشہ نہین ہے جس کی اتنی مبسوط تاریخی تصنیف مین سخت ضرورت ہے۔ فی زماننا نقشون کا ہونا ایک عام بات ہے۔ مصنف نے اپنی تصنیف مین بعض تاریخی مقامات مثلاً بھٹنڈا کی جغرافی حیثیت پر بہت مدلل اور تحقیقی پر لطف بحث کی ہے۔ فوج کی آمد کی راہ کی بحث مین کہین کہین داد نکتہ رسی دی ہے۔ ان تمام باتون اور نیز عہد بہ عہد ترقی اشاعت اسلام و وسعت قلمرو سلاطین کے تفصیلی اظہار کے لیے نقشون کی ضرورت پیش آتی ہے ورنہ ناظر کتاب کے لیے جذب مفہوم خالی از دقت نہین ہوتا۔ افسوس ہے کہ ہمارے اہل ملک ان خفیف خفیف باتون پر توجہ نہین کرتے اور اپنی تصنیف کی خوبی کو ادھوری ہی رہنے دیتے ہین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم کچھ تمہیداً لکھین تاکہ وجہ تصنیف کتاب پر کافی روشنی پڑے اور پھر نفس تصنیف کی طرف رجوع کرین انفرادی یا اجتماعی کسی حیثیت سے منجملہ اُن چیزون کے جو بہت کچھ ہماری اصلاح و تخریب مین دخل رکھتی ہین ہمارے آبا و اجداد کے اعمال ہین۔ ہمارے خصائص جس طرح ان قالبون مین ڈھلتے ہین محتاج بیان نہین ہین۔ فطرتاً ہم ایک ایسے فرد سے جس کا خاندان جرائم پیشہ ہو جرم کا اندیشہ کرتے ہین۔ سخاوت عدل اور مروت اور اسی طرح بخل۔ جور۔ شقاوت یہ تمام محامد اور ذمائم نسلاً بعد نسلاً یکے بعد دیگرے ابّاً عن جدٍ ہم مین منتقل ہوتی رہتی ہین اور عادتین راسخ ہو کر طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہین۔ باین صورت قوم ماضیہ ہمارے لیے اور ہم نسل آیندہ کے لیے ریگ زمانہ پر نقش قدم چھوڑتے ہین جو اپنے اچھے یا برے اثر کے لحاظ سے خضر راہ یا غول بیابان ہوتے ہین۔ لیکن جس طرح برائیان اور بھلائیان خاندانون اور جماعتون مین جڑ پکڑتی ہین اسی طرح مٹتی بھی ہین۔ علم۔ جہل۔ عشرت۔ عسرت اور ایسے ہی دوسرے عامل یہ نتیجہ پیدا کرتے ہین تاآنکہ ایک وہ

زمانہ آتا ہے کہ خوبی مبدل بہ بدی ہوتی اور برائی بھلائی کی صورت اختیار کرتی ہے - یہ کہنا بیجا نہین ہے کہ ازمنہ پارینہ کی روایتین اور خاندانی کارنامون کی کہانیان اور قصے بسا اوقات خاندان اور اسکے افراد کا اخلاقی معیار قائم کرنے مین بہت اثر رکھتی ہین۔ زمانہ نے اس اثر کو تسلیم کرلیا ہے "سلف سے ہوتی آئی ہے" ایک عام فقرہ ہے - ہماری عادتین خصائل اور رسم ورواج جو اس طرح جڑ پکڑ گئے ہین کہ اب ہلائے نہین ہلتے انکی استواری کا باعث اور کچھ نہین ہے مگر یہ کہ وہ چونکہ اسلاف کے زمانہ سے برابر قائم رہے ہین اسلیے ہماری ہستی کے ساتھ شیر و شکر ہوگئے ہین۔

یہ خاندانی قصص وحکایات اکثر گری ہوئی حالت سے ابھار دیتے ہین - عامۃ الناس سے قطع نظر سلاطین مین بھی انکی مثالین بہت کثرت سے پائی جاتی ہین۔ تاریخ انگلستان مین رابرٹ بروس کا حال بہت مشہور ہے - اور ریانہ دیکھیے اسی کتاب "ہندوستان کی اسلامی تاریخ" مین ہم کو خاندان سامانی کے عروج کی کیفیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح ایک چوپان لڑکے کے سر مین اپنے خاندان کی تاریخی عظمت سنتے سنتے حکومت کی ہوا سمائی - اور پھر اس نے اپنی حالت سنبھال کر ایک سلطنت کی بنا قائم کردی۔

ایسی حالت مین جب کہ کوئی قوم کوئی ملت (مثلاً مسلمان) اپنے اخلاق حسنہ بالکل بھول بیٹھے - اگر اسکے سنوارنے کی کوئی صورت ہے کہ جس مین روپیہ اور وقت کسی کا بھی بہت زیادہ صرف نہو اور یہ مرحلہ بہ آسانی طے ہوجائے تو یہی کہ اسکے گزرے ہوئے بزرگون کے کارنامون کے آئینے اسکے سامنے لاکر رکھدیے جائین جس کے انعکاس سے مردہ دلون مین ایک نئی جان آجائےگی - بھٹکے ہوئے راہ راست پر آجائینگے اور ایک نیا دور اس قوم مین شروع ہوجائیگا جس قدر زبردست اثر جذبات پر ہوگا اسی قدر سریع السیر ترقی کی امید ہے - لیکن یہ ازمنہ گذشتہ کی تاریخین ایک ہی اثر نہین رکھتین کہ کسی ایک قوم کے بناؤ یا بگاڑ مین مدد دین بلکہ اپنے اثر مین کچھ اور بڑھی ہوئی ہین یہ دو ملے ہوئے دلون کو جدا کردیتی اور روٹھے ہوئے دلون کو ملادیتی ہین -

بدقسمتی سے ہم ایک ایسے زمانہ مین اس دار العبرت مین جلوہ شہود مین آئے جب کہ بلحاظ روحانیت واخلاق گھٹا جہل کی ہر طرف چھا رہی ہے فلاکت سما اپنا رنگ کھلا رہی ہے جبکہ ہم کو اپنے ہر چہار طرف باد سموم کے جھونکے اور زہریلے گرد باد کے طوفان چکر لگاتے منڈلاتے دکھائی دیتے ہین - ہمکو اپنے بگڑنے کے سوا بننے کی کم صورتین نظر آتی ہین - زمانہ تو زمانہ ہم خود اپنے برخلاف ہین - یہ وہ عہد ظلمت مہد ہے جسمین بقول جناب مولوی فقیر کرم الٰہی صاحب "مسلمانون کی" اسلامی عصبیت قومی حمیت زنگ آلود ہوچکی ہے اور شاید یہ کہنا بیجا نہین کہ ہم اپنی اسلامی ہستی کھو بیٹھے قصہ مختصر سعدی از دست خویشتن فریاد کا نقشہ پیش نظر ہے۔

ایک جانب تو یہ کیفیت ہے اور دوسری طرف یہ نظارہ عجائبات عالم کے کرشمے دکھلا رہا ہے کہ جن سے ہم نے یہ لینت ورافت سلوک کیے۔ جن کی دلجوئی مدنظر رکھی۔ جن کی مذہبی آزادی مین فرق نہ آنے دیا آج وہ ہمارے خون کے پیاسے ہو رہے ہین اور وہ بھی محض اس بے سروپا الزام۔ غلط افترا اور بیجا بہتان (جس نے آج ملک کی بدقسمتی سے تاریخی اعتبار حاصل کر لیا ہے) پر کہ ہم نے اشاعت مذہب کے لیے خون کی ندیان بہائین۔

یہ نتیجہ ہے ہمارے جہل۔ ہماری ناعلمی۔ ہماری نکبت کا۔ خود اپنے کو بھولے ہوئے تھے۔ اپنی تاریخی وقعت سے ناواقف تھے تو ہم دوسرون کو کیا بتاتے کہ ہم نے انکے ساتھ کیا کیا قصہ کوتاہ ہمارے جہل نے خود ہماری ہستی برباد کرنے مین کچھ کسر نہین اُٹھا رکھی اور ہمارے مدتون کے پلے ہوے ملکی بھائی ہم سے جدا ہو گئے۔ آخر اسکا سبب بجز اس کے کہ تاریخ کے سرچشمے سے جو گندہ نہرین۔ ندیان پھوٹ نکلی ہین اور جن سے ہماری نسل کی نشو و نما ہوتی ہے وہ ہمارے لیے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔ ہماری خوبیان ہم سے نسیاً منسیا ہو رہی ہین اور ہماری منافرت عداوت کے انتہائی درجہ پر پہونچی نظر آ رہی ہے۔ یہی نہین ہے کہ ہمارے اخلاق، ہماری خوبیان، بذل و سخا۔ جود و عطا۔ لطف و مدارا۔ عدل و انصاف۔ رحم و کرم۔ غیرت و حمیت۔ فتوت و مروت۔ جوش و شجاعت مہمانداری و مہمان نوازی۔ حق بینی و حق آگاہی حق کوشی و حق پژوہی ہم سے اور انکی داستانین فی زمانا صفحہ تاریخ سے محو ہو رہی ہون بلکہ ہمارے بھلے کام بُرے دکھائے جاتے ہین۔ دنیا کی کوئی بُرائی نہین جو ہم سے منسوب نہ کی جاتی ہو۔ غادر۔ خائن۔ رہزن۔ قزاق۔ قطاع بحر۔ بدعہد۔ ظالم۔ طماع۔ حریص۔ خونریز۔ سفاک۔ قسی القلب غرضیکہ ہمین جتنا بُرا کہو سب بجا ہے اور شقی الدہر ہم سے زیادہ دنیا مین کوئی نہین۔ یہ سب ہمارے گذشتہ اعمالون کی وہ کج رخی اور غلط تصویر جو اس زمانہ کی نام نہاد تاریخین پیش کرتی ہین۔

آخر اس بُرائی کا دفعیہ؟ اس مرض کا علاج؟ بس یہی کہ جو گندہ نہرین ہین انکو نیست و نابود کر دیا جائے اور انکی جگہ صاف و شفاف بہ از شہد و شیر پانی بہم پہونچایا جائے جس سے ہمارے نوخیزون کی پرورش و پرداخت ہو لیکن قبل اسکے کہ ہم اس علاج کو شروع کرین ہمارے لیے لازمی ہے کہ ہم ان اسباب پر نظر کرین جن سے یہ مرض پیدا ہوا تاکہ بجالت معالجہ ہم خود اسی بلا مین مبتلا نہ ہو جائین۔ اگر بہ نظر تامل دیکھا جائے تو اسلام کی تاریخ کا بہ دیانت و تدین مطالعہ یورپ مین کچھ ہی دنون سے شروع ہوا ہے۔ ایک زمانہ تک یورپ نے اسلام کی حالت دریافت کرنے کی پرواہ ہی نہین کی۔ اور ان مصنفین کا ماخذ وہی زہر آلود تصنیفین تھین جو قرون وسطیٰ مین لکھی گئی تھین۔ فرڈیننڈ اور ازابیلا اور انکے اخلاف جب ہسپانیہ اور اندلس سے اسلامیون کا استیصال کر چکے اور صفحۂ روزگار پر اپنے کارنامے خونین حروف

لکھ چکے تو اس اندھیر نگری مین انکو ہر چہار طرف سناٹا نظر آیا - اسلیے کہ یورپ کیا ساری دنیا مین اسوقت جو کچھ روشنی تھی بس مسلمانون کے علم کی تھی - یہ حالت دیکھکر انھون نے مختلف شعبہاے علم کی سرپرستی شروع کی اور ان خدمتون کے لیے مصنفین کو مامور کیا اس گروہ مین شاید ہی اس بیان مین مبالغہ ہو کہ قریب قریب تمام اہل علم اسقف اور انکے امثال تھے اسلیے کہ عیسائی یورپ اس زمانہ مین علم کو فارغ خطی لکھ چکا تھا - جو کچھ براے نام علم تھا وہ اسی مذہبی گروہ مین تھا - دور اولین کے ان مصنفین نے کچھ اس طرح واقعات کو قطع و برید اور رنگ آمیزی سے پیش کیا کہ انسانی دماغ مین شاید ہی کوئی خرابی ہو جو انھون نے رسول عربی صلعم اور انکے تابعین مین نہ دکھلائی ہو - اسمین انکے دو مقصد تھے - (۱) سیاسی (اور (۲) مذہبی نفرت انگیزی - تاکہ اسلام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکا جائے اور اسمین شک نہین کہ وہ اپنے مقصد مین کامیاب اور بدرجہ اتم کامیاب ہوے - سیاسی نظر سے دیکھیے تو مسلمانون سے اس درجہ نفرت ہو گئی کہ لفظ مور اور ترک (جسے اور مسلمان واحد المعنی سمجھتے تھے) قطاع البحر (سمندری ڈاکو) اور خونی و سفاک کا مرادف قرار پایا - یورپ کی مختلف زبانون کے افسانے ایسی کہانیون اور ایسی کہاوتون سے بھرے پڑے ہین جن سے اس نفرت کا پتہ چلتا ہے - مذہبی نقطۂ خیال سے لیجیے تو یہانتک نوبت پہونچی کہ ضعیف البنیاد عیسائیت کی عمارت یورپ مین متزلزل ہو کر رہی اور اس قلمرو مین اس سرے سے اُس سرے تک تدبر کی حکمرانی ہو گئی لیکن اسلام کی تحصیل و مطالعہ کا خیال الا ماشاء اللہ کسی کو نہ آیا -

اگر یہ نفرت اسی حد تک رہتی تو غنیمت تھا - نہین اسمین ایک اور کوپل پھوٹی جس نے اس عداوت کی صورت اختیار کی جو یورپ سے نکلکر اقطاع عالم پر پھیل گئی - مذہبی گروہ کی کوشش کے علاوہ یہ کیونکر ہوا؟ آئیے ہم بتائین یورپ کی نت نئی ایجادون نے جہان اور طرف ہاتھ پیر مارے وہان یہ ہوا کہ فسانہ نویسی مین تاریخ نگاری کی بھی شاخ لگ گئی جس نے مورخین پر اثر ڈالا - انکے مورخانہ وقار و متانت اور تمکین مین بل آگیا - یہان بھی تدوین واقعات مین اضافہ و تنسیخ - ترمیم و اصلاح کے ساتھ ہی اپنے اصول اور بات منوانے کے لیے جذبات کو اُبھارنے کی روش اختیار کی گئی - یہ طرز تحریر کچھ ایسا خوش آیند اور دلفریب تھا کہ برقی سرعت کے ساتھ اس سرے سے اُس سرے تک پھیل گیا - اور مورخین اسلام (جنھین انصافاً علم تاریخ نویسی کا معلم اول کہنا چاہیے) کے اصول فن بالکل پس پشت ڈالدیے گئے واقدی - ابو الفداء - ابن خلکان - ابن خلدون - جریر طبری اور ابن اثیر بیشک روایت مین درایت کو دخل دیتے تھے لیکن نہ اسقدر کہ اپنے اصول پہلے سے مقرر کر لیتے اور انپر وقوع اور عدم وقوع واقعہ کی بحث کی بنیاد قائم کرتے اور پھر مورخانہ ایمان اور تدین سے منھ موڑ کر اپنی سخن پروری کی غرض سے انسانی جذبات اور واردات قلبیہ کو

ابھارتے ۔ انکے سادہ ۔ صاف ۔ صریح اور کھلے ہوئے لفظون مین آپ واقعات اور انکی اپنی رائین پائین گے اور سب
انھین اس سے کچھ غرض نہین کہ کوئی انکی راے مانتا ہے یا نہین ۔ یہ حق ناظر کتاب کا ہے اور اسکے لیے انھون نے چھوڑ دیا ہے

جیسا کہ ہم لکھ آئے ہین یہ عداوت اسلام اقطاع عالم پر متسلط ہو گئی ۔ ہندوستان بھی جسے ایک اسلامی ملک کہنا نازیب نہین ہے ۔ اس سے نہ بچا ۔ ہمارے ملک مین بچون کی تعلیم کے لیے جن لوگون نے تاریخ لکھنے کی طرف توجہ کی وہ ہمین بزرگوار کے خلف رشید ہین ایک تو خود داستان نفرت اسلام کا زہر اپنا کام کر چکا ہے اور وہ نہایت ہی برے خیالات اپنے آغوش دماغ مین پرورش کر رہے ہین ۔ دوسرے سوء اتفاق سے کچھ ایسے واقعات بھی پیش آ گئے کہ انکے قیاس مین اور قوت ہو گئی ۔ مثلاً ۱۸۵۷ء کا غدر جسمین فتنہ انگیزی خلاف واقعہ عام مسلمانون سی صلح جو اور امن پسند قوم سے منسوب کی گئی ۔

بہرکیف یہ واقعات تھے جن سے انکی آتش غیظ و غضب مشتعل ہو گئی اور بدگمانی راسخ ہو گئی ۔ بدقسمتی سے بموجب قول مصنف کشف الحجاب اہالیان انگلستان وہ قوم ہین جن کے دل مین جب ایک بات جم گئی تو مشکل سے نکلتی ہے ۔ اس بدگمانی نے ہمین کہین کا نہ رکھا ۔ صورت حال تو وہ ۔ دلون کی مسمومی کی یہ کیفیت ۔ آلات حملہ ایسے کچھ ۔ یہ ہے ہمارے مصنفین کی حالت پھر جبتک وہ زہر نہ اگلین اور آگ نہ برسائین کچھ تعجب نہین من حیث المصنف وہ اچھے ہون خواہ برے انکی تحریرین قابل اعتماد ہون یا ساقط الاعتبار لیکن اس سے کسی حالت مین انکار نہین ہو سکتا کہ یہ تحریرین ہرگز اس قابل نہین کہ ہمارے درسی نصاب مین شامل کی جائین ۔ ہم اہل ہند ہندو ہون خواہ مسلمان جبلاً عقیدت کیش ۔ مذہبی ارادت مند راسخ الاعتقاد قوی الایمان اپنے سورماؤن کو پوجنے کی حد تک ماننے والے ہین ۔ ہمارا مذہب جزو معاشرت ہے ۔ ہمارے خیر و برکت کے جملہ امور مذہبی ثواب و عقاب کے امید و بیم پر مبنی ہوتے ہین ۔ آج ہماری مذہبی ہستی ہم سے علٰحدہ کر دیجیے تو ہم جسم بیجان ہو جائینگے نہ ہندو ہندو ہونگے نہ مسلمان مسلمان ۔ اور پھر ہمارے ابھرنے کی کوئی امید نہ رہے گی ۔ مگر ضعیف الاعتقادی ہی کی تعلیم یہ کتابین دیتی ہین ۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج تعداد غالب اس گروہ کی جسے تعلیم یافتہ کہتے ہین کٹھ پتلی سے زیادہ حیثیت نہین رکھتی ۔ انہین کوئی خاص مذہبی جوش نہین ۔ مذہب سے علٰحدہ خالص اخلاقی تعلیم جس پر عمل کا بھی صیقل ہوا نہین ہے نہین ۔ نوبت یہ ہے کہ ازین سو راندہ وازان سو درماندہ ہو کر بھٹکتے پھرتے ہین اور انکا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہین ۔ سچ پوچھیے تو جو راستبازی صداقت شعاری خالصۃً لوجہ اللہ حسن عمل ہمارے اسلاف مین تھا ہم مین نہین ہے ۔ شاذ و نادر ہی ہمارے کام ہونگے جنمین خودی ذاتی منفعت یا نام و نمود کو دخل نہو ۔ ایثار نفس خود فراموشی و خود انکاری تو بڑی چیزین ہین ۔ اور یہی ہماری ناکامی اور حسرت کشی کا راز ہے ۔ اور وجہ بس یہ ہے کہ مذہبی کمزوری کے ساتھ ہماری بہت سی عملی خوبیان عنقا ہو گئین ۔

جیسا کہ ہم لکھ آئے ہین کہ مذہبی حالت کے جدا کرنے سے ہمارا وجود معطل کیا کالعدم ہو جائے گا ۔ ہمین اسی کی ضرورت ہے

کہ ہمارے مذہبی پہلو کو جسقدر ہو سکے تقویت دی جائے۔ ہمارے مذہب کی سچی تعلیم کا نشر ہو۔ انپر عمل پیرا ہونے کے اصول ہمارے ذہن نشین کیے جائیں۔ ہمارے قابل فخر اسلاف کے کارناموں کا اصلی مرقعہ پیش کیا جائے۔ جب ہی ہم اُبھر سکتے ہیں وا لا فلا۔

موجودہ کتابیں یہی نہیں ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی جڑیں کھود رہی ہیں۔ بنیادیں ہلا رہی ہیں اور آخرالامر ملک میں بدامنی اور بغاوت کی صورت نمایاں ہونے کا باعث ہو رہی ہیں۔ ایسی مثالیں ان کتابوں میں بکثرت ملتی ہیں جنمیں ہماری عقیدت و ارادت کے بیخ کنی کرنے والے اور ہندو مسلمانوں کو لاٹھی مار کر جدا کرنے والے فقرے پائے جاتے ہیں۔ ہم دو ایک مثالیں لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

مارسڈن صاحب اپنی کتاب میں جو انگریزی مدرسوں کے نصاب میں داخل ہے سری رامچندر جی کے بن باس کے موقع پر مہاراجہ دسرتؔ کو لکھتے ہیں کہ "بے وقوف بڈھے راجہ نے رانی کے کہنے سے یہ حکم دیا"۔ جائے تامل ہے کہ کہاں تو راجہ دسرتؔ محض اپنے قول دیدینے کے وجہ سے رانی کیکئی کے تریاچرتر کا شکار ہو گئے ہیں۔ انکی پابندی عہد سے "قول مردان جان دارد" اور "بات کے دھنی راجپوت کی بات انکے جان کے ساتھ ہے" کا سبق ہم کو ملتا ہے اور ایفاے وعدہ کا ایک گوہر مثالیہ ہمارے پیش نظر ہے کہاں صاحب بہادر راجہ کو بڈھا بیوقوف ٹھہراتے ہیں۔ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ کیا ایسے فقروں سے لڑکوں پر جن کے لوح دل نقوش سے بالکل صاف ہوتے ہیں بڑا اثر نہیں مترتب ہوگا۔ مسلمانوں کے اسلاف (جو ایسی تیز طبیعتوں کے آماجگاہ ہیں) کی نسبت ایسے فقرے اس کثرت سے ہیں کہ احتیاج بیان نہیں۔

سرعت پر لیتھبرج تیسری جنگ پانی پت کے موقع پر لکھتے ہیں "صبح کے آٹھ بجے سے سہ پہر کے دو بجے تک ہر ہر مہادیو اور دین دین کے معاندانہ نعرے (میدان کارزار میں) گونجتے رہے" کیا اس فقرے سے ولولہ جنگ نہ پیدا ہوگا کیا "ہر ہر مہادیو" اور "دین دین" سے مذہبی حرارت جوش میں آئے گی۔ یہ حالت ہے ان کتابوں کی جن سے ہمارے اطفال تعلیم پاتے ہیں۔

جہاد جس کی غرض صرف مدافعت یا انتقام ہے اور اس طرح ظاہر کیا جاتا ہے گویا کہ بزور شمشیر اشاعت مذہب مقصود تھی۔ حالانکہ سلطان محمود کے قریب قریب تمام حملے مذکورہ دو صورتوں میں سے ایک پر مبنی تھے۔ لیکن اسکا اظہار کسی مقام پر نہیں کیا جاتا بلکہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ منچلے راجپوتوں کو جبراً مسلمان کرنے کی غرض سے محمود نے ہندوستان پر حملے کیے۔ شہنشاہ عالمگیر کے تقریباً جملہ افعال کو مکاری۔ غداری۔ کیادی۔ فسون سازی خودغرضی اور وحشیانہ مذہبی جوش سے منسوب کیا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ اورنگزیب پر واقعہ بنارس اور متھرا کے سبب سے الزام

دیا جاتا ہی۔ حالانکہ ان دونون مقامات پر اورنگ زیب نے سیاسی مصالح کی بنیاد پر مندرون کو منہدم کیا نہ کہ مذہبی جوش کی
وجہ سے۔ اسلیے کہ ان مندرون مین علاوہ اسکے کہ داراشکوہ کے لیے بھجن گائے جاتے تھے اور دعائین کی جاتی تھین سلطان کے
خلاف سازش کی تعلیم دیجاتی اور تیاریان کی جاتی تھین۔ کیا ہمارے اس مہذب اور ترقی یافتہ زمانہ مین کوئی سلطنت
ہے جو ایسے مار آستین کو پرورش کرے اور گلے کا ہار بنائے۔

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا کا اٹل قانون ایک
نہ ایک دن اپنا عمل پورا کرکے رہتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ یورپ مین جہان مسلمانون کو سوائے بُری طرح یاد کرنے کے اچھا
کوئی جانتا ہی نہ تھا اب ڈاکٹر گستیولیبان اور ڈاکٹر جوزف سے ایسے مصنفین پیدا ہوگئے ہین جو اسلام کے رخ زیبا سے عیسائی
یورپ کے تعصب کا تاریک پردہ اُٹھانے اور اسکے اصلی خط وخال کو ظاہر کرنے کی سعی مین ہین۔ دوسری طرف رینکی (ایک
المانی فاضل) نے موجودہ تاریخی انشا پردازی مین ایک انقلاب پیدا ہونے کا بنیادی پتھر رکھدیا ہے۔ یعنی وہ ایسی
سیدھی اور سادہ روش کو اختیار کرتا ہے جو مسلمان مورخین کا شیوہ تھا۔ اب امید ہوتی ہے کہ واقعات اصلی رنگ مین
دکھائی دین اور یہ اسلوب مورخی ایک درجہ عمومیت حاصل کرکے ہندوستان کے نام نہاد مورخین مین ایک تغیر عظیم پیدا کردے
لیکن اسکے لیے ایک مدت چاہیے۔ "تا تریاق از عراق آوردہ شود۔ مارگزیدہ مردہ شود" جبتک تو ہمارا کام تمام ہوچکے گا۔ ہم کو جو
کچھ کرنا ہے خود آپ کرین۔ اپنے پاؤن پر کھڑے ہون اور اپنے قوت بازو پر عمل کرین۔

اس امر کی اس زمانہ مین سخت ضرورت ہے کہ واقعات بلا رنگ آمیزی کے اپنی اصلی حالت مین دکھائے جائین تاکہ
جو غلط فہمی اور بدظنی اور اسکے سبب سے اپنی کم وقعتی اور فیما بین کشیدگی پیدا ہوگئی ہے یہ رفع ہوجائے اور "دیکھ سکتا نہین ہے
ایک کو ایک" کا نقشہ مٹ جائے۔ ہندو اور مسلمان خود کتب تواریخ لکھین اور ان مین یہ امر مدنظر رہے کہ ایک دوسرے کے
واردات قلبیہ اور محسوسات کو ملحوظ رکھین۔ اگر کوئی واقعہ ایسا پیش آجائے جس کے بیان مین مورخانہ تدین کی
وجہ سے انھین بلا فریق ثانی کے نتائج دکھلائے چارہ کار نہو تو کچھ ایسے لب و لہجہ مین ادا کرین کہ کوئی برا اثر نہ مرتب ہو
ہماری تمنا ہے کہ ابنائے وطن اب خود تاریخی کتابین لکھین جن مین ہندو مسلمان ایک دوسرے کے احساسات
اور جذبات سے بالکل آنکھ بند نہ کرلین بلکہ انکو پیش نگاہ رکھین اور پھر اپنی عظمت و جلالت جس قدر چاہین
سراہین مگر اس کوشش سے دریغ نہ کرین کہ ہندو مسلمان پھر ایک ہوجائین اور پہلو بہ پہلو ہوکر کام کرین

(باقی آیندہ)

نقش ہستی

درد دل

فریاد کی کوئی لے نہین ہے
نالہ پابند نے نہین ہے

پیا پے ہچکیان توڑین بھی اب رشتہ رگِ جان کا
الٰہی کام آسان ہو مریضِ دردِ ہجران کا

نہین معلوم! اشکِ دردِ دل کا حشر کیا ہوگا؟
تڑپنے مین قیامت ضبط مین خطرہ ہے طوفان کا

نہایت خود غرض ہین ساکنانِ حصۂ فانی
کھلا یہ حال دیکھا آج جب شمعِ شبستان کا

فقط اتنی تمنا ہے اُنھین ہم حال دکھلاتے
دلِ بیتاب کا، دردِ دلی کا، چشمِ گریان کا

فلک نے ہم کو عزت دی تو بربادی کے پہلو مین
دلِ صد چاک کو شانہ بنا کر زلفِ دوران کا

فقط اک نسخۂ لا تقنطوا کافی و شافی تھا
مرض اب بڑھ گیا لیکن مریض درد حرمان کا

طریقہ پوچھ لین فریاد کرنے کا عنادل سے
یہی ہے مدعا اے باغبان اسیرِ گلستان کا

الٰہی! دل جلون کی کیون نہین فریاد سُن لیتا؟
دھوان سوئے فلک دیکھا ہے جاتے شمعِ سوزان کا

پڑی ہے جو تجھے ہمدم مرے کروٹ بدلنے کی
اگر سنتا ہے! سُن لے حال شورش ہائے پنہان کا

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخوان سوزد

نئے انداز سے اغیار یون ہم کو ستاتے ہین
کہ ہنس ہنس کر ہمارے درد کو مہلک بتاتے ہین

غبارِ رہ سے اُٹھکر رہ گزر سے دور بیٹھے تھے
مگر وہ کجروی سے خاک مین ہم کو ملاتے ہین

نہین گر بسملون سے چھیڑ خانی کی غرض اُنکو
ہنسا کر زخمِ دل کو کیون ہمین پہرون رُلاتے ہین

خدایا! اس دلِ بیتاب کو صبر آزما کر دے
اگر زخمِ جگر پر اور وہ چرکے لگاتے ہین

نہین دل پر اگر قابو زبان پر اپنا قابو ہے
مگر کچھ سوچ کر خاموش ہین صدمے اُٹھاتے ہین

حرم مین تیرے بندون کا جو قتلِ عام کرتے ہین
الٰہی! حشر کی ضد مین وہ یہ فتنے جگاتے ہین

کہین اس ناخدا ترسی کا اُنکی کچھ ٹھکانا ہے؟
ہمارے تلملانے پر کھڑے وہ مسکراتے ہین

ہماری ہستیٔ موہوم بھی ہے ناگوار اُن کو
نشانِ خاکِ تربت اس لیے چل کر مٹاتے ہین

کہا تک ضبط ہو؟ اب ضبط کی طاقت نہین باقی
مبارک دردِ دل! اب حالِ دل انکو سُناتے ہین

الٰہی! نالۂ سوزان مین وہ اکسیر پیدا ہو
کرین کچھ اس طرح فریاد ہم، تاثیر پیدا ہو

رسول اللہ! امت اب گرفتارِ مصیبت ہے
حضور! امیدوارون پہ ہجومِ یاس و حسرت ہے

درِ دولت پہ ہے جو کشمکش ہم دادخواہون کی
قیامت آگئی سرکار! ہنگامِ شفاعت ہے

زمانے پر وہ روشن ہے تغلب! تیرے ہاتھون سے
بنی جو اپنی درگت ہے، بُری جو اپنی حالت ہے

بسا دارِ عجز مین اک دل ہے وہ بھی پُر ہے شکوؤن سے
نہ اپنے پاس دولت ہے نہ اپنے پاس حشمت ہے

بصد ثروت عدو ہین متفق ہم کو مٹانے پر
بقا رہستی اسلام کی اب کون صورت ہے؟

عدو سر سبز ہوا اسباب کے جینے کے لانے ہون
کوئی یہ بھی خداوندا! قیامت مین قیامت ہے

جنھون نے عمر بھر دیکھین ترے اسلام کی آنکھین
وہی آنکھین دکھاتے ہین الٰہی تیری قدرت ہے

ترے ایفاءِ وعدہ کی ابھی مشتاق دنیا ہے
اگر اسلام! تیری عمر تھوڑی ہے قیامت ہے

دبا یا جس نے آکر دہر مین کفر و ضلالت کو
اسی اسلام پر اب حملۂ کفر و ضلالت ہے

پڑے جو کچھ ترے اسلام پر اُفتاد سُنتا جا
الٰہی! غمزدون کی کچھ نہ کچھ فریاد سُنتا جا

نہین شیوہ ہمارا ہم کرین شکوہ مصیبت پر
مگر جور و ستم کی حد بھی ہے مرحوم اُمت پر

مٹا ڈالا اگرچہ دستِ نیرنگِ زمانہ نے
مگر آنے نہ پایا حرف تک صبر و قناعت پر

اگر ہمین ہو منظور آزار اپنے بندون کی
تو ہم شکوے شکایت بھی اُٹھا رکھین قیامت پر

نظر آتا ہے لیکن حال جب تیرے شہیدون کا
تو ڈرتے ہین نہ رکھدین حرف دشمن تیری قدرت پر

غلط بالکل غلط ہے دشمنانِ دین کا دعوےٰ
کہ طرز مدعی شاہد ہے خود انکی عداوت پر

مٹے نام محمد شیر رش بلقان کا مطلب ہے
(فاتح قسطنطنیہ)
ٹرپیولی کا یہ حملہ ہے، حملہ دین و ملت پر

گنہگار اس لیے ہین ہم کہ ہین امت محمد صلعم کی
(روحی فداہ)
خطا اپنی ہے یہ چلتے ہین کیون راہِ شریعت پر؟

ہین لاتقنطوا کا حکم تو ہے رحمتِ باری!
مگر چپ کس طرح بیٹھین ٹرپیولی کی حسرت پر؟

غضب! اے دیدۂ خونین تجھے رونا ہے محشر تک
ابھی بختِ مراکو پر ابھی ایران کی حالت پر

جزائے صبر دیتا ہے تو دے ان خود پسندون کو

نہین تو صبر ہی دے لے مرے اللہ بندون کو

ہماری خانہ آبادی فلک تجھ کو نہین بھائی
کمائی تو نے صدیون کی فقط اک پل مین لٹوادی

اوجاڑا ہم نے کس کا آشیان اس باغ عالم مین
کیا جاتا ہے کیون برباد ایوان ٹوپیو لی

الگ گلشن سے مرغان چمن کو ذبح کرتے ہین
مگر گھر مین ہمارے قتل کرتے ہین ہمین ہر دم ہی

خیال پردہ داری ہو ہمین مذبح کے اندر بھی
سر رہ دین عدو سے دین شیخ عصر کو پھانسی

خس و خاشاک ہون گلنار رنگین دامن صحرا
یہی حرمت زمانے مین ہے اب خون شہیدان کی

لگے تھے زخم جو پہلے ابھی بھرنے نہ پائے تھے
کہ چھرا ابر کی دست تظلم نے نمک پاشی

پئے تشہیر ان لاشون کو بے گور و کفن رکھا
نہین تو کیا نہ ملتی تھی زمین صحرا مین دو گز بھی؟

اوڑھا دے چادر رحمت برہنہ سونے والون کو
کہ ان ایمان کے پتلون کو چھپا سکتی نہین مٹی

نکل آیا ہے دل بیساختہ اشک یتیمان پر
معاف اے حکم قاصبر ضبط کی طاقت نہین باقی

مرے مالک مرے علام تیرے نام کے صدقے
ہوے ہین سرفروشان وطن اسلام کے صدقے

فلک اس مستیٔ فانی سے تو ہشیار کب ہوگا؟
کہاں تک خواب غفلت بخیہ زب بیدار کب ہوگا؟

نہین باقی ہے طاقت ضبط کی مظلوم بندون مین
بتا اے داور محشر ترا دربار کب ہوگا؟

لگی ہے ٹکٹکی سی سوے یثرب دادخواہون کی
مرے عیسیٰ علاج نرگس بیمار کب ہوگا؟

ق

کٹے گی رات کب ظلم و ستم کی یاس و حرمان کی
وہ فردائے قیامت اے مرے سرکار کب ہوگا؟

ہماری آہ ٹکرا کر جو پھر آتی ہے گردون سے
بنا ظلم یہ قصر فلک مسمار کب ہوگا؟

فرشتو! بند کر دو نامۂ اعمال کا دفتر
بتا دو ہم کو محضر خون کا تیار کب ہوگا؟

تری رحمت کے منکر کب ہین شایان تری رحمت کے
تجھے جوش سیاست اے مرے قہار کب ہوگا؟

عدالت مین تری کس دن کھڑی ہوگی صف محشر
الٰہی! ظالم و مظلوم کا اظہار کب ہوگا؟

رہے گا ہو کے یہ سب کچھ مگر وقت معین پر
بتا دے ہوش تجھ کو کیفیؔ سرشار کب ہوگا؟

مخاطب کا ادب ہے لازمی طرز تکلم کو
بہت حد سے نہ بڑھنے پائے یہ واجب ہے مرحوم کو

اے-ایم-یسین عباسی - کیفیؔ

شہادت کا جنون

چھبیس برس حکومت کرنے کے بعد ۸۲۲ء مین سلطان حکم اس جہانِ فانی سے رخصت ہوا اور اسکے بعد اسکا بیٹا عبدالرحمن ثانی تخت نشین ہوا عبدالرحمن کو نسبتاً ایک آسودہ اور مرفہ الحال ملک وراثت مین ملا؛ قرطبہ کے غدار مرتدون نے یا تو اطاعت قبول کر لی تھی یا ملک سے باہر بھاگ گئے تھے۔ اور تمام مفسدہ پرداز اشخاص کو ایسا سبق مل چکا تھا جو اُنکے دلون سے محو نہین ہوسکتا تھا۔ صرف عیسائی حدود پر کسی قدر بےچینی کے آثار پائے جاتے تھے لیکن اُنکا آسانی سے قلع قمع کیا جا سکتا تھا۔ عبدالرحمن نے لہو و لعب کا شوق اپنے باپ سے ورثہ مین پایا تھا۔ مگر اُس کے کیریکٹر مین وہ مضبوطی اور استحکام نہ تھا جو عیش پسندی کو اخلاقی کمزوری کے ذلیل پہلو سے بچاتا اور باز رکھتا ہے۔ نئے سلطان نے قرطبہ کو بغداد ثانی بنا دیا اور ہارون الرشید اعظم کی طرح اُس نے اس شہر کی آرائش پر بیشمار زر وجواہر صرف کیا۔ متعدد محلات تعمیر کیے اور باغات لگائے اور اپنے دارالخلافہ کو مساجد عالی شان عمارات اور پلون سے مزین کرکے اسکی رونق دوبالا کردی۔ دیگر علم دوست مسلمان بادشاہون کے مانند یہ بھی شاعری کا عاشق تھا اور خود بھی اچھا خاصہ شاعر تھا۔ اگرچہ بسا اوقات اسکے اشعار کسی نمک خوار کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہوا کرتے تھے شائستگی اور نرم مزاجی اُسکی فطرت مین داخل تھی۔ اس طبعی لینت کی وجہ سے دوران حکومت مین چار اشخاص اسکے مزاج پر برابر حاوی رہے۔ ان مین سے ایک تو مغنی تھا۔ دوسرا ایک عالم تیسری ایک عورت۔ اور چوتھا ایک حبشی غلام تھا۔ ان مین سب سے زیادہ بارسوخ شخص یحییٰ تھا جو مشہور عالم دینیات تھا۔ اسی شخص نے خلیفہ حکم کے عہد مین طلباء کو سلطان کے برخلاف برانگیختہ کیا تھا اور اب نئے خلیفہ کے مزاج پر پورا تسلط پا لیا تھا۔ باقی تین آدمی جو سلطان کے مزاج مین درخور رکھتے تھے۔ ان مین ملکہ طروب؟ (   ) اور حبشی غلام نصیر سیاسی امور مین خاصہ اقتدار رکھتے تھے۔ مگر زریاب (مغنی) نے اپنے رسوخ کو علم ومذاق ہی کے دائرے تک محدود رکھا اور سیاست مین دخل دینے سے کنارہ کش رہا۔ زریاب ایرانی النسل تھا اور بغداد کے مشہور موسیقی دان اسحاق موصلی کا شاگرد تھا۔ ایک دن بدقسمتی سے زریاب خلیفہ ہارون الرشید کے دربار مین اپنے اُستاد پر گوئے سبقت لے گیا جس کے باعث اُستاد کے دل مین شاگرد کی طرف سے آتش حسد مشتعل ہوگئی اور وہ اُسے جان سے مارنے یا کم از کم خارج البلد کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ زریاب نے غیرت کو موت پر ترجیح دی اور بغداد سے نکل کھڑا ہوا

جب وہ ہسپانیہ مین پہنچا تو لوگون نے اُسے ہاتھون ہاتھ لیا اور سلطان نے اسکی بڑی قدردانی اور عزت افزائی کی اور اُسکے عیش وآرام کے جملہ اسباب مہیا کردیے چنانچہ ذریاب۔ سلطان کی نوازش ہاے کریمانہ کی وجہ سے بیٹھے بٹھائے بیشمار آمدنی کا مالک بن بیٹھا۔ سلطان ذریاب کی بڑی خاطر ومدارت کرتا تھا اور اکثر اُسے شریک طعام کیا کرتا اور اسکے گیت اور حیرت ناک کہانیان بڑی دلچسپی کے ساتھ گھنٹون سُنا کرتا تھا۔ ذریاب کو ایک ہزار سے زیادہ گیت زبانی یاد تھے اور ان مین ہر ایک کی نے مختلف اور جداگانہ تھی۔ اور وہ خود یہ کہا کرتا تھا کہ مین نے یہ تمام سُر ہوائی مخلوق سے سیکھے ہین۔ اُسکا ستار بجانے کا انداز نہایت ہی دلکش اور دل فریب تھا۔ ذریاب کی شایستگی اور ظرافت مین کوئی کلام نہین۔ درحقیقت اسکی طبیعت نہایت بذلہ سنج واقع ہوئی تھی۔ اُس نے بالون کی تراش کا نیا طریقہ اختراع کیا اور انواع اقسام کے لذیذ کھانے بھی اُندلس مین ایجاد کیے۔ شیشے کے ظروف بھی اسی نے پہلے پہل استعمال کیے تھے۔ اس طرح وہ اُس زمانے کے فیشن کا مالک تھا اور لوگ اس کی تقلید کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے تھے۔

لیکن جبکہ اہل دربار نئے نئے کھانون اور جدید ترین فیشن کے ایجاد مین منہمک ہو رہے تھے۔ قرطبہ مین اس وقت چند ایسے لوگ بھی موجود تھے جو گہرے اور عمیق خیالات مین مستغرق تھے۔ اُس وقت ملک کی حالت نہایت پرامن تھی اور بیرونی دشمنون کے خلل انداز ہونے کا کوئی اندیشہ وگمان نہ تھا۔ اسمین شک نہین کہ خلیفہ عبدالرحمن نے۔ جو ذاتی جرأت اور جنگی ناموری کے شوق مین کسی سے کم نہ تھا۔ بسا اوقات اپنے شمالی عیسائی دشمنون کے خلاف لشکرکشی کی جو کہ سرحد پر برابر چھاپہ مارتے تھے اور غارت گری کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ خفیف لڑائیان اسلامی حکومت کی بنیاد کو نہین ہلا سکتی تھین۔ ان دنون مین ہمیشہ خانگی مشکلات ہی پیش آتی تھین۔ اور اندرون سلطنت ہی سے فساد پیدا ہوتے تھے۔ چنانچہ موجودہ مشکلات بھی جن کی بنا پر ہم نے قلم اُٹھایا ہے قرطبہ ہی کے چند پرجوش عیسائیون ہی کی طرف سے معرض ظہور مین آئین۔ عام عیسائی علے العموم اپنے مذہب پر زیادہ زور نہ دیتے تھے۔ کیونکہ مسلمان اُن سے بطریق حسن پیش آتے تھے اور دوسرے انکو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ حکمران قوم کی طرح اُنکے لیے بھی تجارت وثروت کے تمام ذرائع کھلے ہوے تھے۔ انکے علاوہ انھین اور کس بات کی خواہش ہوسکتی تھی بجز اسکے کہ اپنی گم شدہ سلطنت کو دوبارہ حاصل کرین؟ لیکن چونکہ یہ بات اُس وقت محال وناممکن تھی اس لیے وہ اپنی اس حالت پر شاکر اور مطمئن تھے اور اپنے نرم اور حلیم الطبع حاکمون کے زیرنگین رہنے پر رضامند تھے۔

یہ صلح جویانہ اسپرٹ تمام اندلس مین عام طور پر موجود تھی۔ لیکن بعض بعض مقامات مین چند ایسے پرجوش اور غیرت مند اصحاب بھی پاے جاتے تھے جن کو "کافرون" کی اطاعت ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہ تھی۔ اُنکے دل سے اپنے

مذہب کی گزشتہ شان و شوکت مونہین ہوئی تھی اور مذہبی علماء بالخصوص مسلمانون کے خلاف اپنی حقارت کے اظہار سے باز نہین رہ سکتے تھے۔ کیونکہ انھون نے ان علماء کے تمام اختیارات سلب کر لیے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ کے مذہب کی جگہہ (برعم خویش) ایک جھوٹا مذہب قائم کر دیا تھا۔ موررون کی نرمی اور نیک طینتی انکے جوش کو اور زیادہ ہیجان مین لاتی تھی۔ یہ لوگ مذہب کی خاطر زمانۂ سلف کے اولیاء کی طرح مصائب اور تکالیف برداشت کرنے اور ستائے جانے کو ترجیح دیتے تھے اور مورون کے ہاتھ سے شہادت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ مسلمانون سے صرف اس لیے ناراض تھے کہ مسلمان "ہمین راستبازی اور صداقت کی خاطر ایذا نہین پہنچاتے! تاکہ ہم خدا کی سلطنت مین شریک ہوسکین"۔ موررون کی نیک نہادی اور شائستگی کو یہ جوشیلے لوگ نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انکے کھیل کود۔ گانے۔ بجانے حتیٰ کہ انکے علوم و فنون سے بھی یہ نام نہاد زاہد بالکل محترز اور نفور رہتے تھے۔ اصلی خدا پرست کے نزدیک تکلیف۔ روزہ۔ مصیبت اور جسمانی ایذا کے ذریعہ سے پاکیزگی حاصل کرنے کا نام زندگی تھا۔ اور اس وقت ان لوگون سے جو کچھ عمل مین آیا وہ دراصل راہبانہ مسیحیت کے جذبات کے اظہار کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ہسپانوی عیسائی ایک فوری اور اہم جذبہ سے جوش مین آگئے اور شہادت کا جنون انکی رگ و پے مین سرایت کر گیا۔ اور اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہ سکا۔

یہ کس قدر دلسوز اور ترحم انگیز نظارہ تھا کہ محض خواب و خیال کی خاطر نیک لوگ اپنی اور دوسرون کی قیمتی جانین تلف کرنے پر تلے ہوے تھے۔ اہل اندلس کی یہ "خودکشی" تبل کے راہبون یا ہندوستانی جوگیون کے زیادہ مشابہ تھی جو طرح طرح کی تکالیف مذہب کی خاطر برداشت کرتے ہین۔ اور جسمانی ایذا کی پروا نہین کرتے۔ عیسائیت ہرگز اس بات کی تعلیم نہین دیتی کہ لوگ اپنی جانون کو اس طرح معرض ہلاکت مین ڈالین۔ اس وقت ہسپانوی عیسائیون کے لیے مذہبی رسوم کی انجام دہی مین کسی طرح کی ممانعت یا دقت نہ تھی اور مزید بران مور عیسائیت کے اصول سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ بلکہ انجیل و توریت کا انھین بہت سے عیسائیون سے زیادہ علم تھا۔ وہ حضرت عیسیٰ کا نام بغیر ادب کے نہ لیتے تھے اور ہمیشہ عیسیٰ علیہ السلام کہتے تھے۔ یہ بات سب پر روشن ہے کہ اسلام حضرت مسیح کے من جانب اللہ ہونے کو مانتا ہے اور انکے لیے بہت ادب ملحوظ رکھتا ہے۔ مسلمانون نے عیسائیون کو پوری آزادی دے رکھی تھی۔ اور اس صورت مین عیسائیون کو شہادت اختیار کرنے کا کوئی اچھا اور کارگر بہانہ ہاتھ نہین لگ سکتا تھا۔ اور قانونی طور پر گرفتار ہونے کا انکو بے

---

[1] حضرت عیسیٰ کا قول ہے: "مبارک ہین وہ لوگ جو صداقت کی خاطر گرفتار مصیبت ہونگے۔ کیونکہ خدا کی بادشاہت انھین کے لیے ہے۔" متی باب ۵۔ آیت ۱۰۔ ان لوگون کا جوش و خروش اسی آیت پر مبنی تھا۔ مترجم

کوئی راستہ نہ تھا۔ بجز اسکے کہ حصول مقصد کے لیے وہ انجیل کی تعلیم کو نظر انداز کر دین اور حضرت عیسیٰؑ کے قول کو دل سے بھلا دین۔ "اپنے دشمنون سے محبت سے پیش آؤ۔ جو تم سے نفرت کرین ان سے بھلائی کرو۔ جو تمھاری حقارت کرین اور تمھین ایذا پہونچائین۔ ان کے لیے دعا مانگو۔" عیسائیون کی نہ تو حقارت کی جاتی تھی اور نہ انھین کوئی تکلیف پہنچائی جاتی تھی۔ ہان بعض اوقات بازاری لڑکے راہبون کا سربازار مضحکہ ضرور اُڑاتے تھے۔ مگر شریف اور اعلےٰ خاندان کے مسلمان ہرگز اسمین شریک نہ ہوتے تھے باوجود ان تمام آسایشون کے جو ان عیسائیون کو موروٖن کی حکومت مین حاصل تھین۔ یہ لوگ اپنے نرم مزاج دشمنون کے بہت مخالف تھے اور ان سے محبت کرنا تو درکنار بلکہ عمداً انکو گالیان دیتے اور انکے مذہب کی توہین کرتے تھے۔ ان تمام باتون سے وہ مسلمانون کو صرف جوش دلانا چاہتے تھے۔ تاکہ وہ مغلوب الغضب ہو کر ان عیسائیون کو قتل کر دین اور اس طرح انھین شہدا کے زمرے مین شامل کر دین۔ تمام اسلامی ممالک کا یہ عام قانون ہے کہ جو شخص رسول صلعم یا مذہب اسلام کی تضحیک و تکفیر کریگا اُسکے لیے سزائے موت ہو گی۔ یہ ایک سخت وحشیانہ قانون ہے۔ لیکن دنیا مین اس سے بھی زیادہ بڑے[1] اصول عمل پذیر ہوے ہین اور آکسفورڈ اور سمتھ فیلڈ کے بے رحمانہ مناظر اس بات پر بخوبی شاہد ہین۔ دیدہ و دانستہ مذہبی جنگ کی آگ کو مشتعل کرنا اور دوسرون کے مذہب کو بُرا بھلا کہنا عیسائیت کے شایان شان نہین۔ اور ایک ایسے قانون کی عمداً خلاف ورزی جس کی ادنیٰ سزا موت ہو۔ شہادت نہین ہے بلکہ خودکشی ہے۔ وہ لوگ جو اس مجنونانہ جوش کا شکار ہوئے دراصل اس مرض کے شہید ہی تھے۔ اور انکا انجام ایسا دردانگیز ہے گویا کہ انھون نے مذہب ہی کی خاطر جام شہادت نوش کیا تھا۔

اس خودکشی کے جوش کا بانی مبانی یولاجیس تھا جو کہ قرطبہ کے ایک پرجوش عیسائی خاندان مین سے تھا۔ یولاجیس نے اپنی عمر کا گرانمایہ حصہ دعا۔ روزہ اور سخت جسمانی ریاضت مین صرف کیا تھا۔ اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ مورون کے جھوٹے مذہب کی عیب چینی کرنا اور اپنے ہم مذہبون کے دل مین حمیت و غیرت پیدا کرنا اسکے خاص مقاصد تھے۔ ان اغراض کی انجام دہی مین اُسے قرطبہ کے نوجوان دولتمند البوارُو اور چند راہبون۔ عالمون اور خواتین کی جانب سے بہت قابل قدر مدد ملی۔ جو لوگ اس نوجوان پیشوا کے صید ہوئے انمین ایک خوبصورت لڑکی بھی تھی

[1] یہان مصنف اُن قبیح اور ظالمانہ کارروائیون کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو ریفارمیشن کے زمانہ مین ظہور مین آئی تھین پراٹسٹنٹ اور رومن کیتھلک ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو رہے تھے۔ اور جوش انتقام مین ان لوگون سے وہ افعال سرزد ہوئے جن کی بے رحمی کا اعادہ کرنے سے قلم کانپتا ہے جس کا بس چلتا وہ اپنے مخالف فریق کے لوگون کو سخت سے سخت عقوبت دیتا۔ اور اس طرح بہت سے پراٹسٹنٹ اور رومن کیتھلک صلیب پر لٹکائے گئے اور زندہ آگ مین جلا دیے گئے۔ آکسفورڈ اور سمتھ فیلڈ مین کئی مذہبی علما جلائے گئے تھے۔ مترجم

جس کا نام فلورا تھا۔ اس لڑکی کا باپ مسلمان تھا اور ماں مسیحی تھی۔ ماں نے اپنی بیٹی کو خفیہ طور پر عیسائیت کی تعلیم دی تھی۔ مگر کئی برس تک فلورا بظاہر مسلمانون مین شمار ہوتی رہی۔ لیکن آخر کار جس خودکشی کی اسپرٹ نے یولاجیس کو برانگیختہ کیا تھا اُس سے وہ بھی اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور انجیل کی بعض آیتون سے جوش مین آکر اپنے بھائی کے گھر سے بھاگ نکلی جس کے پاس وہ باپ کے انتقال کے بعد سے مقیم تھی۔ اور عیسائیون مین پناہ گزین ہوئی۔ فلورا کے مسلمان بھائی نے اُسکی بہت تلاش وجستجو کی مگر کچھ پتہ نہ چلا اور اُسکی کوشش رائیگان گئی۔ متعدد پیشواؤن پر ورغلانے اور بہکانے کی غرض جرم لگائی گئی اور اسکی پاداش مین وہ سب محبوس کیے گئے۔ فلورا نے جب اور ون کو اپنے قصور کی بنا پر سزایاب ہوتے دیکھا تو وہ اس امر کی تاب نہ لاسکی اور اپنے بھائی کے پاس واپس لوٹ آئی اور اُسکے سامنے عیسائیت قبول کرنے کا اعتراف کیا۔ بھائی نے فلورا کو اس ارادے سے منحرف کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر بے سود۔ آخرش اُسکے تمرد اور ضد سے عاجز آکر اُسے قاضی کے روبرو لا کھڑا کیا۔ اور ارتداد کے جرم مین ماخوذ کیا۔ اسلامی شریعت کے مطابق مسلمان باپ کی اولاد مسلمان ہی شمار ہوتی ہے اور ماں کے مذہب سے اُسے کچھ تعلق نہین ہوتا۔ اور اسی طرح اسلامی قانون مین ارتداد کی سزا موت ہی۔ چنانچہ آج کل بھی سلطنت روم مین یہی قانون رائج ہی۔ اگرچہ گذشتہ چالیس سال کے عرصہ سے اسپر زیادہ زور نہین دیا گیا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر آج سے ایک ہزار برس قبل یہین ارتداد کے مجرمون کے ساتھ نرمی کی امید نہین ہوسکتی۔ مگر پھر بھی جس قاضی کے حضور مین فلورا لائی گئی تھی اُسے اس بدنصیب لڑکی کی حالت پر بہت ترس آیا اور شریعت کے برخلاف اس نے فلورا کو سزاے موت نہ دی۔ بلکہ صرف سزاے تازیانہ پر قناعت کی اور پھر اُسکے بھائی کے حوالے کردیا کہ وہ فلورا کو اسلام کی تلقین کرے۔ مگر وہ دوسری دفعہ گھر سے بھاگ نکلی اور اپنے چند عیسائی واقف کارون کے یہان پناہ گیر ہوئی۔ اور یہین پہلے پہل اُسکی یولاجیس سے ملاقات ہوئی جسے اس بدنصیب اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ ایسی پاک محبت ہوگئی جیسی کہ فرشتون کے درمیان ہی ہوسکتی ہی۔ فلورا کی پرہیزگاری اور جرأت کا یولاجیس کے دل پر خاص کر اثر ہوا اور وہ اُسے ولی سمجھنے لگا۔ چھ برس کے بعد بھی وہ ان باتون کو نہین بھولا اور لکھتا ہے:۔

"مقدس بہن! تونے از راہ انکسار مجھے اپنی زخمی گردن دکھائی تھی جو کوڑون کی ضرب سے لہولہان ہو رہی تھی۔ اور اپنی قدرتی آرایش یعنی زلفون سے محروم تھی۔ تیری یہ حرکت صرف اس بنا پر تھی کہ تو مجھے اپنا روحانی باپ خیال کرتی تھی اور مجھے اپنے مانند پاکدامن سمجھتی تھی۔ مین نے اُس وقت آہستگی کے ساتھ تیرے زخمون کو چھوا تھا۔ اور اگر میرے بس مین ہوتا تو مین انھین اپنے لبون کے ذریعہ سے مندمل کرنے کی کوشش کرتا.... جب مین تجھ سے جدا ہوا تو مین ایسے شخص کے مانند تھا جو خواب مین گرم رفتار ہو اور پے درپے آہین بھر رہا ہو۔" فلورا ایک اور راہبہ کے ہمراہ ایک محفوظ اور پوشیدہ مقام مین

پہنچا دی گئی اور کچھ عرصہ تک یولاجیس کی اُس سے مطلق ملاقات نہین ہوئی۔

اسی اثنا مین قرطبہ کے عیسائیون کا یہ جوش و خروش بارآور ہونے لگا تھا۔ ایک احمق پادری پرفیکٹوس نے لوگون کے اُکسانے پر مذہب اسلام کی علانیہ تحقیر و توہین کرنا شروع کر دی اور آخر مین اس جرم کی پاداش مین عید الفطر کے دن دار پر لٹکا دیا گیا جبکہ اور سب لوگ ماہ رمضان کے اختتام پر رنگ رلیان منا رہے تھے اور کنارِ دریا لہو ولعب مین مشغول تھے۔ اس متعصب پادری کے پھانسی پانے سے ان لوگون کی دلچسپی کا ایک اور سامان مہیا ہوگیا۔ غریب پادری نے بڑی دلیری اور جرأت کے ساتھ موت کا سامنا کیا۔ اور آخر دم تک حضرت محمدؐ اور ان کے مذہب کو بُرا بھلا کہتا رہا دران حالیکہ وہ اُسوقت بے رحم اور غضبناک مسلمانون کے نرغہ مین گھرا تھا۔ قرطبہ کے اسقف نے بڑی عزت و احترام سے اسکی تجہیز و تکفین کی اور کلیسا کی رسم کے مطابق اُسے ولی (Saint) کا درجہ دے دیا۔ اسی شام کو دو مسلمان دریا مین ڈوب گئے۔ اور لوگون نے اس واقعہ کو پرفیکٹوس کے قتل پر محمول کیا۔ اور اسے آسمانی فیصلہ قرار دیا۔ حبشی غلام نصر بھی سال بھر کے اندر ہی مرگیا۔ جس کے سامنے کہ غریب پادری کو پھانسی دی گئی تھی۔ عام لوگون کے نزدیک یہ ایک اور فیصلۂ ربانی تھا!

اس واقعہ کے چند روز بعد اسحٰق نامی ایک راہب نے تبدیل مذہب کی خواہش ظاہر کی اور اس بہانہ سے قاضی شہر سے ملاقات کی جس وقت قاضی اصول اسلام کی تشریح سے فارغ ہوا تو یہ راہب بجائے مذہب اسلام اختیار کرنے کے اُلٹا گالیان دینے لگا اور اسلام کی توہین و تذلیل کرنے لگا۔ اس امر سے قاضی بہت ہی متحیر ہوا۔ اور طیش مین آکر اُس نے ایک تھپڑ رسید کیا اور کہنے لگا "کیا تم نہین جانتے کہ ہماری شریعت مین اس جرم کی سزا موت ہے؟" راہب نے جواب دیا "مجھے خوب معلوم ہے۔ مجھے سزائے موت ہی دو۔ میری یہی خواہش ہے۔ کیونکہ ہمارے آقا نے فرمایا ہے مُبارک ہین وہ لوگ جو راستبازی کی خاطر ستائے جاتے ہین۔ کیونکہ خدا کی بادشاہت انھین کی ہے" قاضی نے اس راہب کی حالت پر بہت افسوس کیا اور سلطان سے اس بات کی استدعا کی کہ اُسکے قصور سے چشم پوشی کی جائے مگر سلطان نے منظور نہ کیا اور آخر کار اُسکا سر قلم کر دیا گیا۔ اور اس طرح اسحٰق بھی ولی بنا دیا گیا۔ بعد مین اُس کے معتقدون نے اسکے معجزون کے بھی ثبوت بہم پہونچائے۔ اور یہ بھی ثابت کیا۔ کہ نہ صرف ایام طفولیت سے۔ بلکہ دنیا مین آنے سے پیشتر ہی اس نے معجزے دکھانا شروع کر دیے تھے۔ سلطان کے محافظون مین ایک شخص سانچو بھی تھا۔ جو یولاجیس کا مرید تھا۔ اس نے بھی حضرت محمدؐ کی توہین کی اور اسی طرح اسکا بھی سر قلم کیا گیا۔ اتوار کے دن چھ اور راہب قاضی کے سامنے دوڑتے ہوئے آئے۔ اور چلا کر کہنے لگے "ہم بھی وہی الفاظ کہتے ہین جو ہمارے بھائی

اسقف اور سانچو نے زبان سے نکالے تھے۔" یہ کہکر وہ حضرت محمدؐ کے نام کی بے حرمتی کرنے لگے۔" اپنے ملعون نبی کا ہم سے انتقام لو۔ ہمارے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کر سکتے ہو کرو۔" (۱) لوگون کے بھی سرکٹوا دیے گئے۔ ان کے بعد اور راہبون نے جوش مین آکر اپنی جانین جلاد کی نذر کردین۔ اور اسی طرح دو ماہ سے بھی کم عرصہ مین ۱۱ آدمی نہنگ اجل کا لقمہ ہوئے۔

عیسائیون کی کثیر التعداد جماعت نے اپنے جوشیلے بھائیون کی ان بیجا حرکات پر بہت افسوس کیا اور ان سے سخت مایوسی ظاہر کی۔ اور انھون نے ان مجانین سے بالکل الگ تھلگ رہنے کا عہد کرلیا۔ یہان اس امر کو نظر انداز نہین کرنا چاہیے۔ کہ اہل ہسپانیہ علی العموم اس قسم کے جذبات سے بالکل عاری تھے۔ اور انھون نے مذہبی حمیت کے اظہار مین کبھی ناموری حاصل نہین کی۔ ان کا مذہب سطحی تھا۔ اور ان مین سے بہت سے مسلمان ہو گئے تھے اور یہ دونون گروہ آپس مین بڑے اخلاص و محبت سے رہتے سہتے تھے۔ عیسائی اپنی قدیم لاطینی زبان اور علم ادب کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ انھون نے عربی سیکھ لی تھی اور عربون کی طرح لکھنا پڑھنا شروع کردیا تھا۔ چنانچہ یولاجیس بھی اس انقلاب پر تاسف کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: "عیسائی عربی اشعار اور قصے کہانیان تو بڑی رغبت اور شوق کے ساتھ پڑھتے ہین۔ مگر اپنی انجیل مقدس اور عیسائی بزرگون کے حالات پڑھنے کی طرف مطلق توجہ نہین کرتے۔ ہمارے نوجوان فقط عربی بولنا جانتے ہین۔ وہ مسلمانون کی کتابین بڑی سرگرمی سے مطالعہ کرتے ہین اور انھین بہت اچھا سمجھتے ہین۔ برخلاف اسکے عیسائیون کی کتب کو وہ ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہین کرتے۔ وہ اپنی زبان بھولتے چلے جاتے ہین۔ اور ہزار مین سے ایک شخص بھی ایسا نہین جو لاطینی زبان مین خط لکھ سکے۔ حالانکہ وہ سب کے سب عربی مین اشعار بھی بہت آسانی سے لکھ لیتے ہین!" اصل مین بات بھی یہی تھی۔ ہسپانیہ کے عیسائی عربی افسانون اور اشعار کو اپنی مذہبی کتب سے بدرجہا دلچسپ اور سبق آموز پاتے تھے۔ وہ دن بدن "عرب" ہوتے چلے جاتے تھے۔ اور پہلے سے زیادہ شایستہ اور تہذیب یافتہ ہو گئے تھے اور مذہبی اختلافات کو چھوڑتے جاتے تھے۔ ان سب باتون کی وجہ سے وہ موررون کے احسان مند تھے اور اپنے بھائیون کے اس بیہودہ جوش سے انھین بہت صدمہ ہوتا تھا۔ انھون نے اس ہیبتناک طوفان بے تمیزی کی روک تھام مین بہت کوشش کی۔ اور اپنے ساتھیون کو بہت سمجھایا کہ تمھارا یہ طرز عمل بالکل لاحاصل ہے موررون کے حسن سلوک اور نرمی پر انھون نے خاص طور پر زور دیا اور انجیل کی اس صلح کل تعلیم کی طرف بھی توجہ دلائی کہ "دوسرون کو برا کہنے والے خدا کی بادشاہت مین ہرگز داخل نہ ہو سکین گے۔" انھون نے یہ بھی کہا کہ مسلمان تمھارے اقدام موت پر مطلق ہراسان نہین ہین۔ کیونکہ ان کو یقین ہے کہ اگر تمھارا مذہب سچا ہوتا تو خدا اپنے شیدائیون کا ضرور بدلہ لیتا۔

یہ شریف النفس عیسائی جو کہ مذہبی جذبات کی بے نظیر طاقت سے (خواہ وہ نیکی کے لیے ہو یا بدی کے لیے) محض ناپختہ
دہ صرف عبادت و خدا پرستی ہی سے سروکار رکھتے تھے۔ ان جوشیلے آدمیوں کو سمجھانے سے قاصر رہے اور انکی کوئی کوشش
بارگر نہیں ہوئی۔ تمام عیسائیوں کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ ان لوگوں کی نا مصلحت اندیشی اور مسلسل سزائیں آخر
کار ساری جمعیت کے لیے باعث آزار ہونگی اور چنے کے ساتھ گھن بھی پس جائے گا۔ برخلاف اسکے یولاجیس اسی بات کا
خواہان تھا اور اپنے ہر فعل کے جواز میں وہ انجیل اور اولیاء کی زندگی سے ثبوت پیش کرتا تھا۔ اسکے پرجوش چیلے تم مصیبت[1]
کی آگ ہی میں جلنا پسند کرتے تھے اور اسی کو سب سے بہتر اور افضل خیال کرتے تھے۔ انجام کار گورنمنٹ کے ایما اور اعتدال
پسند پارٹی کے سمجھانے پر مذہبی پیشوا اس مفویانہ اسپرٹ کی بیخ کنی پر مجبور ہوئے اور تمام اسقف۔ اشبیلیہ کے محتسب کی
صدارت میں اس امر پر غور کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ اگرچہ وہ سابقہ "شہادتوں" کی تردید تو نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ کلیسا نے
ان لوگوں کو ولی کا درجہ دیدیا تھا۔ تاہم انھوں نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ اس قسم کی کوئی بات نہ ہونے پائے۔
اور اس فیصلہ کی بموجب سرگرم لیڈر محبوس کردیے گئے۔ زندان میں فلورا اور یولاجیس کی پھر دوبارہ ملاقات ہوئی۔ ایک دن
فلورا نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ گرجا میں دعا مانگ رہی تھی کہ اچانک اُس نے اپنے برابر اُس اسحٰق کی بہن کو دیکھا جس نے
اول ہی اول شہادت اختیار کی تھی۔ مریم کی یہ دلی آرزو تھی کہ وہ خدا کی بادشاہت میں اپنے شہید بھائی اسحٰق سے
جا ملے اور جب فلورا کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُس نے بھی مریم کی ہمراہی کا مصمم ارادہ کرلیا چنانچہ دونوں قاضی شہر کے
روبرو گئیں اور آنحضرت کی بے ادبی کرنے لگیں۔ دونوں جوان اور حسین لڑکیاں جو خلوص دل سے "عالمگیر امن اور
برادرانہ محبت" کے دین پر قائم تھیں۔ قاضی کے سامنے کھڑی تھیں۔ اور اُنکے شیریں لب تلخ نوائی کر رہے اور زہر اگل رہے
تھے! اور اس طرح وہ حضرت عیسیٰ کے پاک مذہب کو شیطانی مذہب ثابت کر رہی تھیں!۔ لیکن یہ نیک نہاد جج آسانی سے
برافروختہ ہونے والا نہ تھا۔ وہ اس مجنونانہ جوش سے عاجز آگیا تھا۔ اور بسا اوقات بہرا بن جاتا تھا جبکہ لوگ دیدہ و دانستہ
اپنی موت کے خواہاں ہوتے تھے۔ قاضی کو ان دونوں لڑکیوں پر بہت رحم آیا اور اُس نے انھیں اس احمقانہ حرکت سے
باز رہنے کی ہدایت کی مگر انھوں نے نصیحت سننے سے انکار کردیا اور اپنے شجاعانہ مقصد پر برابر اڑی رہیں۔ آخر کار قاضی
نے مجبور ہوکر ان کو جیل میں بھیجدیا۔

یہاں۔ طویل قید میں یہ لڑکیاں بہت خوف زدہ ہوئیں اور انکے راسخ عقیدہ میں بہت کچھ فرق آگیا۔ وہ اپنے مذہبی

[1] پرسی کیوشن (Persecution) کے لفظی معنی ستائے جانے یا مصیبت میں گرفتار ہونے کے ہیں محاورہ میں ان لوگوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے جو مذہب کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں سہیں۔

جوش سے تنگ آگئی تھین اور اُس سے تائب ہونے ہی کی سوچ مین تھین کہ دفعتاً یولاجیس انکی ہمت بڑھانے اور انکی تباہی کے سامان کے لیے آپہنچا۔ یولاجیس کا یہ کام سخت تھا۔ بہ تقاضاے بشریت یہ بات سخت جانگزا اور تکلیف دہ تھی کہ وہ اُس عورت کو موت کے لیے آمادہ کرے جس کے ساتھ اُسے انتہا درجہ کی محبت تھی۔ لیکن یولاجیس ان تمام خیالات پر غالب آیا اور اس نے اپنے مقصد کی انجام دہی مین ذرا بھی کوتاہی نہ کی حتیٰ کہ فلورا کو یقین دلانے کے لیے اُس نے شہادت کی خوبیون پر ایک رسالہ بھی تصنیف کر ڈالا۔ وہ رات دن پڑھنے مین مصروف رہتا تاکہ رحم و الفت کے خیالات اُسکے ارادے پر غالب نہ آسکین فلورا اور مریم بھی جادۂ استقلال پر قائم رہین۔ قاضی نے اُنکو بچانے کی بہت کوشش و جانفشانی کی۔ مگر اُنکے دل پر مطلق اثر نہین ہوا۔ آخرکار جب قاضی کو اُن کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی تو اُس نے سزاے موت کا حکم دیدیا۔ یولاجیس فلورا کے ساتھ اپنی آخری ملاقات کا حال ان الفاظ مین قلمبند کرتا ہے: "وہ مجھے فرشتہ معلوم ہوتی تھی اُسکے گرد ایک نورانی ہالہ تھا۔ اور اسکا چہرہ خوشی کے مارے چمک رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی سے جنت کے مزے لوٹ رہی ہے + + + + + جب مین نے اُس کے شیرین الفاظ سُنے تو مین نے اس مبارک ارادہ پر قائم رہنے کی ہدایت کی اور اُسکو وہ تاج دکھایا جو جنت مین اُسکا انتظار کر رہا تھا۔ مین اس فرشتے کے قدمون مین گر پڑا اور اسکی پرستش کرنے لگا۔ اور اُسسے اپنی دعاؤن مین یاد رکھنے کی استدعا کی۔ اسکی حوصلہ افزا باتون سے تقویت پاکر میرا غم و فکر تدریجاً کم ہوتا گیا" فلورا اور مریم آخرکار ۲۴ نومبر ۸۵۱ء کو پھانسی دیدی گئین۔ یولاجیس نے کلیسا کی اس عظیم الشان فتح پر بڑی مسرت و بہجت ظاہر کی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد یولاجیس اور دوسرے پادری قید سے رہا کر دیے گئے۔ ایک برس بعد عبدالرحمٰن ثانی کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور اسکا بیٹا محمدؐ جانشین ہوا جو بڑا خودغرض اور سخت گیر تھا۔ مذہبی علماء کو اسکی تخت نشینی سے بہت خوشی تھی۔ کیونکہ نیا سلطان عیسائیون کی شرارتون کا پورا پورا انتقام لینے پر آمادہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے بہت سے گرجے منہدم کرا دیے اور ایسی سخت گیری عمل مین لایا کہ کثیر التعداد عیسائی مسلمان ہوگئے۔ عبدالرحمٰن کے زمانہ مین عیسائیون کی اس یاوہ گوئی پر کبھی بھی بہت توجہ نہین کی گئی لیکن اس تلطف آمیز و دانشمندانہ پالیسی کو یک قلم ترک کر دیا گیا۔ اور اسکی جگہ بے رحمانہ اور سخت پالیسی نے لی۔ ان حالات مین مذہب کا تبدیل کرنا کوئی عجیب امر نہین معلوم ہوتا۔

ان سختیون کے باوجود یہ جوشیلا گروہ خاصہ طاقتور اور بارسوخ ہوگیا تھا۔ اور اسکا اثر قرطبہ کے حدود سے بھی بہت پرے جا پہنچا تھا۔ طلیدو کے باشندون نے یولاجیس کو اپنا اسقف مقرر کر لیا، مگر جب سلطان نے اپنی اجازت دینے سے انکار کیا۔ تو یہ جگہ عمداً خالی رہنے دی گئی۔ ان ہی ایام مین دو فرانسیسی راہب شہداء کی مقدس نشانیان

اور تبرکات لینے کی غرض سے قرطبہ مین وارد ہوئے۔ اور ایک خوبصورت تھیلی انکی ہڈیون سے بھرکرے گئے اور پیرس مین اُنکی عام زیارت کرائی گئی۔ مگران مجذوبون پر ایک سخت بلا نازل ہونے والی تھی۔ یولاجیس کے ساتھ ایک اور مسلمان لڑکی گھر سے بھاگ نکلی تھی۔ اور اس مرتبہ پیرومرید دونون کے دونون قاضی کے حضور مین لائے گئے۔ یولاجیس نے فقط اس بات کا ارتکاب کیا تھا کہ اُس نے تبدیل مذہب مین اس لڑکی کی اعانت کی تھی۔ اور اس جرم کی سزا محض تازیانہ تھی۔ لیکن یولاجیس کو یہ سزا سخت شاق گزری۔ اور وہ خدا کے حضور مین فروتنی اور عاجزی کرنے اور اس کی راہ مین ہرطرح کی جسمانی تکالیف برداشت کرنے پر تیار تھا۔ لیکن کافرون کے ہاتھ سے پٹنا اُس کی غیور طبیعت نے گوارا نہ کیا "اے قاضی! اپنی شمشیر کو تیزکر اور میری روح میرے خالق کے پاس بھیجدے۔ لیکن یہ خیال کبھی نہ کرنا کہ مین اپنے جسم کو ضرب تازیانہ سے اذیت پہونچاؤن گا" اتنا کہکر وہ کلمات کفر بکنے لگا اور اسلام پر لعن طعن کرنے لگا۔

قاضی نے یولاجیس جیسے نامور اور سربرآوردہ لیڈر کے خلاف فتویٰ صادر کرنے کی ذمہ داری اپنے سرلینا قبول نہ کی۔ اور بالآخر یہ مقدمہ خلیفہ کی پریوی کونسل کے روبرو لایا گیا۔ کونسل کے ایک رکن نے یولاجیس سے کہا "کہ ایک دانشمند اور تعلیم یافتہ آدمی کو اپنی جان اس طرح ضائع نہین کرنی چاہیے۔ اس قسم کی باتین تو احمق اور دیوانے کیا کرتے ہین۔ تم میری بات پر عمل کرو۔ اور ضرورت کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کردو۔ اپنے الفاظ واپس لے لو اور تم فوراً رہا کردیے جاؤگے" لیکن اس رعایت کا وقت گذر چکا تھا۔ یولاجیس اگرچہ لوگون کو شہادت کے آمادہ کرنے کے کام کو دل سے پسند کرتا تھا۔ مگر اپنے ان الفاظ کو اب عزت کے ساتھ واپس نہین لے سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اس سے انکار کردیا۔ اور آخر کار دار پر چڑھادیا گیا۔ اور دلیری اور جوش کے ساتھ ۱۱ مارچ ۸۵۹ء کو مرگیا۔

اپنے لیڈر کے بیش بہا وجود سے محروم ہوکر عیسائی "شہادت طلبون" نے بھی ہمت ہاردی اور ہم ان مجنونانہ حرکات کا پھر کہین ذکر نہین پاتے۔

فضل الٰہی قریشی

(ترجمہ)

جذبات محوی

لیے جاتا ہے شوق سیر یارب مجھکو دنیا مین — تمنا ئین نہون پامال اس بزم تماشا مین

لیے جاتی ہے کیون لے بیخودی مجھکو گلستان مین — سواد وچار پھولون کے پڑ کیا اب اسکے دامان مین

مزا ہے ہو یہی جا کر دغبار ناقہ لیلیٰ — ارے او قیس دیوانے دہرا کیا ہی بیابان مین

کس مزے کی موت میخانہ مین آئی رند کو — گھونٹ مے کا منہ مین اور ہونٹھون مین بلغورہ گیا

قوت پرواز نے ہے دیا کس دم جواب   بازوؤن سے بام تک جاکر کبوتر رہ گیا
نصیب ایسا مجھے ہو کب بس اپنے گوشہ مین تو تو جا کر   خدا خدا کر۔ خدا خدا کر۔ خدا خدا کر۔ خدا خدا کر

ضبطِ غمِ حبیب کے قابل نہین رہا   تھا جس کو نازِ صبر پہ وہ دل نہین رہا
وارفتگی عشق نے گو کھو دیے حواس   لیکن مین تیری یاد سے غافل نہین رہا

شکایت ستمِ روزگار کیا کرتا   مرا یہ منھ نہین قسمت کا جو گلہ کرتا
تم اپنے آنے کا جھوٹا ہی وعدہ فرماتے   مین اس امید پہ کچھ روز تو جیا کرتا
یہ کیا خبر تھی کہ مرنا ہے صبح تک شب غم   مین آہ آہ نہ کرتا خدا خدا کرتا

چارہ گر سہل دوا سے دلِ بیمار نہین   سو مرض ہین اسے کچھ ایک ہی آزار نہین
لطف سے بڑھکے ترا جور مزا دیتا ہے   ظلم کر رحم کا مین تجھ سے طلبگار نہین
موت دے گی اسے دنیا کے مصائب سے نجات   تیرے بیمار کو اب حاجت غمخوار نہین

بیمار کی آنکھین جو دم نزع کھلی ہین!   انداز ستم ہاے فلک دیکھ رہی ہین[1]

اے غبارِ راہ آفت سر پہ تیری ہے بیکسی   ہے یہ تابوتِ وفا کس عاشقِ مایوس کا

افسردہ ہون نہ داغِ دل اور زخم جگر سے   یارب رہین گلزار یہ شاداب ہمارے

افسوس وہ رقیب سے ملنے گئے ہین پھر   در پے ہمارے رنج کے پھر آسمان ہے اب

زرد کیون ہوتا چلا جاتا ہے چہرہ آپ کا   سچ تو کہیے جان و دل کس پر فدا کرتے ہین آپ
محفل دلدار مین اچھا نہین ہونا ذلیل   حضرت دل روز جاتے ہین برا کرتے ہین آپ

اٹھا مین جہان سے بادل ناشاد آیا ہون   ہجوم حسرت و ارمان لحد مین ساتھ لایا ہون

گوارا کر لیا ہم نے غم فرقت مین مرلینا   کبھی تم بھی دعاے مغفرت سے یاد کر لینا
چلا ہے کوچہ قاتل کو گھبرا کر مصائب سے   ذرا او نامرادی بڑھ کے محوی کی خبر لینا

ساقی ترا بھلا ہو بہلا ہون گفتگو مین   بس آج تو پلا دے جو کچھ بھی ہو سبو مین
برباد کر نہ دینا اے صرصر حوادث   کچھ پھول ہم لیے ہین دامان آرزو مین
اندوہ بیکسی مین جینا نہ تھا مناسب   دنیا سے چل دیے ہم راحت کی جستجو مین
کس غم مین تیری آنکھین روتی ہین خون محوی   ٹکڑے جگر کے بھی کچھ بہ آئے ہین لہو مین

[1] یہ قافیہ قصداً رکھا گیا ہے۔

سنہ ۱۹۱۲ء مین محمود نے کیا کہا تھا؟

"یہ گاڑی مین کون حضرت ہین؟"

"ہمارے نئے بالسٹر صاحب۔ مسٹر محمود۔"

"اور وہ عورت ان کے پہلو مین؟"

"صاحب بہادر کی بی بی۔ اُن کی بیگم صاحبہ"

"نہین! تمھین میرے سر کی قسم؟"

"خدا کی قسم۔ ابھی پوچھ کر آیا ہون"

یہ دونون شخص صدر بازار مین اپنے مکان کے برامدے پر کھڑے ہوے تھے۔ سوال کرنے والے نے آگے کی طرف جھک کر۔ ایک آنکھ بند کرکے اور داہنے ہاتھ سے مٹھی کی دوربین بنا کر خوب غور سے گاڑی کی طرف دیکھا جب تشفی ہوگئی تو اپنے ساتھی کی طرف نظر جما کے دیکھا جس پر اُس نے ہونٹ بند کرکے مسکرانے کی کوشش کی اور اپنا سر اس طرح ہلایا گویا کہ کوئی نہایت ہی حیرت انگیز خبر سنائی ہے۔ اس سے دوسرے شخص کے چہرہ پر استعجاب کی وجہ سے جو شکنین پڑی تھین وہ غائب ہوگئین اور چہرہ پر کسی قدر غیر معمولی سنجیدگی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اور اسی حالت مین اُس نے ایک مرتبہ "آخ تھو" کرکے زمین پر تھوکا اور "لاحول" پڑھا۔ لیکن دو سکنڈ کے بعد ایک فوری تغیر واقع ہوا کیونکہ اُس نے بڑی زور سے قہقہہ مارا اور بغیر کچھ کہے اندر کی طرف بھاگا چلا گیا۔ زنان خانے کی کھڑکی کے پاس پہونچکر ٹاٹ کا پردہ اُٹھایا اور چلا کر آواز دی "اے امان۔ اے ممانی۔ اے بھابی۔ چلو جلدی کوٹھے پر آؤ۔ ایک بڑا تماشہ نکلا ہے"۔

اتنا سُننا تھا کہ معلوم ہوا کسی نے بھڑون کے چھتے مین ہاتھ لگا دیا۔ ایک درجن سے زیادہ عورتون کی ہان ہون اور جوتیون کی پھٹر پھٹر سے زینہ گونجنے لگا۔ گرتی پڑتی سب کے سب کوٹھے پر جا پہونچین۔ اور پوچھنے لگین کہ "کہان کہان؟" (گاڑی کے رخ پر اشارہ کرکے) "وہ دیکھو۔ گاڑی وہ گئی۔ وہ کھڑی ہوئی۔ اب اس موڑ پر پہونچی۔ وہ بیگم صاحب دکھائی دیتی ہین کہ نہین۔ خوب صاف معلوم ہو رہا ہے۔ آ صالحہ تجھکو گود مین لے کر دکھا دون۔ دادی نے کیا کہا! قیامت کے آثار ہین کہ ایسی بے غیرتی ایک شریف! اسمین کیا شک ہے۔ ہا ہا ہا۔ اب تم لوگون کو یقین آیا ہوگا کہ جو کچھ مین نے پردہ کلب کے متعلق اخبار مین پڑھکر سُنایا تھا وہ بالکل صحیح ہے اُس بیچاری کا کیا قصور ہے۔ کیا کہا ممانی جان؟ بیشک آپ سچ فرماتی ہین۔ اُس پر واجب تھا کہ کم سے کم برقعہ تو اوڑھ لیتی"!

یہ بھی ایک ادنیٰ نمونہ تھا اُس ہلچل کا جو اُس چھوٹے سے شہر مین مسٹر محمود اور اُنکی بی بی کو سربازار دیکھکر پیدا ہوئی۔ حالانکہ یہ وہ شہر تھا جہان کے لوگون کی روحین ہمیشہ خواب آلود رہتی تھین۔ ہندوستان مین کوئی بڑا سے بڑا انقلاب ہوجائے۔ حکومت بدل جائے۔ زلزلہ آئے۔ شہر کے شہر تباہ ہوجائین ہزارون آدمیون کے گھر تہ و بالا ہوجائین تب بھی انکے کان پر جون نہ رینگے۔ مگر اُنکی آنکھون کے سامنے کوئی شریف خاندان کا مسلمان اپنی بی بی کو کھلے مُنہ گاڑی پر لے کر نکلے تو یہ کسی طرح قابل تحمل نہین ہوسکتا تھا۔ اس وجہ سے لوگون کے جوش اور مضحکہ آمیز دلچسپی کی آگ ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھڑک اُٹھی۔ اور جون جون گاڑی بڑھتی جاتی تھی دو رویہ مکانات کے لوگ آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تھے۔ سڑک پر چلنے والون نے رُک رُک کر گستاخی کے ساتھ گھورنا شروع کردیا۔ حلوائی۔ نانبائی۔ بنیا غرضکہ تمام دوکاندار اپنا اپنا کام چھوڑ کر تماشہ دیکھنے لگے۔ بعض اوباش لوگون نے پھبتیان اوڑانے کا ارادہ کیا مگر اُس خاموش۔ سنجیدہ اور بارعب چہرہ کو دیکھکر جو گاڑی مین ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہوا تھا کسی کو زور سے بولنے کی ہمت نہ پڑی۔ پھر بھی دبی زبان سے کٹے کٹے جملون۔ چشم و ابرو کے اشارون اور ہلکے ہلکے قہقہون مین کیا کچھ نہین کہا گیا۔ اتنے مین گاڑی جو ابتک آہستہ آہستہ جارہی تھی موڑ پر ہوچکر تیز ہوگئی اور تماشائیون کی جماعت کثیر جو کوئی سو قدم کے فاصلہ پر پیچھے آرہی تھی ہا۔ ہو کے نعرے لگا کر منتشر ہوگئی۔ اسپر صاحب بہادر نے پیچھے مُڑ کر غصہ سے دیکھا۔ ہونٹون کو حرکت ہوئی۔ آنکھون نے آگ برسائی پھر ایک تحقیر آمیز تبسم نے چہرہ کی خشونت دور کردی اور اُس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "خدا معلوم ان جاہلون کو کب تہذیب آئے گی۔ قدیم رسوم اور خراب معاشرت نے انکے دلون کو اسقدر سیاہ کردیا ہے کہ ایک مدت چاہیے کہ یہ خیالات انکے دماغون سے دور ہون اور وہ زندگی کے طریقون کو نئی آنکھون سے دیکھین۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو انکا بھی کچھ قصور نہین ہے۔ کوئی سکھانے والا۔ اپنی مثال دکھانے والا ابتک نہین تھا جو اُنکی رہنمائی کرتا۔ میری نظرون مین انکی وقعت چھوٹے بچون سے زیادہ نہین ہے جن کو تربیت کی سخت ضرورت ہے۔ اور اُنکی شرارت (میرا مطلب ہے کہ اس گستاخی) پر ہم کو بُرا نہ ماننا چاہیے۔ آج کا واقعہ ہماری پہلی آزمایش تھی۔ رفتہ رفتہ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ عادی ہوجائینگے۔ اور ہماری تقلید کرینگے اور اگر نہ کرینگے تو ہمارا فرض ہوگا کہ اُنکو راستی پر لائین (ہونٹ دباکر اور اپنی مٹھی زور سے بند کرکے) مین پردہ کی اصلاح کی طرف کمر باندھکر پیچھے پڑا ہون اور تم بھی میرا ساتھ دوگی نا۔ زبیدہ؟ (اپنے ساتھی کو خاموش پاکر جلدی سے اُسکی طرف مڑکے دیکھتا ہے) زبیدہ زبیدہ۔ کیا سوگئین (بازو ہلاکر) این۔ کیا سوگئین۔ مُنہ کیون ڈھانکے ہوئے؟ اب گاڑی آبادی سے دور نکل گئی تھی اور ایک چھوٹے سے پارک کی طرف جو اس شہر کا تفریح گاہ تھا۔

جارہی تھی۔ شام بھی ہوگئی تھی۔ محمود نے ہاتھ کے اشارہ سے کوچبان کو بنگلے یعنے اپنے گھر کی طرف لوٹنے کا حکم دیا اور مڑکر پھر اپنے ساتھی کا بازو ہلایا۔ "باہر کی ہوا نے اتنی جلدی تمھین سلادیا۔ اپن۔ کبھی کی عادت نہ تھی۔ یہ پہلا دن تھا جو تم تھکی ہوئی" اسپر ایک دبی آواز سے "نہین" نکلی۔ بے حس و حرکت اعضا مین کسی قدر جنبش ہوئی۔ چہرہ جو بازو والی گدی سے چسپان تھا آدھے انچہ کے قریب باہر ہٹا۔ پھر ایک شرمائی ہوئی اور ڈرتی ہوئی آنکھ کے کونہ سے سامنے کی طرف دیکھا گیا اور جب یقین ہوگیا کہ میدان صاف ہے تو پیشانی۔ ناک اور رخسارے جو پسینہ سے تر اور برف سے زیادہ ٹھنڈے تھے ٹھہر ٹھہر کر نکالے گئے۔ پھر بایان ہاتھ جو گدی کو زور سے پکڑے ہوے تھا کسی قدر ڈھیلا کیا گیا۔ جھکا ہوا جسم بھی کچھ ابھارا گیا۔ اور اُف کہکر اپنی سراسیمگی کو چھپانے کے لیے دوپٹے کے آنچل سے ہوا دینا شروع کی۔ آنکھین ابھی تک نیچے گڑی ہوئی تھین۔ دفعتہً اُسکو ایسا ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے اپنا ہاتھ اُسکے بازو پر رکھا۔ اور اُوئی کہکر اُس نے فوراً ہی ہاتھ کو پیچھے ہٹا دیا اور پھر گردن اُٹھا کر ایک بار اپنے شوہر کی طرف خوب نظر بھر کے دیکھا اور چیخ مار کر دوپٹے کے آنچل سے اپنا مُنھ چھپالیا۔ اور گھر پہونچنے تک اسی حالت مین بیٹھی رہی۔

اس موقع پر محمود کی صورت دیکھنے کے قابل تھی۔ پہلے تو انتہا درجہ کی حیرانی اُسکے چہرہ پر چھا گئی پھر بار بار سے رنگ تغیر ہوا۔ بعد ازان ناک بھون چڑھا کر ہونٹ (کچھ کہنے کے لیے) ہلتے ہلتے رہگئے۔ پھر چند منٹ تک وہ سکوت اور سنجیدگی کے عالم مین اپنی بی بی کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ اور آخرکار اُسکا ہاتھ پکڑ کر نہایت تشفی آمیز اور ترحم آمیز لہجہ مین کہا "کیا تمھین غش آگیا تھا۔ تمھارا دل تو اسقدر نہ تھا۔ رہا ہے کہ خدا کی پناہ۔ بولتی کیون نہین ہو۔ زبیدہ آخر حال کیا ہے؟" اسکا جواب کچھ نہین ملا تھا کہ گھر آگیا۔ گاڑی برامدے مین جاکر ٹھہری۔ اتفاق سے اُسوقت کوئی موجود نہ تھا۔ اور قبل اسکے کہ محمود اترے اُسکی بی بی کچھ ایسے اضطراب کے ساتھ کود پڑی کہ گرتے گرتے بچی۔ پھر سیڑھیون کو ایک جست مین پھاند کر اور چارون طرف ایک خوف زدہ نگاہ سے دیکھکر اندر کمرہ مین دوڑ گئی اور جاتے ہی ایک پلنگ پر اپنے آپ کو ڈال دیا اور دونون کہنیون کو ٹیک کر ہانپنے لگی۔ شوہر کو کمرے مین آتا ہوا دیکھکر اُس نے ملامت آمیز لہجہ مین کہا "مین سچ کہتی ہون تم نے مجھکو بڑا دھوکا دیا۔ باغ دکھانے کے بہانے سے تمام شہر مین کھلے مُنھ پھرایا۔ بس میرا یہ حال تھا کہ اگر زمین پھٹے تو اُسمین سما جاؤن۔ اُف۔ عزت و آبرو آج خاک مین مل گئی۔ اب میرا مُنھ بھلا کسی کو دکھانے کے قابل ہے۔ امان جان آج پاس ہوتین تو میری یہ نوبت کیون آتی"

یہ کہکر اپنا مُنھ ڈھانک کر رونے لگی۔ محمود کی حیرانی اگر پہلے ایک درجہ تھی تو اس واقعہ کے بعد سو درجہ بڑھ گئی۔ لڑکی تھرتھر کانپ رہی تھی معلوم نہین کہ غصہ سے یا خوف سے۔ اسپر اُسکی کم عمری کا خیال آیا اور پھر

اُسکے غیر معمولی حسن کا۔ لیکن اپنی نرم دلی کو چھپا کر اُس نے ذرا کرخت لہجہ مین کہا "زبیدہ اگر تم کو میرے ساتھ رہنا ہے تو اس قسم کی باتین زبان سے خبردار مت نکالنا۔ یہ برتاؤ تمھارا قابل افسوس ہے۔ آخر مین تم کو ایک ہفتہ سے اس بات پر لکچر دے رہا تھا اور پوری طور پر سمجھا دیا تھا کہ میری صحبت مین رہ کر پردہ وردہ تم کو بالائے طاق رکھنا پڑے گا۔ اور تم بھی ہان مین ہان ملا کر میرے حکم کے مطابق عمل کرنے پر راضی ہو گئی تھین۔ لیکن اب جو آزمایش کا وقت آیا تو ہمت ہار گئین۔ کیسے شرم کی بات ہے؟ یاد رکھو مین اپنی سوسائٹی مین ایک عمدہ مثال پیش کرنا چاہتا ہون اسلیے تم کو باہر نکلنا پڑے گا لیکن تم نے آج پہلے ہی میرے دل کو اپنی بزدلانہ حرکت سے سخت رنج پہونچایا۔" اتنا کہنا تھا کہ اسکا رنگ فی الفور متغیر ہو گیا اور وہ سہم کر جلدی سے اپنے آنسو پوچھکر کھڑی ہو گئی۔ اور محمود سے لپٹ کر بہ لجاجت کہنے لگی "ہائے خدارا مجھ سے خفا نہونا۔ مین سچ کہتی ہون جو تم کہوگے کرونگی۔ مگر آج تو پہلا دن تھا۔ اور اتنے بہت سے آدمی میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ میٹے مین نے عمر بھر مین آج سے پہلے کسی غیر مرد کا مُنھ نہین دیکھا تھا اور ایک دم سے تم نے بہت سے مردون کا سامنا کرا دیا رفتہ رفتہ تم مجھے وحیث بنا دوگے مگر آج کی طرح نہین۔ ایسے کھُلے بازار مین نہین" (محمود کا ہاتھ پکڑ کر چلبلے پن سے مسکرائی اور ایسے لہجہ مین کہا گویا بڑی عمدہ ترکیب یاد آگئی) "اچھا ہان اگر اسی طرح تمھین مجھے باہر لے جانا منظور ہے تو میرے برقعہ مین کیا ہرج ہے۔ دادی جان کہتی تھین کہ عرب مین عورتین برقعہ پہن کر بازارون مین پھرتی ہین۔ اور میرا برقعہ بڑا خوبصورت ہے۔ اگر کہوگے تو اسمین بڑی خوبصورت سی گوٹ کی جھالر منگا کر لگا لون گی۔ اسٹیشن پر مین کئی مرتبہ گئی ہون اور کبھی ڈری نہین۔ (محمود کے ہونٹون پر ہنسی کے آثار دیکھکر) اب تو خوش ہو گئے۔ تمھاری بات بھی نہین گئی اور میری آبرو بھی نہین (شوہر کا چہرہ خشمگین نظر آیا) دیکھو۔ خفا نہو۔ مین نے آخر کون سی بُری بات کہی ہے؟"

ہمارے ریفارمر کو اپنی تعلیم و تلقین کا یہ خراب اثر دیکھکر بہت غصہ آیا اور زبیدہ کا ہاتھ جھٹک کر اُس نے درشت آواز سے کہا "میری سمجھ مین نہین آتا کہ تمھاری عقل کہان ہے سخت افسوس ہے کہ آج کی آزمایش نے تمھارے اوپر بالکل برعکس اثر کیا تمھاری حالت بالکل ایسی ہی ہے جیسی ہسٹریا کی مریض لڑکیون کی ہوتی ہے اور بلا سوچے سمجھے جو مُنھ مین آتا ہے کہتی چلی جاتی ہو (زمین پر اپنا پاؤن مار کر اور غصہ سے دانت پیس کر) اوہ۔ یہ تمھارے نامعقول خاندان کا اثر ہے۔ تمھارے ماں باپ کا فرض تھا کہ تم کو ایسی تربیت دیتے کہ تم ایک سمجھدار پڑھے ہوے آدمی کی صحبت کے قابل ہوتین۔ ایسے پُرانے دقیانوسی خیال کے لوگون مین تم نے پرورش پائی ہے جن کے دماغون مین گھُن پڑ گئے ہین اور اُنکی صحبت کی وجہ سے تمھاری سمجھ مین میری کوئی بات نہین آتی۔ مگر

مین نے عہد کر لیا ہے کہ تم کو اگر اپنے ساتھ رکھنا ہے تو تمھین مجبور کرون گا۔ (امیر زبیدہ کو آبدیدہ دیکھکر پاس کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور اُسکے سفید ملائم ہاتھون کو اپنے ہاتھ مین لے کر دلاسا دینے کے لیے کہنے لگتا ہے) سُنو سُنو۔ تم کو آخر کس بات کا ملال ہے سمجھدار لڑکی ہو۔ اگر نہین ہو تو اس عمر مین ہونا چاہیے۔ پھر تعلیم یافتہ بھی ہو انگریزی کی کتابین بھی اچھی طرح سمجھ لیتی ہو۔ میرا مطلب اس سے یہ ہے (مکرر زور دیکر) یہ ہے کہ دیکھو مین ولایت مین بہت دن رہا ہون اور ہندوستان کے مردون اور عورتون کی پست حالی کو دیکھکر مین نے عہد کر لیا تھا کہ اگر خدا کسی دن مجھے ایسی سمجھدار بی بی دے گا جیسی تم ہو تو ہم دونون مل کر اپنی نادان قوم کی معاشرت مین اصلاح کرینگے اور سب سے پہلے پردہ کی اس خراب رسم کو توڑ دین گے۔ جس پر لوگ پہلے بہت بُرا کہین گے مگر ہم ہمت اور بردباری کے ساتھ تمام باتون کو جھیل کر اُنکو تقلید پر آمادہ کرینگے اور رفتہ رفتہ ایک جماعت اپنے بامذاق لوگون کی بنا کر قوم کی طرز زندگی مین ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دینگے۔ مین سچ کہتا ہون کہ اگر صرف ہم دونون مضبوط ارادے کے ساتھ متحدہ کوشش کرین تو یہ سب لوگ جو ابھی لعن طعن کرتے ہین کان دبا کر خاموشی کے ساتھ تقلید کرینگے۔ اگر رہنمائی کرنے والے ہمارے ایسے باثر اور اعلےٰ خاندان کے لوگ ہون تو انکی مثال کا بہت بڑا اثر پڑے گا۔ اسی لیے ہم نے اپنا وطن چھوڑا اور اس چھوٹے سے شہر مین آئے کہ یہان کامیابی کی زیادہ امید نظر آتی تھی۔ (جوش مین آکر کھڑا ہو جاتا ہے) زبیدہ۔ زبیدہ۔ تم کو معلوم نہین کہ اس کا کتنا بڑا اثر پڑے گا۔ یہ بستیان جہان سارے ہندوستان بھر سے زیادہ شریف اور نجیب سے نجیب خاندان آباد ہین حیف ہے کہ انکی معاشرت اسقدر پست ہو۔ یہین پردہ کا تعصب بھی سب سے زیادہ ہے۔ مگر یہ سب باتین بدل جائین گی آؤ ہم دونون مل کر اس مہیب پہاڑی کو جو عمدہ تہذیب اور اعلےٰ معاشرت کے راستہ مین حائل ہے توڑ کر برابر کر دین۔ اور آیندہ نسلین ہمین دعا دین گی۔ (بی بی کو اپنا مُنھ تکتا دیکھکر سمجھانے کی غرض سے بیٹھ جاتا ہے) کیون تمھاری سمجھ مین کچھ نہین آیا؟ تم پردہ مین کیون رہو؟ کیا تم مین دماغ اور سمجھ کی کمی ہے یا مجھکو تمھاری عصمت پر پورا اعتبار نہین ہے۔ یا تم کو کوئی حق ہی نہین کہ تم تجربات اور مشاہدات عالم سے فائدہ اوٹھاؤ انسان ہو حیوان تو نہین۔ پھر کیون تمھارے پاؤن مین زنجیرین ڈالی جائین۔ تمھارے دل کو کمزور بنایا جائے اور تمھاری روشن دماغی کے حلقہ کو ایک چھلے سے زیادہ بڑھنے نہ دیا جائے۔ یہ کفران نعمت ہے اور تاریخ انسانی مین اس سے بڑھکر ظلم۔ بے انصافی اور کمینہ پن کی مثال نہین نظر آئے گی۔ بس اب وہ وقت آگیا ہے کہ کوئی میری طرح مردانہ وار اُٹھ کھڑا ہو اور اسکی مخالفت مین آواز بلند کرے اور اپنی قوم کے جہلا کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرے۔ افسوس مین تنہا رہکر اسمین کامیابی نہین حاصل کر سکتا۔ تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔"

یہ آخری جملہ ایسے مایوسانہ لہجہ مین محمود کی زبان سے نکلا تھا کہ اُسکی ناتجربہ کار بی بی سے نہ رہا گیا اور وہ بول اُٹھی" اور مین مرتے دم تک تمھارے ساتھ ہون۔ مگر آج کا سا....." وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی اسلیے کہ محمود نے اپنے ہاتھ سے اُسکا منہ جلدی سے بند کردیا اور ہنس کر کہا "بس بس۔ یہ کافی ہے۔ تم قول دے چکین اب ایک مرتبہ پھر تمھاری آزمائش کی جائے گی۔ لیکن ایسی سخت نہین جیسی کہ آج ہوئی۔ واقعی میرا ارادہ بھی تمھین شہر کے اندر نکالنے کا نہ تھا۔ مگر وہ باغ کے راستہ مین پڑتا تھا۔ خیر اب تیار ہوجاؤ آئندہ ہفتے مین چند منتخب دوستون کو دعوت بلاؤن گا۔ اور تم کو بھی لوگون کے ساتھ میز پر موجود رہنا پڑے گا۔ مگر دیکھو ایسی بیہودہ شرم نہ کرنا جیسی آج تم نے کی"

معلوم نہین کہ زبیدہ اسے پورے طور پر سمجھی بھی کہ نہین لیکن وہ کچھ بولنا ضرور چاہتی تھی کہ محمود نے نہایت ظرافت محبت سے اُسکے ہونٹون کو پیار سے خاموش کردیا۔

"ناظر"

تنہائی

ماخوذ از نظم سروجنی نائیڈو صاحبہ

آج کیا جوبن پہ ہے فصل بہار ہے عجب دلکش درختون کا نکھار
ہے کہین بیلا چنبیلی کی قطار سرخ ہے مارے خوشی کے کچنار
نرگس و شمشاد و سوسن یاسمن
بلبل و قمری کہین ہین خندہ زن

قدرتی ہے فرش مخمل کا بچھا ہے عجب پرلطف سبزے کی فضا
کیاریان ہین کس غضب کی خوشنما بہہ رہا ہے جن مین پانی جابجا
نعرہ زن ہین قمریان حق سرہ
ناچتے ہین مور کیا کیا چار سو

دیکھتے ہین ہم یہ دریا کی بہار چاندنی کی شب یہ موجین آبدار
ہین ستارے آب پر گویا نثار دلربائی سے ہوا دل بے قرار
حسرتین بنکر اُٹھین موجین ادھر
یاس اور اُمید کا ہنگامہ ادھر

ہے یہ سب کچھ پر نہین اپنا کوئی آکے پہونچادے خبر مجھکو تری
ہے صبا کو کیا غرض اُسکی پڑی کیون کسی کی وہ کرے نامہ بری
کس طرح ہو میری آہون کا اثر
کیون ستارے دین مجھے اُسکی خبر

کچھ نہین معلوم مجھکو تیرا حال تو کہان ہے ہے یہ ہر لحظہ خیال
کب وہ آئے گی گھڑی دن نیک سال جب تجھے دیکھین گے ہم اے خوش جمال
اے وفا ہے وقتِ جانان غضب
دیکھیے بچھڑے ہوئے ملتے ہین کب

وفا از دکن

.جان صاحب کی ریختی سے بدرجہا زیادہ دلچسپ اور حسن تخئیل کا طرفہ تر نمونہ کہنا غیر موزون نہین ہے بہرحال
.ی ترانۂ شوق کے بعد سے جسقدر آپکا کلام مقبول عام ہوتا رہا ہے اسکے لحاظ سے جناب شوق کا نام نامی زمانے
ن کا لبدر المنیر تابان ہے مگر جنوری کے الناظر مین مولانا ابوالرشاد کا اسم گرامی دیکھتے ہی مجھ خیال ہوا کہ افق
بون مین ظلمت اوہام پھیل جانے کا خطرہ ہو اسلیے کہ اُردو کے سرمایۂ ادب مین جو آجکل دن دونی رات چوگنی ترقی
ہورہی ہے: سکے ساتھ ہی اسباب ناموافق کا ظہور پذیر ہونا ضرور ہے کہ ناگوار نتائج پیدا کرے اور اُردو شاعری کی
.روز افزون ترقی محدود بلکہ مسدود ہوکر رہجائے۔ خاص کر ملک کے مشاہیر اہل قلم اور شعرائے باکمال جو تازہ بتازہ
خیالات سے اُردو زبان پر احسان کرتے جاتے ہین انکی کوششون اور دماغ سوزیون کا اعتراف نہ کرنا ایسی
خطرناک غلطی اور ظلم ہے جس کی وجہ سے اس دور جدید مین ادبی خدمات کا تسلسل قائم نہین رہ سکتا۔ کسی مفید و
مناسب تنقید کی ضرورت سے انکار نہین مگر دیکھنا یہ ہے کہ کسی مسلم الثبوت شاعر اور مستند زبان دان کے کلام پر جو
جا و بیجا اعتراضات یا ناروا نکتہ چینی کی جاتی ہے وہ اعتراضات اس کلام کے مقابلے مین کچھ وزن بھی رکھتے
ہین یا محض بے بنیاد اور ہوا در ہوا ہین چنانچہ تنقید زیر بحث بھی ہمارے نزدیک ایسی ہی فضول اور مہمل ہے
اب اصل تنقید پر رفع غلط فہمی کے لیے ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہے کہ نظم زیر تنقید یعنی نیرنگ جمال
ایسی دلآویز نظم ہے جو لطف زبان جدت تشبیہات اور واقعہ نگاری کے لحاظ سے مستحق داد ہوسکتی ہے گو اخلاقی
حیثیت سے اسپر بحث کرنا فضول ہے اس لیے کہ معنوی طور پر اسمین کوئی نمایان خوبی نہین رکھی گئی ہے بلکہ
یہ کہنا موزون ہوگا کہ اس بدر کامل مین وہ داغ موجود ہے جس کو چرخا چلانے والی بڑھیا کے نام سے تعبیر
کیا جاتا ہے مگر بزمانۂ موجودہ اس طرح کی نظمون کو صحت و صفائی زبان کے علاوہ نازک خیالی کی صفت سے
معرا نہین کہہ سکتے۔ اگر صرف اخلاقی حیثیت سے یہ تنقید کی جاتی تو اسمین شاید زیادہ بحث کی گنجایش ہوتی
لیکن ستم تو یہ ہے کہ تنقید نگار صاحب نے کچھ اس طرح دل کا بخار نکالا ہے کہ نظم زیر تنقید اور دیگر کلام شوق کو بھی
ہر ایک حیثیت سے قابل اعتراض قرار دیا ہے۔ مثلاً یہ کہ نیرنگ جمال کا پہلا رُخ ادیب مین اور دوسرا رُخ
الناظر مین کیون شائع ہوا۔ اسکا جواب کیا دیا جائے ظاہر ہے کہ آفتاب کی کرنین اگر ایک ہی مرکز پر جمع ہوکر
گرین تو آگ لگا دین گی ع ذرہ ذرہ ساغر میخانۂ نیرنگ ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ پہلا رخ مثنوی کی طرز مین تھا اور دوسرا انگریزی نما مخمس
بنگیا جو قادر الکلامی کی شان کے خلاف ہے مگر تنقید نگار صاحب کے مذاق خاص کا خیال کیونکر ہوسکتا ہے

شہرت پر یہ کوئی نیا ستارہ ذو ذنب نمودار ہوا ہے جسکی رفتار شرربار کے اثر سے ممکن ہے کہ بعض ناظرین کے م

انگریزی کی مثل ہے کہ نیرنگی ہر شے مین دلچسپ ہے (Variety is pleasing)

سطور ذیل مین ان کل اعتراضات کی نمبروار تردید کی جاتی ہے جو ابوالارشاد صاحب نے بڑے شدومد سے قائم کیے ہین مگر ان مین سے ایک بھی ایسا نہین جو معیار صحت پر ٹھیک اُتر سکتا ہو۔

۱- کیون سکون ہے کیا کہون حسن کے اثر سے ہے + اسپر اعتراض یہ ہے کہ حُسن کے اثر کا نتیجہ سکون نہین ہو سکتا۔ سبحان اللہ حسن کا اثر ولولہ انگیز ضرور ہے مگر کبھی حیرت زدہ بنا دینا بھی حسن ہی کا کرشمہ ہے ایسی حالت مین حیرت کا تقاضا سکون نہو گا تو کیا ہو گا۔ حسن کا اثر حیرت اور اسکا نتیجہ سکون ظاہر ہے۔

۲- چوتھا شعر صحیح یہ ہے۔ کیون سکون ہے اسلیے تاکہ دل ٹھہرا ہے + میرے دل مین اسکا رخ چین سے جارہے۔ یہان دل کے واسطے خواہ مخواہ آئینہ دل کے الفاظ لانا ضروری نہین جیسا کہ آپ کا خیال ہے اور نہ خانۂ دل وغیرہ کی بھرتی سے کوئی لطف پیدا ہو سکتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے عاشق چاہتا ہے کہ صبر وسکون کے ساتھ معشوق کا رخ زیبا دل مین جا رہے۔ اس مضمون کو جس سادگی وصفائی سے جناب شوق نے ادا کر دیا ہے اور سکون دل کی تمنا کا جو نقشہ کھینچ دیا ہے لایق ہزار آفرین ہے۔

۳- شکل تھی پیامبر میرے دردعشق کی + تھی شہادت اسکے ساتھ رنگ زرد عشق کی + ترچھی چتونون سے وہ دیکھتی تھی بار بار + میرے رخ پہ کی نظر اس نے تین چار بار۔ پہلے شعر پر اعتراض کیا گیا ہے کہ دفعتہً رنگ زرد ہو جانا خلاف واقعہ ہے (شاید معترض نظرباز پہلے ہی سے بیمار ہونگے کہ ع زرد چہرہ تھا ارغوان کی طرح' اس اعتراض کی وقعت طرز کلام سے ظاہر ہے ورنہ چشم زدن مین رنگ رخ کا متغیر یا زرد ہو جانا شاعرانہ تخئیل کے خلاف کب ہے ناسخ کہہ گئے ہین سے ہو گیا زرد پڑی جس پہ حسینون کی نظر + یہ وہ گُل ہین کہ جو تاثیر خزان رکھتے ہین۔

۴- ہر نظر کے بعد کچھ رنگ رخ کا اوڑ گیا + کہتی ہو گی دل مین لو اور گل کھلا نیا۔ رنگ رخ کا فوری تغیر کوئی عجیب بات نہین نہ کسی ہیبت ناک منظر کے لیے مخصوص ہے بلکہ ایک عاشق تن نوجوان کے دل پر جب نگاہ ناز کی بجلی گرتی ہے تو یہی کیفیت ہو جاتی ہے کہ ایک رنگ آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ پھر گل کھلا نیا' محاورہ کسقدر پرلطف باندھا گیا ہے

۵- کون تھی کدھر گئی دل کو سے کے چل ہی دی + وار کر کے چل ہی دی داغ دے کے چل بھی دی۔ اس شعر مین بھی کی تکرار بھی وزن کو پورا کرنے کے لیے نہین بلکہ ادائے مطلب پر زور دینے کے لیے ہے چل دی کے بجائے چل بھی دی مین اور ہی لطف ہے داغ دینے سے مراد داغ فراق ہے جو کسی طرح غلط نہین کہا جا سکتا۔

۶- اسکے بے حجاب گال اور وہ بے عتاب رخ + بال بے بنائے جال دیدے بے شراب سرخ۔

بے عتاب کوئی لفظ نہین تو شاید حرف یا کلمہ ہوگا مگر گالون کی نیچرل سرخی کو جس حُسن و خوبی و خوبصورتی سے دکھایا ہی درحقیقت لاجواب حسن بیان ہے مصرعہ ثانی مین دیدے بمعنی آنکھین نہین ہین بلکہ آنکھون کی سفیدی کو دیدہ کہتے ہین اسیلیے سفیدی و سرخی کے نیرنگ نمایان خوبی سے دکھائے ہین اسکے ساتھ ہی آنکھون کی مستانہ کیفیت کو بس عنبیریہ مین بیان کیا ہے اسپر اعتراض کرنا انصاف کا خون کردینا ہے معترض صاحب فرماتے ہین کہ صرف گالون کا بیحجاب ہونا ٹھیک نہین رخ بیحجاب ہوسکتا ہے مگر آئندہ ایک موقع پر رخ کے واسطے بے نقاب لکھنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ غرض فقط اعتراض کرنا ہے تحقیق سے سروکار نہین۔

۷۔ آنے تھے ہوا سے بال اُڑکے اُسکے گال پر ✤ حسن ڈالتا تو اجالا بار بار لال پر ✤ لب پہ دانت تھے کبھی اور اُس کے لب تھے لال ✤ لال لب سفید دانت لال پر سفید خال۔ لب و دندان کی یہ نئی تشبیہ قابل داد ہے مگر معترض صاحب کی رائے مین یہ تشبیہ امانت لکھنوی کے مصرعۂ ذیل مین موجود ہے کہ ع بھٹے رہتے تھے آنکھین تری گُرگابی پر ؛ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اسکے بعد منیر شکوہ آبادی کے چند اشعار نقل کردیے ہین جنمین رعایات لفظی کے سوا مذکورہ بالا دونون شعرون سے کوئی مناسبت ہی نہین ہے۔

۸۔ دیدے اُن مین پتلیان پھرتی تھین ادھر ادھر ✤ شام ادھر سحر ادھر سحر ادھر شام اُدھر ✤ یہان بھی دیدہ بمعنی چشم نہین ہے بلکہ سحر و شام کا فرق امتیازی دکھایا ہے چنانچہ مصرعہ اولی مین مصرعۂ ثانی کا ثبوت کامل ہے جو جناب شوق کی دقت نظر پر دال ہے۔ گویا دونون وقت ملنے کا سین دکھایا ہے۔

۹۔ قد کبھی ادھر جھکا سر کبھی اودھر جھکا ✤ اس طرف شجر جھکا اس طرف ثمر جھکا۔ نخل قد کے لیے سر کو ثمر سے تشبیہ دینا غیر موزون نہین ہے جیسا کہ شعر مشہور ہے ع پھل لگا ہے آج نخل دار مین۔ مگر معترض کے نزدیک جو حصۂ جسم ثمر کہا جا سکتا ہے اسکے لیے ثمر کا لفظ واحد استعمال نہوگا۔

۱۰۔ ابروؤن کو تھی کبھی یون وہ بل دیے ہوئے ✤ جیسے ہو ہرن کی شاخ پیچ و خم لیے ہوے۔ سبحان اللہ کیا تشبیہ دلآویز ہے مگر معترض کو ناقص اور بھدی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ناسخ کا مطلع ہے۔

سوال وصل پر ہلنا یہ یون تیرے ابرو کا　　　　اشارہ ہے برات عاشقان بر شاخ آہو کا

۱۱۔ بائین سمت سیٹ پر اسکی مان ہو یا بہن ✤ رُخ ادہر کو پھیر کر ہوتی تھی وہ ہم سخن۔ ہم سخن ہونا۔ ہمکلام ہونے کے بجاے خلاف محاورہ ہو تو ہو مگر غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎ یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے وگرنہ خوف بدآموزی عدو کیا ہے۔ دوسرا اعتراض قافیے کے متعلق ہے مگر ہاے ہوز جو ردی قرار دیگئی ہے درحقیقت

ہندی کے حرف (یہ) مین شامل حال ہے اسکے علاوہ حرف ردی کا خفیف اختلاف کچھ ایسا نقص نہین۔ سید انشا اپنے مشہور قصیدے مین کہتے ہین جسکا مطلع ہے ع گھیان پھولون کی تیار کراے پوسے تمن۔ سه

نکہت آئے گی نکل کھول کلی کا کمرہ ۔ ساتھ ہوے گی نزاکت بھی جو ہے اُسکی بن

۱۲۔ دمبدم ہوا کے ساتھ بلٹین کھاتی تھین لیٹین + چھوٹی چھوٹی ناگنین سے رہی تھین کروٹین۔ اسپر اعتراض یہ ہے کہ لٹون کا بلٹین کھانا بے محل ہے اور خالی لٹ کہنا بھی صحیح نہین مگر شاید معترض نے یہان زلف کی لٹ کے بجاے دیاگے کی لٹ کے معنے سمجھے ہون ورنہ کوئی ذیفہم تو اس طرح کے بعید از قیاس معنی نہین پہنا سکتا۔

۱۳۔ کہہ رہا تھا رخ کہ ہے ابتدا شباب کی + بڑھ رہی تھی دمبدم دولت آب و تاب کی + اسکا دل امنگ کا لطف پا چلا ہے اب + حسن کے غرور کا لطف آچلا ہے اب + دیکھتی تھی آرسی ہاتھ اُٹھا کے بار بار + تیوریان چڑھاتی تھی مسکرا کے بار بار ۔ ان مسلسل اشعار کے آخری شعر پر اعتراض یہ ہے کہ دوشیزہ لڑکی کے ہاتھ مین آرسی کا ہونا خلاف رواج ہے مگر میر حسن مثنوی مین کہتے ہین سه انگوٹھے کی لے سامنے آرسی + وہ دیکھ اپنی صورت کو گلزار سی۔ بخیال معترض یہ ادائین چھچھورا پن ظاہر کرتی ہین اور کسی بن بیاہی لڑکی کا بیساختہ محو خود آرائی ہوجانا منشا رفطرت کے خلاف تصور کر لیا گیا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ حسیات نظری کا صنف نازک مین تیز اور قوی ہونا تمام دنیا مین امر مسلم ہے مہر و محبت خود بینی اور خود نمائی کے جذبات سے جلد تر متاثر ہو جانے والی عورت ہی ہو سکتی ہے نہ کہ مرد خاصکر کنواری لڑکیان جنکی عقل اور تجربہ پختگی کو نہ پہونچا ہو اُن مین ضرور ہے کہ طفلانہ مزاجی کی جھلک پائی جائے بقول شاعر ع شوخی چالاکی تقتضا سن کا۔

۱۴۔ ناک مین سفید نگ حسن اُسکا جلوہ گر + پڑ رہی تھی جس کی جوت اس کے بائین گال پر۔ اس شعر مین سفید نگ کے بجاے لونگ فرض کرکے اعتراضات کا طومار اُٹھا دیا ہے مگر معترض صاحب نے دوسرے مصرعہ کو اچھی طرح دیکھ لیا ہوتا تو سفید نگ کے لیے چونا مٹی کھریا وغیرہ تلاش کرنے کی زحمت نہ کرتے اس لیے کہ نگ کی تعریف مین لفظ جوت کی وضاحت موجود ہے مگر اس لفظ کو جا بجا شاید کاتب نے سہواً غلط لکھدیا ہے۔ یہ اعتراض کہ کیل یا لونگ کا استعمال نا کتخدا لڑکیون کے لیے خلاف رواج ہے کسی قدر قابل قبول ہے مگر رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ مرصع لونگ مین نیم کے تنکے سے زیادہ نادلٹی ضرور ہو سکتی ہے۔

۱۵۔ خوشنما کریلیان خوشنما کلائیان + بیلین یا کریلیان شاخین یا کلائیان۔ مصرعہ اولی کا لطف دوسرے مصرعہ نے دوبالا کر دیا ہے مگر معترض کی نظر مین یہ فقط بھرتی ہے۔

۱۶ - پھر وہ کھیلنے لگی اپنی اوڑھنی کے ساتھ + سر کو وہ جھکائے تھی اور لفرئی تھے ہاتھ - شاید معترض نے اسکو ع چہل سال عمر عزیزت گذشت کا مصداق سمجھ رکھا ہے مگر جوانی کا زمانہ عورتون کیا مردون کے لیے بھی کھیل تماشون سے خالی نہین ہوتا جیسے جرأت کہتے ہین سہ لگا یا روگ جوانی مین کیون میان جرأت + ابھی تو کھیل تماشے کے تھے تمھارے دن - مصرعہ ثانی مین سر کے بعد "کو" پر اعتراض ہے مگر سر جھکانا - شرم یا اطاعت ظاہر کرنے کے لیے کہا جائے گا اور سر کو جھکائے تھی فقط اوا بندی ہے -

۱۷ - شوق میرے رنگ کو دیکھتے تھے بار بار + دیکھتے ہی دیکھتے رنگ اوڑا ہزار بار - اس شعر مین نوجوان کی زبانی رنگ اوڑا ہزار بار جو کہا گیا ہے بیان اپنی حالت کے تغیر کا احساس نہین بلکہ شوق کے خیال کی ترجمانی ہے تخلص کا نباہ کچھ برا نہین معلوم ہوتا -

اس نظم کو اخلاقی حیثیت سے گرا ہوا ظاہر کرنا بجا و درست ہے اس لیے کہ جناب شوق نے تو ہیرو کو حرکات ناز یبا کا مرتکب نہین ٹھہرایا ہے مگر کلام شوق کے شارح یعنے معترض صاحب کی خوش مذاقی اور طرز بیان کی سنجیدگی داد طلب ہے - فرماتے ہین کہ "کسی جنٹلمین کا ریلوے اسٹیشن پر زنانہ گاڑی کے مسافرون کو گھورنا ... اسکے دامن اخلاق پر ایک بدنما دھبہ ضرور لگاتا ہے" یہ مبتذل اور بازاری الفاظ و خیالات شوق کے کلام مین کہان مل سکتے ہین -

اسی سلسلے مین نیرنگ جمال کا دوسرا رخ دیکھکر تو حضرت معترض کے اظہار خیالات کا مقیاس الحرارت کئی درجے تیز ہوگیا ہے مگر اس انگریزی نما محسن کی خوبیون کو ملیامیٹ کر دینے کے لیے جو ڈائنامیٹ تیار کیا گیا ہے اسکا اثر ایک پھلجھڑی سے زیادہ نہین ہے -

نیرنگ جمال کا دوسرا رخ بند اول سہ

۱۸ - مرا صبر کس نے لوٹا کہ ہے مجھکو بیقراری	مرا سر یہ کہہ رہا ہے کہ ہوا جنون مجھکو
مرا دل لپا اسی سے ہوے سرخ اشک جاری	کہ دکھا رہا ہے آنچل مرے دل کا خون مجھکو

مرا حسن کس نے دیکھا کہ نظر لگا گیا ہے

اعتراض ہے کہ یہ الفاظ کسی عفت مآب کی زبان سے نہین نکل سکتے بلکہ کسی کھائی کھیلی عورت کی گفتگو قلمبند کردی گئی ہے مگر اول تو یہ ہے کہ حضرت شوق نے کہین بھی ہیروئن کی عفت مآبی کا دعویٰ نہین کیا ہے نہ کسی شاعر یا فسانہ نگار کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ ہمیشہ عمدہ اور اعلیٰ کیرکٹر دکھاتا رہے - دوسرے یہ کہ حضرت شوق نے اپنے الفاظ مین

ایک فراق زدہ عورت" کے خیالات کا خاکہ کھینچا ہے جس کا مفہوم ذہنی حافظ کے مصرعہ ذیل سے ملتا جلتا ہے۔

ع چنان برد ند صبر از دل کہ ترکان خوان یغما را۔

کالیداس نے شکنتلا کے سوز ہجر اور درد فراق کو جس پیرایہ سخن مین ادا کیا ہے اسمین جذبات فطری سے سوا رواجی تصنع یا جھوٹی شرم وحیا کا شائبہ تک نہین ہے۔ ہان اگر آپ کو جذبات درد وسوز کے بجاے غصہ اور جھنجھلاہٹ کی مصنوعی کیفیات دیکھنا پسند ہون تو گلزار نسیم کی سیر کیجیے جہان بکاولی فرط بیقراری مین کہہ رہی ہے۔ سے

ہے ہے مرا پھول لیگیا کون + ہے ہے مجھے خار دیگیا کون + ہاتھون کو ملا کہا کہ ہیہات + خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا + وہ ہاتھ لگے کہین خدایا + عریان مجھے دیکھ کر گیا ہے + کھال اسکی جو کھینچیے سزا ہے

۱۹- نہ وہ کان اور نہ بندے نہ وہ بال اور گھونگھر — نہ شگفتگی وہ رخ کی نہ وہ رنگ اب گلابی
کوئی دیکھے چپ لبون کو تو وہ سمجھے لال پتھر — کوئی دیکھے سرخ آنکھین تو کہے مجھے شرابی

یہ شگوفہ کس نے چھوڑا کہ یہ گل کھلا گیا ہے

دل افسردہ کی حالت دکھائی ہے کہ زیب وزینت کا خیال جاتا رہا مطلب صاف ہے کہ اب ویسے کان اور ویسے گھونگھر کہان رہے مگر مصرعہ ہاے بالا سے یہ مطلب نکالنا کہ کان اوڑا دیے گئے یا سر مونڈ دیا گیا ایسی سخن فہمی ہے جس کی داد شاید منشی امیر احمد علوی کے ایسے مضمون نگار دے سکتے ہین۔ لعل لب کو لال پتھر کہنا بھی کوئی ایسی غلطی نہین ہے جو اہر کو اکثر پتھر بولتے بھی ہین۔

۲۰- مرے رخ سے یہ ہٹا کیون ہین حجاب ہی کو کوسون + جو نہ کھلتین میری آنکھین تو نہ لڑتین یہ کسی سے + مصرعہ اولی مین حجاب کے بجاے لفظ نقاب مناسب سمجھا گیا ہے مگر اوڑھنی کے آنچل کو نقاب کیونکر کہہ سکتے ہین اور بعض اعتراضات مکرر ہین۔

۲۱- وہ رخ اور اسکی آنکھین کسی گل پہ جیسے بھونرے — وہ سیاہ کوٹ تن پر وہ سر اور لال ٹوپی
نہ بجھے گی آگ اسکی کہ لگی تھی میرے جی سے — وہ بنے مرا کنھیا تو بنون مین اس کی گوپی

مجھے دے کے چاہ اپنی وہ سجن بنا گیا ہے

شعر اول ایک تصویر خیالی کا دلکش خاکہ ہے مگر معترض صاحب اسکو "ذندان تو جلہ در دہانند" کا مصداق سمجھتے ہین ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ شعر دوم کے مصرعہ ثانی پر بیجد غصہ ونفرت کا اظہار کیا گیا ہے مگر کسی مصرعہ مین صنم یا بت کے مرادف الفاظ لانا عیوب سخن مین داخل نہین بلکہ جس طرح مغربی زبانون مین عشق کا دیوتا اپالو

کہا جاتا ہے اسی طرح اُردو مین سرپکرشن کے سوا کس کا نام لیا جائے۔

اصل یہ ہے کہ نظم نیرنگ جمال کو معترض صاحب نے تمام و کمال خلاف شرع و شرافت ثابت کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا ہے اور اس فعل عبث مین رسالہ الناظر کے کئی صفحے سیاہ کیے ہین ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ اس نظم کو ایسا آتشگیر مادہ سمجھے ہوے ہین جس سے اسلامی شائستگی کے میگزین کو صدمہ پہونچنے کا احتمال ظاہر کیا جاتا ہے فرماتے ہین کہ "اگر سوء اتفاق سے یہ نظم کسی دوسری زبان مین ترجمے کے ذریعے سے پہونچی تو اسلامی کیرکٹر کا پھر برا اچھا اوڑے گا" مولانا ابوالرشاد کو یاد رکھنا چاہیے کہ الف لیلہ ایسی کتاب ہے جو کئی زبانون مین ترجمہ ہو چکی ہے مگر اسکے ہزارون قصے اور دلچسپ کہانیان کبھی بھی اسلامی صفات کا معیار نہین ہو سکتی ہین اسی طرح نیرنگ جمال بھی صرف ادبی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے لایق ہے یا زیادہ خوش عقیدگی منظور ہو تو اسکو شیکسپیر کے انداز کا ایک ڈراما سمجھ لیجیے جسمین عاشقانہ جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوے ہین لیکن فرض کیجیے کہ ایک آزاد خیال نوجوان اس ہواے حریت مین کسی لیلاے بے نقاب کو دیکھکر مجنون ہو گیا ہو تو اس ایک واقعہ سے اسلامی تہذیب کی کیا رسوائی ہوئی جاتی ہے یا فرض کیجیے کہ کسی دوشیزہ نے ایک خوش وضع جنٹلمین کو دیکھکر دل ہی دل مین کنہیا جی کا تصور جمانا شروع کیا تو یہ کیا بڑا اخلاقی گناہ یا کونسا ایسا خلاف تہذیب جرم قبیح کہا جائے گا۔ یہ سچ ہے کہ یہان اس مصرعہ سے ع "وہ بنے مرا کنھیا تو بنون مین اسکی گوپی" جذبۂ محبت کا وہ اعلےٰ مفہوم نہین پیدا ہوتا جسکو فوق الفطرت کہنا چاہیے اور اسمین شک نہین کہ کنھیا اور گوپیون کے روحانی تعلقات کی عمیق فلاسفی کو انسانی زندگی کی عام رہگذر مین پامال سمجھ لینا بےجا ہے لیکن ظاہری دنیا مین تو الجنس یمیل الی الجنس کا مشہور کلیہ ایسا ہے جسکو الفاظ بےمعنی یا خلاف واقعہ نہین کہہ سکتے۔ اسی لحاظ سے طرفین کا ایک دوسرے کو بطیب خاطر دیکھنا مقتضاے فطرت اور سچی بات ہے۔ یہان "کشش حسن اور جذبۂ محبت" کی صرف ایک معمولی اور عادی کیفیت دکھائی گئی ہے اسلیے کہ جب خود فطرت نے عورتون کو بھی چشم و گوش دیے ہین تو کیا وجہ تھی کہ نیرنگ جمال کی ہیروئن حق انتخاب سے محروم یا کور و کر بنا دی جاتی۔

انصاف سے دیکھیے تو حضرت شوق نے کیرکٹر نگاری کا حق ادا کر دیا ہے اور ہندوستانی معاشرت کی اس کمزوری کو نمایان طور پر دکھا دیا ہے کہ مردون کی ذرہ دیدہ نگاہون کا اثر نادان عورتون کے دلون پر کس قسم کا ہو سکتا ہے۔

"حق پسند"

راز خلوت

اس طرح ہین آج ہم خلوت نشین — سامنے بیٹھا ہے اک ناز آفرین

دلربا دلگیر دلبر دلستان — مہوش و مہ پارہ مہرو مہ جبین

آفتِ جان دشمنِ ایمان لقب — ناز پرور نازنین ناز آفرین

سنگدل۔ ظالم۔ ستمگر۔ تند خو — فتنۂ محشر جفا جو نکتہ چین

خوبرو خوش رو حسین و شمع رو — محفل آرائے حسینانِ زمین

ایک رشکِ حور ہے جلوہ فگن — گھر ہے اپنا رشکِ فردوس برین

ہے ہراک انداز اُس کا دلفریب — ہر ادائے ناز اُس کی دلنشین

کیون نہ حیران مثل آئینہ — چشم زاہد دیکھکر ایسا حسین

مار ڈالا پھر ہجوم شوق نے — جا کے جُھلایا مجھے اُس کے قرین

میری نظرین کیا کہون اُس کی طرف — اُس کی نظرین کیا کہون سوئے زمین

کیا کھلانا ناگنون کا سہل ہے — کس طرح چھوتا مین زلف عنبرین

چومتا کیونکر جبین صاف مین — دیکھکر ابرو کا بل چین جبین

ابروے جانان کا کھنچنا قہر تھا — اک ستم ڈھاتی تھی چشم سرمگین

بوسۂ مصحف بھی لینا تھا گناہ — دور ہم بیٹھے رہے زار و حزین

وہ لب جان بخش کیونکر چومتا — نیم جان حسرت سے تھا مین بالیقین

ہان کہان تک ضبط گریہ آخرش — ہان کہان تک ضبط آہ آتشین

ہاتھ سے جاتا رہا صبر و شکیب — اس طرح تڑپا دلِ اندوہ گین

کس نے کی عرض تمنا کس نے کی؟ — کس نے چپکے سے کہا منھ سے "نہین"؟

کس نے باسط مرغ بسمل کردیا؟ — کس نے دے دی عشق مین جان حزین؟

کس نے پوچھا ہنس کے کیا تم مرگئے؟ — کس نے مرتے دم کہا "صد آفرین"؟

باسط بسوانی

اطلاع منجانب سکرٹری شعبہ ترقی اُردو

(آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس)

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب الناظر

براہ کرم اس اطلاع کو اپنے رسالہ مین درج فرما کر ممنون فرمائیے:- آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسہ بابت ۱۹۱۲ء مین شعبہ اُردو کی خدمت راقم کے تفویض کی گئی ہے۔ یہ شعبہ جیسا کچھ اہم اور ضروری ہے وہ محتاج بیان نہین اور یہ بھی مخفی نہین کہ اگرچہ اس شعبہ کے متعلق کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہے۔ لیکن اب تک وہ سسکتی ہوئی حالت مین ہے اور اس سے جو توقع کی گئی تھی وہ ابھی تک پوری نہین ہوئی۔ مین اب اسے خاص اصول پر چلانا چاہتا ہون۔ چونکہ اُردو زبان کا قائم کرنا اور ترقی دینا تمام اہل ملک کا فرض ہے لہذا مجھے قوی امید ہے کہ پبلک میری دستگیری کرے گی مین اسکے اغراض و مقاصد عام طور پر کثرت سے شایع کرنے والا ہون اور جو کام زیر تجویز ہین اسکی اطلاع ارکان ترقی اُردو اور پبلک کی خدمت مین وقتاً فوقتاً کی جائے گی۔ لہذا اس بارہ مین ذیل کے پتہ سے خط و کتابت کی جائے۔ اور جو صاحب مجھے اسکے متعلق کوئی مشورہ دین گے مین اُنکا نہایت ممنون ہون گا۔

عبدالحق بی اے (علیگ)

صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد (دکن)

سکرٹری ترقی اُردو (آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس)

معزز معاصرین جو مقاصد انجمن سے ہمدردی رکھتے ہون براہ کرم اس اعلان کو اپنے معزز موقت الشیوع مین نقل کر دیتے

غزلیات

(در شان خواجہ غریب نوازؒ)

آج قسمت درِ خواجہ پہ مجھے لائی ہے — یہی وہ در ہے جہاں لطف جبین سائی ہے

تھا بہت دور مگر کھینچ بلایا مجھکو — جانتے تھے کہ یہ مدت کا تمنائی ہے

مین نے اجمیر مین جس وقت قدم رکھا ہے — تہنیت کے لیے جنت کی ہوا آئی ہے

مجھکو دیکھو قدم حضرت خواجہؒ دیکھو — آج تو ذرہ و خورشید مین یکجائی ہے

خاک بوسی کو جھکا ہون تو دھڑکتے دل سے — مرے خواجہؒ مرے خواجہؒ کی صدا آئی ہے

شاہ آصف کی بدولت ہوئی دولت یہ نصیب — جنکے قدمون سے لگی خلق خدا آئی ہے

مرحبا در دولت دارین ثنا سنے والے — کس نے اس در سے مراد اپنی نہین پائی ہے

مثل پروانہ ہے اس شمع پہ ہجوم عشاق — رہ کے خلوت مین عجب انجمن آرائی ہے

بادشاہون کا کہین دربار نہ دیکھا ایسا — حق نے کیا شان عطا آپ کو فرمائی ہے

جرعہ نوشان عقیدت کو مزے آئے ہین — جس طرف دیکھیے رحمت کی گھٹا چھائی ہے

گنبدِ پاک ہے یہ ہے یا کوئی خورشید جمال — جلوہ افروز بصد عشوہ و رعنائی ہے

جی مین آتا ہے یہین چھوڑ کے جاؤن دلکو — ایسی اس در کی فضا دل کو مرے بھائی ہے

محو کردیتی ہے انسان کو تجلی اس کی — خود تماشا ہے جو روضے کا تماشائی ہے

نذر کے واسطے کچھ اور مرے پاس نہین — صرف اک درد کا مارا دلِ شیدائی ہے

چاہتا ہون دلِ مردہ مرا زندہ ہوجائے — آپ ہی سے مجھے امید مسیحائی ہے

نابلد کوچہ عرفان سے ہون لیکن پھر بھی — ناز اسپر ہے کہ حضرت کا شناسائی ہے

کچھ کہے کوئی مگر مین تو کہون گا یہ جلیل
جس کو خواجہ کا نہ سودا ہو وہ سودائی ہے

حافظ جلیل حسن جلیل

نہ ہوتا وہ نگہ کے سامنے تو ہائے کیا کرتا — کہ گھنٹون دیکھتا ہون اسکو لیکن جی نہین بھرتا

خدا نے خیر کی ہنستا رہا مین بزم دشمن مین — بڑے طوفان اٹھتے ایک آنسو بھی اگر گرتا

مزاج تند اسکا غیر بدخو ہے خدا اچھا ہے — مبارکباد دیتا مین وہ تنہا گر کہین ملتا

بہائے دل نگہ ٹھہرے تو سمجھے مفت ہاتھ آیا — خوشامد پر نہ ملتا آج یون جو مل گیا سستا

مٹا دوں شیخ کا بھی شکوۂ دیرینہ ہوا آن   صنم خانہ مین ٹھہرون گا حرم سے لوٹتا پھرتا

تری تصویر نے پہلا سے رکھائے وفا دشمن
ہجوم یاس مین کس کس طرح تسبل کا دم گھٹتا

امین الحسن تسبل رضوی

بے سوز جگر جوش فغان ہو نہین سکتا   جب تک نہ جلے آگ دھوان ہو نہین سکتا

کچھ درد بھرے دل سے بیان ہو نہین سکتا   ایسا کوئی بے تاب و توان ہو نہین سکتا

چٹکی کبھی لے لی کوئی گالی کبھی دے دی   اس خو کو وہ چھوڑین یہ گمان ہو نہین سکتا

رُکتا نہین روکے سے کبھی عہد جوانی   ٹھہری رہے یہ عمر روان ہو نہین سکتا

بتخانہ مین مسجد مین کلیسا مین حرم مین   ملنا ترا اے یار کہان ہو نہین سکتا

ڈالا ہے تحیر مین مجھے عشق نے ایسا   وہ درد کو پوچھین تو بیان ہو نہین سکتا

معشوق کی رسوائیون کا پاس رہے گا   آنسو کبھی آنکھون سے روان ہو نہین سکتا

کچھ دل ہی مرا جانتا ہے اُس کی ادائین   وہ شوخیان ہین جن کا بیان ہو نہین سکتا

اخگر دل بیتاب مین اک آگ لگی ہے
کم ہو یہ مرا سوز نہان ہو نہین سکتا

شمشیر بہادر اخگر

بتون سے ہو کے بھی پارسا نہین ملتا   ادا سے اُلٹی شکایت خدا نہین ملتا

ہر ایک کو یہ گلا ہے خدا نہین ملتا   ملے تو کیا ملے اپنا پتا نہین ملتا

کہا جو مین نے دل مبتلا نہین ملتا   تو بولے ناز سے پھر مجھکو کیا نہین ملتا

سوال وصل ہو یا آرزوئے قتل مگر   وہان جواب نہین کے سوا نہین ملتا

حسین ہونے کو دنیا مین ہون ہزارون   پر آپ سا کوئی شوخ مصطفا نہین ملتا

عزیز ڈال گئے قبر کے اندھیرے مین   وہ شب ہے جسکی سحر کا پتا نہین ملتا

ہزارون دیدۂ دل فرش راہ رہتے ہین   بجا ہے یار کا گر نقش پا نہین ملتا

جنھین نصیب تھی پھولونکی سیج سونیکو   جو بخت سوئے تو اب بوریا نہین ملتا

ہمین تو غصہ ہی اچھا تھا ان تغافل سے   کہ کوسنون کا بھی اب تو مزا نہین ملتا

مٹی نہ وصل مین بھی ہجر نے بشکل تنہائی   جو وہ ملے تو اب اپنا پتا نہین ملتا

مین آرزو تری اسکو سپرد کر دیتا   مگر ستم تو یہ ہے دل ترا نہین ملتا

یہ جلد جلد بدلتی ہے اُنکی شوخ نگاہ   کہ مرنے جینے کا پل بھر مزا نہین ملتا

غضب کی چال ہے ثروت کہ ایک صورت سے
کسی سے وہ بت کافر ادا نہین ملتا

ثروت اٹھوی

مر مٹا ہون لذت آزار پر   کیجیے تو رکھدون گلا تلوار پر

گھونک دیکھا جو گلشن مین انھین   خوب بگڑے نرگس بیمار پر

دل گیا پہلو سے سینے سے جگر   آبنی ہے اب تو جان زار پر

کیجیے تو کس کو ملایا خاک مین   خون کس عاشق کا ہے تلوار پر

قتل کرتی ہے کسی کی کم سنی   چُلبلا پن بارڑھ ہے تلوار پر

کاش ہو جاتی اُنھین اسکی خبر   جو گذرتی ہے دل بیمار پر

مجھ سے لکھواتے ہین خط غیرونکے نام   چاہ ٹھہری ہے اسی بیگار پر

ہے دہان زخم سے برپا صدا   وار لگتا جائے قاتل وار پر

ہوگیا صادق کا افسون کارگر
راضی ہین وہ بوسۂ رخسار پر

عبدالغنی صادق

نظرے خوش گزرے

اوائل جنوری مین شفیق مولوی عبدالحق بی اے سکرٹری انجمن ترقی اُردو کی معیت مین بھوپال جانے کی نوبت آئی اور وہان پہونچکر علیا حضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ دام اقبالہا کے آستانۂ کرم پر نذر عقیدت و نیاز پیش کرنے کی عزت حاصل ہوئی - علیا حضرت کی ذات بابرکات اگرچہ مختلف حیثیتون سے ملک و قوم کے لیے موجب صد فخر و ناز ہے لیکن طبقۂ نسوان کی تاجدار ہیر مین جس قدر خوبیان مجتمع ہوگئی ہین اُنمین سب سے زیادہ جس چیز نے ہمارے دلون پر اثر کیا وہ حضور والا کی انتہا درجہ کی سادگی ہے اور جسکی جھلک کشور آرائے بھوپال کی زندگی کے تمام کامون مین نہایت واضح طور پر نظر آتی ہے - مثلاً جب ہم قصر معلےٰ کے اُس کمرے مین داخل ہوے جسمین بیٹھکر ہمین حضور عالیہ کے سمع مبارک تک اپنی عرضداشتین پہونچانا تھین تو ہم نے دیکھا کہ یہ کمرہ صرف مشرقی تصنعات آرایش ہی سے معرا نہین بلکہ مغربی طرز کی زیبایش بھی وہان اُسی حد تک ہے جو ایسی معزز و محترم خاتون کے آستانہ بوسون کے لیے لازمی و ضروری ہے - لیکن جس چیز نے سب سے زیادہ ہمین اپنی طرف متوجہ کیا وہ چٹائی کا فرش تھا جو اس کمرہ مین اور غالباً محل مبارک کے دوسرے قطعات مین بچھا ہوا ہے اور جس کا ہر ہر تنکا ہر ہائنس کی اسلامی سادگی کے راگ گا رہا تھا -

ہماری غایت حاضری صرف اسقدر تھی کہ انجمن ترقی اُردو کے اغراض و مقاصد کو حضور عالیہ کے سامنے پیش کرکے درخواست کرین کہ علیا حضرت کا فیض کرم اس بے برگ و بار شجر کی شادابی و سرسبزی کا کفیل ہوجائے اور ہمین یہ معلوم کرکے بیحد مسرت ہوئی کہ حضور والا کی روشنضمیری نے ترقی اُردو کے کام کی اہمیت کا اس حد تک اندازہ کرلیا ہے کہ خود ریاست بھوپال مین اس غرض کے حصول کے لیے سرکار عالیہ ایک محکمۂ تصنیف و تالیف قائم کرنے کا خیال رکھتی ہین - بلاشبہ بعض دوسری ریاستون کی طرح ریاست بھوپال ہمیشہ سے اپنی علم دوستی اور اہل کمال کی قدردانی کے لیے بجا طور پر شہرت رکھتی ہے لیکن اس قسم کا علمی شعبہ قائم کرنا علیا حضرت کے اعلیٰ مذاق اور وسعت نظر کی بہترین دلیل ہوگی -

مسلم یونیورسٹی کے منتظمین کے لیے یہ امر جس قدر ہمت افزائی کا باعث ہوا تھا کہ ہندوستان بھر مین سب سے پہلے جس برگزیدہ ہستی نے ہر ہائنس آغا خان کے صلاے عام کو لبیک کہا وہ اسی قابل فخر خاتون کی ذات تھی اُسی طرح انجمن ترقی اُردو کے کارکنون کے لیے یہ نہایت خوش قسمتی کی بات ہے کہ اُنکے مربیون اور سرپرستون کی فہرست کا طراز عنوان علیا حضرت ہی کا نام نامی ہوگا -

یہ واقعہ بجاے خود انجمن ترقی اُردو کے حق مین ایک شاندار مستقبل کی پیشین گوئی کرتا ہے لیکن ابھی بعض واقعات اور قابل بیان ہین جو انجمن کے دور جدید مین یقیناً اُسکے کارپردازون کی مزید تقویت کا باعث ہونگے - جلد ہی خواہان اُردو کے لیے یہ خبر نہایت مسرت بخش ہوگی کہ نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی نے جن کی اعلیٰ درجہ کی اور مختلف النوع علمی و ادبی قابلیتون کا سکہ سارے اہل ملک کے دلون پر بیٹھا ہوا ہے انجمن ترقی اُردو کا پریسیڈنٹ ہونا قبول فرمایا ہے - اور اُنکے زیر صدارت پہلا جلسہ جو حیدرآباد مین منعقد ہوا اُسمین دکن کے ایک معتقد رئیس نواب شمشیر جنگ بہادر نے مبلغ پانچسو روپیہ

عطا فرمانے کا وعدہ کیا اور بعض دیگر ہمدردان اردو نے بھی چندے دیے۔

خاص حیدرآباد مین انجمن کی ایک شاخ بھی قائم ہوگئی ہے جسکے سکرٹری ہمارے مکرم دوست اور ہم وطن پروفیسر مولانا سید علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوی مقرر ہوے ہین جنکی انشا پردازی اور شاعری کسی تعارف کی محتاج نہین ہے۔ انجمن کے عملی کام کے متعلق ہم اس وقت کچھ کہنا نہین چاہتے صرف ناظرین کو اُس اعلان کی طرف توجہ دلائین گے جو سکرٹری صاحب کی طرف سے اسی رسالہ کے صفحہ ۱۰۰ پر درج ہے۔

فرمانرواے بھوپال کے جہان ملک و قوم پر اور بہت سے احسانات ہین وہان اُنکی یہ تجویز بھی نہایت قابل تحسین و ستایش ہے کہ دہلی مین طبقۂ نسوان کی تعلیم کے لیے ایک مرکزی کالج قائم کیا جائے۔ اسکے متعلق مئی ۱۹۱۲ء کے الناظر مین خود علیا حضرت کی تحریر پر تنویر شایع ہو چکی ہے اور سرکار عالیہ نے اپنی مفصل سکیم ہمین اس غرض سے مرحمت فرمائی ہے کہ ہم اس بارے مین اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کرین چنانچہ غالباً آیندہ نمبر مین ہم اُسپر تفصیل روشنی ڈال سکین گے۔ لیکن یہان اُن بزرگان قوم سے جو ہماری قومی کشتی کی ناخدائی کے اہم فرائض بجالاتے ہین اسقدر عرض کرنا نامناسب نہوگا کہ طبقۂ نسوان کی بہبودی اور اُنکی تعلیمی ترقی کے بارے مین ہرہائنس نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ کی مخلصانہ جانفشانیون اور دردمندانہ کوششون کی طرف سے جو لاپروائی اور بے توجہی اُنکے طرز عمل سے ظاہر ہورہی ہے وہ کسی طرح اُنکے شایان شان نہین ہے اور اُنھین جلد سے جلد اس تغافل و ناسپاسی کی تلافی کرنا چاہیے۔

علیا حضرت کی تجویز کا مرحلہ ابتدائی یہ ہے کہ زنانہ کالج کے قیام و بقا کے لیے سولہ لاکھ روپیہ کا سرمایہ جمع کیا جائے اور چونکہ ہرہائنس کی حصول چندہ کی کوششین طبقۂ اعلےٰ سے متعلق ہین اس وجہ سے یہ قلیل رقم جلد فراہم ہو جانا چاہیے۔ ابھی تک اعلان شدہ چندون کی مجموعی تعداد صرف ایک ربع ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ طبقۂ اعلےٰ مین فرقۂ اُناث کی ضروریات تعلیمی کا احساس کس درجہ کم ہے۔ یون تو ہم تمام حصص ہند کے والیان ریاست اور روساے عظام سے امید کرتے ہین کہ وہ اس مہتم بالشان تجویز کو عملی صورت مین لانے کے لیے اس سرمایہ کی فراہمی مین بقدر مشترک حصہ لین گے لیکن ہمارا روے سخن خاص طور پر اپنے صوبہ کے دونون خود مختار رئیسون یعنے حضور نواب صاحب بہادر رامپور و مہاراجہ صاحب بہادر بنارس و دیگر امراے عالی مقام کی طرف ہے خصوصاً محسن قوم جناب راجہ صاحب محمود آباد و راجہ صاحب جہانگیرآباد کے لیے تو نہایت ہی ضروری ہے کہ طبقۂ نسوان کی تعلیمی ترقی کے لیے وہ اپنی مشہور عام فیاضی سے کام لیکر اس تحریک مین پوری پوری شرکت کرین اور اودھ کے سب سے بڑے تعلقدار جناب مہاراجہ صاحب بلرام پور کو جنکا تعلقہ ایک بڑی خود مختار ریاست کے ہر طرح ہم پلہ ہے ملک معظم اور شہنشاہ بیگم کے ورود مسعود کی اس مبارک ترین یادگار کو قائم کرنے مین ضرور حصہ لینا چاہیے۔ کیونکہ اودھ مین انھین مقتدر اور زمانہ شناس رئیسون کی ذات بابرکات سے اس قسم کی مفید تحریکات کو پوری امداد ملنے کی امید کیجا سکتی ہے۔

ہمارے عزیز مکرم مرحوم منشی نادر علی خان نادر کے متعلق ہمارے پاس کئی قطعات تاریخ جمع ہو گئے ہین جو نہایت شکریہ کے ساتھ درج ذیل کیے جاتے ہین۔

ماتم نادر

نادر کاکوروی خلد آشیان — چلدیا تو چھوڑ کر سب کو کہان
کون ایسا روگ تجھکو لگ گیا — کیا فلک ٹوٹا یہ تجھپر ناگہان
لٹ گئی ہائے جوانی کی بہار — وقت سے پہلے ہی آ پہونچی خزان
نقش تھا دلپر بھی رنج [illegible] — داغ تو بھی دے گیا اے نوجوان
پیس ڈالا چرخ کج رفتار نے — کھا گئے تجھکو زمین و آسمان
تیرے غم نے حشر برپا کردیا — محشرستان ہو گیا ہندوستان
مرثیہ پڑھتے ہین سب اہل سخن — نوحہ خوان ہین شاعران خوش بیان

شاعری مین جان تیرے دم سے تھی — نظم کے قالب کا تھا روح روان
رو رہی ہے تجھکو دنیائے ادب — آہ اے راز ادب کے نکتہ دان
تیرا ہر اک شعر تھا سحر حلال — خلق کہتی تھی تجھے جادو بیان
آہ وہ تیرے خیالات لطیف — آہ وہ جذبات وہ لطف بیان
مالک تھا حسن تخیل پر نثار — تیرے نظمون کی تھی یک یک قدردان
چاشنی اردو کی تھی ہر نظم مین — لوگ کہتے تھے تجھے شیرین زبان
تیری ہر اک نظم تھی مقبول عام — کچھ عجب دلچسپ تھا طرز بیان

لکھ دو اختر مصرعہ سال وفات — شاعر بے مثل و دمساز جہان

موسیٰ حسین اختر (جلال آبادی)

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیات منشی نادر علیخان صاحب نادر کاکوروی

محفل شعر و سخن مین آج ہے ماتم بپا — کر گئے دنیا سے رحلت نادر کاکوروی
داغ پہلے ہی سے تھا دل پر امیر و داغ کا — دے گئے اب داغ فرقت نادر کاکوروی
روگ کچھ اس طرح کا افسوس تم کو لگ گیا — پھر ہوئی آخر نہ صحت نادر کاکوروی
تم تھے مشہور زمانہ تم تھے یکتائے جہان — تھی تمھاری عام شہرت نادر کاکوروی
بول بالا تھا تمھارا حلقۂ شعرا مین آج — تم کو تھی سب پر فضیلت نادر کاکوروی
آپ تھے معجز بیان اور آپ تھے شیرین مقال — آپ تھے جان فصاحت نادر کاکوروی
کیا نہ آؤ گے ہماری بزم مین اب پھر کبھی — پھر دکھاؤ گے نہ صورت نادر کاکوروی
تم گئے فردوس کو ہم آپ سے جاتے رہے — ہو چکے ہین ہوش رخصت نادر کاکوروی
ہم تو روتے ہین تمھاری قبر پر بیٹھے ہوئے — تم پڑے ہو زیر تربت نادر کاکوروی
چل بسے احباب کو غم مین تڑپتا چھوڑ کر — وائے حسرت وائے حسرت نادر کاکوروی
مصرعہ تاریخ رحلت اے اثر کردو رقم — اب سدھارے سوئے جنت نادر کاکوروی

اثر [illegible]

تصحیح: النظر ماہ جنوری نظم داستان غم شعر ۲ یہ غلط وہ صحیح۔ شعر ۷ کو غلط کے صحیح۔ شعر ۱۵ ۱۳ کر غلط کے صحیح۔ نظم بے وفائی اور وفاداری۔ شعر ۴ پھول کے غلط پھول کی صحیح۔ شعر ۹ کہ ساز غلط اک ساز صحیح۔ شعر ۱۳ اک غلط ایک صحیح۔ شعر ۱۴ تھے ستائے غلط ستائے ہوئے صحیح۔

تاریخ موت نادر

۱۲ ۱۹ ع

عبرت سے کل یہ مین نے پوچھا کہ بات کیا ہے — بیٹھے ہین سر جھکائے ہر سو تمام شاعر
غمگین ہو کے بولی اے رعد کیا بتاؤن — رو رو کے لکھ رہے ہین تاریخ موت نادر
۱۲ ۱۹ ع

محمد صدیق خان رعد (جونپوری)

قرآن السعد مین نینے کتاب تذکیرو تانیث کے مولف جناب راجہ راجیشور راؤ صاحب اصغر حیدر آبادی ہین۔ تذکیرو تانیث کی شناخت وقرائن اور اختلاف استعمال کو مولف نے نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اپنے طرز مین یہ کتاب حد درجہ مفید و دلکش ہے مذکر و مونث غیر حقیقی۔ افعال ناقصہ کی تذکیرو تانیث کے فرق مابہ الامتیاز اور اسکی برجستہ مثالین ساتذہ کے اشعار سے دی ہین۔ عربی تذکیرو تانیث کے اوزان بھی لکھدیے ہین تاکہ اُردو دان اصحاب انکی حقیقت اور معانی کو سمجھ سکین اسماے افعال۔ اسماے مفعول۔ اسماے ظرف۔ اسماے مزید فیہ۔ اسماے مبالغہ اور جمع وغیرہ کی ضروری اور مختلف مثالین قلمبند کردی ہین۔ آخر مین ایک مجموعہ الفاظ مشترک (اُردو فارسی عربی) کا مندرج ہے۔ الغرض یہ مفید رسالہ عجیب معلومات کا آئینہ ہے۔ لیکن ابھی مؤلف نے اس سلسلہ کو ختم نہین کیا ہے۔ باقی حصہ جس مین انگریزی سنسکرت بھاکا وغیرہ زبانون کی تذکیرو تانیث کا فلسفہ اور قواعد درج ہونگے آیندہ اڈیشن کے لیے رکھا ہے بشرط قدردانی پبلک اسکو مکمل کیا جائے گا۔ علم دوست اصحاب کو فاضل مولف کی محنت اور دماغ سوزی کی قدردانی کرکے حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔ قیمت صرف ۸؍ ہے۔

ہم نے دسمبر کی اشاعت مین ذکر کیا تھا کہ ہندوستان سے جو طبی مشن بسر کردگی جناب ڈاکٹر مختار احمد انصاری قسطنطنیہ جارہا ہے اوسمین ہمارے عزیز بھائی شیخ منظور علی مخدومی بھی شریک ہین۔ عدن سے برادر موصوف نے بخیر وخوبی وہان پہنچنے کی اطلاع بھیجی تھی اور ہفتہ گزشتہ مین انکا طویل خط مورخہ ۹ دسمبر سنہ ۱۹۱۲ع ہمین ملا چونکہ ہماری خواہش کے مطابق یہ خط ڈائری کی صورت مین تھا اس وجہ سے ہم نے اپنے معزز دوست مولوی وحید الدین صاحب سلیم کے حوالہ کردیا ہے کہ وہ اپنے اخبار مسلم گزٹ مین اُسکو شائع کردین۔ اس حیثیت سے کہ یہ ڈائری نہایت دلچسپ ہوگی ناظرین الناظر کی اُس سے ضیافت نکرنا ایک ناقابل معافی گناہ ہوتا لیکن چونکہ یہ ڈائری آیندہ چل کر سیاسی تذکرون سے پر ہوگی اور اُس وقت اُسکی اشاعت جاری رکھنے سے زیادہ بددلی اور تلخی پیدا ہوگی اس لیے ہم نے شروع ہی سے مناسب سمجھا ہے کہ ڈائری کا یہ سلسلہ ہمارے معزز مقامی ہمعصر کے کالمون کے ذریعہ ملک مین پھیلے۔



تصانیف مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی

جنید بغدادی حضرت جنید کے حالات ۔عہ

ابوبکر شبلی حضرت شیخ شبلی کے حالات

تاریخ سندھ۔ سندھ کی مکمل تاریخ ہر دو جلد قیمت جلد اول عہ جلد دوم

حروب صلیبیہ۔ مصنفہ مسٹر کاکس کا ترجمہ دو نوٹس .... عہ

تاریخ بغداد۔ مرکز خلافت عباسیہ ۶ر

ملکہ زنوبیہ۔ ایک عربی نژاد ملکہ ۳ر

الحکم الرفاعیہ۔ مصنفہ شیخ احمد رفاعی کا ترجمہ ۳ر

آغائی صاحب۔ رئیس لکھنو مرحوم کے حالات .... عہ

سکینہ بنت حسین جناب سکینہ کے حالات

زوال بغداد۔ سب سے زیادہ عجیب اور تاریخی ناول

غیب دان دولہن۔ پاکدامن اور عفیفہ اور قابل بی بی کی برکتیں اور اسکی حیرت انگیز غیب دانی۔

ماہ ملک۔ مولانا کا نیا اور اچھوتا ناول۔

یوسف و نجمہ کامل۔ جگ بیتی نہیں آپ بیتی۔ قیمت ....

شوقین ملکہ۔ پہلی اور دوسری صلیبی لڑائیاں قیمت ....

فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ

مقدس نازنین۔ ایک لڑکی کا پوپ بنجانا

ملک العزیز ورجنا۔ تیسری صلیبی لڑائی

ایام عرب۔ جاہلیت عرب کے حالات ہر دو حصہ

فردوس بریں۔ جیتے جی جنت کی سیر۔ ...

حسن انجلینا۔ روم و روس کی لڑائی۔

منصور موہنا۔ ایک عربی خاندان سندھ میں

شہید وفا۔ اسپین میں مسلمانوں کی پامالی۔

درگیش نندنی۔ ایک بنگالی ناول اردو میں

دلچسپ۔ مصنف کا پہلا ناول دو حصہ ہر دو حصہ ۱۴ر

دلکش۔ بطالعلی اور عشق دو حصہ۔ ہر دو حصہ

میوۂ تلخ۔ رضامندی اور نارضامندی کی شادیاں

بدر النسا کی مصیبت۔ سفر میں جوروؤں کا بدل جانا ۶ر

معاشرت۔ ایک اعلیٰ درجہ کی اخلاقی کتاب انگریزی کی گلستان سرجان لبک کی پلیزر آف لائف کا ترجمہ

آتالیق بی بی۔ میاں کے افعال پر بی بی کی مزہ دار نکتہ چینیاں ۱۲ر

رفع النقاب۔ مردہ پردے کے خلاف ایک مدلل رسالہ ۴ر

افسانۂ قیس۔ مجنون عامری کی لائف جو سرنو مکمل کی گئی ہے۔ قیمت فی جلد ۳ر

قیس و لبنیٰ۔ مشہور عاشق عرب قیس بن ذرح عذری اور اسکی معشوقہ لبنیٰ کے حالات کو ایک نہایت اور دلچسپ ناول کا لباس پہنایا گیا ہے۔

حسن بن صباح بانی فرقۂ باطنیہ کے حالات زندگی اسکی تعلیمیں اسکا علم و فضل اور اسکے سرکیف فدائی قیمت ۶ر

عصر قدیم۔ ایک نہایت مکمل اور سلجھی ہوئی تاریخ جسمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پیشتر کی تمام قوموں اسرائیلیوں مصریوں۔ اسیریا و بابل والوں۔ ایرانیوں۔ یونانیوں۔ مقدونیہ والوں رومیوں ساسانیوں بطلیموسیوں وغیرہ کے اجمالی حالات میں۔ قیمت ....

آغا صادق کی شادی۔ لکھنو کے اگلے دور شاہی کی ایک بامذاق تصویر۔ کس کی دولہن کس کے ساتھ ....

فلورا فلورنڈا۔ اندلس کا اسلامی دور مسلمانوں کی برداشت اور مسیحیوں کا احمقانہ تعصب نہایت دلچسپ اور پر اثر تاریخی ناول ....

خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت قطب الہند خواجہ اجمیری کے مسلسل تاریخی حالات اور آپ کے کمالات ۶ر

فلپانا۔ مولانا شرر کا بہت ہی پر اثر تاریخی ناول ارض طرابلس الغرب پر صحابۂ کرام کا حملہ حضرت عثمان غنی کا دور صحابہ کی پاکبازی و بے نفسی شہزادی فلپانا اور عبداللہ بن زبیر ....

لیکن یہ سُن کر انکی امیدون پر ایک بجلی گر پڑی کہ شاہ فرانس نے یورپ واپس جانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ تاہم فلپ نے

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ۸۸) اور اُنپر سے چڑھ چڑھ کر عیسائیون سے لڑنا شروع کیا اور روغن نفط کی ہانڈیان برسانے پر بھی ان مین آگ نہ لگی تو عکہ والے بہت گھبرائے اور مسلمانان عکہ کا سردار قراقوس مایوس ہو چلا تھا کہ ایک دمشقی شخص نے آکر کہا کہ آپ منجنیق والون کو حکم دیجیے کہ جو کچھ مین دون وہ ان برجون پر برسائین۔ یہ شخص ایک اعلیٰ درجہ کا (Chemist) دوا ساز تھا۔ قراقوس یا کراہ راضی ہوا منجنیق والون کو اسکی ہدایت کے موافق عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس شخص نے پہلے ایک روغن دیا کہ ہانڈیون مین بھر بھر کر برسایا جائے۔ اس سے بظاہر کوئی اثر نمایان نہین ہوتا تھا۔ فرنگی یہ دیکھکر مسخرہ پن کر رہے تھے۔ غرض کہ وہ اسی غفلت مین رہے اور سارا برج اس روغن سے تر ہوگیا۔ اسکے بعد اس شخص نے شور انگن روغن نفط کی ہانڈیان برسانا شروع کین اور یکایک سارا برج مشتعل ہوگیا اور جتنے اندر تھے مع برج کے جل کر خاکستر ہوگئے۔ اسکے بعد یہی عمل دوسرے برجون پر کیا گیا لیکن ہانڈیون کے برسنے کا سلسلہ جاری ہوتے ہی سب لوگ نکل کر علیحدہ ہوگئے اور جانون کے نقصان سے بچ گئے۔

۲۰ رجمادی الاول کو صلاح الدین کے لشکر سے پھر ایک سخت لڑائی ہوئی۔ اس مین فرنگیون نے مصری فوج پر حملہ کیا تھا۔ ابتداءً مصری بھاگے لیکن فرنگی انکے خیمے لوٹنے مین مصروف ہوئے مصری و موصلی لشکر آناً فاناً آپڑے اور گھیر کر مار ڈالا۔ اس لڑائی مین بھی تقریباً دس ہزار فرنگی مارے گئے جس نے عیسائیون کو پریشان کر دیا لیکن تیسرے ہی دن بادشاہان یورپ آپہونچے جس سے اُنکا حوصلہ بڑھ گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا رنگ بھی بدلنے لگا۔

۲۷ رجمادی الثانی کو صلاح الدین نے اپنا خیمہ ہٹوا کر پھر خروبہ مین قائم کرایا تاکہ میدان وسیع ہو جائے۔ یورپ والون نے چاہا کہ عکہ کے گرداگرد بڑی بڑی منجنیقین قائم کر دی جائین لیکن محصورین اپنی مستعدی سے کسی طرح کام نہین کرنے دیتے تھے۔ مجبور ہو کے عیسائیون نے ایک نئی تدبیر نکالی وہ یہ کہ شہر پناہ سے کچھ فاصلہ پر مٹی کا ایک طویل تودہ قائم کیا اور مٹی ڈال ڈال کر اُسے دیوار کی طرف بڑھانا شروع کیا اور دیوار کے قریب لاکر اُسکی آڑ مین منجنیقین قائم کین۔ ادہر یہ وبا پڑا اودہر عکہ والون کے پاس کھانے کو کچھ نہین رہا رسد پہونچانا دشوار تھا۔ صلاح الدین نے اسکندریہ اور بیروت کے والیون کو حکم بھیجا کہ دریائی راستہ سے رسد پہونچائین۔ اسکندریہ والے تو کچھ نہ کر سکے مگر والی بیروت نے تدبیر کی کہ جہازون پر غلہ لاد کر عیسائیون کی صورت بنا کر صلیبین بلند کیے ہوئے اور مستولون پر صلیبی جھنڈے اُڑاتے ہوئے عکہ کو روانہ ہوئے۔ فرنگیون نے اپنے جہاز سمجھکر کوئی مزاحمت نہ کی اور انھون نے عکہ مین داخل ہو کر پورا سامان اُتارا۔ اس اثنا مین عیسائیون کے پاس پاپائے روم کا ایک خط آیا کہ مین نے سارے مسیحیون کو جہاد کا حکم دیا ہے۔ لگاتار فوجین پہونچتی رہین گی۔ تم گھبرا نہ جانا۔

۱۱ و ۱۳ رشوال کو سخت لڑائیان ہوئین جن مین مسیحیون کا بہت نقصان ہوا۔ انکے کیمپ مین اس زمانہ مین قحط پڑا لیکن مسلمانون ہی سے انھین مدد ملتی تھی جو غلہ لا لا کر انکے ہاتھ بیچتے اور دولت کماتے تھے۔ اگر یہ صورت نہوتی تو ان کا ٹھہرنا دشوار ہو جاتا۔

یہ کیا کہ اپنی تمام فوجین نواب برگنڈی (ڈیوک) کی تحت مین چھوڑ گیا اور بہت کچھ خزانہ بھی دیتا گیا کہ مہم کا

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) اب موسم سرما شروع ہوا اور عیسائیون نے اپنے جہازات دیگر مقامات مین بھیجدیے اسلیے کہ عکہ کے بندرگاہ مین رکھنا دشوار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دریا کی طرف سے عکہ کا رستہ کھل گیا۔ صلاح الدین نے موقع پاتے ہی عکہ کے سردار اور وہان کی فوج باہر بلالی اور نئے سردارون کو نئی فوج کے ساتھ اسمین بھیجدیا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ جسقدر لوگ آئے تھے اسقدر خوف کے مارے اندر نہین گئے۔ اسکی کمی نے عکہ کو اور کمزور کردیا اور پہلے کے مقابل مین صرف ایک ثلث قوت باقی رہگئی۔ پہلے وہان (۶۰) امیر تھے اور اب انکی جگہ صرف (۲۰) رہ گئے۔ صلاح الدین کے خزانہ پر جو عیسائی مقرر تھے انھون نے بھی بعض لشکرون کو وہان جانے سے روکا۔ غرض عکہ مین کافی فوج نہین پہونچنے پائی تھی کہ فرنگیون کے جہاز پھر آ پہونچے اور رستہ بالکل بند ہوگیا

۵۸۷ھ کے شروع ہوتے ہی یورپ سے اسقدر کمک آنے لگی کہ گویا یورپ فوجین اُگل رہا تھا۔ جہازون پر جہاز سپاہیون سے لدے چلے آتے تھے۔ ۱۲ ربیع الاول کو فلپ شاہ فرانس بھی آ پہونچا مگر صلاح الدین کی وہی حالت تھی کہ صبح ہوتے ہی لڑنے کو تیار ہوجاتا اور عیسائیون کو پوری قوت سے عکہ پر حملہ کرنے کا موقع نہ دیتا تھا۔ اُسامہ حاکم بیروت نے صلاح الدین کے حکم کے بموجب کچھ جہاز سپاہیون اور سامان رسد سے بھر کر روانہ کیے تھے ان سے اور شاہ انگلستان کے جہازون سے جزیرۂ قبرس مین مقابلہ ہوگیا۔ مسلمان غالب آئے اور عیسائی معہ سامان گرفتار کرلیے گئے باوجود اسکے عکہ کا بچانا روز بروز غیر ممکن ہوتا جاتا تھا اور اسقدر بے انتہا اور لاتعداد فوج جمع ہوگئی تھی کہ اسکی روک تھام بہت دشوار تھی۔ عیسائی عکہ پر بھی حملہ کرتے تھے اور صلاح الدین سے بھی لڑتے تھے۔ عکہ کے گرد سات منجنیقین اُن ٹیلون کی آڑ مین عیسائیون نے قائم کین جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اور شہرپناہ کو منہدم کرنے لگے ۴ جمادی الاول کو صلاح الدین اور آگے بڑھ گیا اور عیسائیون سے بالکل قریب خیمہ زن ہوا۔ جب عیسائی عکہ کا رخ کرتے یہ اُنپر حملہ کرتا اسی اثنا مین ۱۳ جمادی الاول کو شاہ انگلستان بھی آ پہونچا۔ اسکے ساتھ (۲۵) بڑے بڑے جہاز عیسائیون سے بھرے تھے۔ اس بادشاہ کے آتے ہی عیسائیون کے حوصلے بڑھ گئے اسلیے کہ وہ بڑا بہادر۔ شجاع اور حیلہ جو افسر تھا اس زمانے مین بیروت سے مسلمانون کے کچھ جہاز رسد معہ سات سو بہادرون کے عکہ آ رہے تھے۔ شاہ انگلستان نے موقعہ دیکھکر اپر حملہ کیا مسلمان مقابل ہوے لیکن جب انھین شکست کی صورت نظر آنے لگی تو یعقوب حلبی امیر البحر نے اپنے جہاز ڈبو دیے اور اُنکے ساتھ خود دریا مین ڈوب گیا تاکہ سامان رسد عیسائیون کے ہاتھ نہ پڑ جائے اور اسکے رفقا زندہ گرفتار نہون۔

اب عکہ کی مصیبت کا وقت آگیا تھا۔ پہلی خرابی یہ ہوئی کہ امیر سیف الدین علی بن احمد ہنکاری جو عکہ کی فوج مین سب سے زبردست و اعلیٰ افسر تھا اس نے شاہ فرانس سے مل کر ان شرطون کے ساتھ شہر سپرد کردینے کی درخواست کی کہ جتنے مسلمان اندر ہین چھوڑ دیے جائین اور انکو سلطان کے لشکر مین چلے جانے کی آزادی دیجائے۔ اسکو شاہ فرانس نے نامنظور کیا۔ اب اہل شہر کو اور ناامیدی ہوئی اور رات کو دو امیرون نے یہ غضب کیا کہ چند رفقا کے ساتھ چھپ کے نکل گئے اور صلاح الدین کے لشکر سے جا ملے۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی اہل عکہ اور بدحواس ہوئے اور شہر کے سپرد کردینے کے بارے مین صلاح الدین اور فرانسیسیون

قصد بحالہ برقرار رہے۔ فلپ کے جانے کے بعد اب رچرڈ تمام افواج صلیب کا تنہا سردار رہگیا اور اسکی ذاتی شجاعت نے

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) مین مراسلت شروع ہوئی۔ شرطین یہ ہوئین کہ عکہ مین جتنے مسلمان ہین اُسیقدر عیسائی قیدی جو مسلمانون
کے قبضے مین ہین چھوڑ دیے جائین اور صلیب اعظم عیسائیون کے حوالہ کردی جائے وہ لوگ اس معاوضہ پر راضی نہوئے۔ تب صلاح الدین
نے اہل شہر کو حکم دیا کہ تمام مال و اسباب چھوڑ کر لڑتے بھڑتے نکل جاؤ۔ اور جس طرف نکلنے کا قصد کرو اسی طرف مین بھی باہر سے دباؤ
ڈالون لیکن لوگ تہیہ سفر اور مال و اسباب کے اُٹھانے مین ایسے مصروف رہے کہ رات گزر گئی اور دن نکل آیا جسکے ساتھ ہی فرنگیون
کی اپنی یورش شروع ہوئی اور انھین نظر آیا کہ آج شام تک عیسائیون کا ضرور شہر پر قبضہ ہو جائے گا۔ یہ خیال کرکے انھون نے شہر پناہ
پر چڑھکر جھنڈیان ہلائین جسکے معنے یہ تھے کہ ہم پر آفت آگئی۔ ان جھنڈیون کو صلاح الدین کے ساتھیون نے دیکھتے ہی رونا شروع
کیا اور یون ہی روتے ہوئے سبھون نے مل کر عیسائیون پر حملہ کیا۔ اب قریب تھا کہ مسلمان خندق کے اندر گھس پڑین مگر عیسائی
فوراً شہر کو چھوڑ کر اس طرف متوجہ ہو گئے کہ کہین یہ لوگ شہر کے اندر نہ گھس جائین سیف الدین علی بن احمد ہنکاری نے جب یہ
دیکھا کہ صلاح الدین مدد نہین پہونچا سکتا تو بطور خود ہی عیسائیون سے یہ طے کر لیا۔ کہ اسمین جتنے لوگ ہین اپنی جان مال لیکر
امن و امان سے چلے جائین اور اسکے معاوضہ مین فرنگیون کو دو لاکھ دینار دیے جائین اور مشہور لوگون مین سے پانچ سو سیر
دیے جائین اور علاوہ صلیب واپس کرنے کے چار ہزار دینار حاکم مسور کو دیے جائین۔ اسے عیسائیون نے منظور کر لیا باہم
حلف اُٹھایا اور روپیہ کی ادائی کی مدت دوشنبہ قرار دی گئی۔ اسکے بعد شہر کے پھاٹک کھول دیے گئے مگر شہر کے اندر گھستے
ہی عیسائیون نے بدعہدی کی اور مسلمانون اور اُنکے مال و اسباب کو روکا اور سب قید کرکے یہ بہانہ کیا کہ ہم نے یہ کارروائی اسلیے
کی ہے کہ تمام شرائط کی تعمیل ہو جائے اور صلاح الدین کے پاس کہلا بھیجا کہ نقد روپیہ۔ قیدی اور صلیب بھیجدو پھر ہم ان
لوگون کو چھوڑ دینگے۔ صلاح الدین نے روپیہ جمع کرنا شروع کیا اور ایک لاکھ دینار فراہم کر لینے کے بعد امرا سے مشورہ کیا سب نے
کہا کہ جبتک اُن لوگون سے دوبارہ قسم نہ لی جائے کہ وہ شہر والون کو جو گرفتار تھے چھوڑ دین گے اور ضیاف الغرباء (ہاسپٹلرز)
جن کی راستبازی کا مسلمانون کو بھی یقین تھا ضمانت نہ کرین روپیہ نہ بھیجا جائے۔ صلاح الدین نے یہی امور انھین لکھ بھیجے
ضیاف الغربا نے ضمانت سے انکار کیا اور صاف کہدیا کہ ہمین اپنے ہمراہیون کا اعتبار نہین اور بادشاہون نے یہ جواب دیا
کہ جب روپیہ۔ صلیب اور ہمارے قیدیون کو تم بھیجدو گے تو ہمارا جو جی چاہے گا قیدیون کے ساتھ کرینگے۔ یہ جواب سُنتے ہی
سلطان سمجھ گیا کہ یہ لوگ بدعہدی پر آمادہ ہین۔ مگر پھر کہلا بھیجا کہ جو کچھ روپیہ جمع ہوا ہے اُسے ہم مع صلیب اور قیدیون کے
بھیجنے کو تیار ہین اور باقی رقم کی کفالت دینے کو بھی موجود ہین۔ تم اسکے معاوضہ مین ہمارے ساتھیون کو چھوڑ دو۔ ضیاف الغربا
(ہاسپٹلرز) کی ضمانت دو اور وہ عہد پورا کرنے پر حلف کرین۔ جواب ملا ہم حلف نہین کر سکتے تم لاکھ دینار۔ قیدی اور صلیب
بھیجدو۔ ہم تمھارے ساتھیون مین سے جنھین چاہینگے چھوڑ دینگے اور جنھین چاہینگے باقی ماندہ رقم کے وصول پانے تک قید رکھینگے
اس حرکت سے سب سمجھ گئے کہ عیسائی بدعہدی و غداری پر آمادہ ہین لہذا سلطان نے روپیہ وغیرہ بھیجنا نامناسب و فضول خیال کیا

کارنمایان بھی ایسے کیے کہ دیکھنے والے حیران وششدر رہتے۔ اس اثنا مین مقام اذوطوس (Azotus) مین

(بسلسلہ نوٹ صفحہ سابق) ۲۷ رجب کو عیسائیون کے سوار وپیادے شہر سے باہر نکلے اور مسلمان بھی مقابلے کو بڑھے اور حملہ کرکے پیچھے ہٹا دیا۔ اُسی وقت معلوم ہوا کہ فرنگیون نے عکہ کے مسلمان اسیرون مین سے صرف امیرون افسرون اور مالدار لوگون کو روپیہ کی طمع مین رہنے دیا ہے اور باقی سب کو قتل کرڈالا ہے۔ یہ دیکھکر سلطان نے بھی وہ جمع کیا ہوا روپیہ اپنے لشکر پر خرچ کرنا شروع کیا اور انکے قیدیون اور اصلی صلیب کو دمشق بھیجدیا۔ (ماخوذ از ابن اثیر و حاشیہ حروب صلیبیہ مترجمہ منشی محمد امیر مرزا صاحب لکھنوی)۔

(نوٹ متعلق صفحہ ۹۹) انگریزی مورخ مثلاً مسٹر کاکس وغیرہ قبضہ عکہ کے بعد عیسائیون کی اخلاقی حالت اور عیسائی افواج کی نقل وحرکت کو یون بیان کرتے ہین:۔ "عکہ پر پھر قبضہ ہوجانا ان رحمدل سپچے حامیان صلیب کے واسطے گویا عیاشی داد باشی مین پڑجانے اور رنگ رلیان منانے کا اجازت نامہ تھا اور ان بدافعالیون سے انھین باز رکھنا اور روکنا کوئی آسان کام نہین تھا۔ آخرکار رچرڈ کی فوج سمندر کے کنارے ہی کنارے جنوب کی جانب بڑھی اور بحری فوج کے جہاز بھی ساحل کے قریب ہی قریب روانہ ہوے۔ انکے بائین ہاتھ کی طرف صلاح الدین کی فوج تھی جسکی حکمت عملی یہ تھی کہ دشمنون کو بغیر کوئی باضابطہ مقابلہ کیے اس ملک کے اندر ہی تباہ کردے جسکے قلعون اور گڑھیون کو دشمنون نے تباہ کیا تھا۔ اس طریقہ سے مجاہدین صلیب اور انکے دشمن دونون شہر ارسوف کی نواح مین پہونچے۔

جنگ ارسوف یہان پہونچتے ہی رچرڈ نے دل مین ٹھان لی کہ صلاح الدین سے ایک زبردست مقابلہ کرے۔ اسکے میمنہ کا افسر کندکبیر (جیکب آف آونیز) تھا اور میسرہ پر نواب برگنڈی (ڈیوک) حاکم تھا اور قلب کی سپہ سالاری خود رچرڈ کررہا تھا۔ اس لڑائی کو عیسائی مورخون نے بہت کچھ آب وتاب دیدی ہے۔ خاص کر روزنامچہ رچرڈ شیردل کے مصنف نے بہت کچھ تفصیل سے کام لیا ہے اور ایک ایک معمولی کارنامہ کو ہفتخوان رستم و اسفندیار بنا کر ظاہر کیا ہے۔ مسٹر کاکس صرف اسی قدر فرماتے ہین کہ اس لڑائی مین رچرڈ نے بہت کچھ سپہ سالارانہ قابلیت دکھائی اور نہایت عقلمندی سے اپنے سوارون کو آخری نازک وقت تک تازہ دم محفوظ رکھا اور جب انکا حملہ شروع ہوا تو دشمنون کی صفین درہم برہم ہونے لگین لیکن جیکب آف آونیز کام آیا جسکے مارے جانے سے بجاے خوشی کے رچرڈ کو بہت صدمہ پہونچا۔ مسلمان مورخین اس موقعہ پر ہر طرح اعتدال کے پہلو کو لیے ہوے ہین۔ خود بہاؤالدین عیسائیون کی شجاعت کی تعریف کرتا ہے۔ ابن اثیر و ابن شداد اس واقعہ کو یون بیان کرتے ہین کہ جب رچرڈ عکہ سے جنوب کی طرف بڑھا تو عساکر اسلام انکے ساتھ ساتھ برابر لڑتے چلے جاتے تھے اور مسلسل اس کثرت سے تیر برساتے رہتے تھے کہ آفتاب چھپ چھپ جاتا تھا۔ ایکمرتبہ عیسائیون کے آخری حصہ پر مسلمانون نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ بہت سے عیسائی بہادر کام آئے اور بہت سے اسیر ہوگئے۔ مقام حیفہ مین ٹھہر کر فرنگیون نے جدید فوج عکہ سے طلب کرکے ساتھ لی اور آگے بڑھے۔ عکہ کے شہداے اسلام کے واقعہ نے صلاح الدین کو اسقدر برہم کردیا تھا کہ اُس نے قسم کھائی کہ اب

سلطان صلاح الدین نے نواب برگنڈی (ڈیوک) پر ایک ایسا زبردست حملہ کیا کہ آخرالذکر کو راہ ہزیمت اختیار کرنی پڑی
مگر رچرڈ جنگ کا شور و غل سنتے ہی اپنے سپاہیوں سمیت پہونچ گیا - اسکی صورت - اسکی حرکات سکنات اسکے
بار بار سینٹ جارج کا نام لینے نے فوج کے جوش کو دو بالا کر دیا اور ترکون کو تین ہزار آدمیون کے نقصان سے
ساتھ پسپا ہونا پڑا - عیسائیون پر اور بہت سے حملے کیے گئے - ایک مقام پر ہسکلیین کی ایک جماعت دشمنون
مین گھر گئی اس ہنگامہ مین نواب لیسسٹر Leicester (ارل) معہ انگریزون کی ایک جماعت کے
جو کمک کے طور پر آ گئی تھی سب ایک ایک کر کے قتل ہو جاتے اگر رچرڈ اپنے شیر کے مانند دل کے ساتھ وقت پر نہ
پہونچ جاتا - یہ قریب تنہا دشمنون مین گھس گیا اور آناً فاناً دشمنون کو منتشر کر کے اپنے دوستون کو
خطرے کی حالت سے نکال لایا[سلہ]

یروشلیم کا راستہ اب صلیبیون کے لیے کھل گیا لیکن بجاے اسکے کہ وہ اس موقع سے کچھ فائدہ اٹھاتین
انھون نے اپنی اوقات بیکار مشغلون - شرمناک تنازعون اور مسلمانون کے ساتھ کبھی کبھی ایک غیر فیصلہ کن لڑائی
لڑ لینے یا کبھی اس سے بھی ادنیٰ درجہ کی لڑائی مین ضائع کرنا شروع کی - آخر کار رچرڈ نے قصد کیا کہ بلد مقدس
کے محاصرہ کے لیے قدم بڑھانا چاہیے - صلیبی قدس کی پاک دیوارون کے پاس تک پہونچ بھی گئے اور ہر طرف

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) جو کوئی عیسائی اسیر ہوگا فوراً قتل کیا جائے گا ہزار در ہزار فرنگی پکڑ کر آتے اور قتل کیے جاتے - قبار یہ
مین پہونچ کے ایک اور زبردست مٹھبیر ہوئی جسمین مسلمان غالب رہے - عیسائیون نے یہین رات کاٹی اور صبح کو جب یہان سے
نکلکر چلے تو مسلمانون نے حملہ کر کے مقدمۃ الجیش کو کاٹ ڈالا اور بہت سے اسیر کیے گئے جنھین شہداے اسلام کے خون کے
عوض مین قتل کیا گیا - اسکے بعد عیسائی ارسوف پہونچے جہان مسلمان بھی موجود تھے - فرنگیون کے آتے ہی انھون نے اس زور
سے حملہ کیا کہ سمندر تک مارتے لیگئے لیکن اس آخری حصہ کے فرنگی سوارون کا حملہ بلا کا تھا مسلمان شکست کھا گئے اور بھاگے
مگر اتفاق یہ ہوا کہ فرنگیون کی سمجھ مین نہین آیا کہ یہ لوگ شکست کھا کر بھاگے ہین اور اگر وہ سمجھ جاتے اور تعاقب کرتے تو مسلمانون
کو بہت بڑی شکست ہوتی اور صلاح الدین کے کچھ بنائے نہ بنتی - تاہم بہت سے مسلمان شہید ہوے اور شہر کے قریب ایک جنگل مین
گھس گئے - عیسائی سمجھے کہ یہ بھی کوئی ان لوگون کا فریب ہے - اور پیچھا کرنے سے باز رہے - اس لڑائی مین عیسائیون
کی طرف کنڈکیبر (جیکب آف آونیز) مارا گیا اور مسلمانون کی طرف سے صلاح الدین کا غلام ایاز طویل (اسکا
نام لین پول نے موثق لکھا ہے) کام آیا جس کی شجاعت کی دور دور دھوم تھی اور جس کی شہادت کا صلاح الدین
کو بڑا صدمہ ہوا ۱۲ -

(نوٹ متعلق صفحہ(۹) ہسٹوریا برنارڈی تھیسا ورارائی باب ۱۷۶ وائینالے راجیری ڈی ہاوڈن صفحہ ۶۹۷ -
سلہ ہسٹوریا جیکو بائی ڈی وٹریاکو باب ۹۹ وائینالے راجیری ڈی ہاوڈن صفحہ ۶۹۸ -

کامیابی کی امید بھی نظر آنے لگی لیکن اس زمانہ مین جبکہ شاہ انگلستان ارض فلسطین مین یہ لڑائیان لڑ رہا تھا یورپ مین اُسکے جسقدر کام تھے سب بے توجہی کی حالت مین پڑے ہوے تھے۔ اسکا بھائی جان یہ کوشش کر رہا تھا کہ بھائی کی غیبت مین خود مالک تخت و تاج بن بیٹھے اور فلپ اگسٹس (Phillip Augustus) کی یہ سعی تھی کہ جس قدر انگریزون کے مقبوضات فرانس مین ہین اُن سب سے انھین بے دخل کر دے۔ قاصد پر قاصد[1] یورپ سے چلا آتا تھا اور سوا اسکے کوئی خبر نہین لاتا تھا کہ ملک خطرہ مین گھرا ہوا ہے اور واپسی کا فوراً قصد کرنا چاہیے ممکن ہے کہ رچرڈ کو یہ بھی خیال ہوا ہو کہ اُسکی فوج مین بلد مقدس کو فتح کرنے کی قابلیت نہین ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو اب ایک ایسے نازک وقت مین جبکہ اُسکی شجاعت کے کارنامون نے دشمنون کو بدحواس کر رکھا تھا اور اُسکے نام کی شہرت دور دور تک پہونچ گئی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ بس اب اخیر ہی حملہ کی ضرورت ہے اور عنقریب رچرڈ کو فاتح بیت المقدس کا قابل فخر لقب حاصل ہو جائے گا اس متلون مزاج بادشاہ نے اپنا ارادہ بدل دیا اور مہم سے بالکل ہاتھ اُٹھا کر یورپ واپس جانے کا تہیہ کر لیا[2]۔ ایک دوسری قوم کے مورخ نے کیا خوب رچرڈ شیر دل کے متعلق کہا ہے کہ اپنی متلون طبیعت کے اثر سے مغلوب ہو کر وہ ہمیشہ اپنی تجویزین۔ اپنی الفت و محبت اور اپنے مقولے بدلتا رہتا تھا۔ اگر کسی شئے مین اُسے استقلال تھا تو وہ جنگ کی محبت تھی لیکن یہان بھی جوش طبع بہت کم کسی ایک مقصد کی طرف اسے مشغول رہنے دیتا تھا۔ اُسکی نادانیون۔ اُسکے دعوون اور اُسکی متلون مزاجی نے ہمیشہ اُسے اپنی مہمات کا ثمرہ اُٹھانے سے محروم رکھا۔ اسپر افسوس ظاہر کیے بغیر نہین رہا جا سکتا کہ رچرڈ نے ایک ایسی مہم کو جس کے مقابلہ مین ایک زمانے مین تمام دوسرے کام ہیچ سمجھے جاتے تھے اس طرح یکایک ترک کر دیا[3]

[1] گاڈ فریڈس وینی زاف کی کتاب ہسٹوریا اینگلیکا اسکرپٹورز جلد پنجم باب (۴۲) [2] ہسٹوریا جیکوبائی دی وٹریاکو باب (۱۰۰) [3] عیسائی رچرڈ کو متلون المزاج بتاتے ہین۔ وہ جیسا کچھ ہو لیکن صلیبی لڑائی کے معاملہ مین ضرور اُس نے حتی المقدور استقلال سے کام لیا اسکی حالت بہت نازک تھی۔ گھر پر جان جسے ملک کے انتظام کے لیے چھوڑ آیا تھا اس کوشش مین تھا کہ خود ملک کو دبا بیٹھے۔ شاہ فرانس الگ کوشش کر رہا تھا کہ انگریزی مقبوضات فرانس کسی طرح چھین لے۔ یہان میدان جنگ مین حالت یہ تھی کہ صلیبیون مین عیش پرستی سستی اور طرح طرح کی اخلاقی خرابیان پیدا ہو گئی تھین۔ خود سردارون مین آپس مین نفاق تھا چنانچہ باتون باتون مین نواب آسٹریا سے عداوت ہو گئی تھی۔ مسٹر کاکس لکھتے ہین کہ محاصرہ عکہ کے زمانہ سے ڈیوک آف آسٹریا شاہ انگلستان کو اپنا دشمن سمجھنے لگا تھا۔ اسکی وجہ یہ بیان کی جاتی تھی کہ رچرڈ نے آسٹریا کے جھنڈے کی توہین کی تھی یعنے آسٹریا والون کے علم کو عکہ کی شہر پناہ پر نصب دیکھتے ہی برہمی کے ساتھ اُکھاڑ کر کھائی مین پھینک دیا تھا۔ وہ نفرت جو اس طریقہ سے پیدا ہوئی تھی اس وقت اور زیادہ بڑھ گئی جب رچرڈ نے حکم دیا کہ فوج کے تمام لوگ مل کے عسقلان کی شہر پناہ کو از سر نو تعمیر کرین۔ ڈیوک آف آسٹریا نے اس حکم کے جواب مین یہ کہا کہ نہ مین معمار ہون نہ بڑھئی۔ یہ جواب سنتے ہی رچرڈ نے اُسکو ایک

کہا جاتا ہے کہ لوگ اُسے ایک پہاڑی پر لے گئے جہان سے بیت المقدس نظر آتا تھا لیکن یہ منظر اوران چیزون کی یاد ایسی نہ تھی جو وہ ضبط کرسکتا۔ اور اس جنگجو بادشاہ نے آنکھون کے سامنے ڈھال آڑ کرلی اور قلبی حزن کے ساتھ اپنا مُنھ پھیر لیا اور قدم واپس اُٹھایا۔[۱]

صلیبی لشکر کو خلاف امید اس طرح پیچھے ہٹتے دیکھکر صلاح الدین کو جو خطرات لاحق تھے دفع ہوگئے۔ اس نے فوراً اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کا ارادہ کیا چنانچہ رچرڈ سواحل فلسطین کو ابھی چھوڑنے بھی نہ پایا تھا کہ سلطان نے فوجین جمع کرکے یافہ پر حملہ شروع کردیا۔ یہ خبر سُنتے ہی رچرڈ بیتاب ہوگیا اور قصد کیا کہ جس طرح ممکن ہو یافہ کو بچانا چاہیے۔ ڈیوک آف برگنڈی نے ساتھ چلنے سے انکار بھی کیا لیکن رچرڈ نے اسکی کچھ پروانہ کی اور اپنی فوج کے کثیر حصہ کو خشکی کی راہ روانہ کرکے خود سمندر کے راستے چند ہمراہیون کے ساتھ روانہ ہوا حسن اتفاق سے ہوا بھی موافق تھی یافہ پہونچکر سے معلوم ہوا کہ قلعہ ترکون کے قبضہ مین آگیا ہے اور عیسائی لڑلڑ کر بہت بہادری کے ساتھ جان فروشی کر رہے ہین۔ رچرڈ شیر دل یہ دیکھتے ہی کہ قلعہ غنیم کے قبضہ مین ہے جہاز سے خشکی پر کود پڑا اور سپر گلے مین حمائل کیے

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) ایسی ٹھوکر ماری کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ اس بے لطفی کے علاوہ اہل جینوا نے زور دیا کہ کانراڈ (Conrad) کا دعوائے سلطنت بیت المقدس تسلیم کیا جائے۔ گائی (Guy) کی حمایت پر اہل پائسا کھڑے ہوگئے۔ فرانس والے اس لیے فوج سے نکل گئے کہ رچرڈ اب اُنھین تنخواہین نہین دے سکتا تھا۔ کانراڈ نے اپنا دلی بخاریون نکالا کہ سلطان صلاح الدین سے جاملا۔ سچ ہے پروردگار عالم کا ارشاد کہ اغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامہ۔ جب یہ حالت تھی تو رچرڈ شیر دل کو اس جنگ مین تلون مزاجی کا الزام دینا نامردی اور اس بہادر کے نام کی توہین کرنا ہے۔

[۱] مسٹر کاکس اس واقعہ کو یون بیان کرتے ہین کہ عملی طور پر نااتفاقی اور بُری طرح کی افسری اس صلیبی لڑائی کی قسمت کا فیصلہ اسکے خلاف کرچکی تھی لیکن رچرڈ کی نظر مین ابھی تک بیت المقدس کا قبضے مین آجانا بہ نسبت اس کے کہ اسکے بھائی جان (John) کو اسکے کردار کی سزا ملے زیادہ دلکش تھا لہذا جون کے مہینے مین پھر اسکا لشکر بیت المقدس کی طرف بڑھنے لگا لیکن جب بیت نوبہ تک پہونچے تو انکی آنکھین کھلین اور معلوم ہوا کہ انکے پاس اتنی فوج نہین ہے جو اس زبردست شہر کے محاصرہ کے لیے کافی ہوسکے اور نہ انکے یہان کوئی کمسریٹ کا انتظام ہے۔ ہر وقت اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہین ان کی رسد نہ روک دی جائے۔ علاوہ ازین ترکون نے ذرائع آبنوشی غارت کرڈالے۔ ان حالات کی طرف سے بے پروا ہوجانا غیر ممکن تھا۔ آخرکار رچرڈ نے اس بات کی کوشش کی کہ اپنی فوج کو مصر پر چڑھائی کرنے اور قاہرہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرے۔ اتفاقاً اس وقت وہ ایک ایسی پہاڑی پر تھا جہان سے لوگون نے کہا کہ بیت المقدس نظر آتا ہے۔ رچرڈ نے اسکی طرف دیکھنے سے انکار کیا اور کہا مین شہر مقدس کے دیکھنے کے قابل نہین ہون کیونکہ مین اسے بے دینونکے ہاتھ سے چھڑا نہ سکا

[۲] مسلمان مورخ اس واقعہ کو یون بیان کرتے ہین کہ عیسائی بیت المقدس کی فتح سے مایوس ہوکر بصد حرمان عکہ واپس آئے تو

اپنا ڈنمارک والا تبر ہاتھ مین لیے حملہ آور ہوا اور قلعہ کو پھر واپس لے لیا۔ تمام مسلمان جو قلعہ مین تھے قتل کر ڈالے گئے اور جو باہر تھے پسپا کر دیے گئے۔ خود رچرڈ تعاقب کرتا ہوا مسلمانون کے کیمپ تک جا پہونچا جہان ایک چھوٹے سے ٹیلے پر اپنے ہمراہیون کے ساتھ کھڑے ہو کر غنیم کو دیکھنے لگا۔ جب صلاح الدین نے اپنی فوج سے پوچھا کہ تم کیون بھاگ کھڑے ہوئے تو انھون نے جواب دیا کہ انگلستان کے بادشاہ نے یافہ پہونچکر بہت سے لوگون کو قتل کر ڈالا اور شہر پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ صلاح الدین نے پوچھا وہ کہان ہے۔ انھون نے کہا "وہ حضور دیکھیے اپنے آدمیون کے ساتھ ٹیلے پر کھڑا ہوا ہے" صلاح الدین نے کہا "کیا! بادشاہ نوکرون کے ساتھ مل کر پیدل استادہ ہے۔ یہ کسی طرح مناسب نہین" یہ کہتے ہی اُس نے فوراً ایک گھوڑا رچرڈ کے پاس بھیجا اور پیامبر سے کہدیا کہ وہان جا کر کہنا کہ ایسے شخص کو ایسے عظیم خطرے کے موقعہ پر یون پیدل نہ رہنا چاہیے۔

محنت و مشقت کی کثرت سے آخر بادشاہ انگلستان کو بخار آنے لگا جس نے یورپ واپس جانے کی خواہش کو دوبالا کر دیا۔ اسکے زور بازو اور فتح و نصرت سے جو ہیبت مخالفین کے دلون مین بیٹھ گئی تھی اُس نے صلح کی درخواست کی کامیابی مین آسانی پیدا کر دی۔ خود صلاح الدین اس بے سود جنگ و جدال سے عاجز آگیا تھا اور اسکے علاوہ روز بروز ضعیف ہوتا جاتا تھا حتیٰ کہ صلح کے چند ماہ بعد ہی انتقال کر گیا۔ ان حالات و واقعات کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانون کے امیر نے صور (طائر)۔ عکہ اور یافہ اور بحری مقامات مابین صور و یافہ پر عیسائیون کا قبضہ تسلیم کر لیا

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) صلاح الدین نے رجب ۵۸۸ھ مین شہر یافہ کو موقع پا کر فتح کر لیا۔ شہر والے شکست پا کر قلعہ بند ہوگئے اور مسلمانون کے ہاتھ بہت کچھ مال غنیمت آیا۔ صلاح الدین کے غلامون کو بھی دست برد کا موقعہ ملا۔ پھاٹکون پر کھڑے ہوگئے اور جو مسلمان سپاہی لوٹ مار کے لاتا زبردستی چھین لیتے جس نے تمام فوج کو ناراض کر دیا۔ شہر کی طرف سے مطمئن ہو کر مسلمانون نے قلعہ پر حملہ کیا قلعہ کی حالت نازک تھی۔ سردار قلعہ مع چند عیسائی افسرون کے باہر نکل آیا اور امان طلب کر کے ہتھیار رکھنے اور صلح کے شرائط پر گفتگو ہونے لگی اتنے مین رات ہوگئی اور معاملہ صبح پر اُٹھا رکھا گیا۔ صبح ہوتے ہی قلعہ والون کی مدد عکہ سے آگئی اور عیسائیون نے قلعہ خالی کرنے سے انکار کیا۔ خود رچرڈ شیر دل بھی آپہونچا۔ مسلمانون نے شہر سے نکل کر مقابلہ کا ارادہ کیا۔ شاہ انگلستان خود تن تنہا میدان مین آیا اور دونون لشکرون کے درمیان ٹھہر کر کچھ کھانے کو مانگا۔ جیسے گھوڑے سے اُتر کر اُس نے کھایا۔ اب صلاح الدین نے مسلمانون کو حملہ کا حکم دیا تو جناح نامی ایک مسلمان سردار نے سامنے آ کر عرض کیا کہ حضور اپنے غلامون کو پہلے حکم فرمائین جنھون نے کل مال غنیمت لیا ہے اور سپاہیون کو زدوکوب کی ہے۔ یہ نہین ہوسکتا کہ جنگ کی مصیبتین ہم برداشت کرین اپنی جانین قربان کرین اور صلہ کے وقت مال غنیمت وہ لین اور ہم پر جور کرین۔ صلاح الدین کو جواب ناگوار گزرا لیکن خاموش ہو رہا اور لڑائی کا قصد فسخ کر کے مصری فوج کے آنے کے بعد یافہ سے دست بردار ہو کر رملہ کی جانب چلا گیا۔ (ابن اثیر)

[1] ہسٹوریا ہرنارڈی تھیساورارئی باب (۲۷۷) وگاڈ فریڈس ونی زاف جلد (۲) باب (۱۵)

عطر! عطر!! عطر!!!

کارخانۂ شیخ سخاوت حسین لکھنؤ

لکھنؤ ہندوستانی فیشن کا مرکز ہے۔ اور اس تباہی و بربادی کے زمانہ مین بھی اخلاق و طرز معاشرت مین سارے ہندوستان کی رہبری کر رہا ہے۔ اور تمام باتین درکنار خاص عطر کے بارے مین جو اعتدالی خرابی و لطافت دماغی کا سب سے قوی اور بامزہ محافظ ہے اُس مین بھی اسوقت تک کوئی شہر لکھنؤ کی ہمسری کا دعوی نہین کرسکا لکھنؤ اپنے عطرون کے اعتبار سے آج تمام شہرون پر اپنا نمایان فخر ظاہر کر رہا ہے۔ صرف دیکھنے کے لیے بلکہ امتحاناً اس کارخانہ سے (جو کہ عرصہ سے جاری ہے) طلب فرمائیے۔ ناپسند ہو واپس کر دیجیے۔ ہان محصول ڈاک تو آپ سے لیا جائیگا مگر پوری قیمت بعد واپسی فوراً روانہ ہوگی۔ روپیہ نقد آنے پر یا بذریعہ ویلیوپی ایبل تعمیل ہو سکتی ہے۔

عطر

نام عطر	قیمت فی تولہ	نام عطر	قیمت فی تولہ	نام عطر	قیمت فی تولہ
عطر حنا	صہ، للعہ، عما، عہ، ۱۲ار	عطر گل حنا	سے، عما، عہ، ۱۲ار	عطر مجموعہ	عما،
عطر موتیا	صہ، للعہ، سے، عما، عہ، ۱۲ار	عطر مٹی	ہر، عہ، ۱۲ار	عطر سہاگ	عما، عہ، ۱۲ار
عطر چمیلی	صہ، للعہ، سے، عما، عہ، ۱۲ار	عطر گلاب	عہ، صہ، للعہ، سے، عما، عہ، ۱۲ار	عطر اگر کہنہ	للعہ،
عطر کیوڑا	للعہ، سے، عما، عہ، ۱۲ار	عطر جوہی	عما، عہ، ۱۲ار	عطر اگر	سے، صہ،
عطر خس	سے، عما، عہ، ۱۲ار	عطر سنگترہ	عما، عہ، ۱۲ار	عطر مخلوط آصفی	صہ،
عطر فتنہ	للعہ، عما، عہ، ۱۲ار	عطر سیوتی	سے، عما، عہ،	عطر مہک پری	عما،
عطر چمپا	عما، عہ، ۱۲ار	عطر شمامہ	سے، عما،	روح خس اصلی	سے، صہ،
عطر کیسری	عما، عہ، ۱۲ار	عطر عروس	عما،	روح پانڑی	للعہ، سے،
عطر پانڑی	عما، عہ، ۱۲ار	عطر برگ حنا	عما،	عطر کیسر اصلی	صہ، سے،
روح گلاب	ما، لعہ، سعہ،	عطر صد برگ	عما،	عطر راحت روح	صہ، سے،

عمدہ اور خوشبودار تیل

غالباً آپ کو بھی اس کی شکایت ہوگی کہ عمدہ اور خوشبودار تیل کم سے کم قیمت کا عام طور پر آپ نہین پا سکتے۔ آپ کی شکایت رفع کرنے کے واسطے اس کارخانہ نے کوشش کی ہے۔ آپ ضرور منگوا کر استعمال کیجیے۔

فہرست

روغن چمیلی سے، للعہ، عما سیر	روغن حنا عسہ، سے، للعہ، عما سیر	گولیان تمباکو ورق دار فی روپیہ ۲ تولہ
روغن بیلہ " " " "	عرق گلاب فی بوتل سے، عما، عہ، ۱۲ار ۶ار	گولیان تمباکو بلا ورق فی روپیہ ۳ تولہ
روغن کیوڑا عسہ، سے، للعہ، عما سیر	عرق کیوڑہ فی بوتل سے، عما، عہ، ۱۲ار	قوام تمباکو فی روپیہ ۴ تولہ

المشتہر

شیخ سخاوت حسین مالک کارخانۂ عطر چوک۔ لکھنؤ

[illegible] ۱۹۰۹ء

[illegible]

مولستان

الناظر

جامیست جہان نمائے ہر صفحہ درین

۱۳۲۷ھ

قسم اول

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک ے

الناظر پریس واقع خیالی گنج لکھنؤ میں طبع ہوکر

دفتر رسالہ الناظر فلاور نگر لکھنؤ سے شائع ہوا

قیمت فی پرچہ ۸

گزارش

الناظر کی زندگی کا چوتھا سال ختم ہونے مین صرف ایک سہ ماہی باقی رہگئی ہے اور کارپردازان رسالہ کا ارادہ ہے کہ اس سال کے آخری (یعنے جون) نمبر مین گزشتہ سالون کی مفصل رپورٹ پیش کر کے آئندہ کے لیے جو نئی تجاویز پیش نظر ہون اُن کا اعلان کیا جائے۔

لیکن انسانی فطرت کا خاصہ یہ ہے کہ [illegible] اپنی خوبیان [illegible] کے دکھانے مین اس قدر مبالغہ کرتا ہے کہ [illegible] اکثر اوقات اس کا وجود ہی نہین پایا جاتا ایسی صورت مین اگر واقعات سے صحیح نتائج اخذ کرنے اور [illegible] کی سچی تصویر دکھانے کی خاص کوشش بھی کی جائے تو ذاتی تعصبات و رجحانات کی وجہ سے پوری کامیابی نہین ہوتی۔ اسیلیے ایسے موقعون پر خود اعتمادی سے قطع نظر کر کے اپنی رائے اور خیالات کے علاوہ دوسرون کی نکتہ رس اور مخلصانہ مشورہ دون سے استفادہ کرنا نہایت ضروری او کارآمد ہوتا ہے۔ پھر ہم یہ بھی چاہتے ہین کہ الناظر کے لیے جدید پروگرام طیار کرتے وقت دوسرون کی رایون اور نقطہائے نظر کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے تاکہ جمہوریت پسندی کے اس دور مین کسی کو ہماری مطلق العنانی اور خودمختاری کی شکایت باقی نہ رہے۔

نظر برآن

تمام ناظرین کرام سے عموماً اور معزز معاصرین مقتدر معاونین سے خصوصاً نہایت [illegible] کے ساتھ التجا ہے کہ وہ سب گذشتہ سالون کے تجربہ کی بنا پر الناظر کی [illegible] حیثیات کے بارہ مین [illegible] قیمت مشورون کے اظہار سے کارپردازان رسالہ کو رہین منت بنائین ع برکریمان کارہا دشوار نیست۔

چونکہ جون کا پرچہ ماہ مئی مین طبع ہوگا اسیلیے اظہار رائے مین یہ امر ملحوظ رکھنا موجب شکرگزاری ہوگا کہ تمام حضرات اپنی اپنی رائین اسی ماہ مارچ کے اندر اندر یا زیادہ سے زیادہ ۱۵ اپریل تک ظاہر فرما دین تاکہ ہمین اطمینانی مطالعہ اور کامل غور کے لیے کافی وقت مل سکے۔

مقتدر معاصرین اپنی اپنی رایون کا اظہار اپنے بیش بہا صحائف کے ذریعہ سے اور دیگر حضرات پرائیوٹ خطوط مین کر سکتے ہین

خاکسار ظفرالملک علوی ایڈیٹر الناظر

گولیان ! گولیان !! گولیان !!!

لیجیے! آپکو بقاے صحت و زندگی کے لیے اکسیر کی تلاش نہ رہی

ہماری ایجاد کردہ آتنگ نگرہ گولیون کا نام شاید آپنے نہ سنا ہوگا یہ گولیان عجیب و غریب صفات سے بھری ہین۔ بڑے بڑے نامی گرامی ڈاکٹرون۔ ویدون اور حکیمون نے اس کا تجربہ کرکے اسکی تعریف مین ہم کو خطوط لکھے ہین۔ ہزارون سندین اور سارٹیفکٹ اسکے موجود ہین۔ سیکڑون فرمایشین ان گولیون کی نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ملکون سے متواتر ہمارے شفاخانہ مین پہونچتی رہتی ہین۔ عصبی کمزوری کو جڑ سے کھود دینا۔ مایوسون کو سراپا امید بنانا۔ مادۂ تولید کے تمام نقصانات کو دور کرنا۔ ذہن مین جودت اور تیزی پیدا کرنا حافظہ کو قوت دینا۔ جسم کو تندرست و توانا بنانا مردہ دلون مین تازی روح پھونکنا اسکا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ مرد ہون یا عورتین انکے ہر قسم کے ضعف دور کرکے عالم جوانی دکھانے مین۔ یہ گولیان اکسیر کا کام کرتی ہین۔ اگر انھین تندرست بھی کھاے تو بیشمار فائدے اپنے جسم مین پاے۔ جن لوگون نے انھین استعمال کیا ہے اُن سے دریافت کرکے اپنا اطمینان کرلیجئے خود ایکبار تجربہ کرلیجیے۔ قیمت فی بکس جسمین ۳۲ گولیان ہوتی ہین عہ۔ علاوہ محصول ڈاک ہے۔ اگر مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو ہماری کتاب کام شاستر مفت منگوالیجئے۔ جو اُردو، انگریزی ناگری، گجراتی، مرہٹی، بنگالی، تامل وغیرہ زبانون مین ۱۵۰ صفحے پر چھپی ہوئی موجود ہین۔ اور محصول ڈاک اپنے پاس سے لگاکر آپکو بھیجدینگے۔ ابتک چھ لاکھ سے زیادہ کاپیان ہم مفت تقسیم کرچکے ہین۔ اس کتاب کے دیکھنے سے آپکو بہت سی مزید معلومات حاصل ہوجائینگی۔ ملنے کا پتہ

وید شاستری منی شنکر گووندجی۔ آتنگ نگرہ فارمیسی

شہر جام نگر۔ ملک کاٹھیاوار

قیمت سالانہ قسم اول صہ — قیمت سالانہ قسم دوم عہ

الناظر

نمبر ۴۵ جلد ۸ — یکم مارچ سنہ ۱۹۱۳ء

قیمت فی پرچہ قسم اول ۸ — قیمت فی پرچہ قسم دوم ۴

آئندہ کیا کیا انقلاب آنیوالے ہین

اگر آپ کو یہ معلوم کرنے کا شوق ہو کہ آئندہ کیا کیا انقلاب آنے والے ہین تو حکیم جاماسپ کی نایاب کتاب جاماسپ نامہ کا ترجمہ منگا کر دیکھیے جو ملا محمد الواحدی ایڈیٹر نظام المشائخ نے نہایت فصیح اور سلیس اردو مین کیا ہے اپنے وقت سے لے کر آج تک کی بابت حکیم جاماسپ نے جتنی جتنی پیشین گوئیان کی تھین۔ وہ سب ہو بہو پوری اتری ہین۔ مثلاً حضرت سلیمان ع۔ سکندر رومی۔ حضرت عیسیٰ۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم۔ مولیٰ علی ع۔ امام حسن ع۔ امام حسین ع۔ معرکہ کربلا۔ امیر تیمور۔ ہندوستان مین مغلون کا عروج و زوال وغیرہ وغیرہ کہ جاماسپ نامے مین ان تمام کا ذکر ہے حکیم جاماسپ زرتشت بانی مذہب آتش پرستی کا خلیفۂ اعظم اور شاہ گشتاسپ کا وزیر تھا۔ جس کے زمانے کو اب اندازاً پانچ ہزار برس گزر گئے جاماسپ نامے کا ترجمہ ۳ر (تین آنے) کے ٹکٹ بھیج کر یا بذریعہ وی پی منگایا جا سکتا ہے۔

اطمینان دل

مطلوب ہو تو صوفیون کا مشہور و معروف [illegible] نظام المشائخ منگا کر دیکھیے۔ اسی صفحے کی ایک ضخیم کتاب ہے جس مین ہر مہینے اپنے علمی [illegible] کہ انسان ان کو پڑھکر دنیا کے سب غم بھول جاتا ہے۔ اور [illegible] کم مین آج تک کسی کو نہین دیا گیا۔ مگر بزرگون کا فیض عام کرنے کی غرض سے [illegible] نمونے کی قیمت مع محصولڈاک صرف ۲ر کر دی جائے۔ [illegible] ٹکٹ لفافے مین رکھکر بھیجدیجیے اور دیکھیے کہ کیسی خوبصورت کتاب آپکے پاس آگئی جس کا کاغذ بھی نفیس۔ لکھائی چھپائی بھی اعلےٰ درجہ کی [illegible] جو ملک کے نامور مشائخ اور شہرۂ آفاق انشاپردازون، انگریزی کے اعلیٰ تعلیم یافتون [illegible] ہوے۔ آپ ہی انصاف کیجیے۔ کہ اس سے زیادہ سستی چیز دنیا مین اور کیا ملے گی۔ (قسم اول) کا سالانہ چندہ [illegible] اور (قسم دوم) کا [illegible] ہے اور اسکی آج تک سات جلدین مکمل ہو چکی ہین۔

منیجر نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

الناظر

نمبر ۴۵ جلد ۸ — یکم مارچ سنہ ۱۹۱۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۂ حیاۃ النذیر

یہ بھی اردو علم ادب کی ترقی کی علامت ہے کہ مشاہیر ملک وملت کے حالات پر بہت سی اچھی اچھی کتابین لکھی گئی ہین اور لکھی جارہی ہین۔ اب تک زیادہ تر اُن قدما کے حالات لکھے گئے ہین جو بلحاظ تقدیس و دیگر کارہاے نمایان پہلے ہی سے ہیرو سمجھے جاتے ہین اور جنکے سوانح قدیم عربی کتب مین جابجا پائے جاتے ہین یا اُنکے متعلق مستقل کتابین موجود ہین اور اُنکی عزت و وقعت صدہا سال سے ہمارے دلون مین گھر کرچکی ہے۔ ان مولفین کو یہ آسانی ہوتی ہے کہ مواد تیار ملتا ہے، البتہ مختلف کتابون سے حالات جمع کرنے اور ترتیب مین ادل بدل کرکے اُردو زبان مین پیش کرنے کی زحمت ضرور گوارا کرنی پڑتی ہے۔ اگر ان کتابون کی ترتیب عمدہ اور زبان فصیح ہوتی ہے تو ان کا مقبول ہونا کچھ مشکل نہین ہوتا کیونکہ وہ لوگ پہلے ہی سے مقبول خاص و عام ہین۔ مگر ہمعصر مشاہیر کے حالات کا لکھنا اسکے مقابلہ مین بہت کٹھن ہے۔ اول تو تمام حالات کا جمع کرنا اور مختلف واقعات اور بیانات کی چھان بین کے بعد کیرکٹر کی صحیح تصویر کھینچنا ہی ایک ایسی دشواری ہے جسے اُسی کا جی جانتا ہے جسکو کبھی اس قسم کے کام کرنے کا تجربہ ہوا ہے۔ دوسرے صدہا شخص ایسے زندہ موجود ہوتے ہین جو اُس نامور شخص کے خیالات سے آگاہ ہین اور انھون نے اسکو مختلف حالات مین دیکھا ہے اور اُسکے متعلق خاص راے رکھتے ہین۔ سوانح نگار جانتا ہے کہ اُسکی کتاب موافق و مخالف ہر دو گروہ کے ہاتھ مین جانے والی ہے اور اس لیے طعن و تشنیع کی زد سے بچنے کے لیے بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ مؤلف حیاۃ النذیر نے ہماری قوم کے ایک علامہ کا قول نقل کرکے آجکل کے طریقۂ تحریر سوانح عمری کو "پُرفریب" بتایا ہے اور اُس پر پُرزور بحث کی ہے

لیکن مین پوچھتا ہون کہ وہ کون ایسا زمانہ تھا جب کہ یہ پُرفریب طریقہ رائج نہ تھا۔ علامۂ موصوف کو کبھی کسی ہمعصر یا مور شخص کی (بشرطیکہ وہ کسی ہمعصر کو اس قابل سمجھین) سوانح عمری لکھنے کا اتفاق نہین ہوا ورنہ انھین اس سے زیادہ دشواری پیش آتی جو ہماری زبان مین "بہتر سے بہتر سوانح عمری" لکھنے والے کو پیش آئی ہے۔ انھون نے اب تک انھین قدماے کرام کے حالات پر قلم اُٹھایا ہے جنھین لوگ ایک زمانہ سے پوجتے آتے ہین اور جنکی تنقید اور نکتہ چینی کتب کے حوالہ تک محدود ہے۔ تاہم (بے ادبی معاف) کیا علامۂ موصوف کی تالیفات اس "پرفریب طریقہ" سے پاک صاف ہین ؟

بات یہ ہے کہ بڑے آدمی کی بڑائی صرف اُسکی ذات تک محدود نہین ہوتی، بلکہ اسکے تعلقات گرد و پیش کے حالات اور قومی و ملکی معاملات سے تانے بانے کی طرح جکڑے ہوے ہوتے ہین کہ اُسکی ذات کو اُن سے جدا کرنا قریب قریب ناممکن کے ہوتا ہے۔ ورنہ بڑا آدمی کچھ بڑا نہین رہتا۔ اس لیے سوانح نگار کے فرائض مین داخل ہے کہ وہ اس شخص کے کیریکٹر کو ان تمام گرد و پیش کے واقعات و حالات کی روشنی مین دکھائے۔ اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ اختلاف رائے ہر زمانہ مین اور ہر ملک مین ہوتا ہے اور علاوہ اسکے ہمعصر مشاہیر کے متعلق بعض غلط فہمیان عام طور پر پھیل جاتی ہین۔ سوانح نگار کا فرض ہے کہ وہ ان غلط فہمیون اور غلط بیانون کو صحیح اور سچے واقعات اور اُسکے وسیع تعلقات اور اصلی خیالات کے اظہار سے جن پر عام لوگون کو آگاہی نہین ہوتی، رفع کرے۔ اور اپنی راے اور صحیح قیاس کے اظہار سے دریغ نہ کرے۔ اور بعض مخالفون کے ڈر سے یا اُنکی خوشی کے لیے یا عامیانہ مقبولیت حاصل کرنے کی خاطر پہلو نہ بچاے۔ انصاف پسند لوگ سوانح نگار کی اس محنت کی داد دین گے اور اُسکے ممنون ہونگے۔ اگرچہ بدبین لوگون کو اس سے تکلیف ضرور ہوگی۔ بزرے شانی خرابی ذاتی حالات کا بیان کر دینا کافی نہین ہے اور کوئی سوانح نگار اس طور پر اپنے فرض سے سبکدوش نہین ہو سکتا جس قدر جو شخص بڑا ہوگا اسی قدر سوانح نگار کو اپنی راے اور قیاس سے زیادہ کام لینا پڑے گا۔ وسعت تعلقات سے اصل حقیقت کے سمجھنے مین نہ صرف اُلجھن پیدا ہوتی ہے بلکہ غلطی واقع ہو جاتی ہے اور اسیلیے یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ گرد و پیش کے حالات کا اثر اُسپر اور اُس کا اثر اُن حالات پر کیا پڑا۔ قطع نظر غلطی و صحت کے اسکی نیت کا اندازہ کرنا پڑے گا۔ اسکے اصلی اور اندرونی خیالات کو دیکھنا پڑے گا۔ اسکے برتاؤ، اسکے طرز کلام و طرز تحریر، اسکی عام روش اور رجحان کی تلاش کرنا پڑے گی۔ غرض سوانح نگار اس تمام چھان بین، کرید، جستجو و تلاش کے بعد صحیح قیاس اور راے قائم کر سکے گا اور اس سے اسکی اپنی نیز اور لوگون کی بہت سی غلط فہمیان رفع ہو جائین گی۔ اگر سوانح نگار ایسا شخص ہو جو اس بڑے شخص کی خوبیون کا قدردان نہین تو کیا وہ اس اہم فرض کو ادا کر سکتا ہے ؟ مثلاً اگر وہی کتاب جسے علامۂ موصوف نے "ہماری زبان مین بہتر سے بہتر سوانح عمری" فرمایا ہے خود انکو لکھنے کے لیے دی جاتی، تو ناظرین سمجھ سکتے ہین کہ

وہ کیا ہوتی۔

یہ بحث ممکن ہے کہ بعض حضرات کو گران گزرے لیکن اس موقع پر مجھے اسکی ضرورت اسلیے پڑی کہ مولوی افتخار عالم صاحب نے ہمارے زمانہ کے ایک ایسے نامور شخص کی سوانح عمری لکھی ہے جنکے مخالف بھی بہت سے لوگ موجود ہین اور جنکے متعلق بہت سی غلط فہمیان بھی خاص و عام مین پھیلی ہوئی ہین۔ مین نہایت مسرت کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرتا ہون کہ مولف حیاۃ النذیر نے اس اہم فرض کو بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے، اور ممکن ہے کہ بعض کٹ حجت لوگ انکے تصفیہ کو تسلیم نہ کرین، لیکن جب وہ بھی ٹھنڈے دل سے غور کرین گے تو کم سے کم اپنی راے مین جھوجھر سے ضرور ہو جائین گے۔

شمس العلما ڈاکٹر مولانا نذیر احمد مرحوم ہماری قوم مین ایک ایسے فرد بے نظیر گزرے ہین کہ وہ ہمیشہ یاد رہین گے، اور کم سے کم جب تک اردو زبان زندہ ہے انکا نام بلاشبہ زندہ رہے گا۔ وہ محض اپنی محنت، استقلال اور قابلیت سے دنیا مین بڑھے، اور ایک معمولی غریب شخص سے امیر اور ایک ادنی طالب علم سے اعلے درجہ کے فاضل ہو گئے۔ انکی زندگی سیلف ہلپ (اپنی مدد سے آپ بڑھنے) کی ایک نمایان اور روشن مثال ہے۔ انھون نے معلمی سے زندگی شروع کی اور آخر عمر تک معلم رہے۔ انکی تعلیم انکی تصانیف کی صفحات مین موجود ہے۔ انکا بڑا کام اصلاح معاشرت (سوشل ریفارم) ہے۔ یعنی یہ کہ دنیا مین خوش، کامیاب اور بے لوث زندگی کیونکر بسر کرنی چاہیے۔ ایک بڑا کمال انکی تصانیف مین یہ ہے کہ انھون نے اسلامی سوسائٹی اور خاصکر اسلامی خاندان کی اندرونی معاشرت کی تصویر ایسی سچی اور بے لاگ کھینچی ہے کہ آنکھون کے سامنے نقشہ پھر جاتا ہے اور ایک مسلمان پڑھنے والے کو رہ رہ کے شبہ ہوتا ہے کہ کہین اسی کے خاندان کے بھیترے تو نہین کھل رہے ہین۔ خدا کے فضل سے اردو مین اس زمانہ مین ایسے ایسے باکمال انشا پرداز ہوے اور اب بھی زندہ موجود ہین جو اردو زبان اور اپنی قوم کے لیے باعث فخر ہین۔ مثلاً کسی نے تاریخی واقعات کی چھان بین کرکے عجیب حالات کا انکشاف کیا ہے؛ کسی نے دربار شاہی کی شان و شوکت یا جنگ کے خونریز منظر کا مرقع کھینچا ہے؛ کسی نے قوم کے گزشتہ جاہ و جلال پر فصاحت کے دریا بہا دیے ہین؛ کسی نے قومی ادبار و ذلت پر پردرد نوحہ پڑھا ہے؛ لیکن روزمرہ کے معمولی واقعات، جو صبح شام ہماری آنکھون کے سامنے ہمارے گھرون مین اندر باہر واقع ہوتے رہتے ہین، انکا بیان کرنا مولانا ے مرحوم پر ختم ہے۔ اور بیان بھی کیسا! ایسا پرلطف، ایسا سچا اور سلجھا ہوا کہ دل مین کھب جائے اور پڑھنے کے ساتھ ہی آنکھون کے سامنے جیتی جاگتی چلتی پھرتی تصویرین آجائین۔ ایک وسیع اور عظیم الشان منظر کی تصویر کھینچنا جسمین پہاڑ بھی ہون صحرا بھی ہو دریا بھی ہو، آسان ہے لیکن انسانی خصائل یا کسی ادائے خاص کی تصویر کھینچنا بہت مشکل ہے۔ یہان صرف اوپری نظر جو بیرونی اشیا تک محدود ہو کافی نہین بلکہ اسے عکس ریز (ایکس ریز) کی طرح جسم کے اندر گھس کر دلون کو بھی ٹٹولنا پڑتا ہے۔ اور مولانا مین یہ قوت بدرجۂ کمال موجود

مولانا کا احسان تعلیم نسوان پر بھی کچھ کم نہین، بلکہ میرے خیال مین حامیان تعلیم نسوان کی تقریرون لکچرون، تحریرون اور قیام مدارس سے کہین بڑھکر ہے۔ ان لوگون نے پڑھنے کی ترغیب دی اور اسکے وسائل بہم پہونچائے مگر مولانا نے لڑکیون کو پڑھنا سکھایا اور یہی نہین بلکہ پڑھنے مین جو ایک مزہ ہے وہ دلون مین پیدا کیا۔ مرحوم اگر سوائے مراۃ العروس کے کوئی دوسری کتاب نہ لکھتے تو بھی وہ اُردو کے باکمال انشا پرداز مانے جاتے اور اُنکی حیات جاودانی کے لیے صرف یہی ایک کتاب کافی ہوتی۔ ایک بڑی خوبی اسمین (اور اُنکی دوسری کتابون مین بھی) یہ ہے کہ عورتون کی زبان اور اُنکے خیالات کو ہو بہو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ خود عورتین قائل ہوجاتی ہین۔ یہ بات سوائے مرحوم کے اُردو کے کسی دوسرے مصنف کو حاصل نہین۔

مولانا اپنی طرز تحریر کے آپ موجد تھے اور یہ انھین کی ذات سے مخصوص ہے۔ اسمین بڑی بے تکلفی اور بیساختہ پن پایا جاتا ہے۔ انشا پرداز کو بڑی دقت یہ ہوتی ہے کہ جو خیال اُسکے دل مین آیا ہے اُسے اُسی قوت اور شان کے ساتھ الفاظ مین ادا کرے، اور اسی لیے اُسے اکثر اوقات تشبیہہ و استعارات سے کام لینا پڑتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو کبھی ایسی دقت محسوس نہین ہوئی، وہ کبھی تشبیہہ و استعارات سے کام نہین لیتے اور ایسے ٹھیٹ جاندار چپان الفاظ استعمال کرتے ہین کہ ان سے بہتر اس خیال کے اظہار کے لیے سمجھ مین نہین آتے۔ زبان پر انھین اسقدر قدرت حاصل تھی کہ شاید آج تک کسی اُردو انشا پرداز کو نصیب نہین ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ اُنکا خیال کبھی تشنہ نہین رہتا۔ اُن کی یہ کیفیت ہے کہ ایک دریا ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے۔ اُنکی طبیعت قدرتی طور پر پر زور واقع ہوئی تھی اور یہی زور اُن کے تمام خیالات اور الفاظ مین ہے۔ جو قوت اور زور مین نے اُنکی عبارت مین دیکھا ہے وہ کہین دوسری جگہ نظر نہین آتا۔ انھین اس بات کی ضرورت ہی نہین پڑتی کہ ہیر پھیر یا تشبیہات و استعارات سے اپنا مافی الضمیر ادا کرین، وہ اسی زبان مین سے جسے ہم روزمرہ بولتے اور لکھتے پڑھتے ہین، ایسے الفاظ نکال لاتے تھے کہ گویا وہ اسی خیال کے ادا کرنے کے لیے بنے ہین۔ اور پھر اسپر ظرافت سونے مین سہاگے کا کام دیتی ہے۔ اُن پر یہ اعتراض کیا گیا ہے اور وہ ایک حد تک بجا اور صحیح بھی ہے کہ وہ بعض اوقات رکیک اور مبتذل الفاظ استعمال کرجاتے ہین۔ اسکی وجہ ایک تو وہی ہے جو مین ابھی بیان کرچکا ہون یعنے وہ ہیر پھیر اور تشبیہات و استعارات سے کام لینا نہین جانتے تھے۔ دوسرے طبیعت قدرتاً واقع ہوئی تھی پر زور، وہ اپنے خیال کو اُسی زور اور شان کے ساتھ ادا کرنے کے لیے الفاظ کی پرواہ نہین کرتے تھے جن الفاظ مین اُنکا اصلی خیال صحیح طور سے ادا ہوسکتا اُنکے استعمال مین کبھی نہ چوکتے تھے۔ اور یہ فعل اُنکا کوئی ارادی نہ تھا، بلکہ طبیعت کی افتاد ہی ایسی تھی۔ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی طبیعت مین آورد نہ تھی بلکہ سراسر آمد تھی۔ علاوہ

اسکے آدمی تھے صاف گو اور آزاد رو، جو دل مین تھا وہ زبان پر، اور اُسپر شوخی و ظرافت اور غضب تھی۔ یہی وجہ ہین کہ
اُنکی ایک کتاب پر اس قدر شور و غل مچا۔

مرحوم جیسے اعلےٰ درجہ کے محرر تھے ویسے ہی مقرر بھی تھے۔ لوگ اُنکے لکچرون مین اس طرح ٹوٹے پڑتے تھے جیسے
قحط کے مارے کھانے پر گرتے ہین۔ ہم نے انجمن حمایت اسلام کے جلسون مین خود دیکھا ہے کہ گرمی کے دن ہین، دوپہر کا
وقت ہے ہزارون بندگان خدا دھوپ مین بیٹھے ہین، مگر کیا مجال کہ پہلو تک بدلین۔ کلام مین تاثیر بھی وہ تھی کہ جب چاہا
ہنسادیا اور جب چاہا رلا دیا۔ آواز بھی ایسی ملی تھی کہ سب جگہ یکسان پہونچتی تھی اور اسمین ایک خداداد اثر تھا۔
شوخی و ظرافت خاص کر اُنکے لکچرون مین دیکھنے اور سُننے کے قابل تھی۔ ایسا اعلےٰ درجہ کا مقرر ہمارے ملک مین پیدا
نہین ہوا وہ ساری مجلس پر چھا جاتے تھے اور حاضرین مجلس کی یہ حالت تھی جیسے کسی نے سحر کردیا ہو۔ مسٹر مارسن کی
جو رائے مولف نے لکھی ہے وہ بالکل صحیح اور بے مبالغہ ہے۔ انجمن حمایت اسلام، آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس
مدرسہ طبیہ دہلی ہمیشہ اُنکے لکچرون کے شرمندۂ احسان رہین گے۔ اُنکے لکچرون کے متعلق یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ کہین کے
کہین چلے جاتے تھے۔ یہ اعتراض شاید کسی حد تک صحیح ہے، لیکن اسکی وجہ یہ ہے کہ جیسی اُنکی طبیعت، اُنکی تحریر، اُنکی
عبارت، اُنکے الفاظ اور اُنکی تقریر پرزور تھی ویسے ہی اُنکا خیال بھی پُرزور تھا۔ اور تخیل کے پرواز مین دور تک پہونچ
جاتے تھے، لیکن اتنی دور نہین کہ نظر سے غائب ہو جائین۔ جولانی طبع انھین ادھر سے اُدھر ضرور لے جاتی تھی لیکن تاہم
بحث کے آس پاس ہی رہتے تھے۔

ہمارے اس زمانہ کے اہل قلم سوائے ایک دو کے زیادہ تر ترجمان ہین، انگریزی کے یا عربی کے۔ مگر مرحوم مین
جدت پائی جاتی ہے اور وہ اپنے خیالات اور تحریرات کے لیے کسی دوسرے کے محتاج نہین ہین؛ اور یہ اُنکی اعلےٰ
دماغی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اُنکی اصل تصانیف اُنکی جدت طرازی، اُنکے پرزور تخیل اور مشاہدہ کے نتایج
ہین۔ وہ نقل نہین ہین بلکہ اصل ہین، اور یہی وجہ ہے کہ وہ انوکھی اور دلاویز ہین اور یہی وجہ ہے کہ وہ مقبول خاص و
عام ہین۔ اور ہمیشہ زندہ رہین گی۔ جو لوگ اُردو سیکھنا اور اپنے خیالات انگریزی نما اُردو مین نہین بلکہ ٹھیٹ
اُردو مین ادا کرنا چاہتے ہین، اُنکے لیے مولانا کی تصانیف کا مطالعہ ازبس ضروری اور مفید ہے، کیونکہ اپنے خیال یا
مافی الضمیر کی صحیح تصویر الفاظ مین کھینچنا انپر ختم ہے۔ مین یہ نہین کہتا کہ اُنکا پورا پورا تتبع کرین کیونکہ یہ نہ صرف
مشکل ہے بلکہ شاید مفید بھی نہو، لیکن اسمین کچھ شبہ نہین کہ ہم اُنکی تصانیف کے مطالعہ سے بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہین
اس جدید زمانہ مین مسلمانون مین جتنے سر برآوردہ لوگ ہوئے ہین، خواہ وہ کسی خیال اور کسی رنگ کے ہون،

سرسید رحمتہ اللہ سے لیکر شمس العلما مولانا شبلی تک (باستثنا شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ مرحوم) سب مین زیادہ تر دینی لگاؤ تھا اُنکی تان دین ہی پر ٹوٹتی ہے اور یہی انکے خیالات اور اعمال کا مرکز ہے۔ مولانا نذیر احمد مرحوم کا بھی یہی حال تھا۔ یون تو اُنکی اکثر تصانیف مین یہ لگاؤ نظر آتا ہے، لیکن انھون نے خاص خاص کتابین مثلاً رویاے صادقہ، اجتہاد، الحقوق للفرائض، امہات الامہ لکھکر اور خاص کر ترجمۂ قرآن مجید سے ایسی عظیم الشان دینی خدمت ادا کی کہ مسلمان اُنکے احسان کو کبھی نہین بھول سکتے۔ مین اُنکی دینی خدمت کے متعلق بیان زیادہ بحث کرنا نہین چاہتا، مولف حیاۃ النذیر اسپر خوب دل کھول کے لکھ چکے ہین، لیکن ترجمۂ قرآن مجید کے متعلق چند الفاظ لکھے بغیر نہین رہ سکتا۔ اس ترجمہ کی تمام خوبیون کا گنوانا تو میری طاقت سے باہر ہے لیکن اس سے بڑھکر اور کیا خوبی ہوگی کہ ہزارہا مسلمان جواب تک قرآن پاک کے سمجھنے سے قاصر تھے اب بلاتکلف قرآن کے مطالب سمجھنے لگے اور خدا کے احکام خود اسی کے کلام کے ذریعہ سے جاننے لگے۔ اُردو ترجمے اس سے پہلے بھی موجود تھے، لیکن ترجمے کیا تھے الفاظ کے گورکھ دھندے تھے، خاک سمجھ مین نہین آتے تھے، اور سمجھ مین آئین تو کیونکر؟ مکھی پر مکھی ماردی تھی، اور جو طبیعت پر زور دے کر کچھ سمجھے بھی تو وہ لطف فصاحت کہان جسکے لیے قرآن سارے عالم مین مشہور ہے۔ قرآن پاک کا یہ پہلا اُردو ترجمہ ہے جسمین اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ علاوہ زبان کی سلاست اور فصاحت کے جہان تک ممکن ہو اصل عربی کا زور اور اسکی شان قائم رہے۔ مولانا چونکہ عربی اور اُردو کے بےمثل ادیب تھے اور زبان کا خاص ذوق تھا، اس لیے ترجمے مین وہ ساری خوبیان موجود ہین جو ہونی چاہئین۔ مسلسل پڑھتے جائیے سارے مطالب سمجھ مین آتے جاتے ہین اور فصاحت اور ادبیت کا لطف ایسا کہ چھوڑنے کو جی نہ چاہے۔ اس سے بڑھکر اور دینی خدمت کیا ہوگی۔ اور یہ صرف دینی ہی خدمت نہین بلکہ اُردو ادب کی بھی ایک بہت بڑی خدمت ہے۔ اب تک بعض لوگ اس بات پر اڑے ہوے ہین کہ مولانا شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ کا ترجمہ سب ترجمون سے افضل ہے اور مرحوم کا ترجمہ اس سے لگا نہین کھاتا۔ اسمین اب بحث کی ضرورت نہین ہے، عام مقبولیت نے ثابت کردیا ہے کہ مرحوم کا ترجمہ ایسا سطلب خیز فصیح اور شگفتہ ہے کہ موجودہ ترجمون مین کوئی اس کا مقابلہ نہین کرسکتا۔ ایک بات مین البتہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ کے ترجمہ کو فضیلت ہے اور یہ فضیلت غالباً اُسے ہمیشہ رہے گی وہ یہ ہے کہ بعض بعض مقامات پر عربی الفاظ کا ترجمہ اُنھون نے ایسے ٹھیٹ ہندی الفاظ مین کیا ہے کہ اس سے بہتر ہو نہین سکتا خصوصاً جہان کہین ایسے الفاظ آگئے ہین کہ اُنمین اشتراک معانی کی بحث آپڑی ہے تو اُنھون نے ہندی کے بھی ایسے ہی لفظ چُن کر رکھے ہین کہ اُنمین بھی اشتراک کا وہی لطف باقی رہتا ہے اور یہ اُنکی کمال ادبیت کی دلیل ہے۔ مگر اس کا لطف صرف ادیب ہی حاصل کرسکتے ہین۔ مطالب قرآن سے اسے کچھ تعلق نہین۔ مولوی نذیر احمد مرحوم کا ترجمہ

بامحاورہ فصیح اور شگفتہ ہونے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ یہان مجھے اس ترجمہ کے ضمن مین ایک مزے کی بات اور کہنی ہے جس سے ہماری قوم کے علما کی حالت کا پتہ لگتا ہے۔ مولانا کے ترجمہ کا شایع ہونا تھا کہ اُن پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہونی شروع ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ اُن حضرات کے ترجمے بھی شایع ہونا شروع ہوے، اور اکثر یہ اعتراضات اس نیت سے کیے گئے تھے کہ مولانا کے ترجمہ کی طرف سے لوگ بدگمان ہوجائین اور ہمارا ترجمہ بکنے لگے۔ افسوس اس سے قبل کسی کو ترجمہ کی فروغ کا خیال نہوا اور اب جو مولانا کا ترجمہ شایع ہوا اور اوسکی شہرت ہوئی تو یہ بھی لگے مُنھ چڑانے لیکن مولانا کے ترجمہ کے سامنے کسی کو فروغ نہوا۔ ان اعتراضات یا اسی قسم کی تحریرات مین جہان کہین مرحوم کا نام آتا تو یہ مولوی مارے جلن کے انکے نام کے ساتھ کبھی مولوی کا لفظ نہ لکھتے بلکہ ہر جگہ ڈپٹی نذیر احمد تحریر فرماتے تھے۔ یہ کم ظرفی کی بات نہین تو کیا ہے تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص باوجود عالم، حافظ اور مترجم قرآن ہونے کے بھی ان مولویون کے نزدیک مولوی کہلانے کا مستحق نہین جنکے علم و فضل کی ساری پونجی مسلمانون کے ارتداد و کفر کے فتوے لکھنے مین صرف ہوتی ہے۔

بڑے اور نامور لوگون پر اکثر اپنے ہمعصرون کے ہاتھون بڑے بڑے ظلم ہوے ہین۔ مولانا بھی آخر عمر مین اس سے نہ بچے امہات الامہ کا شایع ہونا تھا کہ دلی مین ایک ہنگامہ بپا ہوگیا۔ مولوی تو پہلے ہی سے اُن سے جلے بیٹھے تھے اُنکی بن آئی، خوب جلے پھپھولے پھوڑے، مخالفت مین رسالے چھپوائے، طرح طرح کے بہتان باندھے، کفر کے فتوے لکھے اور بدنام کرنے مین کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی طرح طرح سے عوام کو بھڑکایا یہان تک کہ بعض تو جان کے لاگو ہوگئے، اور مرنے مارنے پر مستعد ہو بیٹھے۔ یہ غدر دلی سے اُٹھا اور دوسرے مقامات تک پہونچا لیکن سب سے حیرت انگیز اور عبرت ناک واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب کے چھپنے کے بعد ندوۃ العلما کا جو اجلاس دلی مین ہوا، اسمین علماے کرام تو موجود تھے ہی، انھون نے باہم "مسکوٹ" کرکے امہات الامہ کی تمام جلدون کو جو ابتدائی طوفان کے بعد شہر کے بعض معززین نے مولانا کی منت سماجت کرکے ایک صاحب کے پاس رکھوادی تھین اور بکری موقوف کرادی تھی، منگوائین اور اپنے سامنے اُن کتابون کا ڈھیر لگوایا اور اُنہین سے ایک مولوی نے زیادہ تر ثواب کمانے کے لیے آگے بڑھکر مٹی کا تیل چھڑکا اور بسم اللہ کہکر آگ لگادی اُس کے شعلون کی روشنی مولویون کے مقدس چہرون پر پڑ رہی تھی اور اُنکی آنکھون کی چمک اور چہرون کی بشاشت سے اس خوفناک دلی مسرت اور باطنی اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا جو ایک خونخوار درندے یا سنگدل انسان کی صورت سے انتقام لیتے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ اگر حکومت کا ڈر نہوتا تو مولانا سے مرحوم بھی اسی آگ مین جھونک دیے جاتے۔ یہ منظر قابل دید تھا۔ مولویون کا یہ حلقہ زمانۂ وسطیٰ کے اُن پادریون کی یاد دلاتا تھا، جھون نے کتابین تو کتابین ہزارون بے گناہ زندہ دہکتی آگ مین جھونک دیے، کڑکڑاتے تیل کے کڑاہون مین ڈال دیے گلون مین پتھر باندھکر بہتے دریاؤن مین ڈبو دیے، کتون سے

پچڑوا دیے اور طرح طرح کے عذاب دے دے کر اور عجیب و غریب شکنجون مین کس کس کر سسکا سسکا کر مار ڈالے۔ اور اُنکے سامنے راکھ کا ڈھیر ایک تودہٗ عبرت تھا، جو بیسوین صدی عیسوی کے روشن زمانے کی ایک عجیب یادگار تھا۔ یہ راکھ اس قابل تھی کہ اسکی ایک ایک چٹکی بطور یادگار کے شیشون مین بند کرکے رکھ لی جاتی تاکہ آیندہ نسلین اسے سامنے رکھکر ان علماے کرام و مصلحان ملک و ملت کی ارواح پاک پر فاتحہ دلاتین اور اُنکے حق مین دعاے خیر کرتین۔

اس رات گویا مولویون نے شب برات منائی اور اس آگ سے اپنے نفوس مطمئنہ کو ٹھنڈا کیا، اور اپنے اعمال نامون مین ایک ایسی بڑی نیکی کا اضافہ کیا جو غالباً انکی نجات اخروی کا باعث ہوگی۔ یہ اُن بزرگوارون کا کام ہے جنھون نے چشم بد مسلمانونکی دینی و دنیوی اصلاح و فلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

طالب علمی کے زمانے مین جب مین انگریزی تاریخون اور دوسری کتابون مین یورپین مورخون کا یہ الزام پڑھتا تھا کہ مسلمانون نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسکندریہ کے بے نظیر کتب خانے کو جلا کر خاک کر دیا، تو بے حد رنج اور صدمہ ہوتا تھا۔ لیکن جب شمس العلما مولانا شبلی نے ایک محققانہ رسالہ لکھکر محکم دلائل اور پرزور شہادتون سے اسکی تردید کی تو اس بے نظیر رسالے کو پڑھکر پوری تسکین ہوگئی اور یقین ہوگیا کہ یہ محض فسانہ اور یورپین مورخون کا مسلمانون پر افترا اور بہتان ہے۔ مگر جب مجھے اس واقعہ کی خبر لگی اور خصوصاً جب مین نے یہ سنا کہ علامہ موصوف بھی (بالواسطہ یا بلاواسطہ) اس کار خیر مین شریک تھے تو میرا خیال بدل گیا اور اب تک میرا خیال ہے کہ کچھ تعجب نہین کہ مسلمانون نے کتب خانہ اسکندریہ جلا دیا ہو۔

اس واقعہ کا ایک بہت بڑا اثر یہ ہوا کہ جب مرحوم کے فرزند رشید نے مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ سے اپنے پدر بزرگوار کی یادگار قائم کرنے کی درخواست کی اور خود بھی اسمین معقول امداد دینے کا وعدہ کیا تو کالج کے سنڈیکیٹ نے بڑی ڈھٹائی سے مولویون کے ڈر کے مارے صاف انکار کر دیا، اور انکار کی وجہ مرحوم کے معتقدات قرار دی، جو انکے زعم شریف مین خلاف اسلام تھے۔ کوئی ممبران سنڈیکیٹ سے پوچھے کہ تم کسی کے مذہب پر رائے دینے والے کون؟ اور اس معاملے کو مذہب سے تعلق؟ سر ولیم میور اور سیکڈانلڈ جیسے لوگون کی تو یادگار قائم کی جائے اور ایک حافظ، عالم، مترجم قرآن محسن کالج کی یادگار قائم کرنے مین یہ انکار! اور انکار بھی کیسا ناروا اور شرمناک! خصوصاً جبکہ ارکان سنڈیکیٹ مین شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے کتاب امہات الامہ کو بالاستیعاب پڑھا ہو۔ صرف مولویون کے خوف سے گھبرا کر یہ فیصلہ کر دیا۔ نہایت افسوس اور رنج کی بات ہے کہ کارکنان کالج مین مداہنت اور بزدلی پیدا ہوتی جاتی ہے اگر خدانخواستہ یہی حال رہا تو جس غرض سے بانی کالج نے یہ کالج قایم کیا تھا وہ فوت ہوجائے گی اور اسکا وجود بیسود ثابت ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بعد مین اپنے کیے سے پچھتائے اور اسکی تلافی اس طرح کی کہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مین مرحوم کی

یادگار قائم کرنے کے متعلق رزولیوشن پاس کیا غنیمت ہے۔ دیکھیں ہمارے علما کیا کرتے ہیں! تلافی تو خیر وہ کیا کریں گے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ایجوکیشنل کانفرنس کے خلاف فتوی نہ لگا دیں۔

مرحوم کے حق میں یہ صریح بے انصافی اور سخت ظلم ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ انصاف پسند اصحاب اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اس محسن ملک و قوم کی یادگار قائم کرنے میں سعی بلیغ فرمائینگے، ورنہ ہماری قوم پر یہ بڑا دھبا رہ جائیگا

قابل مؤلف نے مرحوم کے کیرکٹر کے متعلق مفصل اور کافی بحث کی ہے، اسکے بعد اسپر کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ مرحوم میں بڑی بڑی خوبیاں تھیں اور سب سے بڑی صفت انکی معاشرت میں اعتدال اور کفایت شعاری کی تھی جس کی آجکل ہمیں بڑی ضرورت ہے۔ اور ہماری تمدنی اصلاح کا بڑا دارومدار اسی پر ہے۔ لیکن اس سے حاصل؟ کیا عمر بھر کی کفایت شعاری کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے کہ اس کا سارا مال اولاد باہم تقسیم کرے؟ کیا اس میں قوم کا کوئی حصہ نہیں؟ خصوصاً جبکہ اولاد کھاتی پیتی اور مرفہ الحال ہو۔ ایثار کی تلقین کرنا اور بات ہے اور اسپر عمل کرنا اور۔ کسی شئے کا علم عمل کے لیے کافی نہیں اعمال پر تربیت اور خاص کر ابتدائی تربیت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ابھی ہماری قوم میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوئے الا ماشاء اللہ۔ البتہ اس زمانے میں مولوی کرامت حسین صاحب کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے جو ہر طرح قابل تحسین اور لائق تقلید ہے۔ انھوں نے بھی اپنی عمر کفایت شعاری میں بسر کی، لیکن اسکے ساتھ ہی اپنا سارا اندوختہ قوم کی نذر کر دیا۔

گزشتہ اجلاس آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ایام میں ترقی اردو کا بھی ایک جلسہ ہوا تھا، اس میں علاوہ دیگر تجاویز کے ایک یہ تجویز بھی پیش ہوئی تھی کہ محسنین اردو کی سوانح عمریاں لکھوائی جائیں، اس میں مولوی نذیر احمد مرحوم کا نام پیش کیا گیا تھا۔ لیکن اسکے بعد ہی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ مولوی افتخار عالم صاحب اس کام کو کر رہے ہیں بلکہ کر چکے ہیں تو مجھے بے انتہا خوشی ہوئی اور حسن اتفاق سے چند ہی روز بعد ان سے ملاقات بھی ہو گئی تو میں نے انکی خدمت میں دلی مبارکباد عرض کی اور اپنی بے حد مسرت کا اظہار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے بڑا کام کیا اور بڑا احسان کیا ہے اور جس محنت، جانفشانی اور لگاتار کوشش سے اس فرض کو انجام دیا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے اور حق یہ ہے کہ انھوں نے سوانح عمری کا حق ادا کر دیا ہے۔ مرحوم کی یہ بھی خوش نصیبی ہے کہ انھیں ایسا سوانح نگار ملا جس نے اس کام کو نہایت ہمدردی، دلسوزی اور صداقت کے ساتھ پورا کیا ہے۔ طرز تحریر بھی فصیح اور شگفتہ ہے۔ بعض جگہ تو مجھے شبہ ہو جاتا تھا کہ کہیں مرحوم کی عبارت تو نہیں۔ امید ہے کہ پبلک اور خاص کر مرحوم کی تصانیف کے دلدادہ ضرور اسکی قدر کرینگے۔

قابل مؤلف نے اس کتاب کو علیا حضرت ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال کے چھوٹے صاحبزادہ حمید اللہ خان بہادر کے

نام معنون کیا ہے۔ صاحبزادہ صاحب مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ مین تعلیم پاتے ہین اور ایک ہونہار اور لائق نوجوان ہین سعد روی، قدر دانی اور فیاضی مین اپنی والدۂ ماجدہ کے قدم بقدم چلتے ہین۔ انکی ذات سے بڑی بڑی توقعات ہین۔ اگلے زمانہ مین مولفین و مصنفین کو امراء و روسا کے دربار سے ایسے ایسے صلے ملتے تھے کہ وہ عمر بھر کو نہال ہو جاتے تھے۔ ہمین یقین ہے کہ لائق مولف کی جانکاہی اور محنت کی قدر انکی لیاقت کے موافق کی جائے گی۔

عبدالحق

افسانہ جوانی

وہ دل ہے آج شمع غم خانۂ جوانی — جو تھا سلامتی سے پروانۂ جوانی
آثار رنیب کیا ہین نقش وداع ہستی — برباد ہو رہا ہے کاشانۂ جوانی
خواب و خیال اب ہین وہ روز و شب وہ گھڑیان — جب ہم بنے ہوے تھے مستانۂ جوانی
ہوتے تھے او ہیجو نا فہمون سے یہ سُن کر — وہ آ رہا ہے کوئی دیوانۂ جوانی
آنکھون کی پتلیون نے پھیری نگاہ آخر — بگڑے ہین ساکنان مے خانۂ جوانی
اے توبہ توبہ مُنھ سے کہیے تو خاک کہیے — کیونکر کٹا وہ عہد رندانۂ جوانی
جب دل نے چوٹ کھائی طوفان گریہ اُٹھا — کیا کیا نہ بھر کے چھلکا پیمانۂ جوانی
وہ دھن تھی ہوش جس سے سرکا نہ پاؤن کا تھا — اللہ رے زور و شور مستانۂ جوانی
آواز کانپتی ہے اظہار حال دل مین — اُف اُف جواب شور رندانۂ جوانی
اس زور بل پہ کیا کیا تنتے رہے ہین برسون — یون ہی بنا رہے گا کاشانۂ جوانی
ہر چند جانتے تھے پھر بھی نہ ہوش آیا — دشمن ہے سخت دشمن یارانۂ جوانی
دنیاے زندگی مین ہین کوئی چیز ہم بھی — اب وہ خیال ٹھہرا بیگانۂ جوانی
عقل و متاع ہستی جان عزیز و ایمان — کیا کیا نہین ہوا ہے نذرانۂ جوانی
اب ہم سے پوچھتا ہے طنزاً یہ آکے ناصح — کیا ہو گئی صداے شیرانۂ جوانی
بند آنکھین کیون ہین محشر کیون پاؤن شل ہین — بھولے ہو کیون طریق کورانۂ جوانی
طاقت زبان کی بھی جاتی ہے کوئی دم مین — ہان تم کہو مین لکھ لون "افسانۂ جوانی"

ممتاز

خونابۂ جگر

ایک مدت ہو گئی ہر وقت ناکامی میں ہم + شہرتیں اپنی مٹا کر محو گمنامی میں ہم
کیوں نہ تڑپیں کشتۂ تیغ بدانجامی ہیں ہم + نوحہ خوانِ گلشنِ تاراجِ اسلامی ہیں ہم

بلبلِ بے آشیاں ہیں جان کھونا ہے ہمیں
طاقتِ پرواز برسوں تجھ پہ رونا ہے ہمیں

وہ زمیں قوتیں جو تھیں وہ سب کیا ہو گئیں + چھٹ گئے ہم سے اب ہماری ہی تمنا ہو گئیں
رشک تھا جنکو انھیں کے دل میں پیدا ہو گئیں + دور اتنی ہو گئیں ہم سے کہ عنقا ہو گئیں

اڑ کے جاتے تھے جہاں تک آسماں کا دور تھا
بھولتے ہیں اب ہمیں تھے وہ کہ کوئی اور تھا

پوچھ لو دنیا سے کتنی قوت پرواز تھی + زور اتنا تھا کہ خود تقدیر بھی دمساز تھی
سرعت رفتار نغموں کی مگر اعجاز تھی + ساری دنیا میں فقط آواز ہی آواز تھی

آگے آگے ہم تھے اور پیچھے ہمارا نام تھا
اپنی آوازوں سے بڑھ جانا ہمارا کام تھا

انتہا میں وہ نہیں جو بات تھی آغاز میں + چرخ جھکتا تھا جب اڑتے تھے ہوائے ناز میں
پتا پتا ہلکے رہ جاتا تھا اک آواز میں + خامۂ قدرت کی جنبش تھی پر پرواز میں

جس طرف چاہا اُدھر دم بھر میں پھیرا کر لیا
پر ادھر تولے اُدھر گلشن پہ قبضا کر لیا

قدرت معبود کے وہ کارخانے اور تھے + جنکو تکتا تھا فلک وہ آشیانے اور تھے
چہچہے کیا زمزمے کیا وہ ترانے اور تھے + جب ہمیں مُنہ کھولتے تھے وہ زمانے اور تھے

اُڑنے والوں سے کبھی پر تولنا سیکھا نہ تھا
بات اپنی بھی کسی سے بولنا سیکھا نہ تھا

پھول گلزار تمنا میں جو تھے کھلتے تھے خود + ٹھٹکے ہم چلتے تھے جنسے دوڑ کر تھکتے تھے خود
حرفِ غم کا ذکر کیا ہو کر غلط چھلتے تھے خود + یوں رگ گوشن دوڑتا تھا خون کہ رہتی تھی خود

ہم سے عاجز تھا فلک کی حادثوں کا زہر بھی
جب اشارہ کر دیا بدلی ہوائے دہر بھی

نیند کے جھونکے کبھی اس سمت آتے ہی نہ تھے + بسترِ راحت پہ دم بھر چین پاتے ہی نہ تھے
غنچۂ وحدت سے شبنم دل ہٹاتے ہی نہ تھے + اپنی آنکھوں میں گلِ عنا سماتے ہی نہ تھے

ہم ہوس سے بری تھے عالم ایجاد میں
لگ گئے تھے رنگِ دنیا کے خدا کی یاد میں

تھا نشیمن جس جگہ وہ باغ تھا قدرت نما + سرزمیں جسکی تھی اک آئینۂ صورت نما
سلسلے تھے زبنا لوں کے غضب الفت نما + ایک اک پتی تھی اس گلزار کی وحدت نما

وادیٔ ایمن کی صورت روشنی تا دور تھی
جو کلی جس شاخ پر تھی وہ شمعِ طور تھی

ابرِ رحمت کب ہوا پر جھومتا آتی نہ تھی + کب حسینانِ چمن کا حسن چمکاتے نہ تھے
پھول جو کھلتے تھے گلشن میں وہ مرجھاتے نہ تھے + آ نکلتے تھے فلک والے تو پھر جاتے نہ تھے

سر بلندی سے شجر کی چرخ کو وسواس تھا
بلبلِ سدرہ ہمارے آشیاں کے پاس تھا

سبزۂ خوابیدہ کا ہر دم لہکنا کیا کہوں + برگِ گل کی طرح پتوں کا مہکنا کیا کہوں
جوش میں وہ ہمصفیروں کا چہکنا کیا کہوں + خود بخود اُن چھوٹے پودوں کا بہکنا کیا کہوں

کس لیے سایہ نہ پڑتا اُنکا ہفت اقلیم پر
جھومتی تھیں ڈالیاں تعمیرِ ابراہیم پر

انتہا تھی لطف باری کی نہ حد احسان کی + کیا کہون جسم تمن پر تھی قبا کس شان کی
ہو رہا تھا خلد عالم نسل سے عدنان کی + آسمان سے ملتی تھین جو شہان فاران کی

سایۂ برگ شجر پڑتا تھا مہر و ماہ پر
تھا مقام قاب قوسین ایک شب کی راہ پر

اسکی سرسبزی سے کم تھا رنگ مینو چرخ برین + گل کچھ ایسے تھے کہ جنکا مثل اب ممکن نہین
ذرے ذرے مین سمائی تھی شمیم عنبرین + ہو رہی تھی پھول کی تیری کی تعبیر زمین

روح پھونکی تھی خدا نے سو کہ خود جاندار تھی
آسمان تک اُڑ کے جانے کے لیے تیار تھی

صحن گلشن مین کھنچ آئی تھی جنت کی بہار + باغبان تھی اُس چمن کی قدرت پروردگار
کیا لکھے توصیف اُسکی خامۂ معجز نگار + لوٹنے پڑتے تھے جہان فردوس کے سیب و انار

جان نثاری تھی ضروری بلبلون کے واسطے
خلد کو چھوڑا پھلون نے ان گلون کے واسطے

تھی زمین باغ زیر چرخ اپنے نام کی + گھاس بھی کوئی اُگی تو کل جہان کے کام کی
بیلکھڑی بھی توڑتی تھی گردنین اصنام کی + اُن درختون مین تھا ہر پتیا زبان اسلام کی

کفر کی ہر بات اُن غنچون سے کٹ کر رہ گئی
جو کلی چٹکی وہی اللہ اکبر کہہ گئی

خوشنما تھی خاک رنگ آسمان دیتی ہوئی + جو روش تھی وہ ضیائے کہکشان دیتی ہوئی
اہل دین کہتے تھے جاتی ہے زبان دیتی ہوئی + جب چٹکتی تھی کوئی بلبل اذان دیتی ہوئی

یہ صدائے جانفزا ہر روح کی دمساز تھی
کوچۂ رگہائے گل مین بھی یہی آواز تھی

دور وحدت مین چمن تھا ایک ہی انداز پر + گردشین چرخ کہن کی تھین نئے انداز پر
آفرین اُن ہمصفیران ترنم ساز پر + زمزمون پر زمزمے آواز تھی آواز پر

کیا تعجب ہے جو پہنچین قیصر و فغفور تک
گنبد گردون مین گونجی تھین صدائین دور تک

پہلے یثرب اسطرح سرسبز و بار آور نہ تھا + شہر تھا لیکن جواب گنبد خضرا نہ تھا
آنکھ پڑتی قدسیون کی جس پہ وہ منظر نہ تھا + عندلیب ایسی بھی ہون گے کہ جنکا گھر نہ تھا

دم نکلتا تھا بہار جانفزائے باغ پر
دور سے کھنچ کھنچ کر آئی تھی ہوائی باغ پر

باغ کے دامن مین تھی جو کھڑی نہ رکھتی تھی کبھی + اُنکا اک مدبار تھا جو دم نہ رکھتی تھی کبھی
لوٹ سے دنیا کی دامن تر نہ رکھتی تھی کبھی + گلہائے شیشون مین زر نہ رکھتی تھی کبھی

پھول تھی لیکن گرانقدری اپنی بار تھے
تھا عرق جسکا گلاب اُسکے گلے کے ہار تھے

جلوۂ گل سے دمکتا تھا خیابان چمن + سیکڑون شمعین نہان تھین زیر دامان چمن
جوش مین جنبش جو کرتی تھی کبھی جان چمن + خوشۂ پروین پہ جا گرتے تھے مرغان چمن

انکی پرواز دن سے تھا گردون کا جی چھوٹا ہوا
ہر ستارے کی کرن کا جال تھا ٹوٹا ہوا

زمزمے تاثیر کرتے تھے آپ اپنی نظیر + ایک بولا اور پیدا ہو گئے سو ہمصفیر
رفتہ رفتہ ہو گیا دل کا دھوان ابر مطیر + کھینچ لائی تھی بہار باغ کو اُن کی ہیر

حسن کثرت سے فلک وحدت کا پیدا ہو گیا
طلے پر کھولے تو اک عالم پہ سایہ ہو گیا

تھے مرصع نخل کلیان بر محل آئی تھین سب + لیکے شمع وادی ایمن نکل آئی تھین سب
بوٹیان کپڑے نہا دھو کر بدل آئی تھین سب + قوتین جتنی زمین مین تھین ابل آئی تھین سب

نونہال حسن ہر طفل زمرد پوش تھا
مادر گیتی عجب دلکش ترا آغوش تھا

گل یہان ڈھونڈے نہین ملتی تھی مرجھائے ہوئے + شوق مین سبزہ تھا دامن اپنا پھیلائے ہوئے
دوش گل پر گیسوئے سنبل تھے بل کھائے ہوئے + آشیانے تھے کہ ٹکڑے ابر کے چھائے ہوئے

سوز دل نے برق کے سانچے مین ڈھالا داغ کو
روئی شب بھر عندلیب و سینچ ڈالا باغ کو

پاک گوہر تھی کہ فلک آبرو کرنے لگے + جسکے عاشق تھے اُسی کی گفتگو کرنے لگے
جو حجاب آیا ہٹا جب جستجو کرنے لگے + رات کے آتے ہی آنکھوں سے وضو کرنے لگے

بھیگتی تھی شب نہانے تھے جو آب نور سے
پانی اُنکے واسطے لاتی تھی شبنم دور سے

نہ آتی تھی عبادت سے دل بیتاب مین + فصل گل کا سامنا تھا عشق کے برتاب مین
اضطراب ایسا نہ پیدا ہو سکا سیماب مین + دم اُلجھتا تھا جنکا پڑہ کے خواب مین

ذائقہ عیش و طرب مین موت کا پاتا تھا دل
چٹکیاں جب دل لیتا تھا سنبھل جاتا تھا دل

پر لگا لیتی تھی ہمت اُن تک آنیکے لیے + جب یاد ان ہی تھی در رسول سنانیکے لیے
کھینچ آتی تھی لبون پر جان جانے کیلیے + جا لگی تھی بات انکا غم مٹانے کیلیے

جو ترقی سوز دل مین تھی وہی تھی یاد مین
شب کا سناٹا چھپا تسبیح کی آواز مین

بخت دل بیدار ہو جسکے وہ کیون سونے لگے + مل گیا جنکو خدا وہ وقت کیون کھونے لگے
شکل پروانہ نثار شمع غم ہونے لگے + نیند آنکھوں مین ادھر آئی اُدھر رونے لگے

غیر جنکو چھپ کے سن سکتا ہو وہ باتین تھین
اُنسے غفلت سے کبھی کی بھی ملاقاتین تھین

چھپ چھپ کے دن کٹتے تھے - ہان نالہ شبگیر تھے + کوئی سن لیتا تو خنجر تھے سنان تیر تھے
آج تک بھولی نہین دنیا یہ پر تاثیر تھے + اُنکی آوازین تھین وہ جو درد کی تصویر تھے

دل کی امیدین نہ ہرگز روشناس یاس تھین
کنجیاں رحمت کے دروازون کی اُنکے پاس تھین

شغل وہ جو غیر کو دل کو توانائی نہ دے + وہ مکان جو رستہ ہنگام تنہائی نہ دے
رات وہ جو قلب عاشق کو شکیبائی نہ دے + شمع وہ جو اور پروانوں کو دکھلائی نہ دے

ذکر حق کے ماسوا ہر چیز سے دل سیر تھا
ایک جانب روشنی تھی ہر طرف اندھیر تھا

رات اُنکے واسطے صبح قیامت ہو گئی + ساعت آرام یون بدلی کہ آفت ہو گئی
رنہا پھولونکی خوشبو سوز وحدت ہو گئی + ہر گیاہ سبز انگشت شہادت ہو گئی

تھا نزول رحمت باری جو گلشن کی طرف
اُنگلیاں لاکھوں اُٹھی تھین ہر نشیمن کی طرف

کھینچ سکتی تھی نہ اپنی سمت اُنکو بوئے گل + اُنکی راہ مین رہتین گرتے سینکڑون گل
کب نظر آتا اگر پڑتی نگاہین سوئے گل + جلوہ وحدت تھا اُن آنکھوں مین کیسا روئے گل

سر جھکاے دیکھتے تھے آئینے ادراک کے
نکہت گل کو سمجھتے تھے برابر خاک کے

نور کہتا تھا کہ موسیٰ کو غش آیا تھا وہین + مثل گل داغ تمنا رنگ لایا تھا وہین
سبزہ بیگانہ پر پھولونکا سایہ تھا وہین + خضر نے اپنا مصلّے بھی بچھایا تھا وہین

ملکے رونا شبنم و بلبل کو فرض عین تھا
کیا کہون وہ باغ تھا یا مجمع البحرین تھا

دل کے وہ غنچے نماز شب مین قبلہ رو رہے + جیسے زیر پا بتون کے کاکل و گیسو رہے
سر بسجدہ اُنکی راہ عشق مین ابرو رہے + وہ اگر ہنس دیے تو برسون باغ مین خوشبو رہے

آنسوؤن کا سلسلہ جاری رہا ہر حال مین
آیتین کس نور کی تھین مصحف اعمال مین

پیر ہو جاتے تھے ذکر نوجوانی چھیڑ کر + دل حزین تھے قصۂ دنیاے فانی چھیڑ کر
چیخ اٹھتے تھے حدیث لن ترانی چھیڑ کر + صبح کر دیتے تھے وہ اپنی کہانی چھیڑ کر

پس کے دل پہلو سے کھنچ آتا تھا اُن نالونکے ساتھ
خون کی دھارین نکلتی تھین مناجاتونکے ساتھ

شب مین وہ تھے یا کلیم اللہ رود نیل مین + کٹ گئین راتین ہی تسبیح مین تہلیل مین
ہو گیا مشغول گردون صنع کی تبدیلیون مین + آئی ٹھنڈک چاندنی کی بجھتی ہوئی قندیل مین

بے اُٹھائے خود نہ وہ اپنے مصلے سے اُٹھے
ہاتھ جوڑے جب شعاعون نے تو سجدے سے اُٹھے

آگیا بامِ فلک پر شرق سے زرین طبق + آب نے رچھیلا سنہرا ہو گیا کالا ورق
یاد پھر کرنے لگی بلبل وہی پہلا سبق + داس گلشن مین گل تھے یون کہ پھولی تھی شفق

باغ کو چمکا دیا صبح کے آثار نے
اپنے ہی تیور نہین دیکھے اپنے منھ اشجار نے

سلسلہ جنبان وحدت کا کلین سنبل کی تھین + کو بہین شبنم بھری صورت مین جام مل کی تھین
کسقدر رنگین وہ سادی اُ مین گل کی تھین + پھر رہی پہلی سی باتین قمری و بلبل کی تھین

بار خواہش کا قناعت سی جو ہمت پر نہ تھا
دانے پانی کا تردد اُنکی صورت پر نہ تھا

بھوک مین بھی ہو گئی تھی قاضی الحاجات سے + دل کو بہلاتے تھے غم مین خوبی اوقات سے
تھا عیان ورتوکل اُنکی ہر ہر بات سے + ہو کے دنیا مین جدا تھے اور موجودات سے

بادشاہی تھی اگر سد رمق بھی پا لیا
سامنے جو رزق آیا سر جھکا کر کھا لیا

طائرو نہین یہ توکل یہ شکیبائی کہان + لاکھ دلکش ہو مگر گل مین یہ رعنائی کہان
اک دہن غنچے مین ہے لیکن مسیحائی کہان + بول اٹھے تصویر بھی جس سے وہ گویائی کہان

اُنپہ جو کھپ جائین وہ القاب بھی کیا خوب ہین
ان بیچارون نئے انداز کے محبوب ہین

پردۂ باغ و گل و بلبل برائے نام ہے + عندلیب یاں ہوا ہی ہین چمن اسلام ہے
گل کو یون سمجھو کہ اُن ہاتھونکا دلکش کام ہے + اُنسے ان چیزون کو نسبت یہ خیال خام ہے

بلبلین ہین عشقِ گل مین گل پریشانی مین ہین
سچ ہے عنقا یہ مثالین عالم فانی مین ہین

کیون وہ اوجھل ہو گئے آنکھو نسے اپس غم مین ہون + ہے یہ سینہ کوبی تو ہر دم جامۂ ماتم مین ہون
طائر بے بال و پر ہون گو بنی آدم مین ہون + سامنے انکا زمانہ ہے عجب عالم مین ہون

میہمان تھکو ہین کس کی مدارتین کرون
ظلم فریادون یہ ہوتا ہے اگر باتین کرون

یون نہین تڑپا مین گزری زندگانی کے لیے + پیر یون روے نہین فصلِ جوانی کے لیے
وہ گئے دنیا سے ملکِ جاودانی کے لیے + رہگئے ہم آج اُنکی نوحہ خوانی کے لیے

ہُو کا عالم ہے جہان بیٹھا ہوں اس سینے مین
اُنکی آوازین مگر کچھ کہہ رہی ہین کان مین

یونتو شمع بزم بھی ہے ذکر پروانہ بھی ہے + ساقیونکی محفلین بھی دور پیمانہ بھی ہے
ہین جہان آباد یا عبرت کو ویرانہ بھی ہے + سیکڑون قصے سُنے اک اور فسانہ بھی ہے

وسعتِ دامن ہے لازم خونفشانی کے لیے
ڈھونڈھتا پھرتا ہون تین اس کہانی کے لیے

ثاقب

واقف ہے نامہ بر جو محبت کی راہ سے
بچ بچ کے جا رہا ہے فلک کی نگاہ سے
توبہ کے چار حرف بڑے کام آ گئے
ساری خطائین سٹ گئین فردِ گناہ سے
زور دن پہ لاغری جو رہی یون ہی چند روز
چھپنا پڑے گا خود مجھے اپنی نگاہ سے
مہندی لگاؤ غازہ ملو دیکھو آئینہ
کیا واسطہ تمھین مرے حالِ تباہ سے
محفل سے اُنکی اُٹھ کے کوئی جائے کیا مجال
باندھے ہوے ہین سب کو وہ تارِ نگاہ سے
ابرِ بہار کو ہے مری چشمِ تر سے اُنس
بجلی ملی ہوئی ہے تمھاری نگاہ سے
اے رعد کیون نہ اوج پہ ہو میری شاعری
ہے واسطہ جلیلِ سخن دستگاہ سے

محمد صدیق خان رعد

حیات اور موت

کے

راز کا نظارہ بیسوین صدی کی روشنی مین

بروا سے زاہد خود بین کہ ز چشم من و تو   راز این پردہ نہانست و نہان خواہد بود

جس طرح یورپ کے جانباز ایران ۔ طرابلس اور مراکو کے زیر و زبر کرنے مین اپنی مستعدی اور فراست کا ثبوت دے رہے ہین ۔ کرپ کی توپون کا تماشا کر رہے ہین ۔ ہوائی جہاز اڑا رہے ہین ۔ بے تار کی برق سے کام لے رہے ہین اور ممالک کو روندے ڈالتے ہین ۔ اُسی طرح قیاسات اور خیالات کی دنیا پر بھی انکی چڑہائی ہے اور نئی نئی موشگافیان حیرت انگیز ہو رہی ہین ۔ جذبات اور روایات کے بحر ناپیدا کنار مین کیا کیا خیالی ڈریڈناٹ اژدہا پیکر نوقون کر رہے ہین ۔ کیسے کیسے تارپیڈو کے جال ڈالے جا رہے ہین ۔ اور کہان کہان کی سنگین دلیلون اور تجربون کی بارود سے اڑائی جا رہی ہین ۔ یہ سب تماشے مغرب کے آئے دن کے حالات مین معلوم ہوتے ہین ۔ حال مین چوتھی ستمبر کو برٹش ایسوسی ایشن کے سالانہ جلسہ مین پروفیسر شافر صاحب کی صدارتی تقریر سے علمی دنیا مین ایک ہلچل سی پڑ گئی ہے ۔ اس سے حیات اور موت کے راز پر وہ روشنی پڑتی ہے جو بیسوین صدی مین ہم کو دکھائی دیرہی ہے ۔ یہ روشنی کہان تک رہنمائی کرتی ہے اسکا حال آیندہ معلوم ہوگا ۔ اسوقت پہلے ہم پروفیسر شافر صاحب کے نوٹ انگریزی اخبارات سے نمبروار لکھے دیتے ہین اسکے بعد اسپر کچھ سرسری اقتباسات اور راے زنی بھی ہے ۔ ہان پروفیسر شافر صاحب یہ فرماتے ہین ۔

(۱) "زندگی" یا "حیات" کی جامع و مانع تعریف اب تک نہین ہوئی ہے ۔ ہربرٹ اسپنسر سے فلسفی کو اپنی کتاب "اصول علم حیات" مین "حیات" کی تعریف مرتب کرنے مین بہت دقت پیش آئی یعنے ایسے جامع و مانع الفاظ نہین ملے جن سے تمام اشیاء نمو و حیات کا احاطہ کیا جا سکتا اور ساتھ ہی جتنی چیزین بیجان مانی گئی ہین وہ دائرہ ذی حیات سے نمایان طریقہ سے خارج ہوتین اور بالکل علحدہ سمجھی جاتین ۔

(۲) زمانۂ سلف مین جاندار اور بیجان چیزون مین جس قدر فرق ہین تسلیم کیا جاتا تھا اب اتنا فرق زمانۂ حال کی تحقیقات اور موجودہ انکشافات سے پایۂ ثبوت کو نہین پہنچتا ۔

(۳) "حیات" کیا چیز ہے یہ دراصل مادۂ قدیم کے حل ہونے پر معلوم ہو سکتا ہے کہ جدید تحقیقاتون سے

بیجان اور جاندار چیزیں ایک ہی رشتۂ قانون میں منسلک پائی گئی ہیں اسلیے "مادہ" اور "حیات" دو چیزیں نہیں ہیں

(۴) عام خیال یہ ہے کہ سرچشمۂ حیات کی محرک کوئی مافوق العادت قوت ہے جسکی تائید کسی اصول یا مشاہدہ اور تجربہ سے نہیں ہوتی ہے۔ "حیات" کا مخرج وہی بیجان مادہ ہے جس نے رفتہ رفتہ دور ارتقائی کے منازل طے کرکے جاندار اشیاء کی صورت اختیار کرلی ہے۔

(۵) جاندار چیزوں میں "نقل و حرکت" "نشو و نما" "ہضمہ و جاذبہ" اور "تخلیق" کی قابلیتیں پائی جاتی ہیں۔ یہی باتیں اکثر بیجان چیزوں میں بھی دیکھی جاتی ہیں وہ دن قریب ہے کہ جب کیمیائی ترکیبوں سے ہم اپنے ہاتھوں "حیات" تیار کرلیں گے اور مسئلہ تعریف "حیات" ایک معمائی تحیل نہ رہ جائے گا۔ تھوڑا سا "تیل" اگر کاغذ پر گرادیا جاتا ہے تو وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کرکے پہونچ جاتا ہے۔ بلور کا ٹکڑا نشو و نما کے بدیہی آثار ظاہر کرتا ہے۔ وہ بڑھتا ہے اگر اسکی غذا کیمیائی کافی طور سے پہونچتی ہے تو دوسرا ٹکڑا بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ مرغی کے انڈے میں بھی کیمیائی حرارت پہونچا کر جان پیدا کی جاتی ہے اسلیے ظاہر ہوا کہ مراحل ہست و نیست میں خاص خاص کیمیائی ترکیبیں جاری و ساری ہیں اور جاندار و غیر جاندار میں مشکل کوئی حد فاصل قائم کی جاسکتی ہے۔

(۶) کچھ زمانہ ہوا کہ علمی تجربہ کے واسطے ایک مینڈک پکڑا گیا تھا اور جب اسکو مار ڈالا گیا تو پھر ایک سال بعد دیکھا گیا تو مینڈک کے خون کے سفید ذرے یا مینڈک کے خون کی چھلکیاں "حیات" کے ذرات کے ساتھ باقی رہیں۔ اسی طرح اور تجربوں سے معلوم کیا گیا ہے کہ ایک "حیات" یعنے مادۂ بیجان کی ایک لطیف اور اعلیٰ درجہ کی ترقی یافتہ صورت" دراصل مجموعہ ہوتی ہے بہت ساری ذی حیات چھلکیوں کا جن میں سوراخ ہوتا ہے۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ آدمی کے مرجانے کے بعد اسکے جسم کے اندر یہ جاندار چھلکیاں مدتوں بیجان نہیں ہوتیں۔ اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ آدمی کا جسم گویا انھیں کروڑوں چھلکیوں کا ایک چھتا ہوتا ہے اور یہی "حیات" بخش ذرائع ہستی انسان کے ہیں۔ حیات کے چھتے یا خانہ میں کاربن (کوئلہ کا جزو)۔ ہائیڈروجن (وہ ہوائے لطیف جو پانی کے ترکیبی اجزا سے ہے)۔ آکسیجن (ایک عنصر ہوائی جو زندگی اور روشنی کا مدد ہے) نائٹروجن۔ اور فاسفورس کی آمیزش پائی جاتی ہے اور کلورائڈ سوڈیم (اجزاء سوڈا)۔ میگنیشیا کا نمک۔ کیلشیم کا نمک۔ پوٹاشیم اور لوہا بھی ضمیمہ کے طور پر ممد حیات خانہ ہیں۔

(۷) بعض اہل الرائے جماعتیں کہتی ہیں کہ کسی سیارہ کی بدولت "حیات" کا وجود ہوا ہے۔ لیکن یہ پتہ نہیں ہے کہ کن سیاروں میں کہاں اور کب ایسے تغیرات واقع ہوئے ہیں اور اب ایسے انقلابات کہاں اور کس طرح جاری

ہین۔ہان یہ تو ہے کہ یہ سیارے بھی مادہ کی ارتقائی صورت جدید ہین۔

(۸) اکثر جگہ سوال زیر بحث یہ رہا کہ کیا "حیات" کا لازمی نتیجہ موت ہے بعض محققین کا جواب ہے کہ جان ہونے کا فعل ایک بے ضابطگی کا نتیجہ ہے اور کم سے کم اصولاً (اگر عملاً نہین) تو ضرور کسی حد تک موت سے چھٹکارا بھی ہو سکتا ہے۔درحقیقت نسلاً بعد نسلاً ارتقا اور احتیاط کے ساتھ حیات کی چھٹکیان درازی حیات کی مدبنائی جاسکتی ہین مگر "حیات" انسانی کا زمانۂ غیر محدود تک دراز ہونا کسی صورت سے نہین پایا جاتا۔اسلیے کہ یہ حیات کے خانے رفتہ رفتہ بوسیدہ ہوجاتے اور موت کے پیامی بن جاتے ہین۔ہان پیش بندیون اور استعمال ادویات سے وسط عمر مین کچھ ترقی حاصل ہوسکتی ہے۔بالآخر یہ قانون اٹل رہے گا کہ

"All that lives must die, passing Through nature to eternity."

تمام چیزین جو زندہ ہین یا پائی جاتی ہین انکو مرنا ضروری ہے اور نظام قدرت سے گزر کر قدامت اور ابدیت مین انھین جانا ہے"

(۹) "حیات" گویا "ایک خانہ کیمیائی" ہے۔اب جو اس سے پیدا ہون گے وہ ارتقائی دور سے انھین قانون یا چھٹکیون کے ایک مجموعہ ہونگے۔انھین چھٹکیون کے ردوبدل سے کبھی مرد اور کبھی عورت بہ لحاظ تخم کیمیائی وجود پذیر ہوتے ہین۔

(۱۰) ابھی کیمیاسازان جدید کو طے کرنا ہے کہ نسلاً بعد نسلاً "حیات" پر آباو اجداد کا کیا اثر کہانتک قرہوتا ہے۔

(۱۱) ابھی وہ زمانہ بہت دور ہے کہ ترکیب کیمیائی سے ایک جیتا جاگتا آدمی بنا لیا جائے۔مگر آغاز حیات اور سرچشمۂ حیات کی ابتدائی صورت کے اجزا نہایت صاف اور آسان ہین جن سے رفتہ رفتہ موجودات کی گوناگون ساخت دور ارتقائی کی بھٹی مین پڑکر ہمین نظر آتی ہے اور یہ اجزا صرف "حیات" ہی نہین ہین بلکہ قابلیت رکھتے ہین کہ اور جاندار چیزین بھی ان سے جسم اور رنگ و بو اختیار کرسکین۔

دیگر مشاہیر کی دلچسپ رائین

(۱) سرایڈورڈ نے لینکیسٹر نے کہا کہ پروفیسر شافر کے قیاسات سے ششدر نہین ہونا چاہیے انھون نے کوئی نیا بم کا گولا نہین پھینکا ہے۔اور صاحب الرائے بھی "حیات" کے راز کے دریافت حال مین منہمک ہین انکو بھی پروفیسر شافر کے قیاسات سے اتفاق ہے۔ہان الٰہیات کے عالمون کو ممکن ہے اختلاف ہو۔اگر واقعاً انسان مختلف چیزون سے بن سکتا ہے تو اسکے لیے دور ارتقائی نہایت ضروری ہے جو دس کروڑ سال کا زمانہ

چاہتا ہے۔ حیات کے سرچشمہ کا دریافت ہو جانا ممکن ہے مگر یقینی نہین۔ ہم کو ابتک یہ نہین معلوم ہے کہ ہم کس طرح فوراً جلدی سے یکایک "بندر" کو "انسان" کے جسم اور پیرایہ مین منتقل کرین۔ اگر یہ کبھی معلوم بھی ہوا تو اس سے کسی شخص کی زندگی مین کوئی فرق نہین ہوگا۔ پروفیسر شافر نے "زندگی" اور "روح" مین بھی کوئی فرق نہین بتایا حالانکہ میرا خیال ہے کہ جسے لوگ روح کہتے ہین وہ ارتقائی ایک لطیف اور اعلےٰ حالت ہے۔ یہ "زندگی" سے علحدہ ہے اور اسکے ہونے ہوئے اس کا حصہ بھی ضروری ہے۔

(۲) پادری معظم بنکلیر نے کہا کہ پروفیسر شافر کی تقریر اگر غور سے دیکھی جائے تو یہ اُس حکیم مطلق اور قادر مطلق کی ترکیبون اور حکمتون کی ایک تفسیر مدلل ہے جو وہ اشیاء مین روح بن کر ظاہر کرتا ہے۔ جاندار اور غیر جاندار مین کسی قسم کا حد فاصل کا نہ قائم ہونا کچھ عجیب بات نہین۔ اسی طرح ارتقا کے مسئلہ مین حیوان اور انسان کی عقل وتمیز کے درمیان کوئی پختہ حد بندی نہین۔ ہے تاہم تسلیم شدہ ہے کہ عقل اور حیات ارتقائی دور سے پیدا ہین۔ مان لیا جائے کہ انسان نے حیات کا نسخہ دریافت کر لیا تو پھر اس سے کیا شے نئی؟ اگر ایسا ہوا تو گویا وہ آفتاب یا اور کسی نظام کی خدمت خود انجام دے گا جو خالق احکام و قوانین کے مطابق "حیات" کو ترکیب دیتے ہین۔

(۳) سر آلیور لاج نے کہا کہ معرکۃ الآرا سوال تو یہ ہے کہ کیا ہم سائنس کی مشاہدہ گاہ مین کیمیائی ترکیبون سے "حیات" تیار کرکے دکھا سکتے ہین۔ اس صدی مین ایسی کوششین ضرور ہوئین لیکن کوئی جاندار چیز پیدا کرکے دکھائی نہ جا سکی۔ کلیفورنیا مین اسکے تجربے برابر کیے جارہے ہین ممکن ہے کہ آئندہ رفتہ رفتہ انہین کامیابی ہو۔

(۴) سر جیمس کیریچٹن براون نے کہا کہ پروفیسر شافر کے خیالات نہایت ادب اور لحاظ سے سننا چاہیے لیکن مین اتنا ضرور کہون گا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہین اس سے انکے خیالات کے بالکل برعکس اثر پڑ رہا ہے یعنے گھڑی کی سوئی مادیات سے ہٹ کر کائنات کے روحانی نشان کی طرف جارہی ہے۔ کیا مین کہتا ہون کہ یکایک آپ ہی آپ موجودات کی اشیاء بن گئین۔ نہین کبھی نہین۔ ہو سکتا ہے کہ ہمین آئندہ "حیات" کے کچھ اجزا ترکیبی معلوم ہو جائین۔ مین پروفیسر شافر کی باتون کا مخالف ہون۔

(۵) "پائنیر" کا نامہ نگار ۲۲ ستمبر کی اشاعت مین اس مباحثہ کا ذکر کرتے ہوے لکھتا ہے کہ پروفیسر شافر نے کوئی نئی بات نہین کہی بلکہ وہی بات کہی جو "ہکسلے" نے پچاس برس پہلے بیان کی تھی یعنے یہ انتہائی مبالغہ اور بڑا دعویٰ کرنا ہے کہ کیمیائی ترکیبون سے ہم ایک دن "حیات" یا تخم حیات تیار کر لین گے۔ یہ کوئی کار آمد بات بھی نہین ہے۔ دانشمندون کے نزدیک بلا شک وشبہ یہ زندگی ایک سوانگ یا نقل ٹھہرے گی۔ دولتمندون کے

نزدیک یہ زندگی تماشۂ کامرانی ٹھہرے گی اور غریبون کے نزدیک ایک بلا یا اندوہ گین قصہ یا کہانی ٹھہرے گی۔

ایک سرسری نظر

میان او کہ خدا آفریدہ است از ہیچ　　دقیقہ ایست کہ ہیچ آفریدہ نکشادست

ایک زمانہ کے فلسفی اور محقق اس گتھی کو سلجھانا چاہتے ہین کہ "زندگی" کیا چیز ہے "روح" کیا شے ہے اور "موت" کیا جاودانی معدومیت کا نام ہے یا ایک عارضی خواب شیرین کو موت کہتے ہین جس کی صبح خندان وادیٔ فردوس مین "بقا" کے رنگ مین نمایان ہو گی۔ ہان اقوام عالم نے اس خارستان مین اپنے اپنے وقت مین بڑی بڑی کاوشین کی ہین۔ ہزارون گھاٹیان۔ لاکھون منازل اور کروڑون بحر ذخارطے کرکے رکھدیے ہین لیکن جب بغور دیکھا تو یہ مسائل سراب ریگستان کے مانند دور اور بہت دور منزل کامرانی سے پڑے ہین اور اپنی طرف پہلی سی تابانی اور دلکشی سے پھر متلاشیون کو اپنے قریب بُلا رہے ہین۔ افسوس کہ یہ لوگ پھر اس طائر خستہ جان کی طرح اپنا سر دُھنتے اور اپنی جان گنواتے ہین جو لاکھون کوس سمندر بے پایان کا سفر کرکے شام کو دور سے روشنی کے مینار سے گزر کر اُس جانب وادیٔ سکون کے واسطے بیتاب رہتا ہے مگر اسکا کام یہین تمام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آج پھر زمانہ حال مین سائنس کے جامہ مین آکر محققون اور فلسفیون نے راز حیات اور راز موت کی اصلیت دریافت کرنے مین غیر معمولی جد وجہد کا ثبوت دیا ہے۔ وہی مسائل ہین جو لاکھون مرتبہ زیر بحث رہ چکے ہین۔ وہی دلیلین ہین جن کو سُنتے سُنتے جی گھبرا گیا ہے گو الفاظ اور مطالب کے ظاہر کرنے کا اسلوب دوسرا ہے لیکن باتین سب وہی ہین جو ہم سے پہلے کی نسلین ہم کو گو مگو طریقہ سے وراثت مین دے گئی ہین۔

گرچہ قندیل سخن کو منڈھ لیا تو کیا ہوا　　ڈھانچ مین تو ہین وہی اگلے برس کی تیلیان

اس ورثۂ علمی کے زور اور بل پر ہم بھی اس پردۂ اسرار کو چاک کرنا چاہتے ہین جو حیات اور موت کے درمیان واقع ہے۔ تازہ اُپج یہ ہے کہ اجزاء بے جان سے مادہ "حیات" پیدا کیا جائے اور قدرت کا راز بستہ فاش کر دیا جائے وارفتگان حقیقت اشیاء کو "ڈارون" کا وہ زمانہ یاد ہے کہ جب اس نے مسئلہ ارتقا کو دنیا کے سامنے پیش کر کے کہا تھا کہ انسان کا ہیولیٰ حیوان کے ترقی یافتہ ڈھانچہ سے بنا ہے۔ اُسوقت سے اسوقت تک امر کہ جاندار اور غیر جاندار مین کون سا آخری رشتہ یا سلسلہ ہے جس کے ٹوٹنے کے بعد فنا پذیر حیوان انسان کے جامہ مین نمودار ہو جاتا ہے دریافت نہو سکا اور مسئلہ ارتقا ایک قیاس قریب المحال نظر آرہا ہے۔ اسوقت "حیات" کا ایک "غیر جاندار" شے سے پیدا کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ ابھی تو اشیاء مین برقی اور کیمیائی آثار کا صرف وجود

ہم کو معلوم ہوا ہے ہم نہین کہہ سکتے کہ "حیات" ان اجزاء کیمیائی کے اتصال سے پیدا ہو جاتی ہے یا ایک دوسری چیز ہے جو روح بن کر کام کرتی اور منبع اسرار گوناگون سے کسی حکیم مطلق کے اشارہ سے حلول کر جاتی ہے ہم مان لیتے ہین کہ جان دار اور غیر جان دار مین حد فاصل حائل نہین ہے اور دونون صورتون مین حیات کے خانے اور اجزاء ترکیبی یکسان ہین لیکن پھر بھی "حیات" کیا چیز ہے اسکا جواب نہین ملتا کیونکہ انسان کے مرجانے کے (۱۸) اور (۲۴) گھنٹے بعد تک بھی حیات کے خانے جسم کے اندر جان دار پائے گئے ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات کوئی اور چیز ہے جو ان نام نہاد فرضی زندگی بخش خانے کے علاوہ جاری وساری رہتی ہے اور اسکے جاتے ہی انسان بیجان رہتا ہے چاہے اسکے جسم کے اندر یہ دریافت شدہ حیات خانے بیشمار کیون نہ پائے جائین۔

پروفیسر شافر کا یہ کہنا کہ غیر جان دار سے ہم حیات کیمیائی بنا لین گے محض ایک ہوے کی صورت رکھتا ہے۔ ابھی ہمین اس علوم کی دلیل اور اسکی کامیابی کا امتحان کرنا ہے کیونکہ جسے عام طور سے "زندگی" یا "حیات" کہتے ہین اسکی خاصیت سے ہے کہ وہ نشو و نما کی قوت بھی رکھتی ہے اور اس سے سلسلۂ مزید پایا جاتا ہے۔ ابھی ہم نہین کہہ سکتے کہ اس مصنوعی کیمیائی حیات کو یہ بات نصیب ہوگی یا نہین۔ عالمان سائنس کا تو معمول یہ ہے کہ

"Not to look for two causes where one will do"

جب ایک دلیل یا سبب انہین مفید مطلب مل جاتا ہے تو پھر وہ ایک ہی واقعہ کے واسطے دو دلیل یا دو سبب کبھی نہین تلاش کرتے۔ جب اس وقت نیا قیاس تخلیق حیات کا پیدا ہو گیا ہے تو اس وجہ سے جو بات ملے گی وہ اسی طرف توڑ مروڑ کے پھیری جائے گی اور کچھ زمانہ تک اس چکر مین عقل۔ فلسفہ اور مشاہدہ کو حیران کرنے پر تلے رہین گے۔ جس طرح اس سے پہلے بھی ایک زمانہ تک یہ خبط تھا کہ انسان ذرات سے مرکب ہے۔ اس زمانہ مین ہر چیز مین ذرات دکھائی پڑتے تھے۔ پھر ایک قیاس یہ روشن کیا گیا کہ ہر مرض۔ ہر حیات نما چیز کے کیڑے اور کیڑیان ہین۔ اب کچھ زمانہ تک ہر چیز مین کیڑے اور کیڑیان تلاش کی گئین۔ جب اس سے بھی تسکین نہوئی تو روس کے پروفیسر میچنکاف کے تجربہ فاگوسائٹ (انسان کے جسم مین صحت کی سفید کیڑیان بیشمار ایک چھتے کی صورت مین حرکت کرتی اور مرض کی کیڑیون کو ہضم کرتی جاتی ہین) پر دماغ سوزی ہونے لگی۔ غرض یہی الٹ پھیر پہلے تھا اور اب بھی وہی ہے۔ جس رنگ کی بحث ان صفحات مین پیش نظر ہے اسی قسم کی بحث کئی بار یورپ مین دیکھی اور سنی گئی ہے۔ اسی سلسلہ مین سنہ ۱۹۰۳ء مین پروفیسر ھنسلو نے اپنے ایک لکچر کے خاتمہ پر

یہ کہا تھا اور لارڈ کلون (Lord Kelvin) سے سائینس دان کے اس قول کا حوالہ دیا تھا جو اخبار پروگرس مدراس (Progress, Madras) کے اگست ۱۹۰۳ء کے صفحہ (۱۹) پر درج ہے -

لارڈ کلون کا قول

"لارڈ کلون نے بیان کیا کہ مین اسکو نہین مانتا کہ سائینس ایک خالق کے وجود کے بارہ مین ہان یا نہین کچھ نہین کہتی بلکہ

Science positively affirmed creative power

سائنس صریحاً تسلیم کرتی ہے کہ ایک پیدا کرنے والی قوت یا طاقت ہو- سائنس نے یہ کہا ہو کہ ہر شخص کو اپنے اندر ایک تماشاے اعجاز کی سیر کرائی ہے اور مجبور کیا ہے کہ ہر شخص تسلیم کرے کہ ہان ایک قوت ہو جو خالق ہے اور جو رہنمائی اور ترتیب کا کام کرتی ہے - اور صرف یہ اعتقاداً نہین تسلیم کرایا ہو بلکہ ایسا کلیہ پیش کیا ہو جس پر بغیر ایمان لائے دوسرا چارہ نہین ہو- زمانۂ حال کے عالمان علم حیات پھر ایک فوراً اسکو محسوس کرتے جاتے ہین کہ کوئی چیز "نامعلوم" ہے جس کو وہ لوگ قوت حیات بخش کہہ سکتے ہین - اس قوت "نامعلوم" کے احاطہ و انداز مین یہ عالمان سائینس شاید یہ نہین جانتے کہ وہ ایک طرح سے مذہب سائینس کے دائرہ مین مذبذب اور مشکوک ٹھہرائے جائینگے - یہ لوگ صرف خدا کے کارخانۂ قدرت سے خدا کو جانتے ہین مگر سچ تو یہ ہے کہ مجبوراً یا لآخر یہ ایک قوت منتظمہ کو تسلیم کرتے ہین جو محض مادی نہین ہے بلکہ کچھ برقی دخانی اور پوشیدہ سی قوت ہے حقیقت یہ ہے کہ خیال مین نہین آتا کہ بہت سارے کیڑے مکوڑے بہت سی گھانس و سبزی اور بہت سے جانور محض بیشمار ذروں سے وجود مین آگئے ہون جو اپنے ہی حسب منشا و ایک ساتھ اوپر سے نیچے آگرے ہین - لاکھون - کروڑون اور سنکھا سنکھ قرنون مین بھی اس طرح سے ایسا خوب صورت عالم نہین بن سکتا-

In science they had a knowledge that there was a spiritual influence in the world about them"

یعنے سائنس سے ان لوگون کو معلوم ہوا ہو کہ اس دنیا مین ہمارے گرد و پیش ایک قسم کا روحانی اثر اور نفوذ ہے لارڈ کلون نے بیان کیا تھا کہ چالیس سال ہوئے ہینگ دیہات مین" لیسبگ" ماہر الکیمیا کے ساتھ سیر کرتا ہوا جارہا تھا مین نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ گھاس اور پھول محض اجزاء کیمیائی

اور قوت کیمیائی سے زمین سے نکل آئے ہیں۔ اس نے جواب دیا بالکل نہیں۔ جس طرح میں جانتا ہوں کہ علم نباتات
کی کتابیں آپ ہی آپ محض قوت کیمیائی سے وجود میں نہیں آگئی ہیں"

اب ہم یہاں مشرق کے ایک زبردست خداپرست فلسفی "شنکراچارج" کا بھی ایک قول نقل کرتے ہیں
"ہم اپنے مخالفوں سے پوچھتے ہیں کہ مادہ میں عقل اور تیز کہاں سے نمایاں ہے جس کو وہ لوگ کہتے ہیں کہ مادہ سے
پیدا ہے۔ مادہ پرست چار عناصر کے آئے اور کسی چیز کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔ اگر وہ لوگ کہتے ہیں کہ عقل اور
احساس تو مادہ سے پیدا ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ مادہ کی صفات میں عقل اور احساس داخل نہیں ہوسکتا اس لیے
کہ کوئی چیز آپ ہی آپ حرکت اور عمل نہیں کرسکتی۔ آگ کی مثال سامنے ہے جو ہمیشہ گرم اور تیز رہتی ہے مگر آپ اپنی
روشن نہیں ہوسکتی اور آپ ہی آپ کسی کو نہیں جلا سکتی۔ ایک نٹ اپنے آپ سے اپنے اوپر چڑھ کر کرتب نہیں کرسکتا
اسی طرح عقل اور احساس اگر مادہ یا عناصر کی صفات میں ہیں تو بھی ان چیزوں کو وجود میں کیسے لاسکتے ہیں"

اب یہاں سے ہم "موت" پر الیسٹ اینڈ وسٹ کے ایک فاضل نامہ نگار کی تحریر کا یہ فقرہ کہ

"What we mean by death depends mainly upon what we mean by life"

"موت سے ہم کیا مراد لیتے ہیں اس کا فیصلہ اسپر ہے کہ ہم پہلے زندگی سے کیا مراد لیتے ہیں" پیش کر کے پروفیسر شافر
کے مذکورۂ بالا بیانات کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ حیات خانے بوسیدہ ہوتے ہیں تو موت واقع
ہوتی ہے حالانکہ موت کے بعد بھی حیات خانے جسم کے اندر گرم پائے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیات خانے
گو اجزاء حیات کے ممد و معاون ہوں لیکن صرف وہی حیات کے قائم رکھنے والے نہیں ہیں بلکہ کچھ اور پوشیدہ قوت یا
روح ہے جو جسم کو زندہ رکھتی ہے۔ پروفیسر شافر خود مانتے ہیں کہ جتنی چیزیں ہیں وہ ضرور فنا ہونگی۔ اگر مادہ قدیم کا
سارا طور کائنات میں مان لیا جائے تو سوال ہوتا ہے کہ مادہ کی عادت میں قدامت داخل ہے اور وہ فنا نہیں ہوتا
تو پھر اسکی ساختہ پرداختہ چیزوں کو بھی فنا نہیں ہونا چاہیے اور چونکہ وہ فنا ہوئی ہیں یعنے صرف ہیئت ہی نہیں
بدلتیں بلکہ اصلیت تک جوان سے انسان میں منتقل ہو کر مبدل ہوجاتی ہے تو اسلیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مادہ مجبور ہے
اور وہ اس مٹی کی طرح ہے جو کمہار کے چاک کے پاس پڑی رہتی ہے جس سے وہ برتن اور کھلونے بنا بنا کر پھینکتا
جاتا ہے۔ اگر برتنوں کو علم بھی ہوجائے کہ فلاں مٹی کے بنائے جارہے ہیں تو کیا انکی مجال ہے کہ چاک کے چکر سے
سرتابی کرسکیں۔

ٹینیسن لکھتا ہے کہ ہمارا علم مثل اُس ابابیل کے ہے جو اوپر سے جھیل کو دیکھتی ہے صرف اسکے سطحی سایہ کو دیکھتی ہے لیکن وہ پانی کے عمق میں کبھی نہیں ڈوبی ہے یعنے اسرار کے عمق در عمق میں کبھی نہیں جو تہ تک ڈوبی ہے - ایک دوسرا فلسفی لکھتا ہے کہ کیا انسان کی حیوان سی آنکھ اس قابل ہے کہ وہ خالق کی قدرت اور حکمت کو تمام و کمال دیکھ سکے کیا اس نے بہت سی چیزیں ایسی نہیں بنائی ہیں جن کو ہم نہیں دیکھ سکتے - کیا سب ہی چیزیں ہم پر آشکارا کردی ہیں - بے شمار قوتیں ہماری دنیا میں اور ہمارے ارد گرد کام کر رہی ہیں جن کا علم ہم کو مطلق نہیں ہے - غرض ہر صبح سائینس کے لیے ایک محشرستان اسرار لا متناہی ہے ہر مشاہدہ اور تجربہ کامل ایک قوت عجیبہ کے گوناگون احکام اور اوس کے طرز و انداز کا مفسر بن کر انسان کی بے بضاعتی کے نشان کا بنانے والا ہے - لاکھوں سورج - کروڑوں چاند اور بدموں کرۂ ارض ہماری نظروں سے اوجھل اسکی قدرت سے ترسان اور لرزان چکر میں ہیں اور خود ہر انسان کی زندگی ایک ضابطۂ حکمت نامعلوم ہے جس کے راز سے کسی کو خبر نہیں - مغرب اور مشرق اب بہت جلد سائینس اور علوم عینیہ سے دیکھنے والے اور یقین کرنے والے ہیں کہ ایک عالم اور ہے جہاں من و تو کی قید - وقت - ساعت اور زمانہ کی بندش - مربع - مستطیل اور سطح کی صورت - گرم و سرد اور باد و باران کی مجبوری اور تمام مادی قفس کے عارضی دکھاوے اور تماشے بالکل ہیچ اور لچر و پوچ ہیں اور وہ عالم روحانی ہے اور وہیں دوار تقائی سے بھی ہمیں جانا ضروریات سے ہے -

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

شاہ محمد نذیر ہاشمی

گردباد

کل طبیعت جو بہت گھبرائی سوئے صحرا مجھے وحشت لائی
دور تک دشت خزان دیدہ تھا نہ کہیں پھول تھا نے پتا تھا
نظر آتا تھا عجب عالم ہو خاک اڑتی تھی ہوا سے ہر سو
دھوپ سے ذرے چمکتے تھے کہیں ریت سے شعلے لپکتے تھے کہیں

باد صرصر کی جو موج آتی تھی ایک بجلی سی چمک جاتی تھی
آگ کی طرح دہکتی تھی زمین کوئی چشمہ تھا نہ سایہ تھا کہیں
جی میں آیا کہ چلو لوٹ چلیں جیتے جی کس لیے دوزخ میں جلیں
ناگہاں جا پڑی اک سمت نظر اک کف پا کا نشان آیا نظر

مین نے جھک کر جو ذرا غور کیا — عجب اُس نقشہ مین نقشہ دیکھا
تھا جو وہ نقش وہین کی صورت — اس سے گویا یہ سُنی کیفیت
دیکھ یہ دشتِ طلب یہ صحرا — کام ہمت کا ہے اس مین چلنا
اسکے آگے ہے بلند ایک مقام — بام مقصود ہے اُس ٹیلے کا نام
دیکھنے مین تو ہے چھوٹا سا وہ کوہ — لیکن اُسکی ہے عجب شان و شکوہ
ڈھانکے ہوئی سبزے کی لہک — اطلس چرخ سے جس کو چشمک
چہچہے طائرون کے شاخون پر — لحن داؤد کا رکھتے ہین اثر
صاف و شفاف ہین شیرین چشمے — آبروئے آب خضر کی جن سے
بیچ مین ایک مسطح ہے چٹان — جو کہ ہے معدن یاقوت کی جان
ہے یہان تخت بچھا میناکار — تخت طاؤس ہے جسپر سے نثار
اس پہ سونے کی نصب اک صورت — حورین صدقے ہون وہ پیاری صورت
یون تو کہنے کے لیے ہے بیجان — اور جو سچ پوچھو تو ہے جان جہان
کامیابی ہے لکھا ماتھے پر — لاکھ زیور کا ہے جو اک زیور
حُسن سا حسن ہے اللہ اللہ — قیمت ہر دو جہان ایک نگاہ
خلق شیدا ہے زمانہ عاشق — غیر عاشق ہے یگانہ عاشق
جان فدا کرنے پہ سب آمادہ — ایک سے ایک سوا دلدادہ
جس کو دیکھو وہ چلا آتا ہے — اک کشش ہے کہ کھچا جاتا ہے
نہین کوئی ہے جوان پیر کوئی — ناتوان کوئی ہے کوئی ہے قوی
پست ہمت یہ وہ ہمت والا — ایک سے ایک نئی مت والا
راستہ ایک یہی ہے لیکن — جو ہے دشوار گزار اور کٹھن
دشت حرمان ہے اسی کا نام — یہین ہو جاتی ہے ہمت ناکام

تا بہ سرحد تو سبھی آتے ہین — اکثر اس دشت مین پھر جاتے ہین
کم ہین ایسے جو کڑی سہ جائین — طے کرین راہ کو منزل پائین
ایک ہم بھی ہین جو یان آئے تھے — ساتھ ارمان بہت لائے تھے
گرچہ ہمت سے بہت کام لیا — کیا کرین ساتھ نہ طاقت نے دیا
وصل قسمت مین نہ تھا کیا کرتے — گھر پلٹ جاتے تو اچھا کرتے
لیکن اس ننگ کا یارا نہ ہوا — پیٹھ پھیرین یہ گوارا نہ ہوا
عشق صادق کا تقاضا یہ ہوا — یہین رہ جاؤ پلٹنا کیسا
لے کے بس نام خدا بیٹھ گئے — بن کے نقش کف پا بیٹھ گئے
خاک اب تفتہ جگر اُٹھین گے — مر کے اُٹھین گے اگر اُٹھین گے
یہی باتین تھی کہ رنگ اور ہوا — یک بیک آگئی چوپائی ہوا
کشمکش مین وہ بیابان آیا — دشت کی ریگ نے چکر کھایا
ہر طرف سے جو دباؤ آکے پڑا — حلقۂ نقش وہ گرداب بنا
چرخ کھاکے ہوئی مٹی جو بلند — بن گیا چرخ کا صحرا پیوند
پہلے ہم اس کو تماشا سمجھے — سر بری ایک بگولا سمجھے
مگر اک آن مین وہ دشت غبار — یعنے وہ نقش سر راہ گزار
قلہ کوہ پہ جا کر پہونچا — آرزو جس کی تھی وان پر پہونچا
عزم و ہمت نے یہ دن دکھلایا — رتبہ خواہش سے زیادہ پایا
پہلے جب گھر سے نکالا تھا قدم — پابوسی کا فقط بھرتا تھا دم
شوق کامل نے یہ بخشی معراج — کامیابی کے بنا سر کا تاج
کون کہتا ہے بگولا تھا وہ — ایک ہمت کا کرشمہ تھا وہ
ہر کہ جان در رہ ہمت بازد — نیز خاکش بہ فلک پرواز د

ضامن کنتوری

گرانی اجناس

دماغی جمود نے اس لائق تو ہمین کہان چھوڑا تھا کہ مسائل اقتصادی کی دقتین حل کرتے لیکن کیا کیا جائے بعض مسائل ایسے ہین جن سے پہلوتہی کرتے بھی نہین بن پڑتی۔ مثال کے طور پر گرانی اجناس ہی کو لے لیجیے۔ امیر غریب۔ سوداگر مزدور سبھی تو اس سے متاثر ہین۔ جھونپڑون کی رہنے والی پسنہاری جو رونا "مہنگائی" کا چکی پیسنے مین روتی ہے وہی جھینکنا محلون کی بیٹھنے والی بیگم کے یہان بھی پڑا ہے۔ نئی تانتی نے اپنی آنکھون نہین دیکھا تو کانون سے چشم دید واقعات ضرور سُنے کہ پہلے کس قدر سستے سمے تھے اور خوردنی اشیا کس قدر ارزان تھین جنھین سنی سُنائی باتون کا اعتبار نہین اُنکے لیے ذیل کا گوشوارہ سرکاری کاغذات سے تیار کرکے ہم درج کیے دیتے ہین۔

سنہ ۱۸۷۳ء سے سنہ ۱۹۰۷ء تک

چار قسم کے خوردنی غلون مین قیمتون کا فرق

سال	چاول	گیہون	جوار	باجرہ	
سنہ ۱۸۷۳ء مین قیمت مفروضہ	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	روپیہ
اسی نسبت سنہ ۱۸۸۷ء مین	۱۲۵	۱۲۳	۱۲۷	۱۲۲	،،
سنہ ۱۸۸۸ء	۱۳۵	۱۲۴	۱۳۱	۱۳۴	،،
سنہ ۱۸۸۹ء	۱۴۷	۱۱۸	۱۲۲	۱۲۸	،،
سنہ ۱۸۹۰ء	۱۴۳	۱۱۶	۱۲۳	۱۱۸	۱۰۱
سنہ ۱۸۹۱ء	۱۴۹	۱۳۵	۱۳۸	۱۳۷	،،
سنہ ۱۸۹۲ء	۱۷۸	۱۵۱	۱۳۸	۱۴۲	،،
سنہ ۱۸۹۳ء	۱۶۴	۱۲۵	۱۲۲	۱۲۳	،،
سنہ ۱۸۹۴ء	۱۵۲	۱۰۴	۱۱۲	۱۱۸	،،
سنہ ۱۸۹۵ء	۱۴۱	۱۱۷	۱۲۱	۱۱۹	،،
سنہ ۱۸۹۶ء	۲۱۶	۱۵۲	۱۵۴	۱۲۶	،،
سنہ ۱۸۹۷ء	۲۱۰	۲۰۶	۲۰۳	۲۱۱	روپیہ
سنہ ۱۸۹۸ء	۱۵۷	۱۴۵	۱۳۱	۱۳۰	،،
سنہ ۱۸۹۹ء	۱۴۴	۱۵۸	۱۳۷	۱۴۰	،،
سنہ ۱۹۰۰ء	۱۷۶	۱۸۰	۲۱۴	۲۰۰	،،
سنہ ۱۹۰۱ء	۱۸۳	۱۶۳	۱۴۵	۱۳۹	،،
سنہ ۱۹۰۲ء	۱۶۶	۱۴۳	۱۳۴	۱۳۳	،،
سنہ ۱۹۰۳ء	۱۶۲	۱۲۹	۱۱۶	۱۱۵	،،
سنہ ۱۹۰۴ء	۱۴۶	۱۱۴۲	۱۱۰	۱۰۹	،،
سنہ ۱۹۰۵ء	۱۶۹	۱۳۹	۱۳۷	۱۴۶	،،
سنہ ۱۹۰۶ء	۲۱۳	۱۵۹	۱۷۳	۱۷۴	،،
سنہ ۱۹۰۷ء	۲۳۸	۱۶۵	۱۶۲	۱۵۱	،،

نقشہ بالا سے معلوم ہوگا کہ اگرچہ قیمتوں میں بیشی کے ساتھ کمی بھی ہوتی رہی تاہم گرانی نے چند سال سے قدم مستقل طور پر جما لیے اور وائسرائے کی کونسل میں خود وزیر صیغۂ مال کو قبول کرنا پڑا کہ "۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۰ء تک قیمتیں ۴۵ فیصدی بڑھیں"۔ لیکن کیوں؟ - اسکا جواب مشکل ہے۔ ہندوستان کی اصلی رعایا جس سے ۲۰ کروڑ کسانوں کا عظیم الشان ریوڑ عبارت ہے، جو گرانی کی سب سے زیادہ تکلیف اٹھا رہی ہے، زیادہ سے زیادہ اللہ میاں کو اور کم سے کم سرکار کی نیت کو مہنگائی کا اصلی ذمہ دار قرار دیتی ہے - ان بیچارے کم سمجھ لوگوں کے علاوہ ایک گروہ اس قسم کا بھی ہے جنھیں انگلو انڈین اخبارات کے سوا دوسرے جرائد ہندی مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملا - انھوں نے جو رائے قائم کی وہ محض سطحی اور دھوکہ ہے، یہ لوگ ممالک یورپ کی مثال لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "اجناس کی قیمت کا زیادہ ہونا تو ملک کی خوشحالی کا ثبوت ہے۔ جتنا تمول کہیں بڑھیگا اتنی ہی مزدوری گران پڑے گی اور اسی نسبت سے اجناس خوردنی کے دام بھی بڑھ جائیں گے"۔

مگر امر واقعی یہ ہے کہ یہ دلیل محض فریب خیال ہے - ہمیں قیاسی دنیا سے علحدہ ہو کر گرد و پیش نظر ڈالنی چاہیے :- ہماری کس صنعت نے ترقی کی؟ ہماری کونسی تجارت پہلے سے بڑھ گئی؟ ہمارے زمینداروں کے تمول میں کیا اضافہ ہوا؟ لوگوں کی آمدنی اور صرف میں جو نسبت پہلے تھی وہی قائم ہے یا اب اخراجات آمدنی سے زائد بڑھ گئے ہیں؟ ان سوالات کا جواب یقیناً حوصلہ شکن ملے گا۔ اور ہمیں افسردگی کے ساتھ یقین ہو جائے گا کہ چند سال میں قیمتوں کا یکایک آسمان پر چڑھ جانا ہماری دولت مندی کے ہم قدم نہیں - ہمارے مزدوروں کو سوائے خاص خاص تجارتی مرکزوں کے مزدوری اسقدر کم ملتی ہے کہ راقم مضمون کے سامنے ایک انگریز آدھ گھنٹے تک اسکے سچ ہونے میں شبہ ظاہر کرتا رہا۔ اُسکی کسی طرح سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ تین چار انسانوں کا کنبہ محض پانچ روپیہ ماہوار پر گزارہ کر سکتا ہے! - کیا دولت مندی کے لچھن یہی ہیں؟ کسانوں کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب ہے - ہر شخص دیکھتا ہے اور تحقیق کرنا چاہے تو بآسانی تحقیق کر سکتا ہے کہ اُن بیچاروں پر دنیا کیسی تنگ ہوتی جاتی ہے - کونٹ ٹالسٹائی نے بھی ہندوستان کے صابر کاشتکار کا مطالعہ کیا تھا اور وہ سخت متعجب تھا کہ یہ لوگ (Passive Revolution) بغاوت کیوں نہیں کر دیتے؟ - خیر اس صلاح پر تو عمل ہوا نہو تاہم اسمیں شبہ نہیں کہ اس بے زبان فرقے کی طرفداری میں جو کچھ کیا جائے کم ہے -

مادر وطن کے نیک نہاد فرزندوں نے حکومت ہندوستان کے سر ہو کر کمیشن تو بٹھا دی ہے کہ اجناس کی

گرانی پر غور کرکے اسکے اسباب و وجوہ سے اطلاع دے لیکن تقدیر توفیق ہم بھی اس مسئلہ پر کچھ لکھتے ہین۔ یہ فراموش نہ ہو کہ جب مسٹر گوکھلے اور دادا بھائی جیسے مبصر گرانی اجناس کے مسئلے مین ذرا سوچ سمجھکر رائے دیتے ہین تو ایک معمولی آدمی کا اسمین زبان چلانا زیادہ وقعت نہین رکھتا پھر بھی اتنا ممکن ہے کہ اُن اسباب گرانی کو جن پر اکثر اہل الرائے متفق ہین پیش کر دیا جائے:۔

اسباب

(۱) خشک سالی اور قحط جس مین آدمی کا قابو نہین پہلا سبب گرانی اجناس کا ہین۔ قحط پچھلے زمانے مین بھی پڑتے تھے لیکن اس وقت بنیون کے پاس کافی ذخیرے موجود رہتے تھے اور وہ اکثر اُس کمی کو معلوم ہونے نہ دیتے تھے۔ برخلاف اسکے آجکل عمدہ فصل کی حالت مین بھی غلہ جو زیادہ ہوتا ہے باہر یورپ کو چلا جاتا ہے اور یہان بچت تو بجیت پوری بھی مشکل سے پڑتی ہے۔ اس مجمل کی تفصیل تجارت برآمد کے کاغذات مین دیکھیے لیکن اپنی بات پوری کرنے کے لیے ہم چند مثالین سرسری طور پر یہان لکھتے ہین۔

سنہ ۱۸۹۲ء مین قحط پڑا فصل کی حالت ایسی بُری نہ تھی لیکن گرانی کی یہ نوبت پہنچی کہ حکومت کو امدادی کوششین عمل مین لانی پڑین پھر بھی بہت سے آدمی بھوکون مر گئے۔ جب قحط کے اسباب پر غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ سنہ ۱۸۹۶ء سے سنہ ۱۸۹۰ء تک قیمتون مین تھوڑی بہت گرانی موجود تھی کہ دفعتہً یورپ سے گیہون کی بڑی بھاری مانگ آئی۔ وہان بھی خشک سالی کی وجہ سے فصلین بالکل خراب ہوگئی تھین۔ اس بیرونی مانگ کو پورا کیا جانا مشکل تھا کہ ادہر خود اپنے گھر مین فصل بگڑ گئی اور یورپ کی چند مصنوعات کے عوض ہماری خوردنی اجناس لندن وہمبرگ کی منڈیون مین جا پہنچین اسکے بعد جب پیداواری ہوئی تو پھر قیمتین کم ہوگئین لیکن اپنی اصلی حالت پر ابھی نہ پہنچی تھین کہ یورپ کی بے حد وحساب خریداری نے پھر کال ڈلوا دیا۔ اور گو یہ سختی زیادہ مدت قائم نہین رہی پھر بھی غلے کے وہ ذخائر جو ملک مین عام تھے قریب قریب بالکل ناپدید ہو گئے اور اس طرح ایک مستقل اثر پچھلے قحطون کا قائم رہ گیا۔ پس وہی لانچہ جو اُسوقت پڑا تھا اسوقت تک پورا نہین ہو سکا اور آئندہ کے لیے بھی کوئی امید ارزانی کی نہین رہی غنیمت سمجھنا چاہیے جو موجودہ قیمتین ہی قائم رہ جائین کیونکہ یہ بھی مشکل نظر آتا ہے۔

(۲) دوسرا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلے کی پیداوار کم ہوتی جاتی ہے اور دوسری اجناس جن مین کاشتکار کو مالی فائدہ زیادہ نظر آتا ہے بڑھ رہی ہین۔ بمبئی اور بنگالے مین خصوصاً سن اور روئی کی کاشت نے

غلے کو پرے بٹھا دیا ہے اور اگرچہ ہر سال ہزاروں ایکڑ نو توڑ زمین کاشت میں لائی جاتی ہے پھر بھی خوردنی اجناس اُس نسبت سے نہیں بوئی جاتیں جس نسبت سے دوسری جنسیں۔ مثلاً ۱۸۹۱ء میں کچھ اوپر ۱۸ کروڑ ایکڑ زمین میں اجناس خوردنی کاشت ہوئی تھی یہ تعداد ۱۹۱۰ء میں ½ ۱۹ کروڑ تک پہنچی اور اس طرح اُس میں لے ۷ فیصدی کا اضافہ ہو گیا لیکن اس اضافہ کا مقابلہ سن اور روئی کے اضافے سے کیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں جنسیں اُتنے ہی عرصے میں ۷۰ اور ۵۰ فیصدی کے قریب بڑھ گئیں!

چاول جو ۱۸۹۱ء میں ۵۰ کروڑ من کے قریب اُٹھتا تھا اضافے کے بجائے کم ہوتا جاتا ہے اور پچھلے دس سال میں یہ کمی بالکل نمایاں ہے۔ یہ لکھنا فضول ہے کہ ہندوستان میں کوئی غلہ چاول کے برابر استعمال میں نہیں آتا۔

برخلاف اسکے گیہوں کی کاشت ۲۵ فیصدی کے قریب بڑھ گئی جس کی وجہ زیادہ تر وہ نہری آبادیاں ہیں جو پنجاب میں بسائی جا رہی ہیں؛ مگر اس افزائش پر بھی افسوس ہے کہ خوش ہونے کا موقع نہیں کیونکہ گیہوں کی کاشت اب زیادہ تر یورپ کے لیے کی جاتی ہے پس اگر کاشت کے ساتھ تجارت درآمد بھی بڑھ گئی تو سمجھنا چاہیے کہ ہندوستان وہی موچی کا موچی رہا۔

(۳) ریلوے کی بدولت ایک جگہ کی چیز دوسری جگہ بآسانی پہنچ جاتی ہے جس سے لوگ چٹورے ہو گئے ہیں یعنے قسم قسم کے کھانوں کا مزا انھیں پڑ گیا ہے۔ اسی وجہ سے اگر گیہوں دکن میں نظر آتا ہے تو چاول راجپوتانے میں! ریلیں تو خاصی طرح اپنا کرایہ وصول کر لیتی ہیں لیکن اجناس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اُن کو گران بنا دیتا ہے۔

پروفیسر کالے نے اجناس کی اُس مقدار کثیر کا ذکر کیا ہے جو بمبئی مدراس اور رنگون میں آتی جاتی رہتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۰۴ء میں ڈیڑھ کروڑ روپے کی اشیائے خوردنی جن کا وزن دو لاکھ ٹن سے کم تھا برما سے مدراس و بمبئی آئیں دوسرے سال یہ رقم تگنی ہو گئی اور ۱۹۰۸ء میں اُنکا وزن دس لاکھ ٹن کے لگ بھگ جا پہنچا اور قیمت ½ ۹ کروڑ روپیہ آنکی گئی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ افزائش پذیر گرانی کے باوجود اشیا کی درآمد بڑھ رہی ہے!

(۴) وائسراے کی کونسل میں وزیر مال سر گائی فلیٹ وڈ ولسن نے تھوڑے دن ہوے فرمایا تھا کہ ملک میں غلہ اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ اگر تھوڑا بہت یورپ چلا جائے تو اس کا اثر معلوم بھی نہو۔

یہ گویا جواب تھا اُن لوگون کو جنھین ضد ہے کہ تجارت برآمد پر محصول بڑھا دیا جائے کیونکہ اُسکی وجہ سے غلہ باہر کھنچ جاتا ہے اور ہمارے ہان گرانی بڑھتی جاتی ہے۔

مگر ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ سرگاری جیسے باخبر آدمی نے ایسی بات کیسے مونھ سے نکالی "یورپ مین اجناس خوردنی کی مانگ ہے" ایک بات "یورپ ہم سے زیادہ قیمت ادا کرسکتا ہے" دو۔ اور بھی دلیلین کافی ہین کہ سرگاری کے اس سرسری فیصلے کا ابطال کردین جو انھون نے ایک ذمہ دار مجلس کے سامنے فرمادی لیکن ہم ایک اور نقشہ پیش کرتے ہین جس کے اعداد خود سررشتۂ مال کی رودادون سے مرتب ہوئے ہین۔ اس سے معلوم ہوگا کہ جنس کی مقدار چاہے کم جائے یا زیادہ۔ اُسکی قیمت برابر بڑھتی جاتی ہے اور گو یورپ کو تمول کے باعث گرانی کی پروا نہین لیکن بیچارہ ہندوستان تو اس دوڑ مین اسکا ساتھ نہین دے سکتا

(۱) چاول ۔ تجارت برآمد ۔ مقدار اور قیمت

سال	مقدار	قیمت	قیمت فی ٹن
سنہ ۱۹۰۴ء	۲۲۵۰۰۰۰ لاکھ ٹن	۱۹۰۸۲۸۰۰۰ کرور روپیہ	۸۵ روپیہ
سنہ ۱۹۰۵ء	۲۴۷۴۰۰۰ ″	۱۹۶۱۹۰۰۰۰ ″	۷۹ ″
سنہ ۱۹۰۶ء	۲۱۵۲۰۰۰	۱۸۶۳۶۹۰۰۰ ″	۸۶ ½ ″
سنہ ۱۹۰۷ء	۱۹۳۵۰۰۰	۱۸۵۲۵۲۰۰۰ ″	۹۵ ″
سنہ ۱۹۰۸ء	۱۹۱۳۰۰۰	۲۰۳۳۶۳۰۰۰	۱۰۵ ½

(۲) گیہون ۔ تجارت برآمد ۔ مقدار و قیمت

سال	مقدار	قیمت	قیمت فی ٹن
سنہ ۱۹۰۴ء	۱۲۹۵۵۶۵ لاکھ ٹن	۱۱۰۸۸۹۵۰۰ کرور روپیہ	۸۵ روپیہ
سنہ ۱۹۰۵ء	۲۱۵۰۰۰۰	۱۷۹۰۶۰۷۰۰ ″	۸۳ ½ ″
سنہ ۱۹۰۶ء	۹۷۳۵۰۰	۸۵۳۴۴۲۰۰ ″	۸۷ ½ ″
سنہ ۱۹۰۷ء	۸۱۰۵۰۰	۷۲۵۴۴۶۰۰ ″	۹۱ ″
سنہ ۱۹۰۸ء	۸۸۰۴۰۰	۸۵۸۵۰۳۰۰ ″	۹۸ ″

کھوپرے کی دساور سے ایک اور شہادت فراہم ہو جاتی ہے:

کھوپرا - تجارت برآمد - مقدار و قیمت

سال	مقدار	قیمت	قیمت فی من
سنہ ۱۹۰۲ء	۱۲۰۰۰ لاکھ من	۱۲۰۰۰ لاکھ اشرفی	ایک اشرفی یا ۱۵ روپے
سنہ ۱۹۰۶ء	۱۱۰۰۰ "	۱۲۶۰۰۰ "	۱ اشرفی یا ۱۷ روپے (تقریباً)
سنہ ۱۹۰۸ء	۷۵۰۰ ہزار من	۱۴۴۰۰۰ "	۱ اشرفی یا ۲۸ روپے (تقریباً)

ان مثالوں سے کھل گیا ہوگا کہ باہر والے کس قدر گران خریدنے کی حیثیت رکھتے ہین جنس کی قیمت جو کاشتکار کی جیب مین جاتی ہے معمولی ہوتی ہے لیکن جو سوداگر اُس سے خریدکر باہرلے جاتے ہین وہ ریلوے محصول وغیرہ کے علاوہ خوب منافع بٹورتے ہین - اور ملک مین نہ تو قیمت زیادہ آتی ہے نہ جنس باقی رہتی ہے جس کا لازمی نتیجہ گرانی ہوتا ہے -

(۵) گرانی اجناس کا آخری سبب جس پر فخر وطن مسٹر گوکھلے بارہا حکومت ہندوستان کو توجہ دلا چکے ہین سکۂ رائج الوقت کا اصول ترویج ہے - ہم اس دلچسپ اور پیچیدہ مسئلہ پر مفصل مضمون پھر کبھی فرصت سے لکھین گے لیکن چند اصولی باتین جو بدرجۂ غایت اہم ہین ناظرین کے ذہن نشین کر دینی ضروری ہین -

اقتصادیات کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ سکہ کا اصول ترویج اجناس کی قیمت پر بہت بڑا اثر رکھتا ہے جس ملک مین سکے کی مانگ زیادہ ہوگی وہان سکے کی گران قدری یقینی طور پر بڑھی ہوئی ہوگی - اور اس کی قوت خرید بھی زیادہ ہوگی - پس اجناس لازمی طور پر ارزان ہونگی - لیکن جہان سکے کی کثرت ہوگی وہان اجناس کی قیمتین آپ سے آپ بلند ہو جائین گی - مثال کے طور پر فرض کر لیجیے کہ ایک ملک مین ایک لاکھ روپیہ ہاتھون ہاتھ چکر لگاتا پھرتا ہے لیکن اس ملک مین تجارتی یا زرعی ضروریات اتنی وسیع ہین کہ اس لاکھ سے پورا کام نہین چلتا اور تمول بڑھ جانے کی وجہ سے زیادہ سکون کی مانگ ہے - تو ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ روپیہ نہایت گران قدر ہوگا اور لوگ اُسے حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ اجناس دینے پر آمادہ ہو جائین گے لیکن اسکے برعکس اگر اسی ملک مین ضرورت صرف ایک لاکھ سکون کی ہے مگر حکومت نے وہان ایک کی بجاے پانچ لاکھ سکے ڈھال کر بھیج دیے ہین تو یقیناً اس وقت سکہ بے قدری سے مارا مارا پھرے گا - ہر شخص کی جیب مین

بہت سے سکے ہونگے اور وہ بآسانی ایک چیز کو زیادہ روپون مین خریدنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اور یہی آمادگی اجناس کی قیمت کو بڑھادے گی۔

ہندوستان مین اس نظریے نے بارہا عملی تماشے دکھائے ہین۔ مثلاً ۱۸۹۳ء سے قبل ہندوستانی ٹکسالون سے ہر سال روپے کی کثیر مقدار ڈھل کر نکلتی تھی چنانچہ ۱۸۸۰ء مین پندرہ کروڑ سے زیادہ روپیہ ڈھالا گیا۔ اس بہتات نے حسب قاعدہ روپے کی قیمت گھٹانی شروع کی اور گورنمنٹ کی جو لاگت روپیہ ڈھالنے پر آتی تھی قیمت اُس سے بھی کم ہو گئی جس سے خزانے مین سخت ٹوٹا آنے کا اندیشہ ہو چلا اور آخر ۱۸۹۳ء مین یہ غلط اصول جس کے بانی لارڈ ڈلہوزی تھے چھوڑ دیا گیا۔ مگر ۱۸۹۹ء مین روپے کی قیمت قانونی طور پر ۱۶ پنس (۱۶ آنے) مقرر کی گئی اور دوسرے ہی سال ۱۳ کروڑ سے زائد روپے گورنمنٹ نے ڈھال کر رائج کر دیے۔ پرانے روپیون کو واپس لینے کی منادی کر دی گئی جس سے درحقیقت حکومت نے اصلی چاندی زیادہ مقدار مین حاصل کر کے کم قیمت سکہ چلادیا۔ اور قانون کے زور سے اسکی قیمت زیادہ مقرر کر دی۔ اسمین اتنا نفع ہوا کہ پھر ہر سال کثیر مقدار مین جدید سکہ ڈھلنا شروع ہو گیا اور اندازہ کیا گیا ہے کہ اس وقت کم سے کم سوا دو ارب (دو سو پچیس کروڑ) روپیہ مروج ہے!۔

اس کثرت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ملک مین ایک اقتصادی ہل چل پیدا ہو گئی اور روپیہ کی گران قدری گھٹا کر اجناس کی قیمتین بڑھ گئین۔

مسٹر گوکھلے نے اپنی بجٹ اسپیچ مین کئی سال ہوے کہا تھا اور بالکل ٹھیک کہا تھا کہ اسوقت روپے کی کثرت ترویج نے جو تلاطم ڈال رکھا ہے اس کا انسداد صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ اب اس کا ڈھالنا قطعاً مسدود کر دیا جائے اور اسکے بجاے سونے کا سکہ مسکوک ہو تا کہ ہمارا اصول ترویج سکۂ اضلاع متحدہ امریکہ یا فرانس کے ہم سنگ اور مشابہ ہو جائے ورنہ اس طرح روپے ڈھالے چلے جانے سے ملک کو سخت اقتصادی نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔

ہاشمی

رازِ ہستی

ہم ہین آہ اوس ہوا کی جو ہے چلتی ہر کہین
آہ فنائی یونہی مانند ہوا ہے زندگی
(از سنسکرت)

ڈھونڈتی ہے جو سکون۔ پر اُسکو پا سکتی نہین
ایک نالہ۔ ایک آہ نارسا ہے زندگی

فضل الٰہی قریشی

خمسہ بر غزل حکیم سنائی

کھلتے کھلتے کھلتے ہین شاخون مین گلہائے چمن　　جمتے جمتے آخرش جمتا ہے رنگ انجمن
ابتدا سے درسگاہ دہر کا ہے یہ چلن　　قرنہا باید کہ تا یک کودکے از علم و فن
عالمے دانا شود یا شاعر شیرین سخن

ملتے ملتے دہر مین ملتے ہین احباب و خویش　　ہوتے ہوتے ہوتے ہین اسباب عالم پیش پیش
ہو نہین سکتا کبھی قانون قدرت کم و بیش　　روزہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش
زاہدے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن

آنکھ کا کرتی ہے کام آنکھ اور دل کا کام دل　　گشت عالم بر نظر کردیکہ غافل متصل
اُسکی قدرت ہے کہ جو کرتی ہے شکلین منتقل　　ہفتہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و گل
شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن

آئے ہین نادان بزم دہر مین سب پور و دخت　　فیض صحبت اُنکو کر دیتا ہے آخر چاق و چست
بڑھتے بڑھتے بڑھکے ہوتا ہے جوان تندرست　　ماہہا باید کہ تا یک نطفۂ از رحم و پشت
صفدرے خیزد بمیدان یا عروس انجمن

قطرۂ نیسان صدف مین جاکے ہو دُرِّ خوش آب　　ناف آہوے ختن کا خون ہو جمکر مشک ناب
قابلیت ہو تو ہو جائے جہان مین فیضیاب　　سالہا باید کہ تا یک سنگ قابل ز آفتاب
لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن

دل پہ لکھ لینے کے قابل ہے یہ قول باسند　　کھو کے کچھ انسان کو ہوتی ہے تمیز نیک و بد
رحمت حق المدد اے رحمت حق المدد　　دورہا باید کہ تا یک مرد صاحب دل شود
بایزید اندر خراسان یا اویس اندر قرن

جو ہے نالان ہے ہماری طرح جور چرخ سے　　داغ ہین ہر ایک دل پہ رنگ کے یا درد کے
رات دن دنیا مین لطف عیش حاصل ہو کسے　　عمرہا باید کہ تا گردون گردان یک شبے
عاشقے را وصل بخشد یا غریبے را وطن

ہو چکے لاکھون ستم اب کیون جفاؤنکی ہے دھن　　خار حسرت جو چبھے ہین دل مین وہ بیدرد چن
کیا جگر لکھتا ہے تجھ سے پہلے اُسکی بات سن　　یا برو ہمچون زنان نیرنگ بازی پیشہ کن
یا بیا ہمچون سنائی گوئے در میدان بزن

میر تقی میر

(بسلسلہ نمبر ۱۲ بابتہ ماہ نومبر سنہ ۱۹۱۲ء)

سوزش اندرونی

کیا جانیے کہ چھاتی جلے ہے کہ داغ دل — اک آگ سی لگی ہے کہیں کچھ دھواں سا ہے

قریباً یہی مضمون امیر مینائی نے بھی خوب کہا ہے

جگر میں آگ لگی ہے کہ دل میں اے ہمدم — کدھر یہ آگ لگی ہے ذرا خبر لینا

خط لکھ کے کوئی سادہ نہ اسکو ملول ہو — ہم تو ہوں بدگمان جو قاصد رسول ہو

عاشقانہ بدگمانی کی حد کر دی ہے۔ آتش نے بھی قریباً یہی مضمون لکھا ہے۔

پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا — زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

اے چرخ مت حریف اندوہ بیکساں ہو — کیا جانے منہ سے نکلے نالے کے کیا سماں ہو

از خویش رفتہ ہر دم رہتے ہیں ہم جو اس بن — کہتے ہیں لوگ اکثر اس وقت تم کہاں ہو

سجدہ کا کیا مضائقہ محراب تیغ میں — پر یہ تو ہو کہ نعش پہ میری نماز ہو

ذرا ذیل کے شعر کے عاشقانہ رنگ اور شان تغزل کو ملاحظہ کیجیے یہی وہ معنی آفرینی اور تلاش فکر لطیف ہے جس نے میر کو طبقۂ شعرا میں واجب التعظیم بنا دیا ہے۔ ہائے کیا اثر میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں معشوق کی مستانہ ادا کی کیا تصویر اتاری ہے۔ فرماتے ہیں

بکھری ہیں منہ پر زلفیں آنکھ نہیں کھل سکتی ہے — کیونکہ چھپے میخواری شب جب ایسے اٹھ کے آتے ہو

کام ہے یار سے جو جذب رسا رکھتا ہو — یا کوئی آئینہ سا دست دعا رکھتا ہو

کس لطیف مضمون کو نظم کیا ہے۔ خصوصاً مصرعہ ثانی تو بالکل نیا ہے۔ مصرعہ اولی میں کوئی نیا خیال نہیں ہے لیکن مصرعہ ثانی میں کیا بات پیدا کی ہے مطلب یہ ہوا کہ یار سے وہ عاشق مقصد حاصل کر سکتا ہے جسکے جذبات رسا ہوں۔ یا اس کا دست دعا مثل آئینہ کے ہو کہ ادھر ہاتھ اٹھایا اور ادھر صورت اجابت یا عکس اثر نظر آئی دست دعا کو آئینہ سے نئی تشبیہ ہے۔

ہائے اس زخمی شمشیر محبت کا جگر — درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو

کس کس پہ اسکو ہووے نظر یان ہر ایک شب جی دے ہین اسکی چشم کے بیمار ایک دو

ٹک چشم مین بھی سرمہ کا دنبالہ کھینچیے اس مست کے بھی ہاتھ مین تلوار ایک دو

ہم عجز سے پہونچے ہین مقصود کی منزل کو کہ خاک مین مل جائے جو اُس سے ملا چاہے

ہو سکتی ہین سدرہ پلکین کہین رونے کی تنکون سے رُکے ہے کب دریا جو بہا چاہے

دل جانے ہے جو رو کے شبنم نے کہا گُل سے اب ہم تو چلے یان سے رہ تو جو رہا چاہے

رنگ گل و بوئے گل ہوتے ہین ہوا دونون کیا قافلہ جاتا ہے جو تو بھی چلا چاہے

ہم میر ترا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن رہتا ہے ہوے ہن کب جو کچھ کہ ہوا چاہے

گرچہ زردی رنگ کی بھی ہجر ہی سی ہو وے منھ پر اد یکھیو ہو گیا یہ کوفت جی پر دیکھیے

اس شعر مین مصرعہ ثانی کے (دیکھیو ہو گیا) کے مزے کو دیکھیے۔ اور مُنھ اور دل کی مصیبت کا فرق کس طرح بیان کیا ہے۔

ہم طور عشق سے تو واقف نہین ہین لیکن سینہ مین جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے

ہائے رے تجاہل کہ معشوق دل کو مل رہا ہے اور پھر بھی میر اپنے کو ناواقف عشق کہہ رہے ہین مطلب یہ ہے کہ ابھی تو صرف دل ملا جا رہا ہے آئیندہ معلوم نہین کیا ہو

خرابی دل کی کیا انبوہ درد و غم سے پوچھو ہو وہی حالت ہے جیسے شہر لشکر لوٹ جاتا ہے

میر کے اس شعر کو کلیم کے اس شعر سے کم نہین کہہ سکتے

کلیم از دست بیداد کہ نالم بگشت ما گزار لشکر افتاد

شوخی

سائل بوسہ سب گئے محروم ایک حاضر جواب ہے وہ بھی

غلط فہمی

وہم جس کو محیط سمجھا ہے دیکھیے تو سراب ہے وہ بھی

نہ کہہ چشم خونبار کو چشم تر خدا جانے کب کا یہ ناسور ہے

گیا شاید اُس شمع رو کا خیال کہ اب میر کے مُنھ پہ کچھ نور ہے

برچھیون پر کہین نہ بٹ جائے دل صفوف مژہ مین تنہا ہے

شور بازار مین ہے یوسف کا وہ بھی آ نکلے تو تماشا ہے

تنگ گریبان مین سر کو ڈال کے دیکھ دل بھی دامن وسیع صحرا ہے

چھوڑے جاتے ہین دل کو تیرے پاس یہ ہمارا نشان ہے پیارے

قریباً یہی مضمون ایک فارسی شاعر نے لکھا ہے موازنہ کیجیے

تا باشدم بہانۂ از بہر کوے دوست دل را بجا گزاشتہ رفتم بکوے دوست

شب ہجر

غالب کہ یہ دل خستہ شب ہجر مین مرجائے یہ رات نہین وہ جو کہانی مین گزر جائے

اس سے زیادہ دردناک شعر کہنا امکان بشری سے باہر ہے مصرعہ ثانی مین (نہین وہ) کے ٹکڑے کو ملاحظہ کیجیے۔

تڑپنا بھی دیکھا نہ بسمل کا اپنے مین کشتہ ہون انداز قاتل کا اپنے

اس مطلع مین ذرا غور سے عجیب بات نکلتی ہے۔ مصرعہ اولی مین ہے کہ قاتل نے اپنے بسمل کو تڑپتے نہ دیکھا اس سے عاشق کا تیغ وغیرہ سے قتل ہونا ثابت ہے لیکن میرا انداز قاتل سے کشتہ ہوگئے انداز سے قتل ہونا زیادہ لطیف خیال ہے۔

خبر نہین تھی تجھے کیا ہماری طاقت کی نگاہ چشم ادھر تو نے کی قیامت کی

خوب مطلع ہے مصرعہ اولی مین شکایت کم طاقتی کس خوبی سے کی ہے۔ لیکن مصرعہ ثانی مین ممکن ہے کہ کتابت کی غلطی سے لطف کی جگہ چشم ہوگیا ہو اس لیے کہ نگاہ کو چشم کی طرف مضاف کی ضرورت نہین ہے۔

فرصت زندگی سے مت پوچھو سانس بھی ہم نہ لینے پائے تھے

پاس ناموس عشق تھا ورنہ کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

پہلے شعر مین موت کی دست برد کی حالت دکھائی ہے اور گویا آیۂ کریمہ اذا جاء اجلہم الخ (در اصل موت ایک ساعت ادھر اُدھر نہین ہوتی) کا مفہوم نظم کیا ہے۔

دوسرے شعر مین عشق کی رازداری اور انتہاے صبر کو دکھایا ہے آنسو جب پلک تک آئے تو انکو کون روک سکتا ہے۔ مگر میر صاحب کرامت عشق دکھا رہے ہین کہ صرف آنکھون مین ڈبڈبائے ہوے آنسو نہین بلکہ نوک مژہ پر آئے ہوے آنسو کو جذب دل سے واپس کر لیتے ہین کیسا لطیف اور نازک مبالغہ ہے۔

بے ثباتی عیش و راحت

وقت خوش دیکھا نہ اک دم سے زیادہ ہرگز خندۂ صبح چمن پر مثل شبنم رو سیئے

ذیل کی غزل میر صاحب نے دعوے سے کہی ہے اور اسمین نظیری کا رنگ دکھانے کا ادعا کیا ہے درحقیقت بہت ہی

پاکیزہ اشعار نکالے ہین رنگ تغزل اور جذبات کے لحاظ سے نظیری کے اشعار کا جواب کہا جائے تو بیجا نہین ہے
معانی کے لحاظ سے بھی شعر بہت بلند ہین۔

جب نام ترا لیجیے تب چشم بھر آئے — اس زندگی کرنے کو کہان سے جگر آئے
میخانہ وہ منظر ہے کہ ہر صبح جہان شیخ — دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر آئے
ہر سو سر تسلیم رکھے صید حرم مین — وہ صید فگن تیغ بکف تا کدھر آئے
کہتے ہین ترے کوچے سے میرا آنے کہے ہے — جب جانیے وہ خانہ خراب اپنے گھر آئے

مطلع مین انتہا کی درد مندی ثابت کی ہے معشوق کا نام سنتے ہی آنکھ کا بھر آنا کس گہرے تعلق کو ظاہر کر رہا ہے
مصرعہ ثانی کا یہ مطلب ہے کہ جب زندگی بھر ایسا رونا ہے تو ایسا دل و جگر کہان سے آئے کہ وہ اس مصیبت کو برداشت
کرے۔ مگر نہین برداشت کرتے ہین۔

میخانہ آخر والا شعر بہت ہی نیا ہے منظر میخانہ دیکھنے کے لیے خورشید کا در میخانہ پرستی دصبح کو آفتاب مین واقعی
مستانہ روی ہوتی ہے اور وہ جھوم کر نکلتا ہے) سے سر رکھنا کس قیامت کی معنی آفرینی ہے۔ اور پھر مستی سے
دیوار پر سر رکھ دینا کتنی بدیہی بات ہے اردو مین ایسا فصیح و بلیغ مضمون۔ تیسرے شعر مین شوق شہادت کس
کس رنگ مین بیان کر گئے ہین۔ چوتھے شعر مین جنون اور وارستہ مزاجی کیسے پاکیزہ الفاظ مین ظاہر کی ہے
سودا نے بھی اسی طرح مین غزل لکھی ہے۔ بطور خود موازنہ فرمایے۔

سودا

صورت اگر اس مہر کی پہچان اگر آئے — ہر ذرہ مین کچھ اور ہی جم کا نظر آئے
مجھ چشم سے اب اشک نہین آنے کا ناصح — آئے بھی غم دل سے تو لخت جگر آئے
کیا ہو جو قفس تک مرے اب صحن چمن سے — دو برگ لیے گل کے نسیم سحر آئے
جب پھونکیے ناقوس صنم خانہ دل شیخ — کعبہ کا ترے وجد مین دیوار و در آئے

سودا نے مجھ چشم والا شعر بہت بلیغ کہا ہے۔ اسمین رونے کی انتہائی حد کو ثابت کیا ہے کہ اے ناصح اب میرا
سے آنسو نہ آئین گے کہ اب سرمایہ اشکباری (بخارات غم سے مراد لے سکتے ہین) باقی نہین رہا اور اب آنکھ سے اگر
آئے بھی تو لخت جگر آئے۔ ناقوس والا شعر بھی خوب ہے۔

میر

کچھ موج ہوا پیچان اے میرؔ نظر آئی　　شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

کتنا پر معنی مطلع کہا ہے۔ موج ہوا کو پیچان کر کے نئی زنجیر بنائی ہے اور زنجیر بننے کی وجہ بہار ہے اور یہ خیالی نازک زنجیر پہنے گا کون میرسا دیوانہ زلف یار۔

اسی زمین میں یہ شعر کس شان کا کہا ہے ایک شعر میں دلّی کے تمام اوصاف کا خاتمہ کر دیا ہے قادر الکلامی اسی کا نام ہے۔

دلّی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے　　جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

سوداؔ نے بھی اسی زمین میں بہت اچھی غزل کہی ہے اور زور طبیعت دکھا کر اپنے کو میرؔ کا ہمعصر ثابت کر دیا۔

بولا وہ جسے تیری تصویر نظر آئی　　یہ خواب زلیخا کی تعبیر نظر آئی

حلقے جو پڑے باہم ہے جائے گرفتاری　　آنکھوں ہی کے لڑنے میں زنجیر نظر آئی

اس باغ میں اک گل کو خنداں جو کہیں دیکھا　　سو غنچوں کی واں صورت دلگیر نظر آئی

میر

بلبل نے کل کہا کہ بہت ہم نے کھائے گل　　لیکن ہزار حیف نہ ٹھہری ہوائے گل

رعنا جوان شہر کے رہتے ہیں گل بسر　　سر پر ہمارے داغ جنون کے ہیں جائے گل

سودا

کہتے تھے اسلیے کہ نہ ہو آشنا سے گل　　اے عندلیب دیکھی نہ آخر وفائے گل

میں اور عندلیب ازل سے ہیں ہم نصیب　　مجھپر ستم ہوا ہے تو اسپر جفائے گل

میر

سرتابی اس سے طائر قدسی نہ کر سکے　　اس ترک صید بند کا وہ تو شکار ہے

ہم آپ سے گئے سو آگے کہاں گئے　　مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں انتظار ہے

سودا

کر ذبح اسکو خواہ رہا کر کہ مرغ دل　　پر بستہ تیرے تار نگہ سے شکار ہے

سودا چوسے ہے خون تری آنکھوں کس کے آج　　مژگان کے پنجہ سے ترے دل کو فشار ہے

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو　　میر　　ابھی ٹک روتے روتے سوگیا ہے

سودا

سودا کے جو بالین پہ ہوا شور قیامت　　خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

میر نے حسرت نصیب غم زدہ عاشق زار کی حالت دکھائی ہے اور اس سے زیادہ پر اثر شعر کہنا مشکل ہے۔
سودا نے مضمون کی حیثیت سے بہت بلند شعر کہا ہے مگر امیر مینائی نے اس مضمون کو اور ہی انداز سے کہا ہے اور وہ ان دونوں سے الگ ہے اور نعت میں اس رنگ کا شعر نہیں دیکھنے میں آیا

اے حشر مدینہ میں نہ کر شور　　چپ چپ سرکار سو رہے ہیں

میر

مجھکو پوچھا بھی نہ یہ کون ہے غمناک ہنوز　　ہو چکے حشر میں پھرتا ہوں جگر چاک ہنوز

سودا

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز　　جا بجا سوت ہیں پانی کے تہ خاک ہنوز

دونوں مطلع جداگانہ رنگ میں ہیں۔ میر نے اپنی محرومی کس مپرسی اور داد کو نہ پہونچنے کا گلہ کیا ہے۔ اور سودا نے چشم گریان کے موثرات کو ثابت کیا ہے اپنے رنگ میں دونوں مطلع لاجواب ہیں۔

میر

اشک کی لغزش مستانہ پہ مت کیجیو نظر　　دامن و دیدۂ گریان ہے مرا پاک ہنوز

سودا

کیونکہ سودا میں کروں وصف بناگوش اسکا　　کی نہیں آب گہر سے یہ زبان پاک ہنوز

میر

بعد مرنے کے بھی آرام نہیں میر مجھے　　اسکے کوچہ میں ہے پامال مری خاک ہنوز

سودا

گل زمین سے جو نکلتا ہے برنگ شعلہ　　کون جان سوختہ جاتا ہے تہ خاک ہنوز

میر

ایک دن بال فشان تک ہوئے تھے خوش ہوکر　　ہیں غم دل کی اسیری میں گرفتار ہنوز

سودا

بال و پر ہونے نپائے تھے نمودار ہنوز　　تب سے ہم کنج قفس میں ہیں گرفتار ہنوز

میر نے دنیا میں کمی عیش اور فراوانی غم کا ذکر کیا ہے اور سودا نے گرفتاری غم کی تصویر اوتاری ہے۔

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

میر کا یہ مطلع موثرات عشق و محبت کا خلاصہ ہے اور میر اس رنگ کے لاجواب اُستاد ہیں سودا کا مطلع بالکل الگ ہے اور معانی کے لحاظ سے بلند ہے۔

موت نے عہد میں تیرے ہی تقدیر سے یہ پیغام کیا ناز و تغافل دیکر اسکو مجھکو کیوں بدنام کیا

سودا نے اچھی بات پیدا کی ہے معشوق سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ موت تقدیر سے کہتی ہے کہ میں مارنے کے لیے عبث بدنام ہوں دراصل وہ ناز و تغافل جو میرے معشوق کو ملا ہے عالم کا قاتل ہے۔

میر

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند یعنے رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

یہ شعر بھی عاشقانہ زندگی کا کارنامہ ہے اور جس اثر میں ڈوبا ہوا ہے اسکی تعریف کیا کی جائے۔

سودا

تھا بجوانی فکر و تردد بعد از پیری پایا چین رات تو کاٹی دکھ سکھ میں صبح ہوئی آرام کیا

مضمون کے لحاظ سے سودا کا شعر گویا میر کے شعر سے لڑ گیا ہے لیکن لطف زبان اور نرمی الفاظ کے لحاظ سے میر کا شعر خاص درجہ رکھتا ہے۔

میر

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں کم ہی ہوئی کوسوں اُسکے اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا

سودا

ادب دیا ہو ہاتھ سے اپنے بھلا کبھی میخانے کو کیسے ہی ہم مست چلے پر سجدہ ہر ہر گام کیا

دونوں نے ادب کو خوب ثابت کیا ہے۔ وحشت ہو یا نشہ دونوں میں انسان فاترالعقل ہو جاتا ہے لیکن میر صاحب وحشت میں دشت عشق میں اور سودا نشہ میں میخانۂ عشق کو سجدۂ ادب کر رہے ہیں۔ دونوں شعر لاجواب ہیں۔

میر

ایسے آہوے رم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی سحر کیا اعجاز کیا جن لوگوں نے تجھکو رام کیا

سودا

بلوچ مجھے ہیں دیر کمیں میں کیا پوچھے ہے تیر کو مجھ وحشی کو سُنا برہمن تیوں نے اپنا رام کیا

یہ دونون شعر متحد القوافی ضرور ہین لیکن رنگ بالکل الگ ہے میر کا شعر غالب ہے۔

میر

تیر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخچیر کا — جس کے ہر ٹکڑے مین ہو پیوست پیکان تیر کا

سودا

ہو یہ دیوانہ مرید اُس لٹ چھٹ کس پیر کا — سلسلہ بہتر ہے سودا کے لیے زنجیر کا

دونون مطلعے بالکل الگ ہین۔ میر نے اپنا خاص طرز سخنوری دکھایا ہے لیکن سودا نے بھی اپنا تخلص خوب کھپایا ہے۔

میر

لخت دل سے جو چھڑی پھولوں کی گوندھی ہی دے — فائدہ کچھ اے جگر اس آہ بے تاثیر کا

سودا

ایک دن تجھسے سلگ اُٹھتے نہ دیکھا کاروان — اے جرس حاصل کچھ اس فریاد بے تاثیر کا

میر

ایک محروم چلے میر ہمین دنیا سے — ورنہ عالم کو زمانہ نے دیا کیا کیا کچھ

سودا

سودا جہان مین آکے کوئی کچھ نہ لے گیا — جاتا ہون ایک مین دل پُر آرزو لیے

ناکامی قسمت کا گلہ دونون شعرون مین کیا گیا ہے میر نے سادے طور پر اپنی محرومی کا ذکر کیا ہے اور وہ اپنے ساتھ کچھ نہین لے گئے سودا نے یہ خیال آفرینی کی ہے کہ دل پر آرزو ساتھ لے کے چلے مگر اس سے بھی حسرت نصیبی ثابت ہوئی اس مضمون کو دوسرے پیرایہ مین اور شعرا نے بھی خوب کہا ہے۔ امیر مرحوم کہتے ہین

باغ غیرون کو ہم کو داغ ملے — تھے یہی پھول اپنی قسمت کے

میر

رات ساری تو کٹی سنتے پریشان گوئی — میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

سودا

سودا تری فریاد سے آنکھون مین کٹی رات — اب آئی سحر ہونے کو ٹک مرکہین تو بھی

مضمون دونون کا قریباً یکسان ہے۔ مگر میر کے مصرعۂ ثانی مین (بھی) کا لفظ اتنا دلچسپ نہین ہے۔ سودا کا

مصرعہ اولیٰ بہت چست ہے اور دوسرے مصرعہ کے جھنجلائے ہوئے تیور بھی اچھے ہین۔

میر

مت رنج کر کسی کو کہ اپنے تو اعتقاد ۔۔۔ دل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا

سودا

کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ ۔۔۔ یہ قصر دل نہین کہ بنایا نہ جائے گا

اصل یہ ہے کہ یہ دونون شعر بندش کے لحاظ سے شاعری کا اعلےٰ نمونہ نہین ہین۔

میر

جیتا ہی نہین ہو جسے آزار محبت ۔۔۔ مایوس ہون مین بھی کہ ہون بیمار محبت

سودا

دعوی مری صحت پہ مسیحا کو غلط ہے ۔۔۔ نپچتے نہین دیکھا کوئی بیمار محبت

میر کا مطلع اور سودا کا شعر قریباً ایک ہی خیال کو ظاہر کرتا ہے لیکن رنگ طبیعت کا فرق ظاہر ہے۔

میر

ہر نقش قدم سے ترے سر نیچے ہین عاشق ۔۔۔ ٹک سیر تو کر آج تو بازار محبت

سودا

ٹک سادہ دلی پر مری کر رحم تو اے یار ۔۔۔ ہون تجھ سے ستمگر سے طلبگار محبت

میر

نہو ہرزہ درا اتنا خموشی لے جرس بہتر ۔۔۔ نہین اس قافلہ مین اہل دل ضبط نفس بہتر
بہونا ہی بھلا تھا سامنے اس چشم گریان کے ۔۔۔ نظر لے ابر تر آپ ہی آئے گا برس بہتر

سودا

دل نا آشنا نالہ سے ہے صد رہ جرس بہتر ۔۔۔ نہو مژگان جو خون آغشتہ لخت چشم تر بہتر
شہید رسم ملک حسن دل میرا ہے اے ہمدم ۔۔۔ کہ سمجھے قتل فریادی جہان بیداد رس بہتر

میر

غالب ہے تیرے عہد مین بیمار کی طرف ۔۔۔ ہر خون گرفتہ جائے ہے جلاد کی طرف

سودا

دیکھوں ہوں میں یوں اُس ستم ایجاد کی طرف
جوں صید وقت ذبح کے صیاد کی طرف

دونوں مطلع عاشقانہ ہیں گو اسلوب بیان جداگانہ ہے لیکن مفہوم قریبًا یکساں ہے میر نے بھی شوق شہادت کو ثابت کیا ہے اور سودا بھی اپنے ستم ایجاد معشوق کی طرف حسرت سے دیکھ رہے ہیں تاکہ وہ انکو ذبح یا قتل کرے۔

میر

ہم نے تو پر فشانی نہ جانی کہ ایک بار
پرواز کی چمن سے سو صیاد کی طرف

سودا

پہچانیں ہم نہ گُل کو نہ ہم گُل کے روشناس
مُنھ کر کے آنکھیں کھولیاں صیاد کی طرف

میر

حیران کار عشق ہے شیریں کا نقش میر
کچھ یوں ہی دیکھنا نہیں فرہاد کی طرف

سودا

پتھر کی لیک تھا سخن اسکا ہزار حیف
بولی زبان تیشہ نہ فرہاد کی طرف

سودا نے اس غزل کو زور دے کر لکھا ہے اور میر کے اشعار کی عمدگی کا اعتراف کرتے ہیں چنانچہ مقطع میں کہتے ہیں

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ
ہونا ہے تجھکو میر سے استاد کی طرف

میر و سودا کی غزلوں کا جو کچھ تقابل کیا گیا اسمیں پورا لطف جب حاصل ہوتا کہ دونوں کی ہم طرح غزلیں کامل طور پر ملتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میر و سودا کو مشاعرہ میں ہم طرح غزلیں پڑھنے کا کم اتفاق ہوا ہے ان دونوں نے جداگانہ طرحوں میں بطور خود کمال سخنوری دکھایا ہے۔ گو یہ مضمون کسی قدر طویل ہو گیا ہے لیکن پھر بھی میر کے صدہا قابل انتخاب اشعار باقی رہ گئے ہیں اگر موقع ہوا تو آئندہ یہ سلسلہ چندے جاری رہے گا۔

نقادان سخن عرصہ سے اس بات کو مان چکے ہیں کہ میر اپنے رنگ کے ایک ہی استاد ہیں جذبات عشق و محبت کی کیسی کیسی مصوری کی ہے اکثر اشعار دل پر تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں دردمند طبائع کے لیے میر نے ایک ایسا ذخیرہ نادر خیالات کا چھوڑا ہے جس سے وہ حد درجہ متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ در اصل میر کے کلیات میں شاعری کے تمام رنگ بھرے ہوے ہیں میر کے صدہا اشعار اساتذہ فارسی کے چیدہ اشعار سے کسی طرح کم نہیں ہیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ زمانہ نے اب تک دوسرا میر نہیں پیدا کیا۔ میر کا کلیات ایک کا

معانی ہے یا دکان جوہری جسمین ہزارہا چھوٹے بڑے جواہرات چنے ہین اور ان مین اکثر ایسے جواہر ہین جو صرف میر ہی کی مملوک ہین۔

بعض سخن سنجون نے میر کے اشعار کو نشتر سے تشبیہ دی ہے درحقیقت ایسا ہی ہے بلکہ نشتر تو چبھ کر نکل بھی آتا ہے اور میر کا شعر رگ جان مین خلش پیدا کرتا ہی رہتا ہے میر نے ایسے شعر بھی کہے جن کو سُن کر ماتم کیا جا سکتا ہے ذرا اس مطلع کو ملاحظہ کیجیے یہ شعر ہے یا مرثیہ۔ اور معنون کی وسعت پر تو غور کیجیے بس اسی شعر پر سردست مضمون ختم کیا جاتا ہے

جبکہ تابوت مرا جائے شہادت سے اوٹھا شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اوٹھا

کتنے نازک اور وسیع معنی ہین فرماتے ہین کہ جب شہادت گاہ عشق سے مرا تابوت اُٹھا تو محبت کے دل گرم سے آہ کا شعلہ اس لیے اوٹھا کہ اب ایسا جان نثار عاشق اور کوئی نہین باقی رہا اور جب شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اُٹھا تو خود محبت بھی گو یا سوختۂ غم ہوگئی اور اس طور پر محبت کا خاتمہ ہو گیا۔

موقوف غم میر کہ شب ہو چکی ہمدم کل رات کو پھر باقی یہ افسانہ کہین گے۔

ا۔ ز لکھنوی

تصویر افکار

ہند مین پردۂ نسوان یہ ہے کیسی آفت جس طرف دیکھیے پردے کی ہے بحث وحجت

کوئی کہتا ہے کہ پردہ نہین فرض و واجب کوئی قایل ہے بتاویل کتاب و سنت

فرض کیجیے کہ نہین فرض یہ رسمی پردہ مذہبًا چاہیے بس پوششِ ستر عورت

بحث لفظی نہین منظور یہ مانا ہم نے نام عورت ہو زبان پر کہ ہو لفظ مرأت

ہم نے مانا کہ ہے اس پردے سے نقص تعلیم دور آنکھون سے نہین ہوتے حجاب غفلت

یہ بھی تسلیم کہ ہے اس سے ترقی مسدود یہ بھی سچ رسم پرستی سے ہے قومی ذلت

کیا کلام اسمین کہ امراض کا گھر ہے پردہ قوم کی نسلین اسی سے ہین ضعیف الخلقت

سچ ہے ارشاد کہ ہو "مال عرب پیش عرب" بی بیون سے چمن دہر ہو رشک جنت

خیر بہتر ہے نمایان ہو اگر صنف لطیف بزم قومی مین بھی آئے وہی لطف صحبت

جس طرح انجمن آرا ہین حسینان فرنگ جیسے پریون کے اکھاڑے کی سُنی ہے شہرت

روش ناقہ لیلئے ہو ہر آئین جدید
مرکب اوج ہوا مین ہو پری کی صورت

لیکن افلاس بھی کچھ قوم کا ہے پیش نظر
اس زمانے مین تو بے زر کے نہین ہے وقعت

آبرو سے جنھین رہنا ہے گھرون مین دشوار
ان کو اسٹیج پہ آنے سے ملے کیا عزت

بے زری مین وہ ملین چہرے پہ پوڈر کیا خاک
ان کو سیر چمنستان مین ہو کیسے فرحت

کنگھی چوٹی سے سروکار جو کم رکھتی ہین
بال کے جلسون مین کس طرح کرینگی شرکت

بال بچون کی بھی فکرین جنھین رہتی ہین وبال
انکو دنیا کے بکھیڑون مین ملے کیا راحت

جاکے اسکولون مین کیا سیکھین گی وہ علم و ہنر
گھر کے دہندون سے نہ دن رات جنھین ہو فرصت

نو مہینے جو عوارض مین گرفتار رہین
اُن سے کیا کسب معیشت کی بھلا ہو محنت

جو کہ مزدوری کے قابل ہی نہین ہین بالفعل
کیسے بازار جہان مین وہ کمائین دولت

نقد دل نذر کرین اہل وفا جن کے حضور
مال و دولت پہ وہ مائل ہون خدا کی قدرت

ہم کو خود فکر نہ ہو مال ہے جن کی خاطر
در بدر غیرون کی کرتی پھرین وہ کیون خدمت

سامنے غیر کے پھیلا نہین سکتی دست سوال
جن کا جوہر ہے فقط شرم و حیا و غیرت

شکر نعمت کے مزے ہین جنھین گھر مین حاصل
انکو کیا بادۂ تہذیب مین آئے لذت

تنگدستی مین خیالات پریشان ہونگے
پھر سلامت رہے ایمان کی کیونکر دولت

چھڑ گئی بحث جدا گانہ مگر سچ یہ ہے
مفلسی پر نہین موقوف ہے رسم و عادت

خود سمجھ لو کہ نہ جب علم و ہنر سیکھین گی
کب تک آخر یہ زمانے مین نبھے گی حالت

دین و مذہب سے خبردار نہ دنیا سے غرض
کب وہ سمجھین گی بھلا معنیٔ شرع و ملت

نقص تعلیم ہے جب قید قفس مین تسلیم
طائر روح مقید کی ہے ظاہر کلفت

پس پردہ ہو جبتک کہ فروغ تعلیم
رخ خورشید پہ گویا ہے گہن کی ظلمت

آدمیت کے ذرا بھی نہین کھلتے جوہر
گرد آلود ہے آئینۂ حسن فطرت

پیکر نور مین تصویر بنی آدم ہین
نا سمجھ ایسی کہ تیھر کی ہین گویا مورت

چلتی پھرتی ہین شب ماہ مین جیسے سایا
رخ تاریک ہے یہ رنگ نقاب وحشت

دو سانس

آنکھون کو سرمہ لگایا۔ عینک لگائی۔ جنگل دکھایا۔ باغ کی سیر کرائی۔ اخبار پڑھوائے۔ النا ظر بنایا۔ مروت و بے مروتی کی اشارہ بازیان کرائین۔ کانون کو گانے سنوائے۔ فاقہ زدہ ہندوستانیون اور آفت رسیدہ طبقاتون کے آہ و نالے سنوائے۔ ناک نے جرمنی عطر سونگھے۔ زبان نے کرسمس کیک کھائے۔ بے مزہ ولایتی کھانے چکھے چٹخارہ لینے کو ترسی۔ کمزورون غریبون پر گرجی برسی۔ ہاتھون نے لاٹ صاحب اور کلکٹر صاحب سے مصافحے کیے۔ لوہے کے قلم پکڑے۔ جلسون کی کرسیان کھینچین۔ پاؤن کالے بوٹ پر سوار ہوئے۔ فٹ بال کی ٹھوکرون سے جی بہلایا۔

مگر میری دو سانسون کے لیے کیا ہوا جن سے ان سب کا دم سلامت ہے۔ یہ نہوتے۔ یہ نہون۔ تو آنکھ نبجے زبان گونگی۔ کان بہرے۔ اور ناک بے حس ہوجائے۔ ہاتھ پاؤن بھی بیکار و شل ہوجائین۔ تو پھر کیون نہ مین اپنے ان پیارے پیارے ہلکے ہلکے سانسون کی قدر کرون اگر یہ کچھ دیکھنا چاہین تو خوب دکھاؤن۔ وہ جو کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہو۔ اگر یہ سُننا سونگھنا چکھنا چاہین تو کائنات کی تمام نعمتین حاضر کرون۔

مجھے انکی خاموشی مین افسردگی نظر آتی ہے۔ یہ کیون چپ چاپ گھڑی باہر آتے ہین گھڑی اندر جاتے ہین۔ انھین کس کی تلاش ہے۔ انھین ایک جگہ قرار کیون نہین۔ انکو نیند بھی نہین آتی۔ مین سوتا ہون یہ جاگتے ہین۔ مین کھاؤن۔ پیون۔ ہنسون۔ روؤن۔ لڑون جھگڑون۔ انھین کسی بات سے سروکار نہین لمحہ کی لمحہ باہر رہے اور پھر اندر غائب۔

لوگ کہتے ہین انکا گھر پھیپھڑہ مین ہے۔ وہ لال رنگ کا ہے کھوکھلا ہے۔ تو کیا یہ کھوکھلا گھر انکو بھاتا ہے نہین۔ فقط یہ نہین۔ کچھ اور بات بھی ہوگی۔ ایک شخص نے کہا تھا جو لوگون مین عارف باللہ مشہور تھا کہ دل مین خدا کا گزر ہے اس لیے قدرت نے پھیپھڑہ کو دل کا پنکھا بنایا ہے تاکہ مسکن یزدانی کی حرمت اقلیم قالب انسانی مین اسی طرح ہو جس طرح دنیا کے بادشاہون پر مورچھل جھلے جاتے ہین۔ شاید یہ دونون سانس اسلیے بار بار اندر جاتے ہون کہ تجلی ربانی کی قربت میسر آئے۔

اگر یہ ہے تو یہ دونون بڑی عزت کے قابل ہین جو اپنے پیدا کنندہ کے مقام ظہور پر ایسے فریفتہ ہین۔ دلداری کرنے کی ہر جگہ تاکید ہے۔ مگر دو سانسون سے زیادہ کون نرم ہاتھ لاسکتا ہے جو دل کو اس مین لے۔

ہندو مسلمان ہندوستان کے دو سانس ہیں۔

سانس کی صوفیانہ تعریف یون ختم ہو گی۔ اسکو عمل مین بھی لانا چاہیے۔ سر سید نے کہا ہندو مسلمان ہندوستان کی دو آنکھین ہین۔ فقیر بولا بابا اگر آدمی سو جائے تو دونون آنکھین بیکار ہو جاتی ہین۔ ایک آنکھ بند کرو تو دوسری آنکھ کام دے سکتی ہے۔ اس لیے ان غروب ہونے والے ستارون سے ملک کی ہونہار روشنی کو تشبیہ ندو۔ ہندو مسلمان ملک کے دو سانس ہین۔ دونون برابر۔ بلکہ دونون ایک۔ جو اندر جاتا ہے نہ وہ بڑا جو باہر آتا ہے نہ وہ چھوٹا۔ سانس سے پوچھو تو وہ کہے گا کہ عالم بطون مین سواے ایک کے دوسرا نظر نہین آتا۔ اندر بھی وہی ایک۔ باہر بھی وہی ایک۔ یہ دوئی تو چشم پرست گوش پرست اور زبان پرستون نے قائم کر رکھی ہے آنکھین نہون تو آدمی مر نہین جاتا۔ سانس کے ساتھ تو زندگی کی آس ہے۔ ہندو مسلمان ہندوستان کے سانس ہین قلب حقیقت سے محبت پیدا کرین۔ تاکہ دیکھنے والون کو معلوم ہو کہ ہندوستان جیتا ہے۔ ابھی اس مین دم باقی ہے۔ اور دم ہے تو دوام ہے۔

حسن نظامی

ہر شب ہون اُنکی بزم کا سامان کیے ہوئے
داغون سے تن کو سرو چراغان کیے ہوئے

پھر دیکھتے کسی بت آفت نگاہ کو
دل محو سیر جنبش مژگان کیے ہوئے

لیتے ہین ہم مزا خلش تیغ یار کا
صد ہا دہان زخم نمکدان کیے ہوئے

لکھنے چلا ہون آج غم ہجر کی کتاب
خون جگر سے جدول عنوان کیے ہوئے

ہم فیض خون فشانی مژگان سے اے فلک
رشک شفق ہین گوشۂ دامان کیے ہوئے

لیجا کے دل کو کعبۂ کوے حبیب مین
رہتے نہین بغیر مسلمان کیے ہوئے

اب کیا رہا جو غفلت قاتل کو روئیے
مدت ہوئی وداع دل و جان کیے ہوئے

چھوڑین گے ہم نہ دامن صحرا کو اے جنون
بیٹھے رہین گے چاک گریبان کیے ہوئے

کچھ پوچھیے نہ سینہ و پہلو کی سرگذشت
یہ دونون گھر ہین آپ کے ویران کیے ہوئے

دکھلا کے اپنے روے مصفا کو رات دن
کیون آپ آئینہ کو ہین حیران کیے ہوئے

پھر ہر سیر قلزم الفت چلا ہے دل
کشتی کو وقف موجۂ طوفان کیے ہوئے

کل لاش پر قصیع کی وہ شوخ مہ جبین
سر پیٹتا تھا بال پریشان کیے ہوئے

دریاے جہلم

اے رود بار جہلم تو قاف کی پری ہے
کیا آن خود سری ہے ۔ کیا شان دلبری ہے

سیمین بدن ہے اُس پر آب روان کی معجر
پھر موتیون کا زیور تصویر آذری ہے

کیا خوب ہے روانی گردون ہے پانی پانی
رنگت ہے آسمانی اور دور محوری ہے

احجار اور لآلی ۔ ہین وقف پائمالی
کیا دل لبھانے والی تیری شناوری ہے

یہ سبزۂ مُطرا ۔ ساحل پہ جو ہے نکھرا
خرقہ ہے سبز تیرا ۔ تو خضر رہبری ہے

تیری صدا مین پنہان ہے بلبل غزلخوان
آئینۂ بہاران تیری ہمسری ہے

چلتے ہین یون شکارے جیسے فلک پہ تارے
رخشندہ سنگ پارے ۔ تو ماہ و مشتری ہے

اُف رے تری صباحت اللہ ری ملاحت
غمزے مین حور طلعت عشوے مین تو پری ہے

تھا ایک نقش اول ۔ اور ایک ہی تھی جدول
وہ جدول مطول ۔ تیری فسونگری ہے

اے قطرہ ہاے قلزم ۔ آب حیات ہو تم
لیکن ہر اک تلاطم ۔ سد سکندری ہے

یاجوج کا ستم تھا ۔ لشکر تموجون کا
پھر کوہسار تیرا ۔ سدّ سکندری ہے

تیری صدا چمن مین ۔ بلبل گُل و سمن مین
تیرا خروش بن مین شور غضنفری ہے

سر پتھرون سے اپنا ۔ سو بار تو نے پٹکا
دیوانہ پن کسی کا ۔ تیری خرد وری ہے

ماتھے پہ آہ تیرے ۔ چین و شکن ہین کیسی
شاید مری طرح سے ۔ حالت مین ابتری ہے

گر ہے تری درازی ۔ زلف رسا کسی کی
میری شب سیہ بھی شایان ہمسری ہے

موجون کی آمد و شد ۔ کرتی ہے تجھکو بیخود
مجھکو نفس کی رو خود آشفتہ منظری ہے

از عافیت درین جا گاہے نشان ندیدیم
در ہیچ کوہسارے گنج امان ندیدیم

ہم دونوں دشت گردان آوارہ خانمان ہین
نالان ہین کف زنان ہین جسوقت ہین جہان ہین

صحرا نورد دونوں۔ کہسار گرد دونوں
گردش مین فرد دونوں۔ ہم زیر آسمان ہین

دونوں رہین غم ہین۔ آزردۂ ستم ہین
ہم سر بسر الم ہین۔ سرتا بپا فغان ہین

فریادی ہوس ہین۔ سرگشتہ ہر نفس ہین
ہم نالۂ جرس ہین۔ ہم گرد کاروان ہین

دردا کہ صرف غم شد دوران ہستیٔ ما
گاہے نہ شد بلندی انجام پستیٔ ما

اے دور بار تونے دیکھا ہے کس حسین کو
چھوتا ہے کیون زمین کو گھستا ہے کیون جبین کو

جبری کہ اختیاری ہو نیری خاکساری
لیکن بہت ہے پیاری خود صورت آفرین کو

انداز اگر نہ آتے۔ کیون خال و خط مٹاتے
بے نقش و نام پاتے کیونکر ترے نگین کو

حسنِ ملیح تیرا۔ ایسا ملاحت افزا
ہم دیکھتے ہین گویا دریاے انگبین کو

ہر اک نگاہ تیری نخچیر ہو گئی ہے
گویا تری روانی شمشیر ہو گئی ہے

کبتک مناظرے مین ہم تر زبان رہین گے
دونوں سے راز عرفان کبتک نہان رہین گے

شوخی پہ ناز کبتک۔ قصے دراز کبتک
یہ سوز و ساز کبتک ہم سے عیان رہین گے

رونے سے دھلکے پیہم۔ ہونگی کدورتین کم
یا پیچ و تاب مین ہم مثلِ دخان رہین گے

ویرانہ ہون کہ بستی۔ ہم اوج ہون کہ پستی
زیب نظام ہستی بن کر یہان رہین گے

راز آشنا ہمارے ہان اے قمر کہان ہین
ہم ہین ظہور قدرت اہل نظر کہان ہین

قمر (از کشمیر)

تصویر وفا

"یاخدا مجھے موت کیوں نہیں آتی؟"

یہ الفاظ ایک اٹھارہ سالہ غمگین و پژمردہ لڑکی کی زبان سے اُس وقت نکلے جبکہ وہ نہایت افسردہ حالت مین پائین باغ کے ایک اُجاڑ کونے مین جہان خشک گلاب کی جھاڑیون کے سوا کوئی ہرا پودا نہ تھا ٹہل رہی تھی۔ اُسکے جسم پر ایک ملگجہ سا سفید خاصے کا کلیدار پاجامہ تھا اور ایسی ہی ململ کی قمیص اور ہلکا کاسنی دوپٹہ۔ لباس کئی دن کا پہنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ کانون مین صرف ایک ایک کیلی اور ایک انگلی مین انگشتری کے سوا کچھ نہ تھا جس پر کچھ حروف کندہ تھے۔ بال پریشان چہرے پر بکھرے تھے۔ شام کے ۵ بج رہے تھے اب خاصی ٹھنڈک ہو چلی تھی۔ تھوڑی دیر ٹہل کر ٹھہری۔ آسمان کی طرف دیکھا اور وہین ایک ٹیلے سے پتھر پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر گزری تھی کہ ایک نوجوان خادمہ نے آکر ایک سفید دستی لفافہ دیا۔ فوراً چاک کیا۔ پڑھنے لگی۔ لکھا تھا۔

"دلنواز! جس طرح بھی ہوسکے ایک ضروری بات سُننے کو آج مجھے بلاؤ۔ مین ۸ یا ۹ بجے ملنے کو تیار ہون مناسب وقت دو اور یہ لکھو کہ کہان ملون۔ کمرے مین یا باغ مین۔ آج کوئی عذر کسی کی خفگی وغیرہ کا نہ سُنا جائیگا۔ جیسے بھی ہوسکے تھوڑی دیر کے لیے ملو۔ "ڈی۔ اے"

دلنواز (خادمہ سے) "یہ چٹھی کون لایا؟"

خادمہ "گلزار دے گئی ہے۔ گھر مین نہین آئی باہر ہی سے دیدیا۔ کیون کیا لکھا ہے۔ آپ تو بہت متفکر ہوگئین۔"

دلنواز "اور کیا لکھا ہوتا؟ وہی جھگڑا۔ مرے اللہ مین کیا کرون۔ کہان جاؤن۔ یہان کیا کیا تیاریان ہین چچی چچا کن منصوبون مین ہین یہ لوگ کیا چاہتے ہین۔ لکھا کیا ہے۔ ۱۵ دن سے ٹال رہی ہون۔ مگر اب کیا کرون خدا جانے کوئی ضروری بات ہو پھر بلا لیا جائے۔ تم ہی کہو؟"

خادمہ "حضور ضرور بلائیے۔ دیکھین تو کیا بات ہے۔ شاید کوئی مفید تدبیر ہو۔ جواب لکھ دیجیے مین خالہ کے گھر جاتے ہوئے دیتی آؤنگی۔ بی بی صاحب نے آج خالہ کے یہان جانے کی اجازت دیدی ہے۔ اچھا چلو کمرے مین۔"

دونون اندر آئین۔ دلنواز نے لفافہ لکھا اور خادمہ کو دے کر خود چچی کی طرف چلی گئی وہان کھانا کھایا ۸ بجے اپنے کمرے مین واپس آئی اور باغچہ کی طرف کا دریچہ کھول کر حیران کھڑی ہوگئی۔ وہین خادمہ بھی باہر کی طرف قریب کھڑی تھی دلنواز نے کہا "دل پسند (خادمہ کا نام تھا) دیکھ تو کیا خدا کی شان ہے۔ ان ظالمون کے ہاتھون مین کس حالت مین ہون

اسوقت کس کا انتظار ہے اور کس بُری طرح ہے۔ گویا خدا نہ کرے کوئی بڑا پوشیدہ کام ہے۔ آہ میں مرگئی ہوتی یا اماں ابا زندہ رہے ہوتے۔ ان ظالموں نے تباہ کر دیا۔" اتنا کہا اور رونے لگی۔ میں اُسی وقت کسی کی آہٹ معلوم ہوئی۔ درختوں کے گرے ہوے پتوں میں سرسراہٹ ہوئی اور اندھیرے میں کوئی آتا نظر آیا۔

دل پسند" ہیچ نہ کیجیے خدا بہتر کرے گا۔ لو وہ آگئے۔ کھڑکی کھول دو۔ روشنی دکھاؤ" ناظرین یہ عجب وقت تھا۔ کون آیا اور کس حالت میں؟ آہ آپ کو خبر نہیں۔ یہ کوئی انھیں کے دلوں سے پوچھے۔ آنے والے کی بھی کچھ حالت ملاحظہ ہو۔ ایک بالکل کم عمر اٹھارہ انیس سالہ نوجوان طالب علم۔ صورت سے نہایت پژمردگی ظاہر۔ رنگ زرد۔ قد لمبا۔ خوشرو۔ اسوقت سیاہ کوٹ اور عنابی ترکی ٹوپی پہنے جھک کر کھڑکی میں داخل ہوا۔ حسین دلنواز کو بے اختیار روتے پایا۔ زیادہ رنجیدہ ہوگیا۔ ہاتھ پکڑ کر فوراً کرسی پر بٹھادیا۔ خود اسکے ہاتھ سرد تھے کیونکہ سردی کے موسم میں اُسوقت باہر سے آیا تھا لیکن اس مغموم دل لڑکی کے سرد ہاتھوں کو ہاتھوں میں دبا کر گرم کرنے لگا۔

نوجوان۔" میری دلنواز! اسقدر نہ گھبراؤ۔ بیشک آج کل ہماری حالت اس قابل ہے کہ ایک منٹ زندہ رہنا دشوار ہے۔ سخت جان ہیں کہ زندہ ہیں۔ شاید خدا بہتر کرے۔ مگر آہ کیا بہتر کرے گا۔ سال اسی حالت میں گزر گیا اور آج صبح تو سب سے زیادہ جگر پاش خبر سُنی ہے۔ خدا جانے صحیح ہے یا غلط۔ پوچھنے آیا ہوں بتاؤ تو کچھ سوچا جائے۔ تم تو کچھ بتاتی ہی نہیں ہو" اس تقریر کے جواب میں دلنواز نے کچھ نہ کہا اور بیقراری سے روتے ہوے اُسکے کندھے پہ سر رکھدیا۔

ولدار۔ (نوجوان کا نام)" دیکھو گھبراؤ نہیں تم مجھے بھی پریشان کردوگی۔ تم کو چاہیے کہ مجھے سمجھاؤ۔ حوصلہ دو نہ کہ فوراً بیقرار ہوکر میرے رہے سہے ہوش گم کرنے لگیں۔ کچھ تو کہو آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ آج تم بیحد مغموم و بیقرار ہو"

دلنواز۔" کیا کہوں بس جو ہونا تھا ہونے لگا۔ آہ میں اس ذلت کو زندہ نہ رہی ہوتی اب مجھے حرام موت مرنا ہوگا۔ غلام کہیں

ولدار۔ (گھبراکر)" خدا نہ کرے آخر کہو تو"

دلنواز۔" میں نہیں بتا سکتی مجھ میں طاقت نہیں جو وہ الفاظ ادا کروں۔ خدا میری عزت رکھے۔ آپ پہلے بتائیں کہ صبح کیا سُنا ہے۔ شاید سب سُن لیا ہو تو پھر میں کیوں کہوں"

ولدار۔" آہ! کس زبان سے کہوں کیسے کہوں سُنا یہ ہے کہ یہ ظالم سنگدل قطعی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اگر ایسا ہے تو کیوں نہیں مجھے مار ڈالتے خون تو یوں بھی انکے سر ہوگا دو دن بھی"

دلنواز۔" بس اتنا ہے یا کچھ اور بھی!"

ولدار۔" اتنا ہی۔ اور بھی اس سے زیادہ کچھ ہے؟ ہاں تو فوراً بیان کرو"

دلنواز "آہ بیان نہین کرسکتی۔ دل پسند سے پوچھ لو" اتنا کہا اور دلنواز بیہوش ہوکر دلدار کے قدمون پر گرگئی۔ دلدار گھبرا کر کھڑا ہوگیا بمشکل سنبھال کر صوفے پر ڈالا اور ہوش مین لانے کی تدبیرین کرنے لگا بہت دیر بعد ہوش آیا تو اُٹھ بیٹھی پھر دلدار نے کچھ نہ پوچھا اور کچھ دیر ادہر اُدہر کی باتین کرکے رخصت ہوا مگر نہایت پریشان اور بیچین۔ چلتے وقت باغ مین ٹھہر کر خادمہ سے مفصل کیفیت سُنی۔ نہ معلوم اُس نے کیا بتایا کہ وہین سخت سردی مین نیم کے درخت کے نیچے زندگی کے دلخ سے تخ گھنٹے زمین پر بیٹھکر کاٹے۔ اسکے بعد ذرا حواس بجا ہوے تو دل پسند ساتھ گئی اور گھر پہونچا آئی۔

"اب ہمین جو کچھ کرنا ہے جلدی چاہیے"

سامنے والے شہ نشین مین تخت پر بیٹھے دو میان بی بی آہستہ آہستہ کچھ گفتگو کر رہے ہین۔

بی بی "پھر فیصلہ بھی کرو کہانتک لٹکاؤگے۔ اللہ رکھے میرا دلبر اب جوان ہوا۔ اسکے ساتھ والون کے بچے کھیل رہے ہین۔ آخر ڈر کس کا ہے ہم خود مختار ہین۔ اگر وہ کچھ بولے کھود کر گاڑ دین"

میان "ہان ہان مجھے خود جلدی ہے۔ اب ہمین جو کچھ کرنا ہے جلدی چاہیے۔ دیر ہونے مین خدشہ ہے۔ وہ لوگ تو خیر لیکن لڑکا بے طرح بگڑا ہے جان پر کھیلنے کو تیار ہے۔ ۸ دن ہوے کالج چھوڑ کر چلا آیا۔ سُنا ہے پرسون سے سخت بیمار ہے ادھر اسکی یہ حالت ہے کہ دن مین کئی کئی غش آتے ہین۔ گو صاف صاف کہدیا ہے۔ تم پڑھ نہین سکتین۔ اُس نے مجھے کل بڑا لمبا چوڑا خط لکھا ہے کسی وقت سُناؤن گا۔ بیحد صفائی اور دیدہ دلیری سے انکار کیا ہے۔ اور ڈرایا ہے لیکن مجھے اسکی کب پرواہ ہے مین سنے وہ دلیر خون پیاہے اور اُسی دلاور خونخوار مان کی گود مین تربیت پائی ہے جس نے اپنی تھوڑی زندگی مین بڑے بڑے کام کیے اور تین خون کیے (سبحان اللہ کیا تعریف ہے گنہگار جہنمی والدہ کی) عورت مرنے کی بڑی دھمکی دیا کرتی ہے چنانچہ اُس نے لکھا ہے کہ "اگر زبردستی کی گئی تو زہر کھا لون گی"۔ کھالو۔ ایسی ایسی مکار بہت دیکھی ہین۔ مان کو میری مان نے مارا۔ بیٹی میرے ہاتھون شہید سہی"

بی بی "خیر یہ تو گیدڑ بھبکیان ہین۔ نکاح کے بعد سیدھی ہوجائے گی۔ دلبر بھی آخر ہمارا بیٹا ہے تیر کی طرح سیدھا کر لیگا تم جلدی کرو"

اسکے جواب مین میان نے کچھ بی بی کے کان مین کہا۔ وہ ہنس پڑین۔ اتنے مین کھانا آگیا۔

بی بی۔ (ملازمہ سے) "وہ منحوس شکل کیا کررہی ہے آتی ہے تو کھانے کو بلاؤ نہین تو وہین گھٹے کو آنٹے و مسعود اور باہر جاؤ میان دلبر سے کہو کھانا تیار ہے"

ملازمہ "وہ تو شاید سو رہی ہین۔ مین گئی تھی تو دل پسند نے نہین جگانے دیا۔ چھوٹے میان کو بلانے لڑکا گیا ہے یہ

لیجو وہ بھی آ گئے۔ ذرا حلیہ ملاحظہ ہو۔ پستہ قد سانولہ رنگ چیچک رو آڑا پائجامہ اور ریشمی اچکن پہنے تھے منھ مین پان آنکھون مین سرمہ ہاتھ مین کوئی ناول ہے۔ جسکو مہذب بیٹا پڑھتا ہوا باپ کے سامنے چلا آیا۔ مان نے ہنس کر کہا "میان جھجک کر بیٹھو۔ اب پرسون ہی انشاءاللہ دولہ بنوگے"

شرمیلے دولہ۔ "دولہن صاحب تو مر رہی ہین ابھی گھنٹہ بھر ہوا پہلے غش آ چکا ہے۔ مجھے اور توائی (تباہی) مین ڈالوگی"

امان "تیرے دشمن پڑین توائی مین یہ سب ترپاہٹ (آپ تو مرد ہین نہ) ہے نخرے مکاریان ٹھیک ہو جائینگی۔ اور مر بھی گیئین تو مرین "خس کم جہان پاک" ہمارا مطلب حاصل ہو ہی جائے گا۔ ۲۵ ہزار کا مالک ہیرالال (دلہن) بنے گا اور چاندسی دولہن بیاہ لاؤن گی" غرض اسی خوشگوار گفتگو مین کھانا ختم ہو گیا۔

"میرے دلدار مجھے بھی ساتھ لیتے چلو"

شب کے ۱۲ بج چکے ہین "سردار منزل" کے ایک بیڈ روم مین اسوقت عجیب حالت ہے۔ لیمپ جل رہا ہے پلنگ تو خالی ہے اور فرش پر پورے لباس مین لائق نوجوان دلدار غشی مین پڑا ہے۔ جس کا سر ایک دوسرے نوجوان لڑکے کے زانو پر ہے۔ ایک خادمہ پاؤن سہلا رہی ہے اور ایک پریشان حال لڑکی سیاہ لباس مین قریب ہی بیٹھی ہے نیچے کو سر جھکا ہے اور آنکھون سے اشک رواں ہین۔ ہاتھ پیر سرد ہین۔ مثل تصویر ساکت ہے بہت دیر اس حالت مین گزر چکی ہے شاید ہوش آ چکا ہے۔ لیکن ابھی ناطاقت اور غافل ہے۔ کبھی کبھی آنکھ کھول دیتا ہے۔ جس لڑکے کے زانو پر سر رکھا ہے اُس نے آہستہ سے ہاتھ پکڑ کر کہا۔

مشتاق۔ "بھائی! بھائی! آنکھ کھولو دیکھو سامنے کون ہے۔ دیکھو تو بہن دلنواز آ گیئین۔ بیچاری بڑی وقت سے آئی ہین۔ باتین کر لو جلدی جانا ہے"

دلدار۔ (کمزور آواز مین) "دلنواز! دلنواز! آہ وہ یہان کہان تم کیون مجھے چھیڑتے ہو اسوقت بھی مذاق کرتے ہو۔ مشتاق! پیارے مشتاق! مین اب کوئی دم کا مہمان ہون۔ آؤ مجھ سے گلے مل لو۔ میرے ساتھ ادھر کو لیٹ جاؤ میری آنکھون مین تاریکی چھا رہی ہے۔ تمھارا پیارا چہرہ نظر نہین آتا۔ لیمپ کیون گل کر دیا روشن کراؤ تاکہ مین آخری وقت اپنے مشتاق کا پیارا مُنھ دیکھتا ہوا دنیا سے رخصت ہو جاؤن"

مشتاق۔ (رو کر) "میرے دلدار! پیارے دلدار! ایسی جگر خراش باتین نہ کرو خدا رحم کریگا ابھی اچھے ہو جاؤگے لیمپ تو جل رہا ہے آنکھین کھول کر دیکھو۔ یہ دیکھو بہن دلنواز بھی بیٹھی ہین"

دلدار۔ (جھلا کر) "کیا بکتے ہو دلنواز۔ اسوقت یہان کہان وہ قید مین ہے۔ بھلا آ سکتی ہے۔ آہ صبح قیامت

ہونے والی ہے۔ ظاہر امیرا اور اسکا فیصلہ ہوتا ہے پھر وہ ایک اور کے نام کی ہوگی۔ مجھے اس منحوس وقت تک بے عزت و بے غیرت ہوکر نہین جینا چاہیے اسی شب مین مرجاؤن تو اچھا ہے۔ قبل اسکے کہ وہ ظاہراً ہمارا قطع تعلق کریا مین خدا مجھے دنیا سے اُٹھالے۔ ہان صبح تم یہ کرنا کہ میری میز کے خانے سے وہ سیاہ لفافہ نکال کر اپنے ہاتھ سے دلنواز کو دیآنا تم شاید جاسکوگے۔ دلبر کو شادی کی مبارکباد دینے کے نام سے چلے جانا"

مشتاق ایسی جان سوز تقریر کا کچھ جواب نہ دے سکا۔ بیقرار ہوکر روتا ہوا دلدار کے سینے سے لپٹ گیا۔ خادمہ بھی زار قطار رونے لگی۔ تو بھلا دلنواز کی کیا حالت ہوگی۔ صرف اتنا کہا کہ "میرے دلدار مجھے بھی ساتھ لیتے جلو" اور بیہوش ہوکر وہین گرگئی۔ اب بیچاری مصیبت زدہ خادمہ دل پسند پر سخت مشکل تھی۔ اپنی بیہوش بی بی اور دو مردون کو کس طرح سنبھالے اور کسی کو بلا بھی نہ سکتی تھی۔ کسی دوا کی شیشی کی بھی خبر نہ تھی۔ مجبوراً اُٹھی اور دھڑکتے دل سے ادھر اودھر دیوانہ وار پھری اور پھر گلاس میز سے اُٹھا کر پانی کے چھینٹے دیے۔ لونڈر رومال پر ڈال کر سنگھایا غریب وفادار دل پسند بس یہی تو کر سکتی تھی۔ خدا کی مہربانی ہے فوراً ہی چند منٹ بعد ہوش آگیا۔ قریب ۴ بجے کے دلنواز گھر گئی اور مشتاق نے گھر والون کو خبر کی۔ دلدار بہت بیمار تھا۔ ڈاکٹر پر ڈاکٹر آنے لگا۔ یہان یہ فکر پڑی ہوئی تھی اُدھر سامان ہی اور تھے۔

واقف ہوے نہ اہل جہان کے طریق سے ناشاد کام آئے تھے ناآشنا چلے

دلنواز نے گھر آکر پہلے نماز پڑھی اور تلاوت قرآن شریف سے فارغ ہوکر چند خطوط لکھے کہ دن اچھی طرح پڑھ آیا۔ ناشتے کے بعد چچی کی ملازمہ آئی اور قریب جھک کر کہنے لگی۔

گلشن: "بی بی آپ کی چچی جان نے کہا ہے کہ انکو اطلاع دو کہ آج ۱۱ بجے دن کو فیصلہ کے لیے لوگ جمع ہونگے میان دلدار بھی آئین گے۔ بہت بیمار ہین لیکن آجائینگے۔ ابھی رقعہ آیا ہے کہ "ڈاکٹر تو اجازت نہین دیتے لیکن مین حاضر خدمت ہونگا۔ لیکن اس شرط پر کہ دلنواز صاحبہ سے چند باتین کرنے کی اجازت دی جائے" آپ کے چچا جان نے لکھدیا ہے کہ بیشک آؤ اور جو ضروری باتین ہین دلنواز سے کرلو پھر فیصلہ ہوگا۔ ہان انھون نے دلبر میان کو شادی کی مبارکباد بھی کہی ہے۔ تو بی بی آپ تیار رہین وہ دس بجے آپ کے پاس آئینگے اب شاید ۹ بج چکے ہونگے۔ یہ خبر دے کر وہ تو چلی گئی اور دلنواز وہان سے اُٹھکر فرش پر لیٹ گئی۔ دل پسند پیر دبانے لگی۔ ایک گھنٹہ خاموشی کی حالت مین گزر گیا۔ پھر اطلاع ہوئی اور دلدار آخری بار دلنواز کے کمرے مین رخصت ہونے کو۔ آہ آخری بار رخصت ہونے کو۔ داخل ہوے۔ دلنواز اُسوقت بھی حسب عادت تعظیماً نہ اُٹھی۔ دلدار نے آتے ہی ٹوپی اُتار کر پھینکی اور وہین

دوزانو بیٹھکر یون گفتگو شروع کی۔
دلدار" مین رخصت ہونے آیا ہون اور آخری رخصت ہے۔ اسکے بعد قیامت ہی کو ملین گے۔ کس سے رخصت کیسی رخصت۔ زمانہ جانتا ہے خدا جانتا ہے (آہ بھرکر) عمر کے لیے جس کا ساتھ تھا اُسے یون چھوڑا۔ تم سے رخصت نہین بلکہ دنیا سے رخصت ہے۔ مجھے کامل امید ہے کہ خدا مہربانی کریگا۔ اور اس سخت صدمہ کی برداشت نہ دیگا۔ ۱۱ بجے ہم تم ظاہرا دنیا کی نظرون مین جدا کردیے جائینگے۔ مگر کوئی طاقت نہین جو ہم مین حقیقی مفارقت کراسکے۔ انشاءاللہ وہان ملین گے۔ تم رنج زیادہ نہ کرنا۔ آخر کبتک جیوگی ایک دن مرنا ہی ٹھہرا جائینگے۔ یہ انھون نے مہربانی کرکے آخر وقت ملادیا۔ میرے والد بھی آنے والے ہین۔ آہ نہ اُنھون نے رحم کیا نہ ان ظالمون نے۔ ابا جان تو اب مان گئے تھے میرا کہنا مان لیا تھا مگر یہ نہ راضی ہوے اچھا خیر موت تو ہی جو اس جھگڑے سے نجات دے گی۔ لو یہ مری تصویر ہے اپنے پاس رکھنا۔ یہ شادی کی انگوٹھی جو مجھے ملی تھی۔ مین نے پہن لی ہے۔ اور لو یہ میری تم پہن لو۔ مین ۱۲ بجے کی ٹرین سے دہلی چھوڑ رہا ہون تاکہ یہان رہکر لوگون سے یہ باتین نہ سنون۔ کوئی افسوس کرنے نہ آئے۔ اُٹھو باتین کرلو صرف ایک گھنٹہ ملا ہے۔ ۱۱ بجے مجھے چلا جانا ہے۔ دیکھو مری ہمت کی کیا حالت ہے۔ صبح تک مشتاق نے اُٹھاکر دوا پلائی اور اب صرف اتنی سی دیر کو یہان آنے کے لیے کسی طرح چلا آیا" یہ سب کہکر جھک کے دیکھا۔ دلنواز نے ایک جواب نہ دیا۔ وہ بالکل خاموش اور ساکت تھی۔ اس نے نبض پر ہاتھ رکھا وہ بھی خاموش۔ دل کو دیکھا تو بے حرکت تمام جسم ٹھنڈا۔ "آہ دلنواز" کہا اور بیہوش ہوگیا۔

اب شادی کے گھر مین ماتم بپا تھا کسی کو کچھ ہوش نہ تھا۔ دلدار کو تو اسکے والدین گھر لیگئے۔ یہان دلنواز کی آخری تیاریان ہونے لگین چچی چچا گو غمگین تھے لیکن پھر بھی دل مین ایک خوشی تھی کہ دلنواز مری ہے جائداد تو نہین لے گئی۔ بے خوف وخطر ۲۵ ہزار کے مالک ہونگے۔ یہ تو اس حسرت نصیب کا قصہ تمام ہوا دنیا تمام ہوئی۔ اب سُنیے حقیقت حال کہ یہ ماجرا کیا تھا۔ نواب افتخار جنگ بہادر کی لڑکی سے دلنواز کی دوستی تھی اسکی شادی ہوچکی تھی اور وہ حیدرآباد چلی گئی تھی۔ اسکی بھاوج بیگم فخرالحسن بہین تھین ذرا انکے گھر کو دیکھین۔

۸ بجے تھے صبح کی چاء پر "افتخار منزل" مین سب جمع تھے کہ نقرئی پلیٹ اسوقت کی ڈاک سے بھری ملازم لڑکے نے پیش کی۔ نواب صاحب نے سبکے نام کے خطوط دیکھکر بانٹ دیے اور ایک سربمہر لفافہ دستخط کے لیے اپنی بہو بیگم فخرالحسن کو دیا انھون نے جلدی دستخط کرکے کھولا۔ تحریر دیکھتے ہی چشم پُرآب ہوگئین۔
نواب صاحب "کیون بی کیا ہے؟"

بیگم فخرالحسن: "آہ کیا ہوتا مرحومہ دلنواز کا خط ہے جو کل ہی مرنے سے دو گھنٹہ پیشتر لکھکر پوسٹ کرایا گیا ہے۔"

نواب صاحب: "کیا کیا لکھا ہے؟ افسوس بری موت ہوئی یہ ہے جہالت کا نتیجہ۔ ایسا بدکردار شخص بھی دنیا میں زندہ ہے کاش میں کسی طرح اس کا بدلہ لے سکتا۔"

بیگم فخرالحسن: "خط میرے نام ہے مگر ہے آپ ہی کے لیے۔ وصیت لکھی ہے اور بڑا اصرار لکھا ہے کہ نواب صاحب بعد مرنے کے میری مدد کریں۔ لیجیے پڑھ لیجیے۔"

نواب صاحب نے کانپتے ہاتھوں اور دھڑکتے دل سے پڑھنا شروع کیا اور انکو بوجہ دوست کی بیٹی اور اپنی بیٹی کی سہیلی ہونے کے دلنواز سے مثل بیٹیوں کے محبت تھی۔

مرحومہ کی تحریر

میری پیاری بھابی جان۔ کاش آج آپ کی نند یہاں ہوتیں۔ تو سب حال بچشم خود دیکھکر چچا نواب صاحب سے بیان کرتیں۔ چونکہ آپ نا واقف ہیں اسلیے میں لکھتی ہوں۔ یہ لفافہ چچا جان کو دیدیا وہ میری مدد کرینگے زندگی میں کسی نے مدد نہ کی اور نہ میں نے بوجہ شرم ہندوستانی شرم کے کسی سے کچھ کہا اور چچا تو حیدرآباد میں تھے ورنہ ضرور وہ کچھ نہ کچھ تدبیر کرتے۔ خیر قسمت میں یہی لکھا تھا۔ ہاتھ اور دل اور تمام جسم لرز رہا ہے لیکن ہمت کرکے بمشکل لکھتی ہوں قریب ہے کہ منحوس وقت کے آنے سے پیشتر میرے دل کی حرکت بند ہو جائے۔ کیونکہ وہ اب بہت تیزی سے دھڑک رہا ہے اور ساتھ ہی کمزور ہوتا جاتا ہے۔ میں جانتی ہوں جس قدر دھڑکنا ہے دھڑک لے۔ اب ہمیشہ کو بند ہوگا خدا کرے یہ خط ختم کرلوں تو کمزوری ہو۔ اچھا سنو۔

میرے والد مرزا حبیب اللہ خان صاحب پنشنر ڈپٹی کے نام سے واقف ہی ہو۔ انھیں کا ایک اور بھائی عزیز اللہ ہے جو میرا چچا ہے اور اب میرا مالک و مختار۔ یہ بھی سنا ہوگا کہ مرزا عزیز اللہ میرا حقیقی چچا نہیں ہے بلکہ ایک افغانی کنیز کے بطن سے ہے جو دادا مرحوم نے چترال سے خرید کی تھی۔ کوئی بہت ہی نیچ ذات عورت تھی۔ اسی کے ہاتھوں ہم نے بہت نقصان اٹھایا۔ اس نے اول زہر دے کر میری دادی مرحومہ کو مارا پھر والدہ کو اور ایک خادمہ کو غصہ ہو کر اتنا پیٹا کہ بےجان ہوگئیں اسی شریر بےنفس ناخداترس جہنمی عورت کے خون سے عزیز اللہ پلا ہے۔ چونکہ ہماری کوئی جدی جائداد تو تھی نہیں جو کوئی جھگڑا پڑتا۔ والد نے سوتیلے بھائی کو پڑھایا لکھایا۔ پولیس میں انسپکٹر کرایا۔ اسلیے یہ زیر احسان اور فرمانبرداری کی۔ اب سے دو سال پیشتر یعنے آپ کی شادی سے ڈیڑھ سال قبل میرے والد نے اپنی سالی اہلیہ مرزا سردار احمد کے اکلوتے بیٹے دلدار احمد سے (جو علیگڈھ کالج میں بی اے میں پڑھتے ہیں) میرا رشتہ ٹھہرایا۔ اس

تجویز سے چچا عزیز اللہ بہت جلے کیونکہ یہ اپنے ناقابل بیٹے دلبر سے نسبت کرنا چاہتے تھے۔ زیادہ اس لیے بھی کہ والد کی کل جائداد انکے ہاتھ چڑھتے کیونکہ مین اکلوتی بیٹی تھی۔ سب کچھ میرا ہی تھا۔ والد ایسے نالایق کے ساتھ تو کیون راضی ہوتے مگر رات دن انھون نے یہ پڑھانا شروع کیا کہ جائداد لڑکی کے نام نہ لکھو سسرال والے قابض ہونگے ہرچند والد نے کہا کہ یون بھی جو کچھ ہے دستور کا ہے۔ مگر انکے کہنے کا یہ اثر ہوا کہ انھون نے میرے نام باضابطہ نہ لکھی مگر مالک حقیقی بعد انکے مین ہی تھی۔ آخر خالہ جان کے تقاضون سے میری شادی یعنے نکاح دلدار احمد سے ہوگیا مگر چچا نے رخصتی نہ ہونے دی کہ کمسن ہے ذرا ٹھہر کر کرینگے۔ اسی اثنا مین والد بیمار ہوگئے تو انھون نے دلدار کو بلا لیا اور مجھے سامنے کر دیا کہ مین تو اب چلا رسمی طور پر دھوم دھام سے رخصتی مشکل ہے آج ہی رخصت کیے دیتا ہون۔ دلدار کو بلا کر مجھے سامنے بلا لیا اس دن سے وہ آتے جاتے رہے۔ ۲ ہفتہ بعد انکا انتقال ہوگیا۔ تو چہلم کے بعد خالہ جان نے مجھے اپنے گھر لیجانے کو کہا۔ چچا نے ٹالا کہ برسی ہونے۔ خیر ششماہی کا فاتحہ کرکے خالہ لیگئین اور مین ایک ماہ وہان رہ آئی پھر جو آئی تو بیٹی سے چچا نے از سر نو میرا پردہ کرا یا کہ "ہم باقاعدہ رخصت کرینگے یہ کوئی شادی ہے۔ بیماری مین بھائی نے سامنے کر دیا تھا۔ خیر خالہ کے گھر ہو بھی آئین۔ شادی وادی کوئی نہین ہم دستور کے موافق کرینگے" یہ جبر بھی تھا کہ دلدار کا آنا بند ہوا مجھے خط لکھنے کی اجازت نہ رہی۔ بھابی جان آپ خیال کرین کیسا صدمہ ہوگا باپ کی خوشی سے کی ہوئی شادی خالہ زاد چاہنے والا بیحد چاہنے والا لایق شوہر ان ظالمون نے چھڑا دیا۔ وہ بلاتے یہ نہ بھیجتے خوب لڑائی ہوتی لو قسمت کی خرابی خالہ جان نے تو دلدار کی شادی خوشی سے بھانجی سے کی تھی لیکن خالو جان ناخوش تھے۔ وجہ یہ تھی انکی بھتیجی جوان تھی جو اکلوتی ہی بیٹی تھی اور پچاس ہزار نقد بنک مین اور ۲ کوٹھیان اسکے نام لکھی تھین بھائی مصر تھے کہ میری بیٹی سے کرو تا کہ بھتیجا دلدار ہی مالک ہو۔ خالہ کی زبردستی سے میرے ساتھ ہوگیا بعد مین پھر وہی خواہش ہوئی۔ ادھر چچا نے مجھے روک لیا بس انھین بہانہ مل گیا خالہ کو تنگ کرتے "یا تو بہو کو بلاؤ نہین تو مین بھتیجی سے شادی کرتا ہون۔ پچاس ہزار باہر نکلا جاتا ہے" پھر یہ تقاضا ہوا کہ وہ ۲۵ ہزار کی جائداد جس کی مین مالک تھی دلدار کے نام کرادو۔ "آدھا ہی سہی"۔ یہ بھی مشکل۔ مین تو خوشی سے تمام جائداد دلدار کے نام کر دیتی مگر چچا نہ کرنے دیتے تھے انکی یہ شرط تھی کہ جس دن جائداد میرے نام لکھ دی گئی اُس دن رخصت کرونگا مین لکھنے کو تیار تھی کیونکہ اپنے پیارے قابل شوہر کے آگے ۲۵ ہزار کی کچھ حقیقت نہ جانتی تھی۔ مگر مشکل یہ درپیش تھی کہ ضد کی وجہ سے خسر صاحب بے جائداد کے مجھے نہ لیتے تھے۔ بی بی سے کہدیا تھا کہ "اگر دلنواز بہو ہوکر رہنا چاہے تو جائداد ہمارے نام لکھے ورنہ وہین رہے مین بھتیجی لاؤنگا جس کے ساتھ پچاس ہزار نقد آئے گا"۔ اس مصیبت و

قباحت سے خالہ جان اور دلدار کا ناک مین دم تھا۔ مین ادھر جان بلب تھی۔ کیا کرتی سُسرال جاؤن تو جائداد دیگر
جاؤن اور جاؤن تب ہی کہ جائداد چچا کو دیکر جاؤن۔ سال گزر گیا بہت زور ڈالا گیا لیکن دلدار نے چچا کے
ہان شادی نہ کی اب ادھر یہ خیال بدلا کہ مجھے وہان سے طلاق دلوا کر چچا اپنے بیٹے دلبر سے شادی کرین۔ کیونکہ
یون تو جھگڑے مین عمر گذری جاتی تھی۔ یہ بھی مین نے اور میرے شوہر نے سُنا۔ آہ یہ خبر جس روز دلدار نے سُنی میرے
باغیچہ مین بیہوش ہو گیا یہ سُن کر تو مجھے تاب نہ رہی مین اپنے شوہر کے بعد دلبر سے نکاح کرنا سخت سی سخت ذلت
خیال کرتی ہون۔ یہ ہونا نا ممکن تھا۔ غرضکہ سب طے ہو گیا اور آج ۱۱ بجے میرے دلدار سے میرا فیصلہ ہونے والا ہے
خسر بھی خوشی سے راضی ہین ۲۵ ہزار گیا ۵۰ ہزار لائینگے۔ اور چچا کی تو یہ تجویز ہے کہ آج طلاق ہو کل دلبر سے نکاح
آن کیا مین یہ سختی برداشت کرونگی؟ ہرگز نہین۔ بھابی جان یہ طلاق طلاق نہوگی۔ جیسے ہندوستانی نکاح
بالجبر ہوتے ہین ایسی ہی یہ طلاق بھی ہے۔ ورنہ نہ خدا کے نزدیک اور نہ ہم شوہر و زوجہ کے نزدیک یہ طلاق جائز
ہے۔ ہمارا نکاح ہو چکا۔ ازل سے ہو چکا۔ وہ میرا مین اُسکی ہون۔ ظاہرا اگر مین ۱۱ بجے تک زندہ رہی تو یہ لوگ
طلاق دلوا لین گے۔ اور کل تک جیون گی تو دلبر سے نکاح بھی کر دینگے۔ دلدار طلاق پر کسی طرح رضامند نہوتا تھا مہر
ایک لاکھ کا تھا وہ بھی چچا نے دکیسی شرع ہے) معاف کیا۔ غرضکہ بڑے جھگڑون کے بعد جن کا بیان کرنا لاحاصل ہے
قرار پایا کہ دلدار سے جدا کی جاؤن۔ چونکہ دلدار بھی نابالغ ہے اُنیسوان سال شروع ہی ہے۔ اسکی کسی بات کی سند ہی نہین
میرے چچا طلاق لینے اسکے باوا دینے لگے یعنت ہے ہندوستانی شرع پر۔ یہ ہے احکام مذہب کی پابندی۔ مین بوجہ
شرم جہالت بول نہ سکی اور بولی بھی تو کچھ نہوا۔ سب حال عرض کر دیا۔ اب مطلب یہ ہے کہ میرے بعد جو مقدمہ بابت
جائداد میرے چچا اور خسر مین ہو آپ بھی خسر کی طرف سے شریک ہون اور یہ خط عدالت مین پیش کرین۔ مین نے
آج اطلاعی خط خسر صاحب کو بھی لکھ دیا ہے کہ مین آپ کی بہو از روئے شرع اور سچے دل سے ہون لوگون کے کہنے سے
دلدار سے قطع تعلق نہین ہو سکتا۔ لہذا یہ جائداد دلدار کی ہے مین بخوشی اپنے شوہر کے نام لکھتی ہون آپ یہ پرچہ عدالت
مین پیش کر کے عزیز اللہ سے میری جائداد لے سکتے ہین۔ اور ضرور لین پھر خواہ کسی قومی خیرات ہی مین دیدین اُمید
خالو جان ضرور جھگڑا کرینگے اگر طلاق سے پیشتر مین مرگئی تو بعد مین بھی جھگڑا ہو سکتا ہے۔ چچا جان خالو جان کی مدد
کرین میرا دلدار کچھ نہ کریگا۔ رنج ہے اسوقت وہ دیوانہ سا ہو رہا ہے۔ وہ خوش اخلاق اور نیک طبیعت ہے مجھے
بیحد چاہتا ہے۔ اسکی بھی دلدہی کرنا۔ اب رخصت ہوتی ہون۔ سب کو آخری سلام مین نے اپنی جان سے زیادہ پیاری
بہن کو حیدرآباد بھی آخری خط لکھدیا ہے۔ لو خدا حافظ"

حسرت نصیب جان نثار دلدار و دلنواز"

ناظرین دلنواز و دلدار کے پرحسرت افسوس ناک واقعہ کو ۵ سال گزر گئے۔ ۲ سال تو دلدار نے نہایت غمگین حالت مین بیمار رہ کر کاٹے۔ پھر آخر سخت جان انسان تھا کہا تنک۔ اُٹھا اور ایک کالج مین پروفیسری کرلی کیونکہ کسی طرح بسر اوقات بھی کرنا تھی۔ والد سے پیسہ نہ لیا۔ اور نہ چچا کے ہان شادی کی۔ بعد بڑے جھگڑون کے دلنواز کی جائداد افتخار جنگ بہادر کی کوشش سے نمک حرام بے ایمان عزیز اللہ سے حاصل کرکے بیٹے کے نام کی۔ دلدار نے ۵ ہزار لگاکر تو اُسکی قبر تعمیر کرادی باقی ۲۰ ہزار خیراتی کامون کے لیے وقف کردیا۔ باوا اس کارروائی سے بہت ناخوش ہوئے گھر سے نکال دیا اُس نے پھر نوکری کرلی۔ دلنواز کی یاد اُس محبت شعار قابل پرستش دل مین اب بھی موجود تھی۔ اور وہ سب سے زیادہ قدر جس چیز کی کرتا تھا وہ چند سُنہرے چوکھٹے یعنے فریم تھے جن مین دلنواز کی تصاویر تھین یہ میزون پر رکھے رہتے تھے انپر ریشمی غلاف چڑھا رہتا تھا۔ اور ایک چھوٹی سی تصویر سیاہ ڈورے سے بندھی گلے مین لٹکی رہتی تھی جس پر لکھا تھا "تصویر وفا"

نذر سجاد حیدر

ستی

(ماخوذ از نظم سروجنی نائڈو صاحبہ - جناب وفا شاگرد حضرت جلیل)

کچھ قصۂ غم اگر سنو تم　ہے بات تو جب کہ رو نہ دو تم　یہ جوش و خروش غم، درد و حسرت　جائینگے نہ دل سے تا قیامت

گر دوستو حال دل سناؤن　آٹھ آٹھ آنسو تمھین رلاؤن　مرجھائے ہوئے ہین غنچۂ گل　بے رنگ ہین نغمہ ہائے بلبل

اب طور زمانے کا نیا ہے　ہر چیز کا رنگ دوسرا ہے　کس دل سے کرون مین حال اظہار　ہے زندگی اب تو سخت دشوار

جو اپنا تھا غیر ہو گیا ہے　بیگانہ یگانہ اب بنا ہے　شوہر کو جدا کیا ہے جب سے　بھاتی نہین کوئی بات تب سے

کرتی ہون کلام زندگی سے　کب تک کرون بات اپنے جی سے　ہے میری مثال اس طرح سے　دو حرف جدا ہون دل کے جیسے

اے میرے انیس زندگی کے　اے میرے رفیق بیکسی کے　لازم ہے کہ اسکے ساتھ لوگو　تربت مین مجھے بھی دفن کردو

اے مونس و غمگسار میرے　اے ہمدم و جان نثار میرے　جو روح تھی وہ تو چل بسی ہے　اب جسم کی خاک زندگی ہے

تو نے بھی نہ ساتھ کچھ نباہا　دو روز مین ہوگیا پرایا　اک جان تھی اور دو تھے قالب　مطلوب تھا وہ مین اسکی طالب

اُف تجھکو بجھا دیا ہوا نے　کچھ ساتھ دیا نہ اقربا نے　اب کس پہ سہاگ ہم کرین گے　دن رات اُسی کا غم کرین گے

دو دن نہ بہار تیری دیکھی　کیا باد سموم تھی قضا کی　ارمان یہ ہے کہ اب ستی ہون　کیونکر نہ جلون کہ دل جلی ہون

پھر ہوگی نہ زندگی دوبارہ　کرتے ہین جہان سے ہم کنارہ　یہ کہکے چلی اُدھر وہ دلدار　اشک آنکھون سے یان گری لگاتار

ہو سکتا ہے کس طرح یہ پیارے　راتون کو گنا کرون مین تارے　کیا عرض کرون وفا مین حالت　دل مین ہے ہجوم درد و حسرت

نقاد کی نقادی

اگر کسی زبان کی ترقی و وسعت کا اندازہ محض اس مین جرائد اور لٹریچر کی کثرت اشاعت سے یا اُسکے بولنے اور سمجھنے والون کی فراوانی مردم شماری سے کیا جا سکتا ہو تو بلاشبہ ہماری مادری زبان کا شمار دنیا کی ترقی یافتہ اور وسیع ترین زبانون مین ہونا چاہیے۔ کیونکہ سال بھر مین جس قدر لٹریچر اور جتنے اخبارات اور رسالے اُردو مین شایع ہوتے ہین اور جو کثیر التعداد آبادی اُسکو بولتی اور سمجھتی ہے اُسکے لحاظ سے تو شاید چینی۔ انگریزی اور لاطینی (تحت طالوی۔ ہسپانوی اور پرتگالی زبانین چونکہ بہت خفیف فرق رکھتی ہین۔ اسلیے اپنی بنیادی زبان کے تحت مین ایک ہی نام سے یاد کی جاتی ہین) زبانون کے سوا دنیا کی کوئی زبان اسکی ہم پلہ نہین کہی جا سکتی۔

لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ زبان کی ترقی کی پہچان اور اُسکی وسعت کا ثبوت یہ اور صرف یہ ہے کہ اول تو اس مین ہر قسم کے علوم و فنون کی کافی مقدار موجود ہو اور دوسرے اُسمین خود ہر قسم کے خیالات ظاہر کرنے کی پوری پوری اہلیت و قابلیت پائی جائے۔ اور یہی بات افسوس ہے کہ ابھی تک اُردو زبان کو حاصل نہین ہے۔ ملک مین جس قدر لٹریچر ہر سال شایع ہوتا ہے اُسمین علمی کتابون کی تعداد اتنی بھی تو نہین ہوتی جتنا دال مین نمک ہونا چاہیے۔ فنون سے اگر قطع نظر کیجیے تو علوم کی وہ اقسام بھی جو اہل مشرق کی ملک اور حکومت اسلامی کے ترکہ کی حیثیت سے ہماری اپنی کہی جاتی ہین ابھی تک اُردو مین منتقل نہین ہوئی ہین۔

اخبارات اور رسالے ملک بھر مین بکثرت پھیلے ہوے ہین اور خدا کے فضل و کرم سے کوئی سال ایسا ناغہ نہین جاتا جو اُنکے رجسٹر فوتی و پیداواری مین کافی سے زیادہ ترمیم و اضافہ کرنے کی ضرورت محسوس نہوتی ہو۔ اور اگرچہ اسمین کوئی شبہ نہین کہ اب چند روز سے ملک مین عمدہ اخبارات اور اعلےٰ درجہ کے رسالون کی ضرورت کا کچھ کچھ احساس پیدا ہو چلا ہے لیکن ابھی تک تو اخباری دنیا کے افق پر جو جرائد مہر درخشان اور ماہ تابان بن کر چمک رہے ہین انکو بھی ہماری نظرون مین بحیثیت اخبار یا رسالہ کوئی خاص وقعت نہین اور اسمین اگر ناظرین معاونین ان ناظرنا خوش نہون تو ہم کہین گے کہ خود آپ کا یہ رسالہ بھی شامل ہے۔ تاہم آیندہ کی حالت کسی قدر امید افزا معلوم ہوتی ہے اور ممکن کیا بلکہ قرین قیاس ہے کہ دور ارتقائی کے جلد تغیر مین چند ہی سال کے بعد ہم ملک مین اعلےٰ درجہ کے اخبارات و رسائل دیکھ سکین۔ بہرحال اسوقت چونکہ اخبارات و رسائل پر کوئی عام ریویو کرنا ہمارے مقصود سے خارج ہے اسلیے ہم صرف اُس نوزائیدہ رسالہ کے بارے مین بعض خیالات کا اظہار کرین گے جس کے متعلق ذیل کی طویل تنقید ہمارے پاس آئی ہے اور جو لائق تنقید نگار کے شکریہ کے ساتھ شایع کی جاتی ہے۔

نقاد نام ایک رسالہ ماہ جنوری ۱۹۱۳ء کے پہلے ہفتہ مین آگرہ سے شایع ہوا ہے اور اب تک اس کے دو پرچے

ہماری نظر سے گزرے ہین۔ دیگر خصوصیات کے علاوہ جن کا ذکر کسی تفصیلی ریویو کے موقع پر مناسب ہوگا اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جیسا اُسکے نام سے ظاہر ہے اس مین تنقید نگاری کی خوب داد دی جاتی ہے۔

ہمارے محترم ہمعصر اور مکرم دوست جناب حسرت موہانی نے اردوے معلیٰ کے گذشتہ نمبر مین نقاد پر ریویو کرتے ہوئے جو خیال اسکی نقادانہ حیثیت کے متعلق ظاہر کیا ہے اگر اسکی صحت پر یقین کیا جائے تو ہم حضرت دلگیر الکامع این اوراق کی خدمت مین نہایت ادب سے یہ عرض کرنے کی جرأت کرینگے کہ وہ از راہ کرم سرورق پر رسالہ کے نام کے نیچے محض رفع نزاع کی غرض سے مصرعۂ ذیل اضافہ کردین ع برعکس نہند نام زنگی کافور

لیکن واقعہ یہ ہے کہ نقاد نے اپنے پہلے ہی نمبر مین حق تنقید کو جس خوبی سے ادا کیا ہے اُسکی ثنا و تحسین مین اگر ہم ورق کے ورق سیاہ کر ڈالین تب بھی فرائض اخبار نویسی سے پوری طرح سبکدوش نہین ہو سکتے۔ یہ سچ ہے کہ نقاد کے پہلے نمبر مین کسی کتاب یا رسالہ پر کوئی ریویو نہین کیا گیا ہے لیکن ملک کے تمام رسالون کی روش عام سے ہٹ کر اس نے تنقید کے لیے ایسی جنس تلاش کی ہے جو صرف بچے پیدا کرنے اور نوع انسانی کو ذریعہ اشاعت بنانے کی مشین ہی نہین ہے بلکہ لٹریچر کی گوناگون نیرنگیون اور انشا پردازون کی نت نئی سحر نگاریون کے مرکز و منبع ہونے کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ چنانچہ فلسفۂ حسن و عشق (جو اس رسالے کے تمام مضامین کا حاصل کہا جا سکتا ہے) کا ایک ایک لفظ جنس لطیف کے عضو عضو کی تشریح کرنا اور اسکا ہر جملہ جذبات نسوانی کے مد و جزر کا نقشہ پیش نظر کر دیتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ فرقۂ اناث پر سرجری کا عمل کرنے مین جو جدت طرازی ایک چابکدستی جناب ایم مہدی حسن نے ظاہر کی ہے یہ اُنہین کا حصہ ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ لائق مضمون نگار نے اپنی شوخیٔ قلم اور بیباکیٔ تحریر کا احساس کر کے سرخی سے عین متصل قوسین مین (دیوتا نیون کے نقطۂ نظر سے) کی عبارت لکھدی ہے ورنہ ہندوستان کے دقیانوسی اور تنگ نظر لوگون کو طرح طرح کی سرگوشیان کرنے کا موقع ہاتھ آجاتا۔ اس قسم کے مضامین بلکہ اس سے بھی زیادہ واضح اور پرتنویر تحریرین مشرق و مغرب کی تمام زبانون مین بکثرت موجود ہین۔ زبان اُردو ابتک ان سے محروم تھی اور جو تھوڑا بہت اس قسم کا لٹریچر اس مین تھا بھی تو متعصب اور خدا ترس لوگون کی بدولت پڑھنے والون کے سونے کے کمرون اور محفوظ کتبخانون سے باہر نہین آتا تھا۔ ہان ایشیائی شعرا کے دیوانون اور کلیاتون مین کہین کہین کوئی دھندلی یا سرسری جھلک نظر آجاتی تھی جو ہمارے معلمان اخلاق کی نظرون کو خیرہ کرنے کے لیے ناکافی ہوتی تھی مگر اب جناب افادی الاقتصادی کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ اُنھون نے اپنی اداے خاص سے نہایت پاک اور شستہ زبان اور نہایت لطیف اور نازک استعارات کے پیرایہ مین اس مضمون کو عام ناظرین تک پہونچا دیا۔

جناب حسن کو خانقاہ کے اندر سجادہ پر بیٹھکر ان تحریرون مین کیا لذت مل سکتی ہے۔ وہ ملک مین نکلین۔ پارکون -

تصویرون اور گھاٹون کی سیر کرین تو وہان اس قسم کے مناظر موثر و دلکش اور نظر فریب مناظر انکی آنکھون کے سامنے گزرینگے۔ اسکے بعد بھی اگر انکے خیالات اس مضمون کے متعلق تبدیل نہون تو ہم انکی تنقید سے اتفاق کرنے مین تامل کرینگے۔

اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا غلام
قائل نہین ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

ورنہ اسوقت تو سید نظام الدین شاہ دلگیر کا ممنون ہونا چاہیے کہ انکی کوشش اور توجہ سے ادب اُردو مین ایک دلچسپ اور رنگین باب کا اضافہ ہوگیا ہے جو اُردو کو عالمگیر وسعت دینے اور اکبرآباد کو مرکز زبان اُردو بنانے مین حد درجہ معین و مددگار ہوگا۔ اب ناظرین اصل تنقید ملاحظہ فرمائین۔ ایڈیٹر

بیا ور دیگر این جا بود سخن دانے   غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

جنوری سنہ ۱۹۱۳ء سے قبل سید نظام الدین شاہ صاحب دلگیر نے آگرے سے رسالہ نقاد کا اشتہار شائع کیا تھا جس کے اشتیاق مین نہ صرف راقم بلکہ تمام با مذاق اصحاب چشم براہ تھے حتی کہ جنوری کے ختم ہوتے ہی رسالۂ مذکور کے دیدار نصیب ہوے۔ خیال تھا اور نہ صرف خیال بلکہ قطعی امید تھی کہ رسالہ اسم بامسمی ہوگا کیونکہ شاہ دلگیر کی تجربہ کاری اور ہمہ مذاق ستھی اس خیال و امید کی ضامن تھی چنانچہ اشتیاق بھرے ہاتھون کے مس کرتے ہی للچائی ہوئی نظرون نے ہر سطر پر دوڑنا شروع کر دیا۔ ٹائیٹل کے عنوان پر بسم اللہ کے بعد ہی رحم اللہ من نقد الی عیوبی۔ پڑھکر بے ساختہ کہنا پڑا ع نہد شاخ پر میوہ سر بر زمین۔ اسکے بعد ٹائٹل کے دوسرے صفحہ پر نقاد کا فرض اولین (فن تنقید کا زندہ کرنا) دیکھکر اور بھی مسرت ہوئی۔ پھر اصل رسالے کے دوسرے صفحے پر نقاد کے عنوان سے جامع رسالہ کا مضمون پڑھکر مسرت بالائے مسرت ہوئی۔ اس قند مکرر کے ذائقے پر رطب اللسانی کے لیے لبہائے بستہ وا ہونے ہی والے تھے کہ سنجیدگی طبع نے تھپکا ر

آزاد از سواد سخن سرسری مرو   صد بار اگر نگہہ زدۂ باز کن نگاہ

اس خیال کا دامن گیر ہونا کہ رسالے کو بالاستیعاب دیکھنا پڑا۔ ہنوز سولھوین صفحے سے نظر ہٹنے نہ پائی تھی کہ مندرجہ بالا شعر کی پیشین گوئی سامنے آئی وہ تمام اشتیاق و اہتزاز افسردگی و انقباض سے بدل گیا۔ بالآخر تمام رسالے کو دیکھکر جو رائے قائم کرنا پڑی وہ نہایت افسوسناک تھی لقول شخصے

گفتند ہر انچہ پیش بنیان بر جاست   سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

چونکہ رسالے کا نام نقاد ہے اور اسکا موضوع نقادی اس لیے رحم اللہ من ھدا الی عیوبی کہ

نظر کرتے ہوئے بے تکلف چند صفحے بعنوان "نقادی جامع اوراق" کی خدمت میں بھیجے گئے اور یہ اس غرض سے کہ قضیہ زمین برسر زمین ہوا کرتا ہے۔

شاہ دلگیر اور نقشِ کی پرانی یاد اللہ اسکی متقاضی تھی کہ یہ مخلصانہ و ہمدردانہ تحریر سخن گسترانہ تنقید نہ سمجھی جاتی مگر معلوم ہوا کہ ابھی گندم نمائی و جو فروشی کا بیوپار باقی ہے اور نقاد حقیقی معنوں میں نقاد نہیں بلکہ

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہوا

مضمون بھیجنے کے بعد ہفتے گذر گئے تک جواب کا انتظار کیا مگر صدائے برنخواست۔ آخر دو ایکبار کھڑکھڑانے پر جامع نقاد کا ایک کارڈ ملا جو بجنسہ درج ذیل ہے۔

"... آپ بہت برہم ہیں اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ میں نے آپ کے مضمون کی رسید اور خط کا جواب اس وقت تک نہیں دیا لیکن اسکے وجوہ تھے خود اپنا نقاد کے ملاحظہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ مضامین کا انتخاب ایک کمیٹی کے سپرد ہے وہ کمیٹی جس مضمون کو پسند کر لیتی ہے شائع کیا جاتا ہے ورنہ نہیں کمیٹی کی منظوری سے قبل میں آپ کے مضمون کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکتا تھا۔ چنانچہ آپ کی خفگی کے خیال سے میں نے آپ کا مضمون دو مرتبہ کمیٹی کے روبرو رکھا دونوں مرتبہ اس نے اسکی اشاعت خلاف اصول نقاد قرار دی ایسی حالت میں اسکی اشاعت سے قطعی معذور ہوں اور معافی کا خواستگار۔ ۹ جنوری سنہ ۱۳ء دلگیر"

مجھے مضمون نگاری کی ہوس نہ تھی ورنہ آپ کی اشاعت کا خواہشمند ہوتا مگر ان غلط بیانی اور نمائشی چرب زبانی کی تردید ضروری سمجھتا ہوں جو جامع نقاد کے قول و عمل سے ظاہر ہے۔ اور جس کا زہریلا اور متعدی اثر اردو ادب کے مستقبل پر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اگر نقاد کا نام کچھ اور رکھا جاتا یا اس کا مقصد تنقید نہ ہوتا تو کسی کو کوئی بحث نہ ہوتی۔ بہت سے اخبار اور رسالے ایسے شائع ہوتے ہیں جو حاطب اللیل ہیں اور جن میں رطب و یابس ہر طرح کے مضامین شائع ہوتے ہیں کس کو حق ہے کہ انکی گرفت کرے مگر وہ رسالہ جو بسم اللہ کرتے ہی دنیا کو یہ دعوت دے کہ آؤ اور ہم میں عیب نکالو کیونکہ تنقیدی نظر سے دیکھا جائے مگر جب کوئی اس دعوت میں شریک ہونے کا ارادہ کرے تو اسکو مہمان ناخواندہ کی طرح سوکھا سا جواب دیدیا جائے یہ ابلہ فریبی اور ضمیر فروشی نہیں تو کیا ہے۔ جامع نقاد کا متذکرہ بالا خط بھی فریب معنوی کی تازہ شہادت ہے دیکھنے والے گمان کر سکتے ہیں کہ احسن کا مرسلہ مضمون ضرور خلاف اصول ہوگا۔ اور ضرور دفتر نقاد میں ایک کمیٹی انتخاب کنندہ ہوگی۔ کمیٹی کے متعلق تو یہ صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ ایسی خود ساختہ کمیٹیوں کا حال

اُنپر اچھی طرح روشن ہے جو موقت الشیوع رسائل کے ایڈیٹر ہیں۔ رہی خلاف تہذیب وہ اسکے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ مضامین خلاف تہذیب ہون مخالف قانون ہون منافی قواعد فن ہون۔ اور اُنمین کوئی بات مین نہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہماری مرسلہ مضمون مین ایسی خلاف اصولیان ہین یا نہین۔ اگر ہین تو ہمین اپنی غلطی کے اعتراف مین ذرا تامل نہوگا۔ اس تصفیے کے لیے وہ مضمون الناظر کو بھیجا جاتا ہے۔ ایڈیٹر صاحب الناظر اور تمام ناظرین کو حکم بناکر فرمائش و امید کی جاتی ہے کہ بغیر کسی پاس لحاظ کے ہمارے لب و لہجہ۔ ہماری طرز و ادا۔ ہماری تنقید اور ہماری رائے کی بابت نہایت آزادی سے اپنا اپنا خیال ظاہر کرین۔ اتنی بات جتا دینے کے قابل ہے کہ مضمون مرسلہ مین جو حیا سوز اور تہذیب شکن الفاظ آئے ہین وہ ہمارے نوشتہ نہین ہین بلکہ مضمون زیر تنقید کے اقتباسات ہین۔ اُن الفاظ کے سوا ایک آدھ جگہ جو شوخی ہوگئی ہے اُس کا اعتراف کرتے ہوے یہ دعوی ہے کہ وہ شوخیان بیحیائیان نہین ہین۔ ورنہ وہ ایک آدھ لفظ اُس فحاشی کے آگے جو اصل مضمون مین کی گئی ہے ذرہ برابر وزن نہین رکھتا۔ تاہم اسکا افسوس ہے کہ ایسا مضمون الناظر جیسے مہذب رسالے مین زیادہ موزون نہ تھا۔ مگر چونکہ ہماری اصلی غرض اصلاح مذاق ہے اور کوئی اصلاح نہین ہوسکتی جبتک کہ قابل اصلاح باتون کا اعادہ کرکے نہ بتایا جائے کہ یہ یہ باتین اور الفاظ ناجائز یا قابل ترمیم ہین۔ یہ تمہید جو قریب قریب اصل مضمون کے ہوگئی ہے ختم کی جاتی ہے اور بجنسہ وہ مضمون تنقیدی پیش کیا جاتا ہے جو رسالہ نقاد کی خلق الساعۃ کمیٹی نے خلاف اصول ٹھہرا کر داخل دفتر کر دیا ہے۔

مدتین گزری ہین شغل مے کشی چھوٹے ہوے   وہ پڑے ہین طاق پر جام و سبو ٹوٹے ہوے

ایک زمانہ تھا کہ چند گھنٹون کی معمولی خامہ فرسائی سے اس قسم کا مضمون لکھ دیا جاتا تھا اب یہ عالم ہے کہ نقاد کو آئے ہوے ایک عشرہ گزر چکا مگر مضمون لکھنا تو درکنار عنوان مضمون بھی خیال مین نہین آتا اگر بھائی دلگیر کی دل شکنی کا خیال چٹکیان نہ لیتا تو کروٹ بھی نہ لیجاتی۔ اس ارادے کے بعد بھی گھنٹون یہ سوچ رہا کہ کیا لکھا جائے مضمون نویسی کی عادت ترک ہوجانے سے طبیعت حاضر تو رہی نہین باین ہمہ یہ بھی گوارا نہین کہ ادھر اُدھر سے اقتباسات کرکے اور کچھ کا کچھ لکھکر ع لائیے باغ سے اور دون نے لگا کر ڈالی۔ کا مصداق بنا جائے۔ جدت پسند طبیعت کا احسان ہے جس نے چپکے چپکے چٹکارے ربط پر بھی ایک ایسا الہامی عنوان پیدا کیا جو ہر طرح نقاد کے لیے موزون ہے۔ مگر طبیعت کی اپج نقاد و رسالہ کے لیے مفید ہے اور ناقد (راقم) کے حق مین مضر۔ اور نہ صرف مضر بلکہ ایک ایسی کر ہے کہ نقاد و عمرہ کے ساتھ ساتھ طابق النعل بالنعل بن کر رہنا پڑے گا۔ بظاہر ناواقفون کے نزدیک یہ کام آسان ہوگا مگر جاننے والے جانتے ہین کہ کتنی جگر کاوی کرنی پڑے گی ساتھ ہی اسکے یہ کھٹکے کا سا ڈر کیسا لگا ہے کہ جہان کسی کی گرفت کی اور وہ ہتھون سے اُکھڑا اور اُدھر ہتھون سے اُکھڑ اکے لگا گالیان دینے۔ ممکن تھا کہ اس ڈر کو اخفاے نام کے پردے مین

چھپا لیا جاتا مگر میدان سخن کے لیے یہ بڑی نامردی ہے۔

چونکہ اس کا عہد ہے کہ کوئی امر خلاف تہذیب اور کوئی بات ذاتیات کا پہلو لیے ہوئے نہ ہوگی اس لیے منصف مزاج مضامین نگار سے امید ہے کہ وہ اپنی بشریت کا لحاظ فرماتے ہوئے رسالہ نقاد کے مقصد اولین کو عزیز رکھیں گے۔

میری آشفتگیٔ عشق کا چرچا نہ کرو اس سے بے پردگیٔ حسن سوا ہوتی ہے

نقاد کا پہلا نمبر اپنی ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے اپنے ہم قدر رسالوں میں امتیازی درجہ رکھنے کے قابل نظر آتا ہے۔ البتہ ٹائٹل پیج کی ترمیم ہونی چاہیے جو دلکش ہو۔ بسم اللہ کے بعد اور نقاد سے پہلے عربی فقرہ رحم اللہ من ھدا الی عیوبی نہایت مناسبت رکھتا ہے اور بہت موزوں ہوتا ہے۔ مگر ہماری گوش زد یہ فقرہ اس طرح ہے رحم اللہ من اھدی الیّ عیوبی۔ اگرچہ بظاہر پہلے فقرے کی ترکیب بھی قابل اعتراض نہیں ہے مگر اس کی صراحت اس کنایے کی بلاغت کے پاسنگ بھی نہیں۔ آئندہ اس کی اصلاح ممکن ہے۔ ادبی علمی اور تاریخی رسالے کے ساتھ لفظ تنقیدی اور بڑھانا چاہیے تاکہ اصل مقصد کسی جگہ ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ ٹائٹل پیج پر رسالے یا ایڈیٹر کے متعلق تعریفی اشعار لکھنا اپنے منہ میاں مٹھو بننا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ ٹائٹل کو مختلف رنگوں، ناموزوں بیل بوٹوں اور اشعار سے دیوالی کا گھروندا بنایا جائے۔

ہزار غنچہ و گل تیری سادگی پہ نثار عجب بہار ترے عالم شباب میں ہے

ٹائٹل کے دوسرے صفحے پر نظر ڈالتے ہی مقاصد نمبروار پڑھے گئے، ہر مقصد موزوں و مناسب ہے مگر نمبر ۳ کا مضمون کہ "نقاد اپنی زبان کو کلاسیکل بنانے کی ہر امکانی سعی کرے گا" برے بیت معلوم ہوا کیونکہ اسکے بعد ہی نمبر ۴ کی عبارت ہرگز کلاسیکل زبان میں نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:۔ "کوثر کی دھوئی ہوئی زبان اردو کی قدردانی کی طرف ابنائے وطن کو مائل کیا جائے"۔ اس عبارت میں جو نقص ہے اسکے اظہار کی ضرورت نہیں ع خود روے یار حسن کا آئینہ دار ہے۔

مقاصد کے بعد ضوابط شروع ہوتے ہیں جو ٹائٹل کے تیسرے صفحے پر ختم ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان میں کوئی تنقیدی پہلو نہیں مگر افسوس ہے کہ نمبر ۶ کی یہ عبارت پڑھکر "وہی اشتہار درج کیے جاسکیں گے جو خلاف تہذیب نہ ہوں" مجبوراً کہنا پڑتا ہے۔

اک دل ہوا جو میری طرف کیا غضب ہوا اپنی طرف تو دیکھیے سارا جہان ہے

اشتہارات جن کے متعلق ارباب نظر اپنی توجہ مبذول کرنا گناہ اور ان کا دیکھنا تضیع اوقات سمجھتے ہیں

اور جو درحقیقت بازار کی مٹھائی سے زیادہ وقیع بھی نہین ہوتے اُنکے لیے اتنا پاس تہذیب اور وہ مضمون جو رسالے کی جان اور تمام مضامین کی روح رواں بتایا جائے اُس سے یہ غفلت العجب ثم العجب ؎

دشنہ رقیب کو مجھے خنجر لگائیے — جسے لگائیے تو برابر لگائیے

اس اجمال کی تفصیل آگے آئے گی۔ ٹائٹل پیج کے بعد رسالے کے پہلے صفحے پر "تقدیس آغاز" سے نظر سعادت اندوز ہوتی ہے اس عنوان تقدیس آغاز کے تحت مین جو مخمس لکھا گیا ہے بہت زیادہ قابل غور ہے۔ چونکہ نقاد اسم بامسمی بننا چاہتا ہے اسلیے اشد ضرورت ہے کہ اُس کا حرف حرف نقطہ نقطہ دائرۂ اصول سے باہر نہو۔ آجکل بلاضرورت شاعرون کی بہتات اتنی ہوگئی ہے کہ اگر خدا نخواستہ یہی تولید جاری رہی تو آیندہ شمار کے لیے محاصرۂ عدد بھی ناکافی ہوجائے گا۔ پھر مصیبت یہ ہے کہ عموماً ایسے شاعر واقفیت فن سے نابلد ہوتے ہین چنانچہ اس مخمس کا پہلا مصرعہ "کرتے ہین حمد تیری کون و مکان والے" مکان کے اظہار نون سے نظرثانی ہونے کے قابل ہے۔ دوسرا مصرعہ معنوی بلاغت سے گرا ہوا ہے کہ رب ہردو عالم کے بعد صرف آسمان والے کہنا جس پستی خیال کو ظاہر کرتا ہے اظہر من الشمس ہے۔ دوسرے بند کا دوسرا مصرعہ۔ "تیری پرستشون کی پیشانیون مین بو ہے" عجب مصرعہ ہے۔ پرستش کی بو شاید آجکل کے پارکون مین آنے لگی ہوگی۔ اسی بند کا تیسرا مصرعہ "دست طلب کو تیرے دامان کی جستجو ہے" اگر کاتب کی غلطی سے مبرا ہے تو خدا کے بیے دست طلب لکھنا شاعری کا نیا ہتھکنڈا ہے۔

صفحۂ ۲ سے جامع نقاد کا وہ مضمون شروع ہوتا ہے جس کو باصطلاح مرثیہ گویان سالۂ ہذا کا چہرہ کہنا چاہیے قابل جامع نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ تنقید کی تعریف اور اُسکی ضرورت اور نیز تاریخی خصوصیت بیان کرکے نقادی کے لیے دوسرون کو اُبھارا ہے۔ یہی مضمون محرک اصلی ہے ہمارے اس عنوان کا۔ اور اسی لیے ہم پہلے جامع نقاد پر ہاتھ صاف کرتے ہین۔ یہین سے ہماری بے تعصبی اور سچائی ثابت ہوگی کہ باوجود روابط اختصاصی جبکہ شاہ دلگیر کی حرف گیری سے ہم باز نہ آئے تو مدیگران چہ رسد۔

اس مضمون مین معنوی حیثیت سے کوئی لغزش نظر نہین آتی۔ نیز اسلوب بیان اور طرز تحریر قابل تحسین ہے۔ ان اوصاف عمومی کے ساتھ ہی یہ خصوصی تعریف بھی ضروری ہے کہ جامع نقاد نے اپنی وطن پرستی کو خوب نباہا ہے۔ حب الوطن من الایمان کے یہی معنی ہین۔ اتنے بڑے مضمون مین بلحاظ فصاحت و بلاغت صرف دو ایک لفظ کھٹکتے ہین جنکے متعلق یقینی طور سے ابھی یہ نہین کہا جاسکتا کہ یہ کاتب کی عنایتین ہین یا جامع کا تسامح۔ صفحۂ ۵ کی سطرے مین "ہیولانیت درمع الشون" کی ترکیب اجنبی ہے اگر اس جگہ نون الگ کرکے ہیولائیت کہا جاتا تو بھی مضائقہ نہ تھا۔ آخر مضمون مین

صفحہ ۷ کی سطر ۱۱ کے ایک فقرے مین کو زائد ہے "اُردو کو اپنے اصلی منشا و مولد کا نام بھی بھول جائے"۔ اسی فقرے مین مولد کے لام پر تشدید چھپ گئی ہے جو یقینی کاتب و مصلح سنگ کی شدت غفلت کا نتیجہ ہے۔

اس مضمون کے بعد صفحہ ۸ سے ۱۶ تک فلسفۂ حسن و عشق کے عنوان سے وہ مضمون ہے جو بقول جامع نقاد میر سخن افادی الاقتصادی کا لکھا ہوا ہے۔ اور یہی وہ مضمون ہے جس کے متعلق ضوابط کے ایک نمبر کی تنقید کرتے ہوے اشارہ کیا گیا ہے کہ اس اجمال کی تفصیل آگے آئے گی۔ مضمون نگار کا اسم مبارک جناب ایم مہدی حسن افادی الاقتصادی ہے۔ ایم کی تشریح تو بہت سے ہم لبسر نامون سے ہونا ممکن ہے مگر افادی الاقتصادی کی توضیح قابل دریافت ہے۔ نقاد کے سوا حضرت افادی الاقتصادی کے مضامین دیگر اخبار و رسائل مین بھی دیکھے گئے ہین۔ واقعی آپ کے مضامین مین جدت و ندرت، نزاکت و لطافت، اور اختراعی خصوصیت دلکش ہوتی ہے اور خاص ترکیبون کے ساتھ نئے لفظون کی تراش خراش پوری ذہانت کا پتا دیتی ہے۔ اس مضمون مین یہ سب خصوصیتین موجود ہین۔ سب سے بڑی خوبی آپ کے مضامین مین یہ ہوتی ہے کہ باوجود اجنبیت الفاظ دلچسپی کا لاسا کہین نہین چھوٹتا۔ حقیقت مین آپ کی طرز ادا ایک خاص امتیازی درجہ حاصل کیے ہوے ہے طبیعت کی روانی کے ساتھ قوت آخذہ بھی چولی کی طرح دامن سے لگی ہوئی ہے۔ ایسی مستعد اور قابل طبیعتین اُن زبانون مین ترجمہ کرنے کے لیے بہت موزون و مناسب ہین جن مین سرمایۂ لفظی کم ہو اور اُس کے واسطے نئی اصطلاحات کی ضرورت ہو جیسے ہماری اُردو۔ اس غائبانہ مگر سچی تعریف کے بعد افسوس ہے کہ یہ فلسفۂ حسن و عشق بلحاظ تخئیل وہ پایہ نہین رکھتا کہ افادی الاقتصادی کے دوسرے مضامین سے ہم پلہ ہو سکے۔ حسن و عشق کے فلسفے مین عورت کو زیر مشق بنانا اگر تہذیب فلسفہ سے نہین تو کم از کم نقاد کے ضابطۂ نمبر ۶ کے خلاف ضرور ہے۔ کاش یہ مضمون کسی ایسے پرچے مین ہوتا جو مدعی تہذیب نہوتا۔ یا کسی محدود گروہ کی نظرون سے گزرتا۔ اس مضمون کے اخلاق شکن الفاظ پڑھتے ہوے اگر یہ کہا جائے تو ذرا بھی خلاف تہذیب نہین کہ اس مضمون کا عنوان بجاے فلسفۂ حسن عشق فلسفۂ آلات توالد و تناسل رکھا جاتا۔ عورت واقعی محبت کے لیے بنائی گئی ہے اور اسی لیے جوان عورت مرد کا ساتھ آگ پھوس کا ساتھ کہا جاتا ہے مگر یہ کہان جائز ہے کہ بزم خلوت کو چھوڑ کر علے رُوس الاشہاد عورت کو ننگا کیا جائے۔

ممکن ہے کہ ہماری یہ تنقید صاحب مضمون کو ناپسند ہو اسلیے ناظرین انصاف پسند کے سامنے چند فقرے اوس مضمون کے بطور اقتباس پیش کر کے پوچھنا چاہتے ہین کہ ان جذبات کے اظہار مین بھک سے اُڑ جانے والے مادے کی تاثیر ہے یا نہین۔ نوخیز طبیعتین متحمل ہو سکتی ہین کہ ایسے پرشہوت الفاظ پڑھین اور کلبلین نہ کرنے لگین؟ ملاحظہ ہو:۔

"عورت بغیر چاہنے والے کے رہ نہین سکتی۔ یہ چاہتی ہے کہ کوئی اس پر بھی مرتا ہو۔ دنیا مین یہ صرف محبت کے لیے
ہے۔ اور گلے کا ہار بننے بنانے کے لیے۔ وہ خود کسی پر مرتی ہوگی یا کوئی اُس پر جان دیتا ہوگا عورت جنسی ذرا
دل سے ہے لیکن جان بھی اُس سے چھٹکارا پسند نہین کرتی۔ اُسکی اصلی غایت زندگی دوسرے کی پھانس ہے لیکن
یہ معلوم نہین کہ جال ڈالنے سے پہلے وہ خود شکار ہو چکتی ہے عورت کتنی ہی پاکیزہ وش ہو اس خیال سے خالی نہین
ہوتی کہ کوئی اُسکی کافرادائی کا شیدائی ہو۔ وہ وار کر کے رہے گی کیونکہ یہ امر اُسکی فطرت مین داخل ہے شانے سے آنچل
ورنہ گرائے لیکن اگر اتفاق سے گر جائے تو وہ دل مین خوش ہوگی۔ ڈھلے ہوئے آنچل مین در اصل اُسے سینے کا ابھار
غائب کرنا منظور نہین بلکہ وہ چاہتی ہے کہ اور نظر جما کر دیکھیے۔ محرم کا جائزۂ نظری ایک طرح کی دادِ حسن ہے جو ہزار
رسائی کے ساتھ بھی دہ آپ سے کرے گی۔ اسی لیے جوانی کی آرائشون مین دستانے کی طرح چھپی ہوئی چیز اُسے
دل سے پسند ہے جس مین یہ اُن سرکشون کو قید رکھتی ہے جنھین عورت کے ارمان مجسم کہیے۔ مے دو آتشہ وہ بھی شباب
کی جب کھچ کھچا کر قدرتی کٹورون مین بھری ہو تو کون ہے جو ان کیف بستی اور بیخودی کے مجسمون کی پرستش کا دلدادہ
نہ ہوگا۔ ذرا فطرت کی شوخی دیکھیے گا فتنۂ قیامت نا کے لیے گنجائش بھی نکالی تو کہان۔ ہر زمانے مین عورت کا مقیاس
الشباب دائرۂ حسن کا مرکزِ عام رہا ہے۔ آج تک سُننے مین نہین آیا کہ اہل چین کی چپٹی ناک کی طرح سپاٹ سینہ بھی
کہین پسند طبائع ہو۔ قیصر جرمن صنف نازک کے شائق ہین لیکن اُسکے جو خوبصورت ہاتھون کے ساتھ اُبھرا ہوا اور قائم
بالذات سینہ رکھتی ہو۔ کالی۔ گوری کی تخصیص نہین کوئی ہو کہین ہو صرف جوانی کے آلۂ حرب سے اچھی طرح مسلح ہونے
کی ضرورت ہے۔ عورت مرد کے مقابلے مین زیادہ باکیف ہوتی ہے اور جن نزاکتون کی طرف مرد کا ذہن بھی منتقل
نہین ہوتا یہ اُنکو سمجھتی بوجھتی اور قوت سے فعل مین لانا چاہتی ہے۔ جیتے جی کسی خوبصورت عورت کی پرستش کا
موقع ملے تو سمجھیے۔۔۔۔ قابو مین لانے کے بعد یہ ایک سکنڈ بھی چھوڑنے کے لائق نہین۔ وہ انتہا درجے کی حساس اور
نازک مزاج بھی ہوتی ہے۔ دنیا مین اُس سے کسی سے بیر ہے تو چاہنے والے سے۔ دوپٹہ میلا ہے تو سمجھ لیجیے چاہنے والے کا
قصور ہے۔ عورت کہتی ہے کہ جب اُنھین کو پروا نہین تو بدلین کس کے لیے وہ خوش ہین تو بات بات مین بانکپن دیکھیے
کنگھی چوٹی کا درد سر اُسی وقت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ محرم کے بند اگر کھچکر بندھے ہون تو سمجھ لیجیے زد پر کوئی ہے جس کے
لیے یہ سینے کو دُہرے پاسے پر رکھنا چاہتی ہے حسین عورت کے لیے کم سنی لازمی نہین کہ چڑھتی دوپہر سے ڈھلتی چھاتی
زیادہ خوشگوار ہوتی ہے۔ عورت وہی باکیف ہوگی جو لذت آشنا ہو۔ اور جس مین لذت احساس کامل ہو۔ ۲۵۔۲۶
برس کی حسین عورت جو صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی رکھتی ہو اور جس مین نسائیت کوٹ کوٹ کر بھری ہو انسانی

تخئیل کا بہترین مرقع ہی۔ اسکے لیے بچھڑون کی جھنکار ضروری نہین محض تیر اپس پردہ ہونا کہین ہوا کسی کے پیے ہو کافی ہے۔ گوشوارے پر آپ دیکھین گے۔ میرا پاکیزہ تخیل بڑے بڑے زاہدون کے صعوبات لاطائل سے کتنا اچھارہا"

ان فقرات کی نقل کے بعد۔ غالباً زیادہ تشریح کی ضرورت نہین۔ ناظرین کے ہیجان طبع نے خود فیصلہ کرلیا ہوگا ہم نے اس تنقید لکھنے سے پہلے اصل مضمون پر دوبارہ نظر ڈالی عنوان کے نیچے یہ الفاظ دیکھکر یونا تیون کے نقطۂ خیال سے) خیال ہوا تھا کہ صاحب مضمون کے ذاتی خیالات نہین معلوم ہوتے یا کم از کم الفاظ انکے ہین اور خیالات پرائے۔ مگر محرم کی کترہیونت آنچل کے ڈہراؤ تہراؤ اور جوڑیون کی پیچیدگی سے یہ بات کھلی کہ یہ خود بدولت ہی کے خیالات ہین اور خیالات بھی بدنصیب ہندوستانی مخدرات کے متعلق لیکن واقع یہ ہے کہ صاحب مضمون کی یہ گل فشانیان بازاری عورتون کے بانغ حسن سے وابستہ ہین اور آپ کے تخیل حساس کی پہونچ بمبئی کی سفید گلی کی زینتون سے آگے نہین۔ گھر مین بیٹھنے والی بی بیان ان خیالون کو زبان سے ادا کرنا کیسا دل مین بھی نہین ٹھہراسکتین۔ بہرحال ہم صاف الفاظ مین اس کہنے پر مجبور ہین کہ اگر نقاد مین اس فحش بیانی کے ساتھ مضامین کی آمد رہی تو یہ رسالہ عیاش طبعون کے لیے مخصوص ہوگا۔ ہرگز ہرگز کسی نوجوان شریف طالب علم اور کسی اثر پذیر سوسائٹی کے قابل نہوگا۔

ہم نے دفتر نقاد مین جو مضمون بھیجا تھا وہ اس مضمون سے کچھ زیادہ تھا اور فلسفۂ حسن و عشق کے بعد جو مضامین نقاد مین نکلے اُنکی تنقید بھی کی گئی تھی مگر اس خیال سے کہ وہ کوئی مہتم بالشان باتین نہ تھین اور نیز اُنکا تعلق زیادہ نقاد کی طرز تحریر۔ کتابت۔ اور اسکی ترتیب سے تھا اس بیے ایڈیٹر کے لیے اُسکو فضول سمجھکر قلم انداز کرتے ہین۔ اور آخر مین پھر جامع نقاد کو دوستانہ صلاح دیتے ہین کہ وہ آیندہ ایسے گندے لٹریچر سے نقاد کو بچائین۔

ہر سخن کا اک جدا ہوتا ہے موقع اور محل
ہزل مسخریت کجا بزم خردمندان کجا

احسن مارہروی

غلط ہے میری طرف سے اگر غبار نہین
وہ ربط ضبط نہین وہ نگاہِ یار نہین

سنا ہے مین نے مری یاد سے تھے وہ بےچین
اُنھین کے سر کی قسم مجھکو اعتبار نہین

نہ میرے شوق نے مانا نہ اُن کے جوبن نے
اگرچہ اُنکی طرف سے ہوئی ہزار نہین

تغافل اُنکا مین تسلیم کرون اے ہمدم
یہ کیسے کہدون کہ ہان مین بھی بیقرار نہین

خودی سے جو نہو بیخود وہ رند مست نہین
جو توبہ کرکے نہ توڑے وہ مے گسار نہین

مقابلہ کرے بند قبا کی کیا ہستی
شباب نے یہ کھلائے ہین گل اُبھار نہین

یہ مسلکِ صُلحِ کل بھی خوب ہے بسمل
کسی طرف سے نکل جاؤ کوئی خار نہین

بسمل

٭ یہ لفظ سکون لام کے ساتھ ہے۔ ایڈیٹر

نامۂ شوق

منتین کرتا ہون تیرے پاؤن پر گرتا ہون مین
نامہ بر تکلیف اتنی بہرِ پیغمبر اُٹھا

ضبط کی طاقت ہے دل مین اور نہ تابِ انتظار
جلد اُس جانب قدم کو صورتِ صرصر اُٹھا

مثل بوے گل پہونچ اُس نوبہارِ حسن تک
جبر جتنا ہوسکے تعجیل مین دل پر اُٹھا

گر ملے باہر مکان کے وہ مہ خوبی تو خیر
ورنہ پلکون کی طرح گھر کا حجاب در اُٹھا

سر جھکا کر انجمن مین اُنکی ہونا باریاب
قتل کر ڈالین گے تجھکو شمع سان گر سر اُٹھا

پوچھ لینا پاسبان حسن ہونگے کچھ حسین
دیکھ لینا خواب راحت سے وہ افسونگر اُٹھا

دھیان یون حفظِ مراتب کا رہے ہر گام پر
جو قدم وان پر اُٹھا تہذیب کے اندر اُٹھا

خوابگاہ ناز تک پہونچا بھی قسمت سے اگر
اور وہ سرمست محو ناز بھی سو کر اُٹھا

اور اٹھلاتا چلا آئینہ خانے کی طرف
صورِ آہِ اہل دل سے فتنۂ محشر اُٹھا

دیکھ خط موقع جو ہو کہنا ضرور اُس شوخ سے
پہلوے عاشق سے تو جب خفا ہو کر اُٹھا

مبتلاے زلف و عارض کو نہ تھا اک پل قرار
درد دل کے ساتھ ہی دردِ جگر اکثر اُٹھا

جو گزرنی تھی وہ گزری حال کچھ اسکا نہ پوچھ
صدمۂ فرقت ترے بیمار سے کیونکر اُٹھا

جس جگہ بیٹھا وہان احباب کے طعنے سُنے
اونگلیان اُٹھین جہان سے عاشق مضطر اُٹھا

حسن کا صدقہ تجھے اب رحم کر بہرِ خدا
فیصلہ ہی یا تو کر دے تیغ لے خنجر اُٹھا

کشتۂ ناز و ادا ہے ہان رہے اس کا خیال
دہر سے حسرت بھرا اسکو نہ لے دلبر اُٹھا

بوسۂ لب کا جو خواہان ہو نہ کر ہرگز دریغ
وعدۂ فردا سے کیون ہنگامۂ محشر اُٹھا

ہے یہ حسرت یا تو کر دے کام دل سے کامیاب
یا اُسے دنیا ہی سے اب اے جفا گستر اُٹھا

عاشقون مین تا رہے مذکور اسکا حشر تک
صدق سچا تھا ترے دروازے سے مر کر اُٹھا

صدق جائسی

امید

دنیا بامید قائم کے فلسفہ پر غائر اور نتیجہ خیز نظر ڈالنے پر جہل و نادانی کا پردہ اُٹھ جاتا ہے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ یہ مختصر فقرہ ملک مین کی نظم و نسق، نظام عالم، انسانی نشو و نما، خالق و مخلوق کے تعلقات، عابد و معبود کی محبت، شاہ و رعایا کی شفقت و اظہار اطاعت، غلام و آقا کی شوق فرمانبری اور مراعات، مختصراً تمام دنیا و مافیہا پر حاوی اور محیط ہے، اسکی حد یہین تک ختم ہو کر نہین رہ جاتی، صوفیان کرام، زاہدان خلوت نشین، عابدان عبادت گزار سے پوچھ دیکھیے حورون کی خواہش، جنت کی تمنا، قرب الٰہی کی آرزو۔ اتقا، اعتقاد، تقلید، ایمان اسی ایک امید کے جلوے ہین۔ "نومید مشو کہ ناامیدی کفر است" (لا تیاسو و لا تقنطوا) کے حکم اسی اصول پہ ہین، ایک یورپین فلاسفر کا مقولہ "ناامید نہو کیونکہ امیدون کے خاتمے کے ساتھ تمام دنیا کا خاتمہ ہو جاتا ہے" اسی فرمان کا ہم آہنگ ہے۔ اُس تارک الدنیا، قائم اللیل صائم النہار کے دل سے پوچھیے جسنے باوجود لا رھبانیۃ فی الاسلام کی تسلی بخش تحریری دستاویز کے چلے کی سردی، لون اور طپش کی گرمی، طوفان بپا کر دینے والی بارش وفور اتقا مین شہر سے دور، آبادی سے پرے زمین کے فرش آسمان کے شامیانے پر قناعت کر کے ایک شغل حق مین گزار دی ہو۔ اُن سے پوچھیے جو "دامن تر ایکبرا تجھے کیا کیا نہ جھکر کی آواز پر دامن ضبط ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہین۔ دور کیون جائیے؟ مان کی مامتا پر نظر کیجیے، دیکھیے وہ دکھیاری، غربت زدہ، بیکس رانڈ اپنی جیتی جاگتی قسمت کی تصویر کے بھولے پن پر نثار ہے، ننھے بچے کی ایک مسکراہٹ اُسکے مرجھائے ہوے دل کی کلی کے ساتھ وہ کام کر رہی ہے جو پژمردہ غنچون کے ساتھ نسیم سحری کا جھونکا، نہ اُسکو گزشتہ آلام کا خیال ہے نہ موجودہ مصائب کی فکر، بچے کے ایک رونے ہنسنے پر اُسکے رنج و راحت کا انحصار ہے خدا جانے اُسکے لیے دنیا کی تمام لذتین، زندگانی کی تمام مسرتین ہونہار بچے کے ساتھ کس چیز مین وابستہ ہین جس کا وہ ساعت بساعت روز بروز انتظار کر رہی ہے۔ وہی روح پرور امید ہے۔

اُس بوڑھے خمیدہ کمر کو دیکھیے جسنے اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ برباد کر دیا ہے جوانی سی دولت کھو کر قریب تمام حواس سامعہ، باصرہ، لامسہ، شامہ، ذائقہ، کو خیرباد کہہ چکا ہے نہ اُس مین اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت ہے، نہ چلنے کی سکت دنیا نے بیوفائی کی، اُس سے مُنھ موڑ لیا، خوشگوار زندگی کی تمام نعمتین جو کسی وقت اُسکے لیے فراخی اور کشادگی سے میسر تھین آج اُسپر حرام سی ہو رہی ہین، خویش و اقارب اُسکی عمر کی طرح اُسکو کھو چکے ہین مگر پھر بھی وہ شکر کے ساتھ رات سے دن دن سے رات کر لیتا ہے۔ ہان! اسکا عصاے پیری وہی امید ہے۔

مرض نے کام تمام کر دیا، مریض دم توڑ رہا ہے مگر ہر دم واپسین جب پلٹتا ہے تو عزیزون کے چہرون پر کچھ رونق لے کر

دنیا کے تمام نیک اعمال آخرت کی امید کی وجہ سے ہین - غلام کی تمام خواہشین آقا کی مرضی کے تابع ہین اپنی خدمت گزاریون سے، کشادہ پیشانی سخت سے سخت حکم کی تعمیل سے اُسکے دل مین گھر کرنے کی کوشش کرتا ہے مسافر کی آبلہ پائی، گم کردگی راہ، شام کا وقت اُس پر صحرا نوردی اُسکو کشان کشان ایک طرف لیے جارہی ہے اوامر کا خیال نواہی کا ڈر، مکروہات (جو بظاہر مکروہ نہین ہین) سے اجتناب سب اسی امید کے کرشمے ہین - دیکھیے وہ جانباز سپاہی گھر بار، خویش واقارب کو خیرباد کہکر اپنی جان دینے کے لیے میدان جنگ کی طرف جارہا ہے توپون کی دل ہلا دینے والی گرج سُنتا ہے، لڑنے والون کو زخمی، زخمیون کو چند ساعت کا مہمان دکھیتا ہے مگر اُسکا نہ رُکنے والا قدم نہایت تیزی سے اُٹھ رہا ہے - رند ہیگسار دنیاوی ظاہری تدابیر کا دروازہ بند پا کر مسجد کی محراب مین سر ٹکرا رہا ہے - خاطی گنہگار عمر بھر کے گناہون سے توبہ کرچکتا ہے تو اُسکا چہرہ فوری پیدا ہوجانے والی خوشی سے چمک اُٹھتا ہے - مجرم خطادار باوجود اقرار جرم عدالت کے روبرو جانے کو جلد جلد قدم اُٹھا رہا ہے -

ہان - اے یاس کی کالی اور بھیانک گھٹا مین بجلی کی طرح چمک اُٹھنے والی! اے بے پایان بحر ذخار مین ٹوٹی ہوئی کشتی کے ناخدا - ڈوبتے ہوے کو تنکے کا سہارا - عصاے پیری، قوت جوانی - بے یار و مددگار یتیمون کی والی دکھیاری رانڈون کی ڈھارس - مظلومون کی فریادرس - ظالمون کو لرزا دینے والی یہ معلوم ہے! بخوبی معلوم ہے!! کہ تیرا وجود دنیا کے وجود کے ساتھ ہے، انسانی جسم کے لیے بلکہ تمام نامی اجسام کے لیے جن کو روح نامی ضرورت ہے انکے ساتھ تیرا نشو و نما بھی ضروری ہے تیرا شمول دوران خون کے ساتھ ہے - تیری سلطنت تمام عالم ہے، تیرا سکہ دلون پر ہے، جس کو تو نے چھوڑا اُس کا ٹھکانا کہین نہین، تجھ سے مایوس ہونا زندگی سے ہاتھ دھونا ہے - مانا کہ بڑے بڑے باجبروت شہنشاہ تیرا دم بھرتے ہین ہم کو تسلیم! کہ سب کو تیری پروا اور تجھے کسی کی پروا نہین - یہ بھی سچ اور بالکل سچ ہے کہ وہ لوگ مدت ہوے دنیا کو خیرباد کہہ چکے ہین، جن کا ظاہری دنیاوی نشان اتنا بھی باقی نہین کہ خاک لحد سے تعبیر کیا جائے، خاموش تیرے وعدون پر تیری لو لگائے پڑے ہین - درست اور بالکل درست کہ تجھے کسی کی احتیاج نہین تیری سب کو احتیاج ہے - مگر ہم گلیم استغنا و خرقۂ بے پروائی کے آزاد فقیر (معاف کرنا) یہی کہین گے کہ

انسان جو چاہے کہ نہ اسکو کبھی رنج
زنہار کسی سے کوئی امید نہ رکھے

اے ایم - مبین عباسی کیفی

غزلیات

ساقیا دیر نہ کر کشتیٔ مے لانے مین
جان پیاسون کی پڑی ہے ترے پیمانے مین

کیسی شوریدہ سری ہے ترے دیوانے مین
ڈھونڈھتا ہے دلِ گم گشتہ کو ویرانے مین

ساقیا دیدۂ پرخون کی خبر تجھکو نہین
مے گلرنگ بھری ہے ترے پیمانے مین

ہوش اُڑجائین نہ کیون بادہ کشون کے ساقی
گردشِ چشمِ پری ہے ترے پیمانے مین

دردِ دل ہوگا مرے دیدۂ تر سے ظاہر
جو ہے شیشے مین وہی آئے گا پیمانے مین

ہر جگہ اُسکو نئے روپ مین ہم دیکھتے ہین
مے ہے شیشہ مین پری حور ہے پیمانے مین

ساقیِ توبہ شکن فصلِ بہار آنے دے
خون توبہ کا بھرین گے ترے پیمانے مین

مین سمجھتا ہون اسی کو دلِ مضطر کا علاج
تو نہ اے درد کمی کر مرے تڑپانے مین

یون تو جل بجھنے مین دونون ہین برابر لیکن
وہ کہان شمع مین جو آگ ہے پروانے مین

شکوۂ دل شکنی کیون نہ کرون ساقی سے
مے پلائی مجھے ٹوٹے ہوے پیمانے مین

میکدے کی یہ اداسی نہین دیکھی جاتی
نہین معلوم ہے کیا دیر بہار آنے مین

میرے کہنے کا یقین تم کو نہ آئے گا جلیل
چل کے جنت کا سما دیکھ لو میخانے مین

حافظ جلیل حسن جلیل

وہ شغلِ میکشی باہم وہ لطفِ وصلِ جانانہ
وہ کچھ بہکی ہوئی باتین وہ کچھ اندازِ مستانہ

جہان مین عالمِ شہرِ خموشان ہی عجب عالم
کہ آبادی کی آبادی ہے ویرانے کا ویرانہ

وہ مستِ ناز اک غنچہ لیے تھا وقتِ مے نوشی
مین یہ سمجھا کہ نازک ہاتھ ہین نازک ہے پیمانہ

کہا تھا صبر شوقِ وصل مین اب ہو نہین سکتا
یہ شوخی دیکھنا وہ مسکرا کے کہہ گئے دیوانہ

بڑا دھوکا دیا اک زاہدِ صد سالہ نے ہم کو
کہ چومے پاؤن نشہ مین سمجھکر پیرِ میخانہ

فلک یہ کیا دکھاتا ہی یہ کن آنکھون سے دیکھون مین
جنازہ غیر کا اور اُس سراپا ناز کا شانہ

شریکِ دورِ بزمِ غیر کوئی جان بلب کوئی
کہین ساغر چھلکتا ہے کہین لبریز پیمانہ

جمایا عشق نے ہر بزم ہر گلشن مین رنگ اپنا
کہین بیتابیِ بلبل کہین ہے سوزِ پروانہ

لگا دو راہ پر بھٹکے ہوے زاہد کو میخوارو!
جو پوچھے راہ مسجد کی بتا دو راہِ میخانہ

بہت چین بجبین وہ بزم مین ہین شمع بھی چپ ہے — پڑی ہے اُڑ کے دامن پر ذرا سی خاک پروانہ

فسونگر جو رسا معشوق دنیا مین نہین کوئی — کہ خود جنت مین بیٹھی ہے یہان زاہد بے دلوانہ

الٰہی خیر اسکی مستی جوش جوانی نے — خرام ناز مین پیدا کیا انداز مستانہ

کسی غربت زدہ کی موت کتنی حسرت آگین ہے — سرہانے بیکسی ہے کوئی اپنا ہے نہ بیگانہ

بخیر انجام ہو میرا کہین آمین سب میکش — دعاے مغفرت کو ہاتھ اُٹھاے پیر میخانہ

غم عاشق مین بھی پاس حیا معشوق کرتے ہین — زبان پر شمع کی ہے چپکے چپکے ہاے پروانہ

طبیعت مین نیا اک جوش ساقی نے کیا پیدا — دیا ساغر مجھے بھر کر بصد انداز مستانہ

جلا کر جان لی اُسپر یہ دل سوزی نرالی ہے — بہاے شمع نے آنسو یہ کہہ کر ہاے پروانہ

تمھاری پارسائی پر فضا ہم کو تعجب ہے
اگر پیتے نہین تو کیون کلام اتنا ہے رندانہ

شیخ محمد عالم ہاد فضا

آتے آتے لب تک آہ نارسا اُلٹی پھری — اور میرا ہی دبانے کو گلا الٹی چھری

آکے مجھ تک کشتی مے ساقیا اُلٹی پھری — آج کیا ندی بہی الٹی ہوا الٹی پھری

مڑ کے دیکھا اس نے اور وار ابرو کا چل گیا — اک چھری سیدھی پھری اور اک فورا الٹی پھری

لا سکا نظارۂ رخسار روشن کی نہ تاب — جا کے آئینہ پہ چہرے کی ضیا الٹی پھری

پیستا ہے رہٹ بازون ہی کو پھیر کر فلک — واے قسمت جب پھری یہ آسیا الٹی پھری

جو برا بول ایک دن بولے تھے پیش آیا وہ آج — گنبد گردون سے ٹکرا کر صدا الٹی پھری

رزق کھا کر غیر کی قسمت کا زنبور عسل — تو نے دیکھا حلق تک جا کر غذا الٹی پھری

تو ستایش گر ہے اُسکا جو ہے تیرا مدح خوان — یہ تو لے شفق ضمیر مرحبا الٹی پھری

آئی تھی جس پر طبیعت حیف اُسنے کی نہ قدر — جنس دل مانند جنس نا روا الٹی پھری

یا تو کشتی ڈوبتی تھی یا چلی ساحل سے دور — واے ناکامی پھری بھی تو ہوا الٹی پھری

گرنے والا ہے کسی دشمن پہ کیا تیر شہاب — آسمان تک جا کے کیون آہ رسا الٹی پھری

مر گیا بے موت مین آخر اجل بھی دور سے — تو سے قاتل کا پتا کر راستہ الٹی پھری

ہجر کی شب مجھکو اُلٹی سانس لیتے دیکھکر — ایک ہی دم مین گئی وان اور صبا الٹی پھری

نظم اپنے گرد کھینچو نام حیدر کا حصار
دیکھ لینا پھر کہ جو آئی بلا الٹی پھری

سید علی حیدر طباطبائی نظم

نظرے خوش گزرے

ہمارے کرم فرما مرزا مہدی خان کوکب کے نام نامی سے ناظرین الناظر ناواقف نہین مئی ۱۲ء کے الناظر مین آپ کا قیمتی مضمون زیر عنوان "تعلیم مفید کیسے اور کہان حاصل ہوسکتی ہے" اگرچہ ہماری نیر حاضری کے باعث نہایت بُری طرح چھپا اور اسلیے ناظرین اُس سے پورا لطف حاصل نہ کرسکے ہونگے لیکن جناب ممدوح کی اعلےٰ قابلیت کا اُس سے اچھی طرح اندازہ ہوسکتا ہے۔ مرزا صاحب ہماری قوم کے اُن چند باکمال لوگون مین ہین جو باوجود اپنی فضیلت علمی اور جامعیت کے بام شہرت کا کوئی زینہ نہین طے کرنا چاہتے اور حقیقت یہ ہے کہ کمال کے لیے اس قسم کا استغنا لازمی و ضروری ہے۔ کیونکہ بلند آہنگی مین طبل تہی سے بازی لیجانا دشوار ہے۔

سر سالار جنگ اول نے مرزا صاحب کو اور مولوی سید حسن بلگرامی مرحوم کو علم معدنیات کی تعلیم کے لیے خاص طور پر انگلستان بھیجا تھا۔ چنانچہ آپ نے انگلستان کے قیام میں پوری دستگاہ حاصل کی اور سائنس کے مختلف شعبون سے واقفیت تام پیدا کرکے ہندوستان واپس آئے۔ مگر اعصابی بیماریون میں مبتلا ہوجانے کی وجہ سے افسوس ہے کہ آپ کی اعلےٰ قابلیتون سے ملک کو متمتع ہونے کا موقع نہ ملا۔ آپ مین بڑی خوبی یہ ہے کہ علوم جدیدہ کے عالم ہونے کے علاوہ عربی اور فارسی کے بھی آپ فاضل اجل ہین۔

مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو کی تحریک پر آپ نے علم جیالوجی پر ایک کتاب تیار کی ہے اور آیندہ بھی اپنی قابلیتون سے اردو علم ادب مین اس قسم کے مفید اضافے کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ حقیقت مین انجمن کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ نئے دور کے ابتدا ہی مین اُسکو ایسے فاضل بزرگ کی اعانت حاصل ہونے کا قابل فخر موقع ملا۔ خدا مرزا صاحب کی ہمت اور عمر مین برکت اور قوم کو انکی خدمت کی پوری قدر کرنے اور انکے متاع علم سے اچھی طرح بہرہ ور ہونے کا موقع دے۔

بہی خواہان اُردو یہ بھی سُن کر خوش ہونگے کہ نواب عماد الملک بہادر نے انجمن ترقی اُردو کی صدر نشینی قبول کرنے کے علاوہ اپنی جیب خاص سے صمہ روپیہ ماہوار مقرر فرمایا ہے جو انکی گہری دلچسپی اور خالص ہمدردی کی بین مثال ہے۔

ہماری زبان مین اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اصطلاحات علمی کی ہے۔ اور یہ ایسی ضرورت ہے جس کو عام طور پر تمام علم دوست حضرات تسلیم کرتے ہین اور جسکے رفع کرنے کی طرف پہلے بھی کارکنان انجمن ترقی اُردو نے کچھ نہ کچھ توجہ کی۔ لیکن اس کوشش مین کچھ زیادہ کامیابی نہوئی جسکے دو سبب خاص تھے۔ اول تو یہ کہ اصطلاحات علمیہ کا ترجمہ کوئی آسان کام نہین۔ جس شخص کو یہ کام کرنا پڑا ہے یا پڑے گا وہی اسکی دشواریون کا اندازہ کرسکتا ہے۔ دوسری بڑی مصیبت یہ تھی کہ انجمن کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا کہ اس کام کی محنت کا کوئی معاوضہ دیا جاسکتا۔

مولوی عبدالحق صاحب نے اس امید میں کہ جب کچھ عملی کام ہونے لگے گا تو پبلک سے مالی امداد بھی ملے گی یہ صورت نکالی ہے کہ علیحدہ علیحدہ علوم کی اصطلاحات کا ترجمہ خاص خاص لوگوں سے کرایا جائے چنانچہ سردست علم ہیئت اور فزیالوجی، علم الحیوان کی اصطلاحات کو ترتیب دینے کا کام شروع کر دیا گیا ہے انکی تکمیل کے بعد دوسرے علوم کی طرف توجہ کی جائے گی لیکن یہ کام سرسبز اُسی وقت ہو سکتے ہیں جب انکی آبیاری میں پبلک کی طرف سے بے دریغ روپیہ صرف کیا جائے اور ہمیں امید ہے کہ کام کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے بعد تمام بہی خواہان اردو انجمن کی اعانت کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

مرزا مہدی خان چند روز ہوئے سفر عراق سے واپس آئے ہیں۔ اور واپسی کے بعد جو گرامی نامہ اُنکا ہمیں ملا ہے اُسمیں الناظر کے ایک مضمون کی بعض غلطیوں پر توجہ دلائی ہے اس بارہ میں ہم انکے الفاظ بجنسہ درج ذیل کرتے ہیں۔

نومبر کے نمبر الناظر میں [illegible] اشعار کی تنقید میں صفحہ [illegible] پر شعر ذیل کے ترجمہ کی نسبت مجھے [illegible] صاحب سے اتفاق نہیں۔

[illegible] ایک صفحہ تصویر [illegible]   [illegible] ہے [illegible] کا

صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ [illegible] ہیں کے بعد کوئی حرف [illegible] تشبیہ کی جگہ پر [illegible] میری دانست میں کوئی مطلق ضرورت نہیں۔ یہاں لفظ [illegible] کی [illegible] مشابہ [illegible] فارسی [illegible] میں ایک صفحہ تصویر ہیں [illegible] افسوس ہے کہ فارسی سے اتقدر لوگ غافل ہو رہے ہیں جسکی ترکیبیں قدیم شعراے اُردو کے اشعار میں بکثرت موجود ہیں۔

اسکے بعد صفحہ ۴۴ میں ذیل کے شعر کے معنی پر بھی اعتراض ہے۔ یہاں بھی فارسی محاورہ کی ناواقفی سے ترجمہ غلط ہو گیا ہے۔

نقاش کیونکر کھینچے سکا تو تشبیہ یار   کھینچوں ہوں ایک ناز بھی اُسکا میں اتنا تک

نقاد صاحب کہتے ہیں کہ "میرے خیال میں ...... فرماتے ہیں کہ مصور کامل تصویر جانان کو نکر اتارے کیونکہ میں تو ایک عرصے سے اُسکے ناز کی تصویر اتارہا ہوں اور ابتک نہ اتار سکا ہوں لہذا الخ"

یہاں ناز کھینچنا فارسی کے ناز کشیدن کا ترجمہ ہے۔ کشیدن کا ترجمہ مصرعہ ثانی میں اُتارنے کے معنی میں نہیں۔ بلکہ ناز کشیدن فارسی میں ناز برداری۔ ناز اُٹھانے کا مرادف ہے اور کشیدن کو دو مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے۔ غالباً میر مرحوم کے شعر کا ماخذ یہی فارسی شعر ہے

گر مصور صورت آن دلستان خواہد کشید   من نمیدانم کہ نازش را چہ سان خواہد کشید

پہلے مصرعہ میں کشیدن کے معنی تصویر اُتارنے کے ہیں اور دوسرے مصرعہ میں ایہام کیا ہے اور کشیدن کے دوسرے معنی لئے ہیں یعنی اُسکے ناز کو کیونکر اُٹھائیگا نہ یہ کہ اُتارے گا۔ یعنی اوسکی ناز برداری کیونکر کر سکے گا۔ افسوس ہے کہ فارسی کا تتبع روز بروز گھٹتا جاتا ہے۔ اگر فارسی کو خیرباد کہدیا جائے تو اردو کا اچھی طرح سیکھنا ایک امر دشوار ہو جائے گا۔ فارسی تو اُردو کی جان ہے۔

ہم مرزا صاحب کی اس مخلصانہ ہمدردی و توجہ کے شکر گذار ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آیندہ بھی الناظر کے حال پر اُن کی یہی عنایت رہے گی اور اُن کے مستقل مضامین اوراق الناظر کی زینت افزائی کے موجب ہوں گے۔ ایڈیٹر

حدایق البیان فی معارف القرآن — مولفہ مولانا عبدالغفور صاحب فاروقی اعظمگڈھی مصنف علام کی یہ بلیغ کوشش قابل صد آفرین ہے کہ انھوں نے مسلمانان [illegible] کے ایک اہم اور عظیم مقصد کی تکمیل کی یعنی قرآن پاک کے مختلف مسائل اور مخفی مطالب کو ایسے عنوان شایستہ سے

مشرح کیا ہے جو دیکھنے سے تعلق ہے۔ اسمین شک نہین کہ آجکل کے مسلمان مذہبی علوم خصوصاً علم قرآن سے بالکل بے بہرہ ہین اور زمانہ کے مرور نے ان ذرائع اور وسائل کو بھی ناپید کر دیا ہے جن سے اپنے اسلاف کرام کے علوم و فنون سے بہرہ اندوز ہو سکین اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب نہین لکھی بلکہ ایک دریاے ذخار کو کوزے مین بھر دیا ہے۔ مصحف پاک کے الفاظ و معانی کی تشریح ترتیب قرآن اختلاف قرأت کی تفصیل مطالب کی تطبیق مخارج و علامات وقف کی تفصیل قرا سبعہ وائمہ کے پُر نکات اختلافات الفاظ وحی و کرامت و الہام وغیرہ کی تحقیق سورتون کی تشریح وغیرہ وغیرہ نادر مسائل اور بیش بہا مطالب کو نہایت علمی تبحر اور قابلیت کے ساتھ بیان کیا ہے خدا اس خدمت خالصہ کو قبول فرمائے اور فاضل مصنف کو جزائی حسنہ سے مالا مال کرے۔ ایسی لاجواب کتاب جو ایسے معرکۃ الآرا مسائل اور فاضلانہ تنقیدات سے لبریز ہو آجتک نہین لکھی گئی فی الواقع اس کتاب کے اسم باسمےٰ ہونے مین کوئی شبہ نہین۔ جو شخص فکر و تدبر کے ساتھ اس کتاب کو دیکھے اُسکو قرآن پاک کی پوری معرفت حاصل ہو جائے اور اُن غلطیون سے متنبہ ہو جائے جو آیات قرآنیہ کی تلاوت مین اکثر ہوا کرتی ہین۔ فی الواقع مولانا اُن باقیات صالحات مین سے ہین جو اُفق عالم پر بدور ہو کر درخشان ہوے اور جن کے افادات سے دنیا کا ہر گوشہ مستفید ہوا۔ آج دنیا ایسے محترم نفوس کو آنکھین پھاڑ پھاڑ کر ڈھونڈھتی ہے لیکن نظر نہین آتے اس لیے ایسے متبحر فضلا کے وجود کو غنیمت جان کر انکے تبحر علمی کو اپنے لیے سحاب رحمت تصور کر کے اُنکے تصانیف کی بیحد قدر کرنا چاہیے کیونکہ یہی ہمارے ہر مذہب کے پشتیبان اور یہی ہمارے مشکلات مین دلیل و برہان ہین۔ مولانا کی اس قابل قدر تصنیف نے صفحات تاریخ مین ایک ممتاز جگہ حاصل کی ہے جو تا بقائے دہر آفتاب کی طرح روشن رہے گی۔

سب اڈیٹر

اور وعدہ کرلیا کہ امیر انطاکیہ کے ممالک پر حملہ نہ کیا جائے گا اور تین سال تک تمام عیسائی زائرین بلا ادائے محصول مقدس مقامات یروشلیم کی زیارت کرسکیں گے[1]

---

[1] وینی زاف جلد (۶) ابواب (۲۵ و ۲۶)۔ مسلمان مورخین کے بیان کے مطابق اوائل شعبان ۵۸۸ھ میں رچرڈ شیردل بیمار پڑ گیا۔ اثنائے علالت میں سلطان سے میوہ جات اور برف منگا منگا بھیجتا تھا اور سلطان جو کچھ وہ طلب کرتا برابر بھیجتا رہتا تھا حتیٰ کہ خود اپنے طبیب کو علاج کے لیے بھیجدیا۔ اسی سلسلۂ رسل و رسائل کے اثنا میں حاجب ابوبکر کے ساتھ شاہ انگلستان کا ایک ایلچی آیا اور سلطان کا شکریہ رچرڈ کی جانب سے ادا کرنے لگا۔ ابوبکر نے عرض کی کہ رچرڈ نے اُسے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ میرے بھائی (یعنے ملک العادل) سے کہنا کہ سلطان سے میں طلب صلح کے واسطے ملاقات کرنا چاہتا ہوں اسکی کوئی صورت نکالیں اور عسقلان ہمیں دلادیں تاکہ میں اپنے وطن لوٹ جاؤں۔ سلطان کو اختیار ہے کہ یہاں رہے اور اپنے مخالفین سے ملک چھین لے۔ میری غرض صرف یہ ہے کہ شاہان یورپ میں میرا بند باقی رہے اور کسی کے سامنے آنکھ نہ نیچی کرنی پڑے۔ اور اگر سلطان عسقلان نہ دینا چاہے تو جو کچھ مجھے اسکی دیوار کی تعمیر میں خرچ کرنا پڑا ہے وہی ادا کردے۔ ملک العادل اور دیگر امرائے عساکر اسلام نے صلاح الدین کو سمجھایا کہ آپ اب صلح قبول کر لیجیے۔ بادشاہ انگلستان صرف اسلیے صلح کرنا چاہتا ہے کہ معاہدہ کی تکمیل ہوتے ہی جہاز پر سوار ہوکر اپنے وطن چلا جائے اور اگر آپ نے نامنظور کیا تو وہ یہیں پڑا رہے گا اور موسم سرما شروع ہوتے ہی واپسی کا رستہ رک جائے گا اور ہم بھی پورے سال تک لڑتے رہنے پر مجبور ہوں گے۔ سلطان نے بھی خیال کیا کہ واقعی نفقہ قریب قریب ختم ہوگیا ہے اور فوج بھی پریشان ہوگئی ہے صلح کر لینا بہتر ہوگا لیکن عسقلان کے لینے پر اُس نے اصرار کیا۔ رچرڈ صلح کا اسقدر خواہش مند تھا کہ اس نے عسقلان کو بھی چھوڑا۔ شرائط صلح طے ہوگئیں اور سلطان نے یوم شنبہ ۱۰ شعبان ۵۸۸ھ کو ایک دربار منعقد کیا تاکہ صلح نامہ کی تحریر اور بلاد صلیبیین کی حدبندی ہوجائے۔ یافہ اور اُسکے اعمال داخل حدود رہے لیکن رملہ۔ اللد۔ مجدل یابا کا ذکر حذف کردیا گیا۔ قیساریہ۔ ارسوف۔ حیفا اور عکہ اور اُنکے اعمال کو داخل کرلیا لیکن ناصرہ اور صفوریہ کو خارج کردیا۔ یہ تحریر کرکے کہ یہ اس حصۂ ملک کے حدود ہیں جو ہمارے قبضہ میں رہے گا۔ اگر ان شرائط پر صلح کرتے ہو تو بسم اللہ ورنہ میں سمجھوں گا کہ یہ سب ڈھکوسلا ہے۔ عسقلان کے متعلق یہ طے پایا کہ اسکی شہر پناہ مسمار کردی جائے اور بلاد اسمٰعیلیہ کا شمار بلاد اسلامی میں کیا جائے اور انطاکیہ اور طرابلس میں بھی صلح رہے۔ مسیحیین کو اجازت ہوگی کہ خوشی خوشی آکر بیت المقدس کی زیارت کریں کسی قسم کی اُن کو ممانعت نہ کی جائے گی۔ یہ قرار پایا کہ ۲۲ شعبان یوم چہارشنبہ کو صلح نامہ پر دستخط ہوجائیں۔ جمعیات رہبانیہ (یعنے جمعیت ہیکلیین اور جمعیت القدیس یوحنا المعمدان) اور تمام صلیبی امرا نے اس سے اتفاق کیا اور ہنری دی شامپانیا جو رچرڈ کا بھانجا اور بلاد سوریا کا حاکم مقرر ہوا تھا عیسائیوں کی طرف کا وکیل بنا اور امرائے سلطان میں سے ملک العادل اور افضل اور ظاہر وغیرہ نے مسلمانوں کی طرف سے وکالت کی اور تین سال آٹھ مہینہ کے لیے ۲۲ شعبان (مطابق یکم ستمبر

رچرڈ اور صلاح الدین دونون کی نگاہ مین ایک دوسرے کی فوجی قوت کی بڑی عظمت و منزلت تھی۔ ان مین جو خط و کتابت ہوتی وہ سچے بہادر سپاہیون کی طرح ہوتی اور جب صلح کا زمانہ آتا تو دو ستون کے مانند دونون مخالف قومین ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل جاتین کبھی دونون امیر ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھیجتے سلام و پیام اور مزاج پرسی کرتے۔ اور کبھی بڑے جوش و خروش کے ساتھ خونچکان گھمسان معرکون مین ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ خاص طور پر یون بیان کیا جاتا ہے کہ رچرڈ بخار مین مبتلا صاحب فراش پڑا تھا۔ سلطان کو خبر ہوئی تو اُس نے اپنی نیا ضانہ مہمان نوازی کا ثبوت اس طور پر دیا کہ ایک ظرف مین برف بھر کر اسکے پاس۔ واسکی جو اس ملک مین ایک بہت بڑی نعمت شمار کی جاتی تھی [۱]

(بسلسلہ صفحہ سابق) فریقین مین باہم صلح ہوگئی شرائط صلح جو منظور ہوئین انہین ایک شرط یہ بھی تھی کہ ملک العادل ملکہ جون سے شادی کرکے فلسطین کا بادشاہ بنایا جائے گا۔ خود رچرڈ نے جو آخری خط ملک العادل کو لکھا اسمین مذکور تھا کہ تمام عیسائی اسے بدنام کر رہے ہین کہ وہ اپنی بہن ایک مسلمان کے نکاح مین دے رہا ہے لیکن وہ پاپائے روم کی اجازت حاصل کرے گا اور اگر نہ ملی تو بجائے بہن کے اپنی بھانجی کو ملک العادل کے نکاح مین دے دیگا۔ لیکن اس مناکحت کی نوبت نہ آئی۔ صلاح الدین نے اسکے بعد بیت المقدس کا رخ کیا۔ اسکی شہر پناہ مضبوط بنوائی۔ ایک مدرسہ قائم کیا۔ کاروان سرائے اور شفا خانے تعمیر کرائے۔ اور ان کے اخراجات کے لیے جائدادین وقف کین۔ سلطان پورے ماہ رمضان تک یہین رہا۔ وزرے رکھے۔ حج کا بھی ارادہ کیا مگر امور مملکت نے اجازت نہ دی۔ ۵ شوال کو دمشق کی طرف روانہ ہوا اور جرد یک نامی ایک ترک کو اپنی طرف سے امیر بیت المقدس بنا کر چھوڑ تا گیا۔ راستہ مین بلاد تابیس۔ طبریہ اور بیروت وغیرہ پڑے جنکے استحکام کا حکم فرمایا۔ بیروت مین بوہمنڈ حاکم انطاکیہ نے حاضر ہو کر ملاقات کی جسے سلطان نے خلعت دے کر رخصت کیا۔ ۲۵ شوال کو دمشق پہونچا جہان اسکے استقبال کے لیے بیسی تیاریان کی گئی تھین اور لوگون کو ایسی خوشی تھی کہ سلطان کا داخلہ شہر مدتون تک یادگار رہا (از اخبار السنیہ فی حروب الصلیبیۃ تالیف سید علی حریری و کامل الاین اثیر و اسٹینلی لین پول)

[۱] وینی زاف جلد ۲ باب (۲۸) و تاریخ راجری ڈی ہاؤ ڈین صفحہ ۲۹۲ تاریخ انگلستان مترجمہ حسب الحکم مولوی سید علی بلگرامی مرحوم و مغفور مطبوعہ مطبع خبر رآصفی و اقع حیدرآباد (صفحہ ۸) مین صلاح الدین کی نیاضی کے واقعہ کو یون لکھا ہے "دستور ہے کہ جو بہادر ہین وہی بہادرون کے قدر دان ہوتے ہین۔ رچرڈ کی قدر جو صلاح الدین کو تھی وہ کسی کو بھی نہ تھی۔ جب رچرڈ کی بیماری کی خبر صلاح الدین کو پہونچی اُس نے دمشق سے نہایت تر و تازہ میوے اور پہاڑون پر سے برف جو وہان کسی کو میسر نہ تھی منگا کر رچرڈ کو بھیجی" اسٹینلی لین پول حیات صلاح الدین مین لکھتے ہین کہ "لڑائی کافی ہو چکی تھی اور کوئی نہین کہہ سکتا تھا کہ پورے پانچ سال اہل اسلام نے فوق العادت جرأت و ثبات کے ساتھ جنگ نہ کی۔ بادشاہ انگلستان کی بیماری نے صلاح الدین اور ملک العادل کے دلون کو نرم کر دیا جیسے صاف دل اور سپاہی منش مقابل کے

آخرکار ۵ ۲ اکتوبر ۱۱۹۲ء کو رچرڈ جہاز پر سوار ہو کر جانب یورپ[۱] روانہ ہوا۔ اس تیسری صلیبی لڑائی مین پہلی دو لڑائیون کے مقابلہ مین کم مذہبی جوش پایا جاتا ہے۔ رچرڈ کو جنگ پر آمادہ کرنے کا محرک اس کا شوق جنگ و مہمات حرب تھا جس پر کوئی شے غالب نہین آ سکتی تھی نہ کہ زہد و اتقا۔ دوسرے بادشاہ بھی جو اسکے شریک حال تھے سب اسی اثر سے متاثر تھے۔ شاید فریڈرک باربروسا صرف ایک شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مذہب کے اُن عقاید باطلہ سے متاثر تھا جو باعث و محرک جنگ سمجھے جاتے تھے۔ اس تیسری جنگ کے بہادرون کو دیکھ دیکھکر بجائے عظمت و رفعت کے ایک قسم کی حیرت ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تاریخی لوگ نہین ہین بلکہ بہادری و شجاعت کے کسی قصہ کہانی کے لوگ ہین اور اس کے نتیجہ پر اگر نظر کی جائے تو جہانتک فتح بیت المقدس سے تعلق ہے وہ بہت حقیر نظر آتا ہے۔ اس مین شک نہین کہ جو غایت اس مہم کی تھی وہ حاصل نہ ہوئی تاہم یہ ضرور ہوا کہ سلطنت لاطینی تباہی سے بچ گئی۔ اور فتوحات اسلام کی بڑھتی موجین رک گئین

(بسلسلۂ صفحۂ ما سبق) ساتھ ہمیشہ دوستانہ برتاؤ کرنے کے لیے آمادہ رہتا تھے شدت بخار کی حالت مین رچرڈ نے تسکین بخش میوہ جات منگولے اور صلاح الدین اسے برابر سیب اور ناشپاتیان اور تازگی بخش کوہستانی برف بھیجتا رہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ملک العادل کو بادشاہ کی نازک حالت سے بہت صدمہ تھا (رچرڈ ڈیویزیز کرانیکان صفحات ۹۲ - ۸۸) بیمار بادشاہ کے خیمہ پر اسکے جانے کا ایک دلچسپ واقعہ یون بیان کرتا ہے:- "اسی اثنا مین اپنے معمول کے موافق ایک شخص سیف الدین نام بادشاہ سے ملنے کو آیا۔ یہ صلاح الدین کا بھائی نہایت خلیق و دانشمند اور ایک پرانا سپاہی تھا جسنے بادشاہ کی فراخ حوصلگی و فیاضی نے اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ جب بادشاہ کے ملازم کسی قدر کم مسرت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرتے اور اپنے آقا سے باتین کرنے کی اُسے اجازت نہ دیتے تو وہ کہتا کہ "مین دیکھتا ہون کہ تم لوگ نہایت رنج و غم کی حالت مین ہو۔ مین اسکی وجہ جانتا ہون میرا دوست تمھارا بادشاہ بیمار ہے اور یہی وجہ ہے جو تم مجھے اندر نہین جانے دیتے"۔ یہ کہکر اسکی آنکھون سے آنسو نکل آتے اور روکر کہنے لگتا "اے عیسائیون کے خدا۔ اگر تو واقعی خدا ہے تو ایسے شخص کو تکلیف مین نہین رکھے گا اور جس کی اس قدر ضرورت ہے اتنی جلد نہین مارے گا"۔ مسٹر اسٹینلی لین پول اسکے بعد لکھتے ہین کہ "یہ افسوس کی بات ہے لیکن یقینی ہے کہ بادشاہ کی بیماری کے زمانہ مین ملک العادل کبھی یافہ مین نہین آیا"

[۱] عکہ مین جہاز پر سوار ہونے کے بعد رچرڈ نے ساحل ارض فلسطین کو جو نظر سے غائب ہوتا جاتا تھا پھر کے آخری نگاہ حسرت سے دیکھا اور دونون ہاتھ پھیلا کر کہنے لگا "اے سب سے زیادہ پاک سرزمین تجھے مین اُس قادر مطلق کے سپرد کرتا ہون کاش خدائے جل و علٰے مجھے اتنی عمر دیتا کہ مین پھر واپس آتا اور تجھے بے دینون کے ہاتھ سے نجات دلاتا"۔ اس کا بیڑہ جو جہازون پر اسکی بی بی اور بہن سوار تھین پیشتر ہی روانہ ہو کے بخیر و عافیت جزیرہ صقلیہ پہونچا مگر وہ خود جس جہاز پر جداگانہ سوار ہو کر اپنے بیڑے کے پیچھے روانہ ہوا تھا وہ ایک مہینہ تک باد مخالف کے تھپیڑے کھانے کے بعد شہر کارفیو مین

اور عیسائی مملکت پھر اتنے سال کے لیے گرداب فنا میں پڑنے سے محفوظ ہو گئی۔ سب سے بڑا نتیجہ جو بظاہر اس سے

(بقیہ صفحہ ماسبق) جہاں اس نے چند تاجرانہ جہاز کرایہ پر لیے اور گوسا اور زارہ کی راہ لی۔ تھوڑی ہی مسافت طے کی تھی کہ طوفان سے سابقہ پڑا جس نے اسکے جہاز کو آسٹریا کے ساحل پر بلاد اکوئیلیہ اور وینس کے درمیان کسی جگہ پھینک دیا۔ یہاں اسکے لیے طرح طرح کے خدشے تھے۔ کانراڈ آف ٹائر کے خاندان والے کانراڈ کا قاتل سمجھتے تھے لہذا وہ اسکے دوست نہ تھے۔ بادشاہ فرانس اسکے بھائی جان سے ملا ہوا تھا۔ باربروسا کے بیٹے ہنری ہشتم کو جو شہنشاہ مغرب تھا اس سے اسلیے دشمنی تھی کہ وہ صقلیہ کے کانراڈ کا طرفدار ہو گیا تھا۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ رچرڈ نے یہ خیال کیا کہ میں زائرون کا بھیس کر کے اور داڑھی بڑھا کر روانہ ہوں گا تو ان سب خطروں سے بچ کے نکل جاؤں گا۔ قلعہ گورٹز (جو مینارڈ نامے کانراڈ کے ایک بھتیجے کے قبضے میں تھا) پہونچا تھا کہ سفر کی دشواریاں کم کرنے کے لیے اپنے رفیق سفر بالڈون کو جو بیتھیون کا رہنے والا تھا ایک یاقوت کی انگوٹھی دے کر مینارڈ کے پاس بھیجا کہ انگوٹھی اسکی نذر کرے اور یہ ظاہر کرے کہ ہم لوگ زائرین ہیں جو بیت المقدس سے واپس ہو کے اپنے گھر جا رہے ہیں اپنے اور ہیوغ نام کے ایک سوداگر کے واسطے پروانہ راہداری حاصل کرے۔ مینارڈ نے اس لعل کو غور سے دیکھا اور سوچ کے کہا کہ ایسا جواہر تو صرف کسی بادشاہ کے پاس ہو سکتا ہے اور جس بادشاہ کا یہ جواہر ہے وہ انگلستان کے بادشاہ رچرڈ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس سے جا کے کہو کہ بلا تکلف میرے پاس چلا آئے اور کسی بات کا اندیشہ نہ کرے۔ رچرڈ نے اسکے اس وعدہ کا اعتبار نہیں کیا اور راتوں رات بھاگ کھڑا ہوا۔ بالڈون اور سات آدمی جو اسکے ساتھ سے رہ گئے تھے گرفتار کر لیے گئے اور ضامن کی حیثیت سے حراست میں رکھے گئے۔ رچرڈ فریساش تک پہونچا تھا کہ اسکے چھ اور رفیق گرفتار ہو گئے۔ اگرچہ خود رچرڈ ایک نائٹ اور ایک لڑکے کو جو اس ملک کی زبان جانتا تھا ساتھ لے کر نکل گیا۔ شہر اربرگ میں جو ویانا کے قریب تھا اس نے لڑکے کو بازار بھیجا جس نے عام لوگوں کے سامنے خرید و فروخت وغیرہ میں اسقدر زیادہ روپیہ صرف کیا کہ گرفتار کر لیا گیا اور جب اسپر زیادہ سختیاں کی گئیں تو اس نے اپنے آقا (یعنے رچرڈ) کا نام صاف طور پر قبول دیا۔ اب کیا تھا ایک مسلح فوج نے اس مکان کو جس میں رچرڈ تھا گھیر لیا مگر پھر بھی رچرڈ نے یہ کہا کہ سوائے تمھارے سردار کے میں اپنے تئیں کسی اور کے سپرد نہ کروں گا۔ یہ سنتے ہی سردار فوج اسکے گرفتار کرنے کے لیے آ پہنچا۔ یہ سردار لیوپولڈ تھا جس کے دل میں غالباً یہ بات آئی ہو گی کہ انتقام کا مزہ اٹھالے اور رچرڈ نے ارض فلسطین میں جو کچھ اسکے ساتھ کیا تھا اس کا بدلہ لے لیکن ساٹھ ہزار پاونڈ لے کر وہ اس ارادہ سے باز آ گیا اور رچرڈ ہنری ہشتم کے ایک قیدی کی حیثیت سے ٹائر ولیس نامے ایک قصر میں بند کر دیا گیا جس پر سخت پہرا مقرر تھا۔

اسکی اسیری کا حال سن کر اسکی عام رعایا کو تو رنج ہوا لیکن اسکے بھائی جان اور فلپ آگسٹس بادشاہ فرانس کو بڑی خوشی ہوئی۔ جان نے تو تاج و تخت کا دعویٰ کیا اور لڑنے کو تیار ہو گیا لیکن ایک ہی شکست کھا کر مہلت جنگ منظور کر لی۔ فلپ نے نارمنڈی پر فوج کشی شروع کر دی مگر روئین تک پہونچ کر اس نے بھی فاش شکست کھائی۔

پیدا ہوا وہ اسکے عظیم الشان ہیرو کی فوجی شہرت تھی جس کا نام ایک صدی تک مشرق کے لیے ہوّا سمجھا جاتا تھا۔

(نوٹ بسلسلہ صفحہ ماسبق) آخر کار شہر ایلانی کے اسقف اعظم اور انگلستان کے اعلیٰ عہدہ دارو ... ولیم لانگ چیمپ کو پتہ لگ گیا کہ رچرڈ کہان قید ہے یا جیسا کہ کہانیوں مین بیان کیا گیا ہے خود اسکے گویے بلانڈل نے پتہ لگایا۔ فوراً پوپ سے التجا کی گئی کہ درمیان مین پڑکر اُسے رہائی دلائین۔ شہر بلوائے پطرس اور شہر ... کے مقتدائے دین نے پوپ سیلسٹین ثالث کو جاکے یاد دلایا کہ رچرڈ ایسے حامی دین مسیحی کے اسیر کیسے کیسے حقوق ہین۔ بعد اس کے ذریعت رچرڈ کی ماں ایلینر نے بھی پوپ کو ایسے مضمون کا ایک خط بھیجا جس مین اپنی ماتا کے جوش مین وہ حد اعتدال سے بہت تجاوز کر گئی تھی۔ اسکی تحریر مین وہ جوش تھا جو ایلیاہ نے اخاب کے مقابل، بپتسمہ دینے والے یوحنا نے شاہ ہیروڈ کے مقابل اور اسکندر ثالث نے اس شہنشاہ کے باپ کے مقابل استعمال کیے تھے جس نے اپنی شرارت سے مسیحی دنیا کو آزار پہونچایا تھا۔ اس نے لکھا کہ "ادنیٰ ادنیٰ باتون کے لیے آپ کے درباری وحشی سے وحشی ملکون مین بھیجے جاتے ہین مگر اس امر اہم کے واسطے آپ نے کسی سب ڈیکن یا اپنے کسی زیر ماتحت کو بھی نہین مقرر کیا۔ اگر آپ خود بھی رچرڈ کی رہائی کے واسطے چلے جاتے تو آپ کے لیے کوئی کسر شان کی بات نہ تھی۔ او لعنۃ والے خدا۔ اگر تو سچ مچ اللہ والا ہے اور جیون کا بنا ہوا پتلا نہین ہے تو میرے بیٹے کو مجھ سے ملادے۔ اگر آپ نے غفلت کی تو اسکے خون کی بابت خدا آپ سے جواب طلب کریگا۔" اسکے بعد اُس نے جو خطوط بھیجے اُن مین لکھا "آپ کی روح کو کیونکر قرار آتا ہے جبکہ آپ اپنے گلہ کی ایک بھیڑی کے بچے سے بہت اسقدر غافل ہین"۔ اسکے ساتھ یہ بھی لکھتی ہے کہ "جس شخص کے حق مین ایک کلمۂ خیر زبان سے نکالنا یا ایک نقطہ لکھ دینا بھی آپ گوارا نہین کرتے وہ ایسا شخص ہے کہ آپ کو اُسکے لیے اپنی جان تک دینے پر آمادہ ہونا چاہیے"۔ سچ تو یہ ہے کہ پوپ سیلسٹین کو خود بھی ... بہت جوش تھا مگر مصلحت وقت دیکھکر وہ اس جوش کو اس وقت تک ظاہر نہین کرنا چاہتا تھا جبتک کہ رچرڈ کو آزادی نصیب ہوجائے۔

آخر کار تقریباً چار مہینے کے بعد رچرڈ کا مقدمہ ہینیجنو مین کونسل کے سامنے پیش ہوا۔ ممکن تھا کہ اسیر بادشاہ یہ عذر کرتا کہ عدالت میرے مقدمہ کا فیصلہ کرنے کی لیاقت نہین رکھتی لیکن اُس نے ایسا نہین کیا بلکہ اسپر جو الزامات لگائے گئے تھے اُنکے ایسے معقول جواب دیے کہ ججون کو اُسکی بیگناہی کا یقین آگیا۔ اور شہنشاہ مغرب اس بات پر راضی ہوگیا کہ کچھ روپیہ وصول کرکے اُسے چھوڑ دے یہ روپیہ رعایا پر نئے نئے ٹیکس باندھکر فراہم کیا گیا مگر پھر بھی یہ خوف لگا رہا کہ کہین ایسا نہو کہ جان اسکے بدستور گرفتار رکھنے کی رشوت مین اس سے زیادہ رقم دینے پر آمادہ ہوجائے۔ اس صاف دل اور معزز شہزادے (جان) نے ہنری ششم (شہنشاہ مغرب) کے پاس پیام بھیجا تھا کہ اگر رچرڈ نہ چھوڑا جائے گا تو مین اسکے زمانہ گرفتاری بھر مین ہزار پاونڈ ماہوار کے حساب سے ایک معتدبہ رقم آپ کو دیتا رہون گا لیکن جرمنی کے قلعہ دارون مین اب صبر کی تاب نہین باقی رہی تھی اور شہنشاہ نے خیال کیا کہ اب اس سے زیادہ زمانہ تک رچرڈ کو قید رکھنا خالی از وقت نہین ہے پس رچرڈ چھوڑ دیا گیا۔

بعضے یہ کہتے ہین کہ رچرڈ کو بلانڈل شاعر چھڑا لے گیا تھا مگر یہ بات خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ جب رچرڈ انگلستان مین پہونچا فوراً لشکر کی تیاری کا حکم دیا کہ جاکر فلپ بادشاہ فرانس کی گوشمالی کرے اسلیے کہ باوجود عہد و پیمان کرنے کے اُسنے

حتی کہ عورتیں جب بچوں کو ڈرانا چاہتیں تو صرف یہ کہدیتیں کہ وہ دیکھو رچرڈ آرہا ہے[۱]

(نوٹ سلسلۂ صفحہ سبق) رچرڈ کی غیبت میں اسکے ساتھ بدی کی۔ فرانس میں جاکر رچرڈ نے قلعہ سے لڑائی ڈالی۔ لڑتے لڑتے ایکمرتبہ قلعہ پر سے کسی شخص نے نشانہ تاک کر ایک تیر ایسا مارا کہ بادشاہ کے شانہ چھد گیا اور ایسا زخم کاری کھایا کہ بمجبوری خیمہ گاہ پر پھر آنا پڑا اور یہ حالت ہوگئی کہ لوگ اسکی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ قلعہ تو مفتوح ہو ہی چکا تھا۔ فوج انگریزی اندر داخل ہوئی اور جس شخص نے بادشاہ کو تیر مارا تھا گرفتار کرلیا گیا۔ اور قتل عام شروع ہوگیا۔ قلعے کے لوگوں میں سب کو پکڑ پکڑ کر پھانسی دینے لگے۔ غرض جب وہ شور و ہنگامہ موقوف ہوا اور سبھوں کے ہوش و حواس بجا ہوے۔ دیکھا تو بادشاہ کا برا حال ہے۔ جب رچرڈ نے دیکھا کہ میں بچتا نظر نہیں آتا اپنے قاتل کو طلب کیا۔ لوگوں نے پابزنجیر کرکے اسکو حاضر کیا۔ رچرڈ نے بغور اسکی طرف دیکھا۔ اس نے بھی اسی نگاہ سے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ بادشاہ نے کہا او مکار میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو میری جان کے پیچھے پڑا۔ میری جان لینے سے تجھکو کیا حاصل ہوا۔ اس شخص نے جواب دیا میرا تو تو نے کیا بگاڑے گا مگر میرا باپ اور میرے دو بھائی تیرے ہاتھ سے مارے گئے ہیں۔ میں تو اپنی جان سے ہاتھ دھوے ہوے بیٹھا ہوں۔ مجھکو تو پھانسی ضروری ہوگی جس طرح تیرا جی چاہے میری جان لے لیکن میں یہ خوب جانتا ہوں کہ تیری جان بھی بچنے کی نہیں جتنی چاہو مجھپر زیادتی کرو کچھ غم نہیں بفضل اللہ کو تیرے ہاتھ سے نجات تو ملی۔ بادشاہ نے پھر غور سے سر تا پا اس نوجوان کو دیکھا۔ اس نے بھی پھر پہلے کی طرح بادشاہ کی طرف دیکھا۔ بادشاہ کو اس وقت کچھ یاد صلاح الدین سلطان ترک کی آئی اور خیال کیا کہ باوجودیکہ وہ مسلمان تھا لڑائی نہ تھا لیکن ایسا فیاض۔ ذی مروت اور صاحب اخلاق تھا کہ مرتے دم تک چہرہ اسے نہیں بھولا اور اپنے قاتل سے کہنے لگا کہ خیر میں نے تیری خطا معاف کی اور اپنے ارکان دولت سے ایک کو حکم دیا کہ اسکی بیڑیاں کٹوا دو اور پچاس روپیہ اسے دے کر رخصت کرو۔ بس یہ کہا اور بیہوش ہوگیا آنکھوں میں اندھیرا آنے لگا۔ ایک بیہوشی سی طاری ہوئی اور دم بند ہوگیا۔ بیالیس برس کی عمر میں دس برس سلطنت کرکے ۱۱۹۹ء میں اسنے قضا کی۔

رچرڈ کے کارناموں میں سب سے زیادہ نفرت انگیز ان مسلمانوں کا قتل ہے جو عکہ میں بطور ضمانت اسکے پاس موجود تھے۔ بہاؤالدین

اور راجر آف ہاوڈین نے اس قتل کی تاریخ ۲۰ اگست یوم سہ شنبہ بیان کی ہے لیکن شاہ رچرڈ کے روزنامچہ نگار نے ۱۲ اگست بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "باستثناء چند معزز قیدیوں کے جنھیں شاید بعد میں رہا کردیا جاتا یا عیسائی قیدیوں سے مبادلہ کرلیا جاتا باقی تمام لوگوں کے جو بطور یرغمال موجود تھے قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ بادشاہ رچرڈ نے جو ہمیشہ ترکوں کو برباد کرنے۔ دین محمدی کو تباہ کرنے۔ مذہب عیسوی کی حمایت کرنے کا خواہشمند رہتا تھا عید استقبال دیکھنے وہ عید جو حضرت مریمؑ کے جنت میں جانے کی خوشی میں عیسائی کرتے ہیں) کے بعد جمعہ کے دن حکم دیا کہ دو ہزار سات سو ترک جو رول میں ہیں انھیں شہر کے باہر لیجا کر قتل کیا جائے اس حکم کی تعمیل میں کوئی تامل نہیں کیا گیا اور بادشاہ کے ملازمین حکم شاہی کے بجالانے کے لیے دوڑ پڑے اور خداے ارحم الرحمین کا شکر کرتے جاتے تھے کہ اس نے ان عیسائیوں کا بدلہ لینے کا انھیں موقع دیا جنھیں انھیں قیدیوں نے تیروں اور منجنیقوں سے قتل کیا تھا (سٹر کاکس کی حروب صلیبیہ۔ ترجمہ تاریخ انگلستان حسب الحکم سید علی بلگرامی مرحوم۔ لین پول کی کتاب حیات صلاح الدین۔ روزنامچہ رچرڈ شیر دل)

[۱] سر جارج ڈبلو کاکس ایم اے اپنی کتاب حروب صلیبیہ (کروسیڈز) میں اس تیسری جنگ کے اختتام پر لکھتے ہیں کہ وہ اصل غرض

باب ششم

(محاربات چہارم و مابعد ۱۱۹۲ء تا ۱۲۷۱ء)

جنگہائے صلیبی کی شان و شوکت اب زوال پذیر ہونی شروع ہوئی۔ تاہم کچھ نہ کچھ جوش و خروش کبھی یہاں ایک قوم میں کبھی وہاں کسی دوسری قوم میں ایک عظیم الشان آگ کی دبی ہوئی چنگاریوں کی طرح بھڑک اٹھتا نظر آجاتا تھا لیکن یہ آگ ایسی نہ تھی جو عالمگیر ہوتی اور تمام قلوب اس سے مشتعل ہو جاتے جنگہائے صلیبی میں صرف پانچ محاربات کا تذکرہ اور باقی ہے جسے ہم مختصراً اس باب میں ختم کیے دیتے ہیں۔ انکے مفصل حالات پر اگر نظر ڈالی جائے تو یکساں نظر آئیں گے اس لیے اس مختصر سے بیان میں ناظرین کو سادے سودے ایک سے حالات کم نظر آئیں گے اور عدم دلچسپی کی زیادہ شکایت نہ کرنی پڑے گی۔ بہرحال ہماری کوشش یہ رہے گی کہ جہانتک ہو سکے ان محاربات کے صرف ممتاز واقعات کا ذکر کیا جائے۔

محاربۂ چہارم :- رچرڈ سے صلح کرنے کے بعد سلطان صلاح الدین بہت دن زندہ نہیں رہا۔ بائیس برس

(بسلسلۂ نوٹ صفحۂ ماسبق) حاصل ہوتا تو ورکس ... کی بدولت بہت سے اچھے اچھے موقع جو ہاتھ آگئے تھے وہ بھی ضائع کر دیے گئے ہاں ذلت البتہ اسقدر نصیب ہوئی کہ پہ جو شرف یہ جوش مسیحیوں کو بھی اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب پھر اس بارہ میں کوشش کرنا سراسر حماقت ہی حماقت ہے۔ ساحل کی بہت سی زمین جس کی دونوں حدوں پر دو مفید شہر آباد تھے آئندہ کے واسطے میدان جنگ قرار پا سکتی تھی اور ان اندرون کے مٹانے کی بہت کوشش کی گئی جن کا خیال سلطان صلاح الدین کو طبریہ اور بیت المقدس کی فتح کے بعد ہی سے پیدا ہو گیا تھا جب زائرین صلح کے بعد زیارت بیت المقدس کو گئے ان میں بشپ آف سالسبری بھی تھا جو سلطان کا مہمان ہوا اور خود صلاح الدین کی زبان سے اس نے رچرڈ کی بہادری کی تعریفیں سنیں مگر سپہ سالاری کی حیثیت سے اسکی تعریف صلاح الدین نے نہیں کی۔ اس کے جواب میں مسیحی مہمان نے یہ کہا کہ ایسے دو نبرد آزما دنیا پھر نہیں پیدا کر سکتی جیسے کہ سلطان شام (صلاح الدین) اور شاہ انگلستان (رچرڈ) ہیں۔ (از حروب صلیبیہ مصنفۂ کاکس)۔

[1] تیسری صلیبی لڑائی اب ختم ہو گئی تھی پانچ سال کی حرب و پیکار کے بعد کچھ سکون ملا۔ جولائی ۱۱۸۷ء کے معرکۂ فتح حطین کے پہلے جسے اکثر مورخ معرکۂ طبریہ کے نام سے یاد کرتے ہیں نہر اردون (جارڈن) کے غربی جانب فلسطین کی زمین ایک انچ بھی مسلمانوں کے قبضے میں نہ تھی لیکن صلح رملہ کے بعد جو ستمبر ۱۱۹۲ء میں قرار پائی سب کی سب مسلمانوں کے پاس آگئی اور عیسائیوں کے ہاتھ میں صور (طائر) سے لے کر یافہ تک لمبا سا ساحل کا ٹکڑا رہ گیا۔ صلاح الدین کو اس صلح سے شرمندہ ہونے کی کوئی وجہ بھی جو کچھ ملک صلیبیوں نے فتح کیا تھا اسکا بہت زیادہ حصہ عیسائیوں کے قبضہ میں بیشک باقی رہا لیکن اسکے لیے جو قیمت ادا کرنی پڑی اسکے مقابلہ میں نتیجہ بالکل بے حقیقت تھا۔ پاپائے روم کے ابھارنے سے تمام عیسائی ابھرے تھے یعنی شاہنشاہ جرمنی۔ بادشاہان انگلستان

مصر پر حکومت کر کے اور انیس[19] سال ملک شام پر تنہا بادشاہت کرنے کے بعد پچپن سال کی عمر میں وفات پائی

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) فرانس و سقلیہ - بیو یولنڈ ایبرآ سٹریا - نواب ڈیوک برگنڈی اور نواب کاؤنٹ فلانڈرس اور بیکر مون مشہور امیر و بہادر نائٹ جو تمام قومون میں سے انتخاب ہو کر جمع ہوے تھے بادشاہ و رمیان فلسطین واخوان جمعیات کلیسین ضیافت الغربا کے ہمدم و شریک حال ہوے تھے تاکہ بلد مقدس کو مسلمانون کے ہاتھ سے نکال لین لیکن گو کہ دوبارہ سلطنت یروشلیم کو پھر قائم کر دین اور اسی کوشش میں شاہنشاہ کا انتقال ہو گیا بادشاہ اپنے اپنے وطن چلے گئے اور انکے شریف ترین اور راسخ متبعین کی لاشین ارض مقدس مین زیر زمین دفن ہو گئیں لیکن یروشلیم جیون کا نیون صلاح الدین ہی کے قبضہ مین رہا اور اسکے محض خطابی بادشاہ کے پاس عکہ کی صرف ایک خفیف سی سلطنت باقی رہ گئی -

تمام ممالک عیسوی کی قوتون سے حرب سوم کے موقع پر ایک جگہ مجتمع ہو کر کوشش کی لیکن صلاح الدین کی قوت کو کچھ صدمہ نہین پہونچا سکین - ممکن ہے کہ اسکے سپاہی اس بیحد مشقت اور خطرناک نوکری کی ہر سال شکایت کرتے ہون لیکن جب کبھی وہ انھین جنگ کے لیے اور اس مہم میں جانے پر قربان کرنے کو طلب کرتا تو وہ کبھی انکار کرتے یہ ممکن ہے کیا سکے باجگذار رئیس دور دراز وادیہاے دجلہ مین یہ شکایت کرتے ہون کہ سلطان کو انکی ہر وقت ضرورت رہتی ہے لیکن وہ ہمیشہ اپنے ہمراہیون کو لے کر جنگ کے موقعہ پر موجود ہو جایا کرتے اور ... کے اخیر معرکہ کی جنگ مین یہ موصل ہی کے دستہ ہاے فوج تھے جنھون نے اپنی شجاعت و مردانگی کا سکہ بٹھا دیا - ان تمام تھکا دینے والی جنگون مین صلاح الدین ہمیشہ اپنی مصری اور میسوپوٹیمیا کی فوج پر اسی قدر اعتبار کرتا جس قدر کہ شمالی اور وسطی سوریا کی فوج پر اسے بھروسہ تھا - کرد - ترکمان - عرب - اور مصری سب کے سب مسلمان تھے اور جب وہ طلب کرتا تو فوراً لبیک کہکر حاضر ہو جاتے - باوجودیکہ انکی اقوام مختلف تھین - قومی رشک بھی تھا اپنے اپنے قبیلہ کی غیرت بھی تھی لیکن اسکے علم کے تلے سب کے سب متحد اور ایک فوج بنے ہوے تھے - اسمین شک نہین کہ اس کوشش مین اس کو بہت دقتون کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور دو تین مرتبہ تو واقعی حالت نازک ہو گئی تھی - لیکن اگر یافہ کے موقعہ جنگ سے انکے انکار کو قطع نظر کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۲ء کے موسم خزان مین وہ سلطان کی سرکردگی مین اسی طرح کی ایک متحد فوج تھے جیسے کہ اس وقت تھے جبکہ ۱۱۸۷ء مین خدا کی راہ مین جنگ کرنے کے لیے اس نے انھین بلایا تھا - ایک صوبہ بھی اتنی مدت مین اسکے ہاتھ سے نہین نکلا اور ایک افسر یا رئیس نے بھی بغاوت نہین کی گو کہ جس قدر ان سے کام لیا جاتا تھا اور جن جن طریقون سے انکی وفاداری اور تحمل کا امتحان کیا جاتا تھا وہ ایسے تھے کہ دیوزادون کی طاقت کو بھی پانی کر دیتے - خود اپنے قبیلہ کی ایک شہزادی کی خفیف سی سرتابی جو میسوپوٹیمیا مین وقوع مین آئی تھی اور جسے سلطان نے مجبوراً معاف کر دیا اس بات کی تنہا دلیل ہے کہ صلاح الدین کا کس قدر قوی اثر اپنی رعایا پر تھا - جب کہ اس پنج سالہ جنگ کی تکالیف اور دقتین ختم ہو گئین اس وقت بھی وہ کردستان سے لے کر صحراے لیبیا (Cyrenaica) تک پھیلے ہوے ممالک کا تنہا حاکم تھا اور اس سرحد سے بہت دور دور کے بادشاہ و والیان ملک مثلاً شاہ گرجستان - شاہ ارمن - سلطان قونیہ اور شاہنشاہ قسطنطنیہ اس بات کے خواہشمند تھے کہ اسے

گلستان

الناظر

جامیست جہان نمائے ہر صفحہ درین

۱۳۲۷ھ

قسم اول

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک ؏

الناظر پریس واقع خیالی گنج لکھنؤ میں طبع ہو کر
دفتر رسالہ الناظر قلاوہ نظر لکھنؤ سے شائع ہوا

قیمت فی پرچہ ۴؍

امرت انجن

یعنی

انڈین پین بام



درد سر۔ اعصابی درد۔ بائی۔ موچ۔ چوٹ اور ہر طرح کے درد کا

مجرب علاج

پھوڑے پھنسی کے گیہوں کا مرہم

قیمت صرف ۸ر

قیمت ۱۲ر

امرت انجن

Amrutanjan

109

الناظر

نمبر ۴۶ جلد ۸ — یکم اپریل سنہ ۱۹۱۳ء

نذرِ عقیدت

یون تو مرا نجم بخت اوج پہ مدت سے تھا آج ہوا ہے مگر نقطۂ وسط السما

جب الناظر جاری کیا گیا ہے تو یہ کبھی وہم و گمان مین بھی نہین آسکتا تھا کہ باین بے بضاعتی و بے مایگی ہمارے مساعی اس درجہ سرسبز و بارآور ہون گے کہ چند سال کے بعد ہی ہز اکسلنسی یمین السلطنتہ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر جی۔سی۔آئی۔ای پیشکار حضور نظام خلد اللہ ملکہ وحشمتہ کے سے علم دوست اور سخن سنج رئیس کے آستانۂ دولت پر الناظر کو فخر جبین سائی نصیب ہوگا۔ لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حال ہی مین ہمین یہ قابل فخر عزت بغیر کسی قسم کی تحریک و کوشش کے حاصل ہوگئی ہے۔ جسے ہم محض تائید ایزدی سے تعبیر کرسکتے ہین۔

یقیناً ہمارے تمام مخلص دوستون کے لیے یہ خبر نہایت مسرت انگیز اور محظوظ کن ہوگی کہ ہز اکسلنسی مہاراجہ پیشکار بہادر نے ہماری ناچیز خدمات کے اعتراف مین اپنی ایک نہایت ہی لطیف و پاکیزہ نظم بھی مرحمت فرمائی ہے (جو صفحات ذیل کی زینت افزائی کے لیے دلی عقیدت و شکریہ کے ساتھ درج کی جاتی ہے) اور آئندہ کے لیے اس سلسلہ کو قائم رکھنے کا وعدہ فرما کر تو ہز اکسلنسی نے ہمین خاص طور پر گردیدۂ احسانات بنالیا ہے۔

عالی جناب مہاراجہ صاحب بہادر کو ادب اُردو سے جو گہری دلچسپی ہے اُس سے ملک کے تمام اصحاب نظر پوری طرح واقف ہین۔ اور جو حضرات رقعات شاد۔ چنچل ناز اور ہز اکسلنسی کے کلام بلاغت نظام سے وقتاً فوقتاً کام آشنا ہونے کی عزت حاصل کرچکے ہین۔ وہ جناب موصوف کے ذوق انشا پردازی اور کمال قادر الکلامی کا صحیح اندازہ کرسکتے ہین۔

ہم جناب مہاراجہ صاحب بہادر کی اس ذرہ نوازی اور قدر دانی پر نہایت خلوص اور جوش سے اظہار تشکر و امتنان کرتے ہین۔ اور ہمین امید ہے کہ جملہ ناظرین و بہی خواہان الناظر اس "نذر عقیدت" مین ہمارے ہم آہنگ ہوکر تحسین و آفرین کے نعرے بلند کرینگے۔

ارادت کیش

اسحق علی (ظفر الملک) علوی ایڈیٹر الناظر



اُمید

کہتے ہین اُمید جسکو دل کی وہ محبوب ہے — سب کی یہ مطلوب ہے اور سب کو یہ مرغوب ہے
شاد دل کو کرنیوالی ہے جہان کی یہ اُمید — گدگدانے والی ہے شوقِ نہان کی یہ اُمید
بیکسی کی آشنا ہے اور خلوت کی رفیق — اور معذوری و مجبوری کی ہے مشفق شفیق
مزرعِ دل مین جہان کے اسنے بویا تخم ہے — اور سب طفل و جوان بوڑھے کی جان کا تخم ہے
چترِ شاہی کی تمنا اور فقیری کا مزا — کفر و ایمان کا خیال اور دل مین پھر خوف و رجا
ایک پل مین رونیوالون کو ہنسا دیتی ہے یہ — ہنسنے والون کو رُلا کر پھر لٹا دیتی ہے یہ
بول بالا ہے اسی کے دم سے ہر اک بات کا — نام باقی ہے اسی سے ساری موجودات کا
فتح کی تلوار ہے مردِ سپاہی کے لیے — تاج و طرّہ ہے یہی تو بادشاہی کے لیے
عاقلون کو اسکا دامن دامن مقصود ہے — ذات اسکی جاہلون کے واسطے معبود ہے
گرچہ طفلون کے لیے بازیچۂ اطفال ہے — ہان جوانون کے لیے یہ تاجِ با اقبال ہے
اور ضعیفون کے سہارے کے لیے ہے یہ عصا — عارفون کے واسطے ہے دل کا یہی مدعا
قدردان ہین انبیا بھی اولیا بھی مستدام — اسکی عزت کرتے ہین لاریب سارے خاص و عام
تیرے قربان تیرے صدقے اے مری پیاری امید — دم قدم سے تیرے ہی ہے دل کی دلداری امید
یاد آئی جب تری ہر ایک کا دل خوش ہوا — ناامیدی جب ہوئی تجھ سے تو پھر رویا کیا

جب خیال آیا ترا ہمت کو بھی طاقت ہوی
ورنہ کیا تھا دل کی حسرت اور بھی کچھ بڑھ گئی

نام کے لینے سے تیرے کھل گئی دل کی کلی
اور جو مایوسی ہوی پھر کھل کے وہ مرجھا گئی

بزم تنہائی کی توہی مونس و غمخوار ہے
صرف استقلال تیرے واسطے درکار ہے

اے امید آشنا بتا تو کون ہے بجز خدا
دل ہی تیرا ہے مکان یا اور ہے اسکے سوا

یاد آتی ہی نہین ناکامیان گزری ہوی
خیر مقدم کہیے تیرا سوجھتی ہے بس یہی

ہاے وہ حسرت بھری گزری ہوی ناکامیان
محو کیونکر ہوگئین کچھ ہو نہین سکتا بیان

زندگی دھوکے مین گزری کچھ نہین اسکا خیال
چند لمحون کی خوشی ہے اور ہمیشہ کا وبال

اچھے اچھون کا مگر ہان امتحان کرتی ہے تو
پاس اس مین جو ہوا اسکو کامران کرتی ہے تو

راہ مقصد کی مگر ہان تو ہے خضر راہبر
جس نے تجھ سے مُنہ کو پھیرا اسکو بیشک ہے خطر

تیرا دامن جس نے پکڑا اسکو بس عزت ملی
جس نے چھوڑا تیرا دامن اسکو بس ذلت ملی

جو کوئی پس پس کے تیری آنکھ کا سرمہ بنا
وہ ہی منظور نظر سارے جہان کا ہوگیا

خاک ہے تیری گلی کی سُرمۂ چشم وفا
ہے غبار عرصۂ حشر انکو جو ہین پُرجفا

حاکمون کو جاہ کر دیتی ہے تیری سرفراز
گرچہ تیری ذات مستغنی ہے اور ہے بے نیاز

دلفگارون کے لیے ہے ایک تو ہی چارہ گر
دردمندون کے لیے ہے مرہم درد جگر

دوڑ جاتی ہے رگون مین سیر کر آتی ہے تو
کل وجود چار عنصر کی خبر لاتی ہے تو

عاشقون کے واسطے ہے تو ہی شمع انجمن
تجھ سے ہی سرسبز ہین انکے دلونکے سب چمن

مثل یوسف ایک تو ہے اور گاہک بیشمار
ہے مثل مشہور جیسے صد مریض و یک انار

گو کہ تو رہتی ہے چھپکر ہر کسی کے دل مین ہے
ہان اگر لیلا سی تو مجنون کے پیراہن مین ہے

اس طرح تو آب بن کر دانۂ گوہر مین ہے
جس طرح سے عکس نشۂ دلربا ساغر مین ہے

دیکھنے کو ایک قطرہ بھی نہین ہستی تری ‏— اوج پر ہے چرخ کے مانند یہ پستی تری

آسمان پر نگہی ہے تو گھٹا چھائی ہوی ‏— قعر دریا مین گہر کی آبرو پائی ہوی

دلربا ہے نغمہ تیرا جانفزا تیری صدا ‏— شاد رکھے اے امید باوفا تجھکو خدا

نور ہے آنکھون کا سب کی ورد دل کا ہے سرور ‏— مردم دیدہ ہے انسان کی ہے یا جنت کی حور

اُسکے دل سے کوئی پوچھے قدر تیری اے امید ‏— جانتا ہے جو شب فرقت کو اپنی روز عید

ہے دلون کی منزلون مین سب جگہ رکھی ہوی ‏— تیرہی ہے چارسو عالم مین تیری روشنی

پیاری صورت والی ہے تو موہنی مورت ہے تو ‏— جو کہ ہین اہل نظر اُنکے لیے حیرت ہے تو

جسکے دل مین بس گئی تو نور اک چمکا گئی ‏— یاس کی دیکھی جھلک جس نے اندھیری چھا گئی

آنکھ سے فرط خوشی مین اشک نکلا کرتے ہین ‏— حسرتین چلاتی ہین دل مین کہ بس ہم مرتے ہین

ہر طرح سے گو کہ خوش آیند ہے دل کی امید ‏— زندگانی کو کرون کیا تو ہی کہہ میری امید

عمر ہے تھوڑی بشر کی عمر تیری ہے دراز ‏— تو ہی کچھ تدبیر بتلا مہربان و دل نواز

تو نے دل مین حشر گویا اور برپا کر دیا ‏— آخرت کا اسمین کھٹکا ہاے پیدا کر دیا

گو مہیا ہر طرف سے عیش کے سامان ہین ‏— ولے حسرت دو ہی دن کہ ہم یہان مہمان ہین

آرزوئین روز افزون ہوتی جاتی ہین مگر ‏— یان کسی کو روز فردا کی نہین اصلا خبر

تو تو بیشک شکل اپنی رات دن دکھلائیگی ‏— کیا خبر ہے زندگانی کل کہان لیجائے گی

بیکسی پر بیکسون کے گرچہ تو تو رو گئی ‏— ناامیدی کی سیاہی دل سے بیشک دھو گئی

ہان مگر ہے دل پہ ہیبت موت کی چھائی ہوی ‏— زندگی انسان کی ہے اک موج لہرائی ہوی

ناامیدی کفر ہے لاتقنطوا کو یاد کر

شاد خوش ہو دل کے ویرانے کو پھر آباد کر

نمبر ۴۶ جلد ۸ — الناظر — یکم اپریل سنہ ۱۹۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمدن عرب مصنفۂ موسیو سدیو

گذشتہ نومبر مین جب ہم نے شفیقی مولوی عبدالحق بی اے کا وہ گران مایہ مضمون نذر ناظرین کیا ہے جو علامۂ بلگرامی کی کتاب تمدن ہند کے ساتھ مقدمہ کی صورت مین شایع ہوگا تو جس مقام پر مولانا نے مولوی سید علی کے تراجم شمار کراتے ہوے موسیو سدیو کی کتاب کا ذکر کیا وہان ہم نے فٹ نوٹ کے ذریعہ سے ناظرین الناظر کو یہ خوشخبری سُنائی تھی کہ وہ جلد اس سے مستفید ہو سکین گے۔

آج ہم اس کتاب کا دیباچہ یا مقدمہ درج ذیل کرتے ہین۔

عربی مین جو خلاصہ اس کتاب کا شایع ہوا تھا جس کا تذکرہ مولوی عبدالحق صاحب نے کیا ہے اسکو ایک بزرگ نے اردو مین ترجمہ کردیا ہے اور اگر علامۂ بلگرامی کے ترجمہ کی اشاعت نہو سکی تو پھر اسی خلاصہ کا ترجمہ (جو ہمارے پاس موجود ہے) شایع کردیا جائے گا۔ اس عرصہ مین ناظرین الناظر کو کبھی کبھی اسکے بعض حصص سے لذت شناس ہونے کا موقع ملے گا۔

مقدمہ مصنف

بیس پچیس سال سے میرا یہ دستور ہوگیا ہے کہ مین ہمیشہ عربون کے اُن وسیع علوم اور ترقی یافتہ فنون کا ذکر کیا کرتا ہون جو انھون نے موجودہ اہل فرانس کی دولت سے پہلے اور شہر سکندریہ واقع مصر کے یونانیون کے بعد قرون متوسطہ مین حاصل کیے تھے۔ اب مین نے یہ مناسب تصور کیا ہے کہ مین اُس قوم کے حالات جو فرانسیسیون کے نزدیک مدت ہاے دراز سے حقیر و ذلیل سمجھی جاتی ہے اجمالاً بیان کردون۔ اور جو دوسرون نے اُنکے حالات لکھے ہین

تھے اپنے جمع کیے ہوے واقعات کو اُن سے مقابلہ کرکے دکھادون- تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ مین ہی وہ شخص ہون جس نے اخبار عرب کی تاریخ سب سے اول لکھی ہے- ہان یہ بات تو بیشک صحیح ہے کہ یہ بڑا وسیع میدان ہے- اور ایک شخص واحد کی طاقت سے یہ بات کہین بڑھکر ہے- کہ اُنکی تاریخ پوری پوری لکھ سکے-

قبل اس کے کہ اصل مقصد کو شروع کیا جائے وہ باتین ہمین بیان کردینا لازم ہین جن سے ناظرین کو قوم عرب کا علو شان اور عظمت و جلال معلوم ہو جائے جس نے دوسرے ملکون کو فتح کیا تھا حالانکہ کوئی دوسرا شخص اُسکے ملک پر کبھی قابض و دخیل نہوا- اور جو چار ہزار برس سے اخلاق جمیلہ اور خوائد جلیلہ سے متصف چلی آتی ہے-

جس زمانہ مین کہ دنیا مین سب سے اول حکومتین پیدا ہوئین اُس زمانہ مین یہ قوم عرب اپنے امور مملکت کی خود مختار اور منتظم تھی- اور اپنے پاس پڑوس کی قومون پر تاخت و تاراج کے واسطے موجود رہتی تھی- چنانچہ سنہ عیسوی سے اُنیس سو برس قبل عربون نے ملک مصر اور بابل پر قبضہ حاصل کر لیا تھا- پھر اُنکے ہاتھون سے ان بلاد اجنبیہ کی حکومت نکل گئی- اور اُنکی سطوت و شوکت صرف بلاد عرب مین ہی محدود رہ گئی پھر اُسکے بعد وہ فراعنہ مصر اور ملوک عراق سے لڑتے بھڑتے رہے اور کیروش فارس کے بادشاہ اور سکندر یونانی ت اپنے آپ کو بچاے رہے اور جب رومانیون نے قدیم دنیا پر قبضہ کیا ہے تب بھی یہ قوم خود مختار بنی رہی-

پھر نبی صلعم کا ظہور ہوا- تب آپ نے تمام قبائل جزیرۃ العرب کے درمیان علاقہ اتحاد و مودت اور رشتۂ اخوت پیدا کر دیا- اور اونکے خیالات و افکار مین ایک ہی خواہش اور مقصد ڈالدیا- اس سے اُن کا درجہ بڑھ گیا- اور اُنکی سلطنت دریاے تاج سے لے کر دریاے گنگ تک پھیل گئی- علوم و فنون- تمدن و تہذیب کا نور تمام مشارق و مغارب مین اپنا جلوہ دکھانے لگا حالانکہ ان قرون متوسطہ مین اہل یورپ جہالت کی ظلمت مین پھنسے ہوے تھے اور یونان و روم کی جو باتین اُنھون نے سُنی تھین اُنھین بالکل نسیاً منسیا کر بیٹھے تھے-

اس زمانہ مین عباسیون نے بغداد مین اور اموئیون نے قرطبہ مین اور فاطمیہ خاندان والون نے قاہرہ مین ترقی علوم و فنون مین کوشش کی تھی- پھر اُنکی حکومتین جاتی رہین- شوکت حکمرانی بالکل مفقود ہو گئی- اُنکے ہاتھ مین فقط دینی اقتدار اور شرعی حکومت باقی رہ گئی- جسے اُنکے ملک مین چارون طرف لوگ مانتے تھے-

پھر جب اُنھین اسپین کے نصاریٰ نے اسپین سے نکالا تو اُنکے علوم و فنون- صنائع و بدائع اُنکی ایجادات کو اُن سے سیکھ لیا- ایسے ہی جب ترک اور مغل ممالک ایشیا پر غالب ہو گئے تو اُنھون نے بھی ان عربون سے کسب معارف و علوم کیا- اور اُن کو اپنے پاس نوکر رکھا-

پھر جب عرب لوٹ کر اپنے جزیرۃ العرب مین ہی محصور ہوگئے۔ اور افریقیہ کے صحراؤن مین جا پڑے۔ تو اُنھون نے پھر وہی بدوی زندگی اختیار کرلی اور وہان خود مختار اور بالاستقلال بسر اوقات کرنے لگے۔

پھر دولت عثمانیہ نے اُنھین اطاعت و انقیاد پر مجبور کیا۔ اُن پر ظلم و تعدی کرنے لگے جس سے اُنھون نے اطاعت اختیار کرلی۔ مگر فرصت و موقع کے منتظر رہے۔ چنانچہ وہابیون نے اس اُنیسوین صدی عیسوی کے آغاز مین موقع پاکر غیرون کے تسلط سے امت عربیہ کی گردنین آزاد کرنا چاہین۔ مگر اُنھین کامیابی نصیب نہوئی لیکن پھر بھی وہ اپنے امرا کے اشارہ سے عصیان و بغاوت کے لیے مستعد رہتے ہین۔ اگر وہ چاہین تو مراکش اور ٹونس دونون ایسے مقام ہین جہان اُنھین اپنے مقصد مین کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ ایسا ہی الجزائر کی عملداری کا حال ہے جہان آجکل اہل فرانس کی حکومت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے رؤسا کی اطاعت کے واسطے غایت درجہ کے مستعد ہین اور ادنے اشارہ سے سب کچھ کرسکتے ہین۔

فرانسیسی مورخون مین کتنے ہی تو پوکوک (Pococke) اور شولنس (Shullens) وغیرہ کی طرح ایسے ہین جنھون نے اُنھین حالات پر اکتفا کیا ہے جو قبل از اسلام اُنکے گزرے ہین اور کتنے ہی ایسے ہین جنھون نے فقط سیرت نبوی اور مطالب قرآن شریف پر ہی قناعت کی ہے۔ اور بعض نے ملس (Mills) کی طرح اقوام ترک و تاتار کی تاریخ اور کچھ مختصر حالات خلفاے مشرق و مغرب کے لکھکر چھوڑ دیے ہین اور کسی کسی نے کونڈ (Conde) کی طرح اسپین کے عربون کی تاریخ لکھی ہے۔ اور بعض نے ایسا بھی کیا ہے کہ عرب کی تمام تاریخ لکھنے کا ارادہ بھی کیا ہے مگر اُسے ناتمام چھوڑ دیا ہے۔ جیسے اکلے (Ockle) نے ؁۸۶۶ء تک اور ماریگنی (Marigny) اور ڈیورجرس (Des vergars) نے ؁۱۲۵۸ء تک تاریخ لکھکر رہنے دی ہے۔ اور ایسے ہی ویل (Wiel) نے بھی اپنی تاریخ پوری نہین کی ہے۔

غرضکہ علماے فرانس ایسے بہت گزرے ہین جنھون نے عربون کے تمام ممالک مفتوحہ و مقبوضہ کے حالات لکھدیے ہین۔ اور ہمارے واسطے ایشیا افریقہ اور یورپ کے ملکون کا تاریخی مواد چھوڑ گئے ہین جس سے ہم نے ملخص کرکے اپنی یہ تمام تاریخ مدون کی ہے۔ خصوصاً ہم کو اُس کتاب سے بہت ہی بڑا فائدہ ہوا ہے جو ہمارے شاگرد اور قدیمی دوست گستاو ہبرڈ (Gustave Hu Kbard) نے لکھی ہے۔ ہم کو اُس کی اول تاریخ نے جو اُس نے ؁۱۸۵۲ء مین چھپوائی ہے اس ملخص کے تیار کرنے مین بڑی آسانی ہوئی ہے۔ اس کتاب مین اُس نے اُن جماعتون اور سوسائٹیون کا حال لکھا ہے جو آپس مین ایک دوسرے کی معاونت کرین۔ اور جن لوگون پر

زمانہ کے مصائب نے اثر کیا ہے اُنکے تدارک کی تدابیر سوچین۔

ابھی تک تاریخ عرب کا اصلی مواد ہمارے لیے کنوز مخفی کی طرح ہم سے پوشیدہ رہا ہے کیونکہ ہم لوگ یعنے (اہل فرانس) اگرچہ تواریخ ابو الفدا و ابو الفرج والمامین نصرانی (جسے مشرق والے ابن العمید کے نام سے پکارتے ہین) کی حقیقت سے واقف ہوگئے ہین تاہم ابھی تک ہمارے پاس ابن خلدون مقریزی ابن الاثیر اور اور بہت سے مورخین عرب اور فارس کی تاریخون کے ٹکرون کے ترجمے موجود ہین۔ اس طرح پر شاید ہم نے کل تاریخ کا اپنی فرانسیسی زبان مین ترجمہ کرلیا ہے۔

گو باوجود اسکے جو مواد ہمارے پاس ہے وہ اسکے لیے کافی ہے کہ ہم جھوٹی حکایتون کو معلوم کرلین اور جو سچ اور حق ہے اُسے اُسمین سے نکال لین۔ بلکہ اُس سے ہمین یہ بھی قدرت حاصل ہے کہ ہم نبی صلعم کی حقیقت کو دریافت کرلین۔ اور اُن فریبون کے پھندے مین نہ پھنس جائین جس کی مصنفین تواریخ نے عادت ڈال لی ہے وہ نبی کریم کے خلق باطنی کو چھپا ڈالتے ہین۔ چنانچہ کوئی تو لکھتا ہے کہ "وہ ایک مجذوب اور حیلہ گر اور طماع شخص تھے اور غیب کی باتین اتنی بیان کرتے تھے کہ اُنکا حصر نہین ہوسکتا ہے۔" اور کوئی بیان کرتا ہے کہ "وہ ایک عجیب طبیعت کے انسان تھے جن کا نظیر دیکھنے سننے مین نہین ایا اور اُن نادر الوجود شخصون مین سے تھے جنھین اللہ تعالی کبھی کبھی دنیا کی اصلاح کے واسطے بھیجا کرتا ہے"۔ لیکن یہ دونون قول قابل التفات نہین بلکہ فراموش کردینے کے لائق ہین۔

البتہ آنحضرت کی نسبت علامہ اولسنر (olsner) کا قول قابل اعتبار ہے جس نے رسول اللہ صلعم کی اور نیز جہان جہان ملکون مین دین اسلام پھیلا ہے وہان اُسکی حکومت اور اثر کی حقیقت دریافت کرکے اور اپنے تذکرہ مین اُسکا حال ۱۸۱۰ء مین بیان کیا ہے۔ جس کو اپنی امید کے موافق ہونے کی وجہ سے اُس طبقہ کے علما نے قبول کیا ہے۔ جو آثار قدیمہ اور علوم ادبیہ کے کتبون اور عنوانون کا کام کیا کرتے ہین۔

اب رہی تاریخ خلفاے راشدین اور دمشق اور قرطبہ کے خاندان اموی کی اور بغداد کے عباسیون اور مصر کے فاطمیون کی اور ممالک اسلامیہ مشرقیہ کی تمزیق وتفریق کی جس پر ترکون اور مغلون نے تاخت کی تھی سواے اہل فرانس نے بہت اچھی طرح سے لکھا ہے۔ اور جو کچھ اصول اُسکے اُن سے رہ گئے تھے وہ اب ہم نے اُسمین اضافہ کردیے ہین یعنی تمدن عربی کا حال اُسمین بڑھا دیا ہے جس کے اصول قدیمی دنیا مین بہت ہی مضبوطی کے ساتھ جم گئے تھے اور اب بھی جب ہم اپنی معلومات یورپ کے مبادی سے بحث کرتے ہین تو ہمیشہ اُس وقت تمدن عرب کے اُسمین آثار پاتے ہین۔

کیونکہ اہل عرب آٹھوین صدی عیسوی کے اخیر مین حمیت حربیہ اور جوش سپاہگری کو کھو بیٹھے تھے تحصیل علوم کے شوق مین لگ گئے تھے جس سے بہت بلد قرطبہ طلیلہ قاہرہ فاس مراکش رقہ اصفہان سمرقند علوم و معارف مین بغداد کے ہم پلہ ہو گئے تھے - یونانی کتابون کے عربی ترجمہ مدارس اسلامی مین پڑھائے جانے لگے تھے - اس وقت عرب اُن تمام علوم و فنون مین مصروف و مشغول ہو گئے تھے جنکو افہام بشریہ نے پیدا کر لیا تھا۔ اُنھون نے اکثر ملکون مین خصوصاً یورپ کے نصرانی ملکون مین وہ نئی نئی ایجادین شایع و ذائع کر دی تھین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم و فنون مین ہمارے پیشوا اور امام ہین -

انکے علو شان اور عظمت و جلال کی جسے اہل فرانس مدت ہاے دراز سے فراموش کر چکے ہین ہمارے پاس دو قسم کی شہادتین موجود ہین - اُن مین سے اول تو وہ قرون متوسطہ کی تواریخ اور سفر نامہ ہین اور نیز مقامات و امکنہ اور بڑے بڑے لوگون کے قوامیس اور مجموعہ ہین جن مین کثرت سے فنون فاخرہ کا ذکر ہے - دوسرے اُنکے مصنوعات فائقہ اور مبانی فاخرہ ہین اور فنون مین بڑے بڑے اکتشافات و ایجادات ہین اور اُنکی کوششون کے وہ نتائج ہین جن سے علوم طب تاریخ طبعی اور کیمیا ے صحیحہ فلاحت اور علوم صحیحہ کے دائرہ کو توسیع ہوئی ہے - اور جن مین وہ خوشی خوشی نوین صدی عیسوی سے پندرھوین صدی عیسوی (یعنی ۸۰۰ء سے ۱۵۰۰ء) تک لگے رہے ہین -

شیگل (Scholgel) نے ۱۸۳۲ء (موافق ۱۲۴۸ھ) مین لکھا تھا کہ ہندو اور چینی عربون سے زیادہ عالم ہین - اور کہا تھا کہ ان دونون قومون کے علوم کے خزانون پر اُسے بہت جلد اطلاع حاصل ہو جائیگی اس دعوی سے بیس سال بعد تک اُس نے ان قومون سے کوئی نئی تحقیقاتین نہین حاصل کین - جو کچھ بڑے بڑے فوائد فلکیہ ریاضیہ جغرافیہ اُسے حاصل ہوے وہ صرف عربون کی قدیم کتابون سے حاصل ہوے -

البتہ جو اہل فرانس ہندوؤن کے معاملات سے بحث کیا کرتے ہین اُنھون نے بہت کتابین لکھی ہین لیکن جس امر کے وہ درپے ہین اُسمین اُنھون نے کچھ بھی ترقی نہین کی - اسی طرح سے اُن فرانسیسیون کا حال ہے جو سب سے اقدم الاول یعنی چینیون کی تواریخ سے فواید استنباط کرنا چاہتے ہین - اُنکا بھی اُنکی نسبت اخیر قول یہی ہے - کہ ترکون کی طرح وہ بھی تمام دنیا کے لوگون سے زیادہ اجہل ہین - چنانچہ یہی بات ابوالفرج مورخ نے بھی بیان کی ہے -

رہا بیت العلوم بغداد یہ جس نے اسکندریہ کے یونانیون اور اس اخیر زمانہ کے درمیان معلومات تمدنیہ کو فراہم کیا ہے - یہی چیز ہے کہ جس نے یورپ والون کو جہالت کی گہری نیند سے جگایا ہے - اور تمام ممالک ایشیا مین

علوم و معارف کے نور ون کو پھیلا یا ہے۔

کیونکہ علامہ بیرونی نے جس سے محمود غزنوی بڑے انعام و اکرام کے ساتھ پیش آتا تھا عربون کے علم (فلکیات) کو ہندوستان مین پھیلا یا تھا۔ جب کہ وہ سنہ ۱۰۳۰ء (موافق سنہ ۴۲۰ھ) مین وہان گیا تھا۔ اسی طرح سے سلجوقیون مین علامہ عمر خیام نے سنہ ۱۰۷۶ء (موافق سنہ ۴۶۹ھ) مین علم کا جوش پھیلا یا۔ مغلون مین نصیر الدین طوسی نے بھی ایسا ہی کیا۔ جس نے شہر مراغہ مین سنہ ۱۲۶۰ء (موافق سنہ ۶۵۹ھ) مین ایک رسدگاہ بنائی تھی۔ ایسے ہی سلاطین عثمانیہ مین بھی سنہ ۱۴۳۷ء (موافق سنہ ۸۳۸ھ) مین علم کی شعاعین چمکی تھین۔ چینیون مین علامہ کوشیو کنگ شاگرد جمال الدین نے سنہ ۱۲۸۰ء (موافق سنہ ۶۷۹ھ) مین عہد سلطان قبلا خان مین جو لوانیہ خاندان کے بادشاہون مین بہت بڑا شخص گزرا ہے علم پھیلا یا۔ اور الغ بیگ نے سنہ ۱۴۳۷ء (موافق سنہ ۸۴۱ھ) بمقام سمرقند ایک رصدگاہ بنوائی تھی۔

اسکے بعد الغ بیگ پر عربون کے علوم و فنون کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر یورپ والے مغرب مین ان علوم کے اسرار پر واقف ہو گئے۔ اور وہ ان شغل و اشغال مین ایسے لگ گئے کہ اُنھون نے بلاد فرانس مین عرب کے تمدن اُنکی زبان اور اُنکے فنون ادبیہ مین نئے سرے سے جان ڈال دی اور فرانسیسیون مین اُنکا انتشار روز بروز زیادہ ہونے لگا۔ چنانچہ ابھی تک ہم (فرانس کے) لوگون کا یہی حال ہے کہ ہمیشہ کتب عربیہ قدیمہ سے بڑی بڑی نئی نئی باتین نکالا کرتے ہین۔ حالانکہ بعض اہل فرانس نے فریب سے اُنکی ایجادون کو اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔

اسمین شک نہین کہ اگر ہمارے فرانس والے جزائر مغربیہ کی ایالت کو فتح کر لین۔ اور افریقیہ یعنی ممالک مغرب کے مسلمانون تک اونکے علاقہ بخوبی پھیل جائین۔ تو وہ کتب عربیہ سے بیش بہا علوم و فنون کے جواہرات کو بہت کچھ نکالینگے۔ کیونکہ بخلاف پچھلے فرانسیسیون کے حال کے فرانس والے لغات عرب اور آثار مشرقیہ کے نہایت ہی شوقین ہین اور اس باب مین وہ بڑے بڑے اہتمام کرتے ہین۔

واقعی بات یہ ہے کہ اگر ہم کل تاریخ امت عربیہ کے خلاصہ کرنے مین مشغول ہو جائین تو یہ کام ہمارا بہت ہی عظیم الشان ہو گا۔ جن کے حالات دیکھ دیکھکر نہایت تعجب ہوتا ہے اور جو کوئی اُن کے اقوال کو پڑھتا اور غور کرتا ہے تو اُس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس لیے ہم اپنے یورپ کے لوگون کو توجہ دلاتے ہین کہ وہ ہمیشہ اس قوم کے آثار جلیلہ کو ٹٹولتے اور دیکھتے بھالتے رہین جنھین یہ قوم اپنے پیچھے چھوڑ گئی ہے۔

عبد الغفور

سعدی از دست خویشتن فریاد

اللہ اللہ! بادیانِ امم　　　بشری طینت و فرشتہ نہاد

ایک سے ایک برگزیدۂ خلق　　　باخطاب لکل قوم ھاد

تھا نبی کوئی اور کوئی ولی　　　فخرِ عہدِ سلف تھے کُل اجداد

غوث دوران تھا کوئی قطبِ زمان　　　اب وہ ابدال ہین نہ وہ اوتاد

کرکے ویران دارِ فانی کو　　　ہوے ملکِ بقا مین سب آباد

حبِ قومی کا تھا سبق از بر　　　ساری دنیا کے تھے ہمین اُستاد

آب زر سے ہے لکھنے کے قابل　　　حضرتِ مرتضیٰؓ کا یہ ارشاد

بھائی آپس مین ہین بنی آدم　　　ایک مان باپ کی ہین کُل اولاد

مگر افسوس بھول کر یہ سبق　　　آدمی رہ سکے نہ آدم زاد

بدلے اخلاص و اتحاد کے اب　　　سب مین ہے باہمی نفاق و عناد

بکھرے شیرازے قوم و ملت کے　　　ٹوٹے وہ رشتہاے حقِ عباد

سب کو اس سلسلے مین جوڑ کے ہم　　　قیدِ ملت سے خود ہوے آزاد

کیون مٹانے پہ ہین تُلے اغیار　　　اپنے ہاتھون ہم آپ ہین برباد

حالِ ناگفتہ بہ پر اپنے شفقؔ　　　آگیا شیخ کا مقولہ یاد

ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

شفقؔ عماد پوری

علم الاخلاق

ہمارے لایق اور نوجوان دوست مسٹر ظفر حسن خان علم الاخلاق پر ایک بسیط مضمون لکھ رہے ہین جس کے کچھ اجزا رسالۂ ادیب کے گزشتہ نمبرون مین شایع ہوے تھے۔ اب مناسب خیال کیا گیا کہ یہ کل مضمون رسالۂ الناظر مین طبع ہو اس لیے نئے اجزا کی اشاعت کے قبل ضروری ہوا کہ ادیب مین جو حصے شایع ہوے تھے ناظرین الناظر اُن سے روشناس ہولین۔ چنانچہ ذیل مین مناسب و ضروری ترمیمات کے بعد اجزاے مطبوعہ متذکرۂ بالا درج کیے جاتے ہین جن کے مطالعہ سے ناظرین یقیناً نہایت محظوظ ہون گے۔

تمہید

تجربہ کے کسی خاص حصہ کا فلسفہ اُن علاقہاے سببیت کے انکشاف کا نام ہے جو اُسکے مخصوص علل و معلولات کے درمیان وجود گزین ہوتے ہین۔ علاقۂ سببیت کے دریافت ہوجانے سے یہ بات حاصل ہوجاتی ہے کہ جب ہم وہی اسباب مجتمع دیکھتے ہین جو ہم پہلے دیکھ چکے ہین تو ہم صحیح صحیح قیاس کرسکتے ہین کہ نتیجہ کیا ہوگا؛ اور اسی طرح نتیجہ مشاہدہ کرنے کے بعد ہم صحیح صحیح پیشین گوئی کرسکتے ہین کہ اُسکے اسباب کیا ہین یا کیا تھے۔

بالفاظ دیگر یون کہئے کہ ان علاقہاے سببیت کے معلوم ہوجانے کے بعد ہم اُن اصول کو بخوبی مدون کرسکتے ہین جو تجربہ کے اُس خاص حصہ کی ہر ممکن تبدیلی پر دائر و سائر ہوتے ہین۔

یہ اصول جب ایک ایسی منتظم شکل اختیار کرلیتے ہین جس سے انسان فائدہ اُٹھاسکے تو تجربہ کے اُس خاص حصہ کا علم (Science) کہلاتے ہین۔ علم الطبیعات (Physics) مثلاً نام ہے تجربہ کے ایک خاص حصے کے اُن اصول کی تدوین کا جو کہ مظاہر طبیعات (Phenomenon) پر مستولی ہین۔

ان مظاہر کا مطالعہ، اُنکے تواتر و توالی کا مشاہدہ، اور اُن اصول کا استقرا جو تجربہ کے اُس خاص حصہ کی ہر ممکن تبدیلی پر حاوی ہین، اور پھر اُن اصول کی تدوین۔ یہ سب درجات ہین علم الطبیعات کے۔

تجربہ کے مختلف حصون سے بحث کرنے والے کل علوم کے قوانین کا مقابلہ اور ایسے اصول کی تحقیق و تدوین جو ان علوم مختلف کے قوانین کو محصور کرلین، علم مابعد الطبیعات (Metaphysics) کا موضوع ہے یعنی علم مابعد الطبیعات تجربہ سے بحیثیت مجموعی بحث کرتا ہے۔

علوم کی اقسام

موجودہ علوم کی بہ لحاظ اپنے مباحث کی نوعیت کے تین قسمین ہین:-

۱- علوم نظریہ- (Positive Sciences)

۲- علوم کسبیہ (Practical Sciences)

۳- علوم نصبیہ (Normative Sciences)

۱- علوم نظریہ، تجربہ کے کسی خاص حصہ کے مظاہر کو صرف مرتب کرتے ہین۔ وہ بس اس امر کے تبلا دینے پر قانع ہین کہ مختلف اشیا کن صورتون مین پائی جاتی ہین، اور مختلف واقعات کن حالتون مین ظہور پذیر ہوتے ہین۔

علوم نظریہ کو ان امور سے کچھ تعلق نہین کہ کسی مقصد زندگی کا فلسفہ کیا ہے، اور کوئی مقصد زندگی کن ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر علوم نظریہ کی ایک مختصر فہرست ذیل مین تحریر کی جاتی ہے۔

(۱) علم النباتات Botany

(۲) علم الحیوانات Zoology

(۳) علم الحیات Biology

(۴) علم تشریح Anatomy

(۵) علم طبقات الارض Geology

(۶) علم جغرافیہ Geography

(۷) علم طبیعات Physics

(۸) علم الکیمیا (Chemistry) وغیرہ وغیرہ

۲- علوم عملیہ کا موضوع ان وسائل کی تحقیق و ترتیب ہے جو کسی خاص مقصد زندگی کے حاصل کرنے کے لیے از بس ضروری ہین۔

مذکورۂ ذیل علوم، علوم عملیہ کی امثال ہین۔

(۱) علم طب Medicine

(۲) علم خطابت Rhetoric

(۳) علم العمارت Architecture

۳- علوم نصبیہ وہ علوم ہین جو کسی خاص مقصد زندگی کا فلسفہ دریافت کرتے ہین۔ ان علوم کا موضوع ہمیشہ ایسے نصب العین کی جستجو اور تدوین ہے، جسکو پیش نظر رکھ کر ہم تجربہ کے ایک خاص حصے کے مظاہر کی قیمت کا صحیح صحیح اندازہ کر سکتے ہین۔

علوم مقصدیہ کی مثالین حسب ذیل ہین۔

(۱) علم المنطق Logic

(۲) علم المذاق Aesthetics

(۳) علم الاخلاق Ethics

ہم ذیل مین علوم مقصدیہ کی انواع کی مختصر تعریف کیے دیتے ہین تاکہ علوم مقصدیہ کی ماہیت بخوبی ذہن نشین ہو جائے۔

(۱) علم المنطق ایک ایسا نصب العین مدون کرتا ہے جسکو پیش نظر رکھتے ہوے ہم صحیح استدلال اور مغالطہ (Fallacy) مین تمیز کر سکتے ہین۔

(۲) علم المذاق ایک ایسا نصب العین مدون کرتا ہے جسکو پیش نظر رکھتے ہوے ہم ایک حسین شے کو بدصورت شے سے ممتاز کر سکتے ہین۔

(۳) علم الاخلاق ایک ایسا نصب العین مدون کرتا ہے جسکو پیش نظر رکھتے ہوے ہم نیک اور بد افعال مین امتیاز کر سکتے ہین۔

موجودہ[1] علماے علم الاخلاق نے متفقہ طور پر علم الاخلاق کو علم نصبیہ کے تحت مین لکھا ہے مگر بعض متقدمین کے نزدیک علم الاخلاق علم اثباتی ہے اور بعض کے خیال مین علم عملی ہے بعض کے نزدیک اس علم مین دونون علوم کے خصائص موجود ہین ان عالمون کے دعاوی اور دلائل کی تفصیل اپنے موقعہ پر آئے آئیگی بالفعل چونکہ ہمارے موجودہ خیالات تقریباً تمام تر ماخوذ ہین اس علم کی جدید تحقیقات کے مواد سے لہذا ہم علم نصبیہ کو علم الاخلاق کا جنس قریب مانکر علم الاخلاق کی منطقی تعریف اس طرح کر سکتے ہین کہ

علم الاخلاق انسانی سیرت و کردار سے بحث کرنے والا علم نصبیہ ہے۔

انسانی سیرت و کردار کی ماہیت ان دونون کے درمیان کی حد فاصل اور ان کا باہمی تعلق اور ربط۔ یہ سب امور مفصل طور پر آگے بتلائے جائینگے۔

علم الاخلاق اور دیگر علوم

مختلف علوم کا موازنہ کرنے سے دیکھا گیا ہے کہ ان مین باہم ایک طرح کی مجانست اور مشابہت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ صاف ہے: کیونکہ کل موجودہ علوم ایک ہی "کل" کے مختلف اجزاء سے بحث کرتے ہین: یعنی ہر علم کا موضوع انفرادی حیثیت سے "تجربہ" ہی کے کسی نہ کسی صنف کے مظاہر ہین چنانچہ

علم الاخلاق اور علم السیاست علم الاخلاق اور علم السیاست (Politics) کے ڈانڈے اسقدر ملے ہوے ہین کہ قدما شدت تشابہ کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے تمیز نہین کر سکتے۔ افلاطون اور ارسطو تک اول الذکر کو کوئی مستقل

[1] موجودہ علماے علم الاخلاق کی جماعت کے قابل الذکر عالم میورہیڈ اور میکینزی ہین۔ ڈاکٹر جان میورہیڈ فلسفۂ اخلاق اور فلسفۂ ذہنی کا برمنگھم یونیورسٹی مین پروفیسر ہے۔ اس نے علم الاخلاق پر ایک رسالہ موسوم بہ "عناصر اخلاق" لکھا ہے۔ ڈاکٹر جان میکنزی ساؤتھ ویلس اور مان ماتھ شائر کے یونیورسٹی کالج مین منطق اور فلسفہ کا پروفیسر ہے آخرالذکر ٹرنٹی کالج کیمبرج کا فیلو رہ چکا ہے۔ اسکی مستقل تصنیفات حسب ذیل ہین:-

(۱) مقدمۂ علم المعاشرت "Introduction to Social Philosophy"
(۲) خاکۂ مابعد الطبیعات "Outlines of Metaphysics"
(۳) رسالۂ علم الاخلاق "A manual of Ethics"

علم نہین تصور کرتے، بلکہ اُسکو آخرالذکر پر منحصر اور اسکا ایک جزو خیال کرتے ہین۔ ارسطو کے نزدیک انسان کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ "ایک سیاسی حیوان" ہے۔ افلاطون بجاے ایک فرد واحد کے اوصاف حسنہ مقرر کرنے کے پہلے ایک اچھی حکومت کے اوصاف متعین کرتا ہے اور بعد ازان محاسن حکومت سے شخصی اور انفرادی مکارم اخلاق انتزاع کرتا ہے۔ رسالۂ جمہوریت (Regulic) کا مبحث ہی یہ ہے کہ ایک اعلےٰ پایہ کی حکومت کے کیا اوصاف ہونا چاہیے ہین۔ چنانچہ افلاطون کے زمانہ مین اُسکے استقرا (Inducion) کے بموجب ایک اعلےٰ حکومت مین حسب ذیل صفات لازمی تھے:-

(۱) دانائی،	(۲) ہمت،
(۳) اعتدال،	(۴) انصاف،

ان صفات سلطنت سے اُس نے قیاس کیا کہ ایک عمدہ اور نیک آدمی کے لیے بھی یہی صفات لازمی ہین۔

ہیگل[۱] جو فلسفۂ جدید کا ایک سربرآوردہ اور ممتاز فلاسفر ہے علم الاخلاق کو ایک جداگانہ اور مستقل علم نہین خیال کرتا بلکہ اسکو ایک ضمنی مسئلہ سمجھتا ہے اور اپنے رسالۂ "فلسفۂ حق" (Philosophy of Righte) مین ضمناً اور سرسری طور پر مسائل علم الاخلاق بیان کرتا ہے۔

درحقیقت علم الاخلاق، علم السیاست کی طرح ایک مستقل علم ہے اور اسکا اصل موضوع، علم السیاست کے موضوع سے جدا ہے، گو کہ اُنکے درمیان خط فارق بہت باریک ہے۔ قبل اسکے کہ ہم ان علوم کا امتیاز بتلائین علم السیاست کی مندرجہ ذیل تعریف ذہن نشین کرلینا چاہیے۔

علم السیاست، علم نظری اور علم نفسی کا ایک ایسا مرکب علم ہے جو ہیئت اجتماعیہ (Socieiy) کے تمدن کا فلسفہ بتانے کے ساتھ ساتھ، ایک اعلیٰ حکومت کا نمونہ پیش کرتا ہے، تاکہ موجودہ ہیئت اجتماعیہ اُسکے مطابق متشکل ہو۔

ایک ظاہری فرق تو یہی ہے کہ علم السیاست مین علم نظری اور علم نفسی، دونون کی شان پائی جاتی ہے اور اسکا لیکن علم الاخلاق خالص علم نفسی ہے۔ دوسرا فرق جو نسبتاً زیادہ دقیق اور اصل ممیز ہے یہ ہے کہ

علم الاخلاق کا موضوع سیرت و کردار انسانی ہے، اور علم السیاست کا موضوع وہ مظاہر ہین جنمین افعال انسانی

---

[۱] جرمنی کا ایک مشہور و معروف فلاسفر سنہ ۱۷۷۰ء مین پیدا ہوا اور سنہ ۱۸۳۱ء مین مرگیا۔ جو صاحب ہیگل کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا چاہتے ہین، اُنکو چاہیے کہ اُسکی کتاب "فلسفۂ تاریخ" سے ابتدا کرین، یہ کتاب بمقابلہ اس فلاسفر کی دیگر تصنیفات کے زیادہ سہل ہے، موضوع بھی دلچسپ ہے، اور اس مین ہیگل کے نظام فلسفہ کے جستہ جستہ مسائل سب آگئے ہین۔

جلوہ نما ہوتے ہیں، مثلاً خاندان، ملک وغیرہ وغیرہ -

یہ تفریق[1] میور ہیڈ کی زبان سے قابل سننے کے ہے -

دونوں علوم کا تعلق سیرت وکردار انسانی سے ہے۔ دونوں علوم انسانی بہبودی کو پیش نظر رکھتے ہوئے سیرت وکردار سے بحث کرتے ہیں، اور اُنکو فیصلہ اخلاقی کا محکوم قرار دیتے ہیں۔ دونوں علوم اُنکو (سیرت وکردار کو) ایسے قوانین کے ماتحت تصور کرتے ہیں، جنمیں عقاب و انعام مضمر ہیں۔ یعنی جنکے اتباع یا عدم اتباع کے نتائج علی الترتیب انعام وعقاب ہوتے ہیں) (مگر) فرق یہ ہے کہ جہاں علم الاخلاق کا کام سیرت وکردار کی محض حیثیت محکوم فیصلہ اخلاقی تحلیل سے ہے [یعنے (کردار کی) صحت اور عدم صحت دیتا ہی ہے] وہاں علم سیاست کا فعل یہ ہے کہ اُن خارجی صور اور تعینات Institutions کی تحلیل کرے جو اُن میدانوں کا خاکہ پیش کرتے ہیں جنمیں اعمال نیک ظہور پذیر ہوتے ہیں مثلاً خاندان، مکتب، گرجا، وغیرہ وغیرہ۔ لہذا کہا جا سکتا ہے کہ علم الاخلاق مقدم ہے علم سیاست پر۔ ہم [illegible] اپنے افعال کے مخصوص معیاری لوازمات کا مسئلہ طے کرنے کی امید کرسکتے ہیں جبکہ ہم [illegible] کا صحیح تصور ہو جائے۔ سیاسی تعینات کی تنقید کی عمارت حیات انسانی کی تنقید کی داغ بیل پر اٹھانا چاہیے اور حیات انسانی کی تنقید کی بھی خصوصاً وہ صورت جسمیں وہ ایک عملی قانون یا دستور العمل کی تابع ہوتی ہے یعنے علم الاخلاق ہے۔

علم الاخلاق علم الاقتصاد	علم سیاست کی طرح علم الاقتصاد Political Economy میں علم نظری اور علم نصبی دونوں علوم کے خصائص پائے جاتے ہیں۔ جس حد تک علم الاقتصاد علم اثباتی ہے کہ وہ تجارتی

زندگی کے واقعات کو ترتیب دیتا ہے، مگر جیسے ہی یہ ایسا مطمح نظر مقرر کرتا ہے جسکا حصول تجارتی زندگی کے کل واقعات کا نتیجہ ہونا چاہیے، وہ علم اثباتی کے دائرہ سے نکلکر علم نصبی کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ علم الاخلاق خالص علم نصبی ہے لہذا طرز بحث کے لحاظ سے تو (جہانتک آخرالذکر خصوصیت کا تعلق ہے) دونوں علوم باہم برابر مشابہ ہیں لیکن اپنے اپنے مخصوص موضوعات کے لحاظ سے فرق یہ ہے کہ علم الاخلاق حیات انسانی کے مقصد اعلیٰ سے بحث کرتا ہے اور علم الاقتصاد اُن اشیاء سے بحث کرتا ہے جو مختلف ضروریات زندگی پوری کرتی ہیں۔ مثلاً غذا، لباس، مکان جو اقتصادی اشیاء ہیں اور [illegible] ضروریات انسانی یا مقاصد زندگی کو پورا کرنے میں مثلاً قیام حیات، ترقی حیات، حفظ نفس، حرمت، امن چین، تہذیب وغیرہ۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ ضروریات [illegible] حقیقی ضروریات ہیں اور کیا یہ مقاصد قابل ہوسکتے ہیں کہ اُنکے حاصل کرنے میں ہم جد وجہد کریں؟ ان سوالات کا جواب

---

[1] "Elements of Ethics" مصنفہ ڈاکٹر جان ایچ میور ہیڈ - یہ اقتباس ظاہراً جسقدر مغلق ہے حقیقتاً اُسیقدر دقیق بھی - خطوط ہلالی ( ) میں جو عبارت ہے وہ جابجا توضیح کے لیے ہم نے اضافہ کی ہے -

علم الاخلاق دے سکتا ہے: اگر یہ مقاصد معیارِ اخلاق پر کس کر کھرے اترین تو انکے حصول مین کوشش بلیغ کرنا چاہیے اور اشیاء متذکرہ کو اختیار کرنا چاہیے: اور اگر یہ مقاصد حیاتِ انسانی کے مقصدِ اعلیٰ کی درمیانی کڑیان نہین ہین بلکہ اس مقصدِ اعلیٰ تک پہونچنے مین سنگِ راہ ہوتے ہین تو انکے حاصل کرنے مین کاوش کرنا سخت بیوقوفی ہے[۵۱] نکتہ یہ ہے کہ علم الاقتصاد کے کل عملی قضایا، علم الاخلاق پر مبنی ہین، اسی نکتہ کو ارسطو نے تعمیم کے ساتھ کیا خوب کہا ہے۔

ہمارا ہر فعل[۵۲] حقیقت مین منطق کی ایک شکل (Syllogism) ہوتا ہے، جسکا مقدمہ کبریٰ علم الاخلاق مہیا کرتا ہے مقدمہ صغریٰ اس فعل کا وجود ذہنی ہوتا ہے، اور نتیجہ اس فعل کا وجود خارجی یعنے اس فعل کو کرنا۔[۵۳]

علم الاخلاق، علم المنطق اور علم المذاق

یہ تینون علوم حقیقۃً تین مختلف انواع ہین، ایک ہی جنس، علم نصبی کے مختلف انواع ہین۔ بلحاظ طرز موضوع کے جوان مین باہمدگر مجانست ہے ظاہر ہے۔ فرق نفس موضوعات مین ہے۔ میدان ہر ایک کا جداگانہ ہے یا باختلاف الفاظ دو، شیاء بالکل مختلف ہین جنکا اندازہ ان علوم کے دریافت کردہ سٹینڈرڈ یا معیار سے کیا جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ہر ایک کے اسٹینڈرڈ کی نوعیت بھی مختلف ہے: علم الاخلاق ہمارے افعال کے لیے ایک دستور العمل مہیا کرتا ہے، علم المنطق استدلالات کے لیے ایک میزان مقرر کرتا ہے اور علم المذاق صحت مذاق کا معیار دریافت کرتا ہے۔

علم الاخلاق اور علم حیات

مسئلۂ ارتقاء ([illegible]) کی نسبت حلقۂ بحث فلاسفرون کا متفقانہ فیصلہ ہے کہ علم الاخلاق کے قضایا کلیتاً مبنی ہین علم حیات کے نتائج پر چنانچہ ہربرٹ اسپنسر اور اسکے ہم خیال فلاسفرون کے نزدیک معیار اخلاق ہی یہ ہے کہ جو افعال ترقی حیات مین ممد و معین ہوتے ہین وہ اچھے ہین برخلاف انکے جو ترقی حیات کو روکتے ہین اور انحطاط انگیز ہین وہ برے ہین۔ سقدر تو تقریباً سب کو مسلم ہے کہ حاسہ اخلاقی (Moral Consciousness) کی تدریجی ترقی کا مطالعہ مسئلہ علم الاخلاق پر ایک تیز روشنی ڈالتا ہے۔ مگر بمقابلہ علم الحیات کے، اس قسم کے مطالعہ کا علم النفس (Psychology) سے قریب تر تعلق ہے[۵۴]۔ اسکی تفصیل اپنی مناسب جگہ پر آگے آئے گی، لہذا یہان ہم قلم انداز کرتے ہین۔

---

[۵۱] ماخوذ رسالہ علم الاخلاق (Manual of Ethics) مصنفہ ڈاکٹر میکنزی صفحہ ۲۱ و صفحہ ۳۲

[۵۲] "فعل" سے مراد یہان کل وہ مدارج ہین جو کسی فعل کے اختیار کرتے وقت ذہن کو طے کرنا پڑتے ہین۔ ان مدارج مین اس فعل کو پسند کرنا، اور پھر اس فعل کو کرنا بھی شامل ہین۔

[۵۳] ارسطو کی عبارت بجنسہ یہ نہین ہے، ہم نے اسکے مفہوم کو اختصار کے ساتھ اپنے الفاظ مین ادا کیا ہے۔

[۵۴] ماخوذ میکنزی صفحہ ۲۷ و ۱۶

علم الاخلاق اور علم النفس علم الاخلاق کا موضوع کردار انسانی ہے کردار انسانی عبارت ہے افعال بالارادہ کے مجموعہ سے اور ہر فعل بالارادہ معلول ہوتا ہے جذبات خواہشات اور قوت ارادی کا ان مظاہر یعنی جذبات خواہشات وغیرہ میں سے ہر ایک کے قوانین اور اصول کی تدوین موضوع ہے علم النفس کا لہذا علم الاخلاق کے اصول موضوعہ حقیقت میں علم النفس کے متحقق نتائج ہیں۔ اس طرح پر علم الاخلاق عصر جدید میں علم النفس سے وہی نسبت رکھتا ہے جو عصر قدیم میں اس کو علم السیاست سے تھی یعنی متقدمین علم الاخلاق کو علم السیاست پر منحصر خیال کرتے تھے متاخرین اسکو علم النفس پر مبنی خیال کرتے ہیں۔

علم الاخلاق اور مابعد الطبیعیات علم الاخلاق کو ما بعد الطبیعیات سے وہی نسبت ہے جو جزو کو کل سے ہے بعض فلاسفر مثل مدقق کینٹ[2] ہیگل برٹیلی[3] وغیرہ کے علم الاخلاق کے مسائل کو ما بعد الطبیعیات کے رنگ میں حل کرنا چاہتے ہیں مگر ہمارے نزدیک اسقدر دور جانے کی چنداں ضرورت نہیں کینٹین اسکول کی مغز کاوین کوہ کندن و کاہ بر آوردن کا مصداق معلوم ہوئی ہیں۔ کینٹ کے نظام الاخلاق کا مفصل ذکر مع اسکی تنقید کے آگے آئے گا۔

مبادی الاخلاق

ہر علم میں چند اصول ایسے ہوتے ہیں جنکو اس علم میں بلا ثبوت مان لیتے ہیں۔ یہ اصول اس علم کے اصول موضوعہ کہلاتے ہیں اور انہیں سے تمام قضایا مبنی ہوتے ہیں۔ اب یہ اصول موضوعہ یا تو قضایا یا ثبوت عنہ کسی دوسرے علم کے ہوتے ہیں اور یا ایسے بدیہی قضایا یا اولیات ہوتے ہیں جو کسی بحث کے متحمل نہیں ہو سکتے چنانچہ اقلیدس کے اصول موضوعہ ایسے ہی اصول ہیں جنکو عقل سلیم فوراً مان لیتی ہے۔

علم الاخلاق کے اصول موضوعہ حقیقت میں تمام تر علم النفس (Psychology) پر مبنی ہیں تاخر الذکر کے نتائج متحققہ اول الذکر میں بلا ثبوت مان لیے جاتے ہیں ان اصول کا فلسفہ دریافت کرنا ہو تو علم النفس کا مطالعہ کرو اس موقعہ پر ہم علم النفس سے روشناس کرا دینا کافی سمجھتے ہیں اگر اردو میں علم النفس پر کوئی رسالہ ہوتا تو اسکی بھی ضرورت

[1] میور ہیڈ و میکنزی دونوں بالکل کینٹ کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں چونکہ یہ دونوں فلاسفر برٹیلی کا خوشہ چین ہیں اور برٹیلی بالکلیہ کینٹ پر ہے

[2] کینٹ ۱۷۲۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۰۴ء میں فوت ہوا جرمنی کا مشہور و معروف فلاسفر ہے موجودہ علمی دنیا پر جسقدر کینٹ کا اثر ہے کسی دوسرے فلاسفر کا نہیں اس نے ایک مجرد محض Transcendental نظام فلسفہ System of Philosophy کی بنیاد ڈالی کینٹ اسقدر پابند وقت تھا کہ لوگ اس سے اپنی گھڑیاں ملایا کرتے تھے۔

[3] برٹیلی انگلستان کا ایک فلاسفر ہے ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوا کینٹ کے خاص مانند شاگردوں میں سے ہے۔

نہ تھی، مگر چونکہ اُردو پبلک علم النفس سے نابلد محض ہے اور اس سلسلۂ مضامین میں علم مذکور کا حوالہ جا بجا آئے گا لہذا خاص خاص مصطلحات کا اجمالی ذکر ناگزیر ہے۔

یوں تو متقدمین کی تصنیفات میں علم النفس کے ابتدائی جراثیم اُسی طرح پائے جاتے ہیں جس طرح دیگر علوم کے، طبعیات، علم الکیمیا، علم الحیات اور علم النفس، ان سب پر سب سے پہلے ارسطو ہی نے قلم اُٹھایا مگر یہ کہنا کہ اُس نے ان علموں کو علم بنا دیا واقعہ بیانی سے زیادہ 'اظہار خوش ظنی' ہے۔ قدامت پرستی ہماری طبیعت ثانیہ ہے، ہم کو سراب پر ہمیشہ چشمۂ شیرین کا یقین ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علم کی تدوین سترھویں صدی میں ہوئی۔ جان لاک[1] اس کا مدون اول ہے نہ کہ ارسطو۔ مگر اس علم کو اوج کمال پر انیسویں اور بیسویں صدی کے فلاسفروں نے پہونچایا۔ ولیم جیمس[2]، ہربرٹ اسپنسر، ولہلم میکس ونٹ[3]، جیمس وارڈ[4]، ایڈورڈ بریڈفورڈ ٹشنر[5] ان سب کے احسانات علم النفس پر بکثرت ہیں۔ اور صحیح معنی میں یہی لوگ اس فن کے مبصر کہے جا سکتے ہیں۔

علم النفس کا موضوع بحث مظاہر ذہنیہ کی تحقیق و ترتیب ہے۔ ذہن اور نفس مرادف الفاظ ہیں، عصر جدید نے انا اور الغو کے لفظ انپر اور اضافہ کیے ہیں مگر اصل یہ ہے کہ یہ سب الفاظ ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ علم النفس کے مہمات موضوع حسب ذیل ہیں۔

(۱) احساس	Sensation	(۶) حافظہ	Memory
(۲) ادراک	Perception	(۷) الہام فطری	Instinct
(۳) تخیل	Imagination	(۸) جذبہ	Emotions
(۴) توجہ	Attention	(۹) ارادہ	Volition
(۵) تعقل	Reasoning	(۱۰) عادت	Habit

ذیل میں اُن پر فرداً فرداً ہم ایک اجمالی ریویو کرتے ہیں۔

(۱) احساس | نظام عصبی (Nervous System) ہمارے نفس اور عالم خارجی کے درمیان واسطہ ہے نظام عصبی عبارت ہے دماغ اور اُن اعصاب سے جو دماغ سے نکلکر تمام بدن میں منبسط و متفرع ہیں۔ دماغ کے دو حصے ہیں، مقدم دماغ اور موخر دماغ۔ اول الذکر نسبتاً بڑا ہے۔ اصطلاح فیسیولوجیا[6] میں مقدم دماغ کو مخ (Cerebrum) اور موخر

[1] جان لاک انگلستان کا مشہور فلاسفر ۱۶۳۲ء میں پیدا ہوا ۱۷۰۴ء میں فوت ہوا رسالۂ فہم انسانی اسکی ایک نہایت معرکۃ الآرا کتاب ہے

[2] ولیم جیمس امریکہ کا مشہور و معروف علم النفس کا عالم ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوا ۱۹۱۰ء میں مر گیا علم النفس پر اس نے دو جلدوں میں نہایت مبسوط کتاب لکھی ہے جیمس نے الٰہیات کا ایک جدید اسکول قائم کیا ہے جو Pragmatism کے نام سے موسوم ہے [3] ولہلم میکس ونٹ جرمنی کا علم النفس اور علم فیسیولوجیا کا ماہر ہے یہ فلاسفر حیات ہے [4] وارڈ عصر جدید کا عالم علم النفس ابھی زندہ ہے [5] ٹشنر علم النفس کا مبصر ہے یہ فلاسفر ابھی حیات ہے [6] معربہ از فزیالوجی۔

دماغ کو مخیخ (Cerebulum) کہتے ہین۔ مخیخ سے متصل نخاع مستطیل (MadullaOblangata) ہے،
انکا اتصال جسر فردیوس (Pon Varolii) کے ذریعے ہوتا ہے۔ نخاع مستطیل سے متصل اور اسکے نیچے ایک لمبا
عصبی جسکا نام نخاع ہے (Spinal cord) وسط پشت مین دوڑتی ہوئی ہے اعصاب نخاع سے نکلکر تمام جسم مین پھیلتے ہین
اب اعصاب کی دو قسمین ہین حساسہ (Sensory) اور محرکہ (Motor) اعصاب حساسہ احساسات کو نخاع
مستطیل تک لے جاتے ہین اور اعصاب محرکہ مرکز ادراک سے تحریکات عضلات (Muscles) تک پہونچاتے ہین۔

عالم خارجی کے جملہ اثرات ہمارے نفس تک پانچ رستون سے پہونچتے ہین۔ انکا نام حواس خمسہ ظاہری ہے ہر حاسہ ظاہری مین
اسکے مخصوص اعصاب پھیلے ہوئے ہین۔ اور خاص خاص شیاء احساس کا کام انجام دیتے ہین۔ آنکھ کے آخری پردے مین جس کو
شبکہ (Retina) کہتے ہین اعصاب بصری منتشر ہین۔ انکے ذریعے مرئیات کا احساس ہوتا ہے۔ کان کے پردہ کے
پیچھے اعصاب سمعی ہین انکے ذریعہ سے سمعیات کا احساس ہوتا ہے ناک مین اعصاب شمی موجود ہین انکے ذریعے
مشمومات کا احساس ہوتا ہے اسی طرح کام و زبان مین اعصاب ذوقی کے سرے ختم ہوتے ہین چنانچہ انکے ذریعہ سے مذوقات کا
احساس ہوتا ہے اور ہمارے بدن کی تمام جلد مین اعصاب لمسی منتشر ہین ان کے ذریعہ سے ملموسات کا احساس ہوتا ہے
حاسہ لمس انگلیون کے سرون مین سب سے زیادہ قوی ہے۔

(۲) ادراک | محسوسات کا اثر نظام عصبی پر یہ ہوتا ہے کہ ایک طرح کا تموج اعصاب مین پیدا ہوتا ہے۔ روشنی کے اثر سے ہمارے
اعصاب بصری متموج ہوتے ہین آواز ہوا کی مدد سے اعصاب سمعی مین ایک قسم کا تموج پیدا کرتی ہے یہ تموج مخ سے جاکر ٹکراتا ہے
وہان پہنچکر اس مبہم احساس کی ایک متعین صورت ہوجاتی ہے۔ اسی کو ادراک کہتے ہین اسکی تشریح مثال ذیل سے ہوگی۔

ہم ایک کمرے مین داخل ہوتے ہین اندر قدم رکھتے ہی ہمارے مشام مین ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ خالص احساس ہے
دفعتاً ہمارے ذہن مین گلاب کی خوشبو کا نام آجاتا ہے ہم دل مین کہتے ہین کہ یہ گلاب کی خوشبو ہے۔ اب احساس کی نوعیت
متعین ہوگئی یہ ادراک ہے جسقدر ہمارے تجربات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اسی نسبت سے سرعت ادراک ترقی کرتی جاتی
ہے۔ ابتداءً گلاب کی بو کے ادراک کے لیے ایک وقت کی ضرورت تھی مگر بہ تواتر ادراک کی وجہ سے ایسا ملکہ پیدا ہوگیا
ہے کہ آناً فاناً مین ادراک ہوتا ہے۔

(۳) تخیل | تخیل ذہن کی اس قوت کا نام ہے جو غیر موجود شے کی تصویر ذہن کے سامنے کھینچ دیتی ہے۔ اس قوت کی
مدد سے ہم غیر مرئی اشیاء کا ادراک کرسکتے ہین مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری قوت حس اسکے مشابہ مادی اشیاء کا
ادراک کر چکی ہو فی الحقیقت ہم اس شے کا ہرگز تصور نہین کرسکتے جسکا ادراک یا جسکے مماثل کا ادراک زمانہ ماضی مین نہوا ہو

یہ وہ مسائل ہین جنکو اگر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے۔

(۴) توجہ | توجہ ذہن کی وہ قوت ہے جو ایک ادراک کو ہمارے ذہن کے سامنے دیر تک قائم رکھ سکتی ہے۔ یہ سواے اس خاص ادراک کے دیگر ادراکات کا رستہ بند کر دیتی ہے۔ مثلاً گو کہ اسوقت میرے سامنے ایک سفید کاغذ میرے ہاتھ مین ایک سرخ قلم ہے، مگر مین سطور بالا لکھنے مین اسقدر منہمک تھا کہ اسوقت تک ان چیزون کا ادراک معطل رہا جس وقت تک میری توجہ اُن کی طرف منتقل نہوئی۔

(۵) تعقل | تعقل وہ قوت ہے جو مقدمات کو ترتیب دیتی ہے اور اُن سے نتائج اخذ کرتی ہے۔ یہی قوت انسان اور دیگر حیوانات کے درمیان حد فاصل ہے۔

(۶) حافظہ | حافظہ اُس قوت نفس کا نام ہے جو اُن چیزون کے نام، صورت، تعداد وغیرہ پیش نظر کر دیتی ہے جن کا ادراک زمانۂ ماضی مین ہو چکا ہے۔

(۷) الہام فطری | وہ تمام حاسے جو فطرتاً ہم مین ودیعت ہین الہامات فطریہ کہلاتے ہین، اپنی حفاظت کل حیوانات اسی حاسے کی بنا پر کرتے ہین۔ الہام فطری اور تعقل مین فرق یہ ہے کہ الہام فطری کا فعل ترتیب مقدمات اور ارادہ سے بالکل خالی ہے مگر نتائج کے لحاظ سے دونون کی سرحدین ملی ہوئی ہین۔

(۸) جذبات | جذبات کے اقسام کا استقصا تقریباً محال ہے۔ غم و غصہ، مسرت، انبساط، محبت و شرم سے تم تجربی واقف ہو مگر مفرد جذبات ایک دوسرے سے ممتزج ہو کر گوناگون جذبات پیدا کرتے ہین۔ جذبۂ شرم و محبت، جذبۂ عشق و فراق، یہ دو مستقل جذبات ہین لیکن ہر ایک دو مفرد جذبون سے مرکب ہے۔

پروفیسر جیمس نے الہام فطری اور جذبہ مین ایک نہایت دقیق فرق بتایا ہے، وہ یہ ہے کہ

جذبہ کا رجحان ہمیشہ اُس شے کی محسوس کرنے کی طرف ہوتا ہے جس نے اُسے تحریک دی ہے، برخلاف اسکے الہام فطری کا رجحان اس شے پر عمل کرنے کی طرف ہوتا ہے جو باعث تحریک ہو۔

جذبات کے متعلق پروفیسر جیمس کا نظریہ نہایت دلچسپ ہے، پروفیسر موصوف کا قیاس ہے کہ ذہن پر حالات جذباتی طاری ہونے سے قبل ایک مادی تغیر جسم انسانی مین واقع ہوتا ہے، زید پہلے طمانچہ مارے گا بعد کو غصہ ہوگا۔ نہ یہ کہ پہلے اسے غصہ آئے اور طمانچہ مارے بعد کو۔ جیمس کا یہ نظریہ موجودہ علمی دنیا مین مقبول عام ہے۔ افسوس ہے اسکا فلسفہ ہم یہان نہین بتا سکتے۔

(۹) ارادہ | فعل کی دو قسمین ہین ارادی اور غیر ارادی[1]، ہاتھ ہلانا حرکت ارادی ہے، حرکت قلب غیر ارادی، جدید علما[2] علم النفس کا

[1][2] ونٹ، مولر، کوپ، اور تشنر کا خیال ہے کہ تمام موجودہ افعال غیر ارادی ابتدا مین ارادی تھے، چنانچہ حرکت قلب شروع مین ارادی تھی مگر ارتقا (Evolution) کے اثر سے غیر ارادی ہو گئی۔

خیال ہے کہ وہ افعال جواب غیر ارادی ہیں ابتداً ارادی تھے۔

اس قدر مسلم ہے کہ کسی حرکت کے متواتر وقوع ہونے سے ایک طرح کا ملکہ ہو جاتا ہے، شروع میں ایک فعل سرزد ہونے سے قبل اُس فعل کا تصور ہمارے نفس کے روبرو قائم رہتا ہے مگر کثرت مشق سے تقریباً غیر ارادی طور سے سرزد ہونے لگتا ہے، مثال کے لیے کتابت کو لو ابتدا میں ایک ایک حرف کو ارادتاً لکھنا ہوتا ہے، مگر کثرت مشق کے بعد کتابیں لکھتے چلے جاتے ہیں لیکن توجہ حروف اور الفاظ کی طرف منعطف نہیں ہوتی۔

فلسفہ ارادہ کے ضمن میں اکثر اساتذہ علم النفس نے مسئلہ جبر و قدر پر نہایت تفصیلی بحثیں کی ہیں، لیکن حقیقت میں یہ مسئلہ مابعد الطبیعیات کا جزو مبحث ہے اُسکو موضوع علم النفس سے براہ راست کوئی علاقہ نہیں ناظرین کے فائدے کے لیے مجملاً اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مابعد الطبیعیات کا یہ ایک مسلمہ ہے کہ ہر تبدیلی چند اسباب کی محتاج ہے، عالم وجود میں کوئی تغیر بغیر ان علل کے مجتمع ہوئے وجود پذیر نہیں ہو سکتا جو اُس تغیر سے علاقہ سببیت رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ کی روشنی میں حدلیب قدریین کے مذہب کی قلعی کھل جاتی ہے؛ یہ ظاہر ہے کہ فعل انسانی ایک تغیر یا ایک تبدیلی ہے، پھر یہ عقیدہ کہ اسباب مخصوصہ مجتمع ہو جانے کے بعد بھی انسان مختار کل ہے کس قدر لغو عقیدہ ہے؟

ان سے زیادہ حیرت افزا اُن لوگوں کا مذہب ہے جنکا حافظ کے اس شعر پر نہایت عقیدت مندانہ عمل ہے۔

برو اے ناصح و بر دُردکشان خردہ مگیر   کارفرمائے قدر می کند این من چہ کنم

سخت تعجب ہے کہ بعض مسلمان اس فاحش غلطی میں مبتلا ہیں حالانکہ قرآن مجید علانیہ اسکے خلاف شہادت دیتا ہے۔ اس آیت کو پڑھو اور غور کرو۔

وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر وما ظلمنٰہم ولکن کانوا انفسہم نظلمون

کیا اس آیت کو پڑھکر انسان کے کاسب افعال ہونے میں ذرہ برابر بھی شک باقی رہتا ہے؟

الٰہیین (metaphysicians) کا طریقہ جاہل جبریین و قدریین کے بین بین ہے۔ اُنکے نزدیک انسان ذی شعور ہے بلا شبہ وہ اسپر قادر ہے کہ چند ایسے اسباب کا انتخاب کرے جو نوع مخالف کے علل کے مزاحم ہوں، وہ اسپر قادر ہے کہ اپنے موجودہ حالات کو مختلف النوع حالات سے بدل دے، وہ مختار ہے چاہے مسجد کا راستہ اختیار کرے چاہے بتخانہ کا۔ اسی امکانی قوت، اسی قوت خود اختیاری کی جانب کلام پاک میں جا بجا اشارہ کیا گیا ہے۔ جب ہم کو مے نوشی کی عادت پڑ گئی تو بلا شبہ جتنی دفعہ بادہ پرستوں کی صحبت میسر آئے گی جتنی بار ساقی و صراحی کا سامنا ہوگا، ہم اپنا عہد شکست کرنے پر

مجبور ہو جائیں گے۔ لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس عادت سے قبل بھی ہم اسی طرح مجبور تھے؟ کیا شروع شروع میں بادہ کشی اور ترک بادہ کشی دونوں پر برابر ہم قادر نہ تھے؟

اسی مضمون میں ایک جگہ تم پڑھ چکے ہو کہ اسباب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم صحیح صحیح قیاس کر سکتے ہیں کہ اُن کے نتایج کیا ہونگے: چنانچہ ہمکو اگر کسی شخص کی خصلت سے جو اسباب افعال کا مجموعہ ہے پوری پوری واقفیت ہو جائے تو ہم صحیح صحیح قیاس کر سکتے ہیں کہ اس سے کس قسم کے افعال سرزد ہونگے۔ جان اسٹیوآرٹ مل لکھتا ہے[1]

اگر ہم زید کی سیرت سے کماحقہ واقف ہو جائیں، اگر ہم کو اسکے عادات و اطوار پر پوری پوری اطلاع حاصل ہو جائے گو کہ یہ فی الجملہ مشکل ہے تو ہم صحیح صحیح پیشین گوئی کر سکتے ہیں کہ معین موقع پر اس سے کون کون فعل صادر ہونگے۔

جبر و قدر کی بحث میں پڑ کر ہم کو اپنے حدود سے بہت آگے نکل جانا پڑا بس اصل مبحث کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں۔

(۱۰) عادت | نیا قفل کھولتے بند کرتے وقت ابتداءً ولی یہ زرن میں ایک طرح کی گرفتگی محسوس ہوتی ہے کچھ عرصہ کے استعمال کے بعد یہ بات جاتی رہتی ہے، نیا جوتا ابتداءً تکلیف دیتا ہے بعد ازاں ٹھیک ہو جاتا ہے؛ شکن دار کاغذ کو شکن پر تہ کرو با سانی تہ ہو جائے گا، خمیدہ شاخ کو سیدھا کر دو پھر ایک سرا چھوڑ دو بدستور خم ہو جائے گی؛ چڑیوں نے بالائے سقف مشرقی گوشہ میں گھونسلا لگایا ہے، تم اُسے اُٹھا کر مغربی گوشہ میں رکھ دو چڑیاں جب کمرے میں داخل ہوتی ہیں بیساختہ مشرقی گوشہ کی طرف اُڑ کر جاتی ہیں وہاں ایک لمحہ دم لیتی ہیں بعد ازاں مغربی گوشہ کی طرف جاتی ہیں چند روز کے بعد تم یہ تماشہ دیکھتے ہو کہ چڑیاں جب کمرے میں آتی ہیں اُنکا رُخ مشرقی گوشہ کی طرف ہوتا ہے مگر درمیان ہی سے گویا کچھ سوچ کر پرواز مغربی گوشہ کی طرف پھیر دیتی ہیں یہانتک کہ اب بلا تکلف مغربی گوشہ کی طرف چلی جاتی ہیں۔ تم کو اس امر کا بھی تجربہ ہوا ہوگا کہ بعض اشخاص خاص خاص موسموں میں بیمار ہو جاتے ہیں، اگر تم کھانا کھانے کے بعد پان کھایا کرتے ہو تو جبتک پان نہ ملے طبیعت کیسی بے مزہ رہتی ہے؛ تیا کو کھانے پینے والوں کا ماہ صیام میں کیا حال ہوتا ہے؛ شرابیوں کو جب شراب نہیں ملتی کیا گت ہو جاتی ہے اور جب شراب پینے کا موقع ملتا ہے کیسے مضطربانہ بوتلوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں[2]

متذکرہ بالا امثال میں قدر مشترک یہ ہے کہ

کسی مادہ پر جب ایک عمل متواتر لاحق ہوتا ہے تو وہ اُس سے ایسا متاثر ہو جاتا ہے کہ اس سے اس عمل کے مطابق افعال صادر ہونے لگتے ہیں۔

---

[1] جان اسٹیوآرٹ مل انگلستان کا رئیس الفلاسفہ ۱۸۰۶ء میں تولد ہوا ۱۸۷۳ء میں وفات پائی، منطق استقرائی کو اس فلاسفر سے وہی نسبت ہے جو منطق قیاسی کو ارسطو سے [2] ان مثالوں میں سے اکثر جیمس سے ماخوذ ہیں

مگر مادہ کی دو قسمین ہین ذی روح اور غیر ذی روح' امثال مذکورہ مین دونون قسم کی مثالین موجود ہین' ہم نے ذی روح مادہ کو دو قسمون مین مزید تقسیم کیا ہے' یعنی

(۱) ایک وہ ذی روح مادہ جس سے حیوان مطلق مرکب ہے۔

(۲) دوسرے وہ ذی روح مادہ جس سے انسان بنا ہے۔

اور انکی الگ الگ مثالین دی ہین چنانچہ ذی روح مادہ کی مثالون مین جو امر مشترک ہے وہ یہ ہے'

نظام عصبی مین' خارجی اثرات سے متاثر ہونے کی ایک خاص قابلیت ہے اور جون جون ان اثرات کا عمل متواتر ہوتا ہے' اُسی نسبت سے اعصاب پر خط اور گہرا ہوتا جاتا ہے۔

اس تمام عبارت کے مفہوم کو ادا کرنے کے واسطے زبان نے ایک لفظ وضع کر لیا ہے اور وہ عادت ہے۔

جب کسی فعل کی عادت ہو جاتی ہے تو اسکا صدور بشکل غیر ارادی طور سے ہوتا ہے' اول اول ہم اس فعل کا تصور کرتے ہین' اہتمام کرتے ہین' اسکے کرنے کا ارادہ کرتے ہین' مگر جب عادت ہو جاتی ہے' نہ تصور کی ضرورت رہتی ہے اور نہ کسی اہتمام کی' فعل گویا از خود صادر ہوتا ہے۔

پروفیسر ہنری ہکسلے[1] نے ایک نہایت دلچسپ لطیفہ نقل کیا ہے' اس لطیفہ مین قانون عادت نہایت واضح اور جلی نظر آتا ہے:-

ایک سپاہی عرصہ دراز تک فوج مین ملازم رہا' جب فوج سے علحدہ ہوا' کسی میر کی خدمتگاری کر لی۔ ایک روز کھانے کا طباق سر پر رکھے سڑک پر جا رہا تھا' کسی ظریف کو تمسخر سوجھا' انھین دیکھکر زور سے چلایا "اٹینشن" یہ سُننا تھا کہ انھون نے طباق چھوڑ دونون ہاتھ لٹکا دیے۔ طباق نالی مین گر پڑا۔

نکتہ یہ ہے کہ فوج مین حسب دستور اس سپاہی کو ڈرل کرنا پڑتی تھی' ڈرل کے ہدایات پر عمل کرنے کی عادت اسقدر راسخ ہو گئی کہ جون ہی "اٹینشن" کا لفظ سُنا' ہاتھ لٹکا دیے۔

ہم عادت کے اسباب بیان کر چکے' اب عادت کے نتائج بتاتے ہین۔

(۱) عادت کا پہلا نتیجہ یا اثر یہ ہے کہ جب ایک حرکت کی عادت ہو جاتی ہے تو اسمین سہولت اور بیساختگی پیدا ہو جاتی ہے' اور اسکے کرنے سے ہم کم تھکتے ہین۔

(۲) دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ قوت توجہ کا تصرف برائے نام رہجاتا ہے فلسفہ عادت کے مطالعہ سے جو چند عملی اصول منتزع ہوتے ہین ہم انکو ذیل مین درج کرتے ہین۔

---

[1] Professor Huxley انگلستان کا مشہور و معروف لا ادری علم الحیات کا عالم' تولد ۱۸۲۵ء وفات ۱۸۹۵ء۔

(۱) جدید عادت کے اکتساب اور قدیم عادت کے ترک کے وقت تمھارا عزم نہایت مستقل اور مضبوط ہونا چاہیے۔

(۲) جبتک نئی عادت خوب اچھی طرح جڑ نہ پکڑے اُسوقت تک چاہیے کہ تمھارے طرز زندگی مین مستثنیات داخل نہون۔

(۳) کسی جدید عادت کی بنا ڈالنے کے لیے تم کو جلد سے جلد عازم ہونا چاہیے، جب جذبات کا رنگ موافق مطلب دیکھو تو اس قوی تحریک سے فائدہ اُٹھانے مین تعجیل کرو۔

(۴) تم کو چاہیے کہ بالمرہ کوئی نہ کوئی بات ایسی کر لیا کرو جو تمھاری خواہش کے خلاف ہو مثلاً اگر اسوقت انکو لکھنے کو دل چاہتا ہے اور انکو بآسانی مل بھی سکتے ہین تو تم کو چاہیے کہ اپنی طبیعت کو روکو۔ اس سے قوت ارادی برابر مشتعل رہے گی

ظفر

سادہ خط

کرون کس منھ سے شکوہ آہ اُس غارتگر جان کا
بنایا جسکو مالک مین نے دل کا جان و ایمان کا

وہ بے حس بے مروت بیوفا بیرحم بے پروا
وہ دشمن جان عاشق کا وہ پیاسا خون ارمان کا

یہ مانا لیکن اے قاصد ذرا انصاف سے کہہ تو
خطا اُس خوبصورت کی قصور اُس حسن کی جان کا؟

وہ ہے سفاک لیکن اس نے کب کی مجھ سے فرمائش
کہ تم مالک بناؤ مجکو قلب و جان و ایمان کا!

کہے گا تو کہ اُس دلبر کو تم دلدار سمجھے تھے
دل آزاری کو شیوہ جانتے تھے تم نہ جانان کا

تمنا کو اسی باعث کیا تھا اس سے وابستہ
بنایا تھا اسی سے تم نے مرجع اُسکو ارمان کا

خلاف امید کے اُس شوخ کا طرز عمل نکلا
کہ جس سے تمکو غم سہنا پڑا اب یاس و حرمان کا

تو کیا اپنی غلط فہمی کا شکوہ مین کرون اُس سے
بتا تو ہی یہ عاقل کا طریقہ ہے کہ نادان کا

بہر صورت بخوبی ہوگیا یہ مسئلہ ثابت
شکایت اُسکی گویا خون ہے انصاف و ایمان کا

رہا اب یہ کہ شکوہ موجب تسکین دل ہوگا
گھٹے گا اضطراب اس سے مرے قلب پریشان کا

یہ مین بھی اے مرے ہمدرد قاصد جانتا تو ہون
لیے کی لاج لیکن مقتضا ہے وضع انسان کا

مین اکثر بیخودی عشق مین اک شعر پڑھتا ہون
وہ ہو ان ہے جو کسی آتش بجان کے قلب سوزان کا

مرے ہی سامنے دامن اُٹھا کر ناز سے چلنا
مجھی سے پھر گلا اُلٹا مرے چاک گریبان کا
(امیر مینائی)

سن لے قاصد شکایت بے محل تھی اسے بے خبر
جواب اس طرح عاشق نے دیا تعریف جانان کا

حقیقت مین کہان خبر سنگ معشوق جائز ہے
کسی معصوم کو ملزم بنانا ایک عصیان کا

چلے وہ ناز سے دامن اُٹھا کر شان تھی اُنکی
گریبان چاک کر ڈالا یہ تھا فعل ایک نادان کا

شکایت انکے ناز جانستان کی یہ نہین کرتا
گلہ بیچارہ سے پھر کس لیے چاک گریبان کا

جواب شکوۂ باطل دیا عاشق نے بھی جل کر
بہت ملحوظ رکھا گو کہ پاس آداب جانان کا

اُسے تو پاس بھی مانع نہین پیراوہ لکھدے گا
جواب دل شکن عرضۂ حال پریشان کا

نکر اصرار تحریر شکایت پر رلا دے گا
ارے قاصد گلہ انکی جفا کا رنج ہجران کا

علاوہ اسکے مین اک دفتر غم بھی اگر لکھون
بیان ہرگز نہو شمہ مرے اندوہ حرمان کا

پھر اپنی جان کا بھی تجکو کچھ اندیشہ لازم ہے
کہین تجھپر نہو قہر و غضب اس شاہ خوبان کا

بس اک تدبیر اُسے خط بھیجنے کی مین نے سوچی ہے
کہ مطلب بھی ادا ہو اور نہو خطرہ تری جان کا

یہ نامہ لے کہ ہے ملفوف اسمین کاغذ سادہ
نمونہ سادگیہائے دل بیتاب و حیران کا

لفافہ پر نشان کے واسطے البتہ اے قاصد
مناسب ہے کہ لکھدون نام اُس غارتگر جان کا

زبان خامہ پر کس کا یہ پیارا نام آیا ہے
بنا ہے نقش جو کاغذ کے اپنے قلب بیجان کا

وفا کی بو ہے خط مین نام مین ہے بوئے بے مہری
ہے مجموعہ نیاز عشق و ناز حسن جانان کا

لفافہ پر خط سادہ کے نام یار کا ہونا
دکھائے گا اسے انداز میرے قلب حیران کا

دل ہانی پہ یعنی اے عزیز از جان سوا تیرے
جما نقشہ نہ حورون کا نہ پریون کا نہ انسان کا

سکوت خامہ اے قاصد اُسے یہ بھی بتا دیگا
بیان ممکن نہین ہے مجھ سے حسرت ہائے پنہان کا

خموشی مین نہان خون گشتہ لاکھون آرزوئین ہین
چراغ مردہ ہون مین بے زبان گور غریبان کا

سید کلب احمد مانی جائسی



الاعمال بالنیات

امثال لقمان مین ایک حکایت ہے کہ آدمی اور شیر مین یہ مباحثہ ہو رہا تھا کہ دونون مین زیادہ زبردست کون ہے - ایک اپنے دلائل پیش کرتا تھا دوسرا اُسے رد کردیتا تھا - دونون بحث کرتے چلے جارہے تھے راہ مین ایک دیوار پر تصویر دیکھی کہ آدمی نے شیر کا گلا گھونٹ ڈالا ہے - آدمی کا یہ زور دیکھکر آدمی اترانے لگا شیر نے جواب دیا کہ قلم در کف دشمن است مجھے اس جواب پر وجد ہوتا ہے کہ فطرت انسانی کا بہت ہی چھپا ہوا راز اس سے کھل گیا - یورپ والون کے ہاتھ مین جب سے قلم ہے یہی کرشمے دیکھنے مین آرہے ہین - اپنے ملک کی گھسیاریون کی تصویر بنائین گے تو ایسی کہ پریان شرما جائین اور ایشیا والون مین خاقان چین کی بھی تصویر ایسی دکھائین گے کہ چرکٹا معلوم ہو - دیکھنے والون کے دلون پر اس جادو کا بہت کچھ اثر ہے - مگر یورپ کا نقشہ جب پڑھاتے ہین تو اُس مین یہ لوگ ذرا دور اندیشی سے کام نہین لیتے نقشہ کے ٹانگنے کا قاعدہ یہ رکھا ہے کہ شمال اوپر ہو جنوب نیچے - اور سیکھنے والے چھوٹے چھوٹے بچے - وہ جب دیکھتے ہین کہ روس تمام یورپ پر چھایا ہوا ہے - تو اسی سن سے اُنکے دلون پر روس کی عظمت کا نقش بیٹھ جاتا ہے اور ابھی سے دبا ؤ مان جاتے ہین - یہی لڑکے بڑے ہوکر ملکی عہدونپر فائز ہوتے ہین اور امور ملکی کا حل و عقد انھین کی راے پر منحصر ہوتا ہے لیکن بچپن سے جو نقش دل پر بیٹھا ہوا ہے وہ تو پتھر کی لکیر ہے - جاپان والون نے مکڈن کو جب فتح کیا اور روس مثل خروس اُنکے سامنے سے نوک دم بھاگا تو جرمن مین جو سفیر جاپان کا تھا اُس سے فتح کی تہنیت مین جرمن کے بعض مدبرین سلطنت نے یہ فقرہ بھی کہا کہ ہین خوشی اس بات کی ہے کہ ہماری تعلیم کا یہ اثر تھا کہ جاپان کو ایسی نمایان کامیابی ہوی جاپانی نے فوراً جواب دیا ہان یہ سچ ہے کہ ہم نے فن جنگ مین تم لوگون سے تعلیم لی ہے لیکن مین دیکھتا ہون کہ جیسی دہشت یورپ والون کے دلون مین روس کی سمائی ہوی ہے جاپان مین اسکا اثر کچھ بھی نہ تھا - اس شخص نے عجب سچا ہیانہ جواب دیا حقیقت یہ ہے کہ جن سلاطین کے پاس ڈریڈ ناٹ روس سے زیادہ آلات حرب کے بنانے مین جنھین روس پر تفوق جن کے تمول و استغنا پر روس کو رشک و حسد اُنکا روس کے مقابلہ مین بغلین جھانکنا حیرت کی بات ہے - اُس جاپانی نے اُنکے دل کی حالت کو بھانپ لیا - سمجھ گیا کہ روس کی دہشت بے طرح اس قوم مین سمائی ہوی ہے اور جس قوم کے دل مین ایسی دہشت ہو اُسکا فن جنگ مین ماہر ہونا وقت پر کام نہین آتا - آدمی مین ہے کیا دل یا زبان باقی گوشت کے لوتھڑے ہین ؎

لسان الفتی نصف ونصف فؤاده . فلم یبق الا صورة اللحم والدم

دل کے اندیشہ کا اعضا وجوارح پر عجیب و غریب اثر ہوتا ہے - ڈارون پر اسرار علم حیوانات کا جو انکشاف
ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دل کے اندیشہ کا اثر قلب ماہیت ہوتا ہے - مثلاً گوہ کے دل مین شکار ہو جانے کا
خوف جو سمایا تو اوس نے زمین کے اندر سے باہر آنا ہی چھوڑ دیا یون ہی رفتہ رفتہ چارون پاؤن اوسکے بیکار ہو گئے
دو تین ہزار برس مین اوسکی نسل پر یہ اثر پڑا کہ گوہ کے انڈے سے سانپ پیدا ہونے لگے یا گرگٹ وغیرہ جو درختون
کی چوٹیون تک چڑھتے چلے جاتے ہین جب دیکھتے ہین کہ ہوا مین سیکڑون کیڑے مکوڑے اوڑ رہے ہین اور ہم انکو
شکار نہین کر سکتے تو یہ ارادہ اونکا یہ اثر ڈالتا ہے کہ کئی ہزار برس مین وہ طائر بن جاتے ہین اور اوڑتے ہوے
کیڑون کو شکار کر سکتے ہین - اعضاے حیوانات کی تشریح اور علم افعال اعضا سے اس قسم کے خیالات پر شاہد
قوی ان فلاسفہ کے ہاتھ آئے ہین مثلاً سانپ کے پیٹ مین چارون پاؤن کے نشان موجود ہین صاف
معلوم ہوتا ہے کہ پاؤن جھڑ گئے ہین یا انسان کی ڈھڈی کے مقام پر دو ہڈیان بڑھی ہوئی گواہی دے رہی ہین
کہ دم گر گئی ہے - نوع کے بدلنے مین تو ہزارون ہی برس چاہیے - انسان کے عمر بھر کے واقعات اور اوسکے اطوار
و عادات کا سارا حال بوڑھاپے مین اوسکے اعضا کا تغیر ایک طبیب حاذق کے سامنے کھول کھول کے بیان کر دیتا
ہے - افعال اعضا کے ماہرین نے بقوت حدس صائب یہ مسئلہ دریافت کر لیا ہے - کہ نفس کا اثر اعصاب پر پڑتا ہے
اور اعصاب مین وہ انفعالات منتقش رہتے ہین اوس کا اثر اولاد تک پہونچتا ہے - اسی سبب سے اسلاف کے
خیالات و عادات کا آئینہ اولاد ہوا کرتی ہے - نطفہ کے ہر قطرہ مین اعصاب کے تمام انفعالات منتقل ہو کر اولاد
مین آتے ہین جس طرح دانہ سے ویسا ہی نخل پیدا ہوتا ہے جیسا دانہ کے اجزا کا مقتضی ہو ڈارون کی تھیوری ابھی
مرتبہ ثبوت کو نہین پہنچی ہے ثابت بھی ہو جائے تو اوس سے وجود باری کا ابطال نہین ہو سکتا خلقت آدم کا قصہ جو
کتب آسمانی مین ہے وہ بیشک غلط ہو جائے گا بلکہ ابھی سے اس قصہ کا مضحکہ یورپ مین اوڑ رہا ہے - یہ تھیوری
اوسکی صحیح ہو یا غلط اتنا تو ضرور صحیح ہے کہ جو اندیشہ ساری قوم مین ساری ہو اوسکا اثر قوم کی نشو و نما پر بہت
پڑتا ہے - روس کی طرف سے جو اندیشہ پیدا ہو گیا ہے - اس سے یورپ کی ترقی مین رکاوٹین پیدا ہو جائین تو
عجب نہین - افسوس ہے کہ اس سنگ راہ کے ہٹانے مین زور لگاتا تو کجا یارون نے اور اسے قوی
کر دیا -

علی حیدر طباطبائی

فغانِ دل

سر مستِ تغافل ہے کیون نرگسِ مستانہ — ہے عید کا دن ساقی گردش مین ہو پیمانہ

سر جوش محبت کا پھر دور چلے جلدی — ہون رند گلے ملتے بڑھ جائے وہ یارانہ

یون جام بکف ساقی آ بزم مین رندون کی — اک شمع محبت کا ہر قلب ہو پروانہ

تاثیر سے صحبت کی ظاہر ہو وہ یک رنگی — چھپ جائے نگاہون مین اک جلوۂ جانانہ

اخلاق مروت کے گلدستے سجے لے گل چین — آراستہ کر دل کا اُجڑا ہوا کاشانہ

اک جام کے نشہ مین یہ کیف نمایان ہو — بس جائے دماغون مین اندازِ حکیمانہ

مستی کے بھی عالم مین غالب رہے ہشیاری — دامن نہ چھٹے تیرا ہو جاؤن جو دیوانہ

ایمان کی دولت کو ہاتھون سے نہ جانے دو ن

پائی ہوئی نعمت کو ہاتھون سے نہ جانے دو ن

بیکار سمجھتے ہین جو صنعت و حرفت کو — در اصل وہ کھوتے ہین آپ اپنی ہی عزت کو

کچھ قوم کے دلدادہ رہبر ہین بنے دیکھو — گمراہ نہ اب رہنا سُن سُن کے ہدایت کو

آمادہ دل و جان سے ہو جاؤ رفاقت پر — آئینہ کرو سب پر آج اپنی حقیقت کو

یہ قوت یکجائی باعث ہے ترقی کی — مل جاؤ گلے باہم دکھلاؤ محبت کو

اے قوم کے نوخیزو! کچھ کارنمایان سے — دنیا پہ کرو ثابت آج اپنی شرافت کو

احکام پیمبر کی تم قدر کرو کچھ تو — حرفت کو ترقی دو چمکاؤ تجارت کو

تھے خواب مین غفلت کے! کچھ لوگ اُٹھاتے ہین — دیکھو! اگر آنکھین ہون خالق کی عنایت کو

تا چند رہو گے تم رسوائے نگونساری

کہہ کر اٹھو یا حیدر آیا دم بیداری

سید محمد جعفر قدسی جائسی

تمہیدی فیضان

کیفیتے از صومعہ حاصل نہ نمودی — زاہد گزرے جانب میخانہ ضرور است

جب ہم کبھی عام طور پر کسی علم یا فن کا نام لیتے یا ذکر کرتے ہین تو بعض وقت بعض لوگ یہ سمجھتے ہین کہ جس علم یا جس فن کا بالخصوص ذکر کیا جاتا ہے وہ کوئی ایسا علم یا ایسا فن ہے جو اپنی خصوصیات یا کیفیات کی وجہ سے بہ جہت ایک خاص یا انوکھی کیفیت ہونے کے بحث کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً جب کبھی صرف نحو یا منطق کا ذکر ہوتا ہے تو بعض لوگ بادی السماعت مین یہ خیال کرتے ہین کہ یہ علوم یا یہ فنون ایک ایسی خاص کیفیت رکھتے ہین جو انسانی تصرفات سے کچھ دور فاصلہ پر ہے۔ اس قسم کے خیالات بعض وقت صرف اُسی صورت مین وجود پذیر ہوتے ہین کہ جب علم مطلق۔ علم کیفی۔ فن مطلق اور فن کیفی کی بابت بعض لوگون کی رائے یا معلومات ایک حد تک محدود ہوتی ہے۔

یہ ایک ایسی کمی یا غلطی ہے جو علوم اور فنون کی واقعی شہرت ورواشت مین کبھی نہ کسی حد تک حارج ثابت ہوتی ہے۔ اگر ہم صحیح معنون مین علم مطلق۔ علم کیفی۔ فن مطلق اور فن کیفی کی حد اور تعریف سے واقفیت پیدا کرین یا ایسی واقفیت پیدا کرنے کی کوشش کرین تو کم سے کم اسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ ہم اون غلط فہمیون اور اُن مزاحمتون کا ایک خوش اسلوبی سے مقابلہ کر سکینگے جو کبھی کبھی اس راہ مین حائل ہوتی ہین یا جن کے حائل ہونے کا اندیشہ ہے۔

بعض دفعہ ہم جو بعض علوم اور فنون کی مشکلات کا حد سے زیادہ قیاس کرنے کے عادی ہین اور اس وجہ سے ایک خیالی منزل مین تھک کر رہ جاتے ہین اکثر اُسکا موجب یہی ہوتا ہے کہ ہم کسی حد تک علوم اور فنون کی تعریف یا حقیقت اور کیفیت سے ناآشنا ہوتے ہین۔ جب ہم کسی طالب علم کے سامنے شروع شروع مین پیچیدہ الفاظ یا مغلق جملون مین کسی علم یا کسی فن کا ذکر کرتے ہین تو وہ اُن پیچیدہ اور مغلق تعریفون سے اس گھبراہٹ مین پڑ جاتا ہے کہ یہ کیسا گورکھ دھندا ہے جس کے حل کرنے مین اسقدر کڑی اور بیشمار مشکلات سد راہ ہین۔ جب ایک فلسفی یا ایک منطقی یہ کہتا ہے کہ یہ علم یا یہ فن اسقدر مشکل اور اسقدر محنت طلب ہے تو بعض سامعین پہلے ہی سے مشکلات مین پڑ جاتے ہین کیونکہ جس شد و مد سے اُنھین ناگفتہ بہ مشکلات کا یقین کرایا جاتا ہے واقعی اُس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ سامعین یا متعلمین ایک تذبذب مین پڑ جائین اس سے

انکار نہین کیا جا سکتا کہ علوم اور فنون کے حاصل کرنے مین مزاحمتین اور مشکلات عاید ہوتی ہین اور سواے دماغ سوزی اور دردسری کے اُنکا بوجہ الکمال حاصل کرنا مشکل ہے اور یہ کہ ہر شخص اُن مشکلات کا مقابلہ یا حل نہین کر سکتا لیکن یہ مزاحمتین اور یہ مشکلات جو اُنکی تحصیل مین پیش آتی ہین علوم اور فنون کی واقعی کیفیت اور حقیقت سے ایسا تعلق نہین رکھتین جیسا خیال کیا جاتا ہے۔ علوم اور فنون کی اصلی روشنی اسقدر پردۂ ظلمت مین مخفی نہین جسقدر اُن کے وسائل تحصیلیہ ہین۔

آفتاب اور ماہتاب بھی ایک وجود اور ایک کیفیت ہین اُنکا وجود ایسا درخشان اور تابان ہے کہ کوئی انکار کرہی نہین سکتا۔ لیکن آفتاب اور ماہتاب کی حقیقت دریافت کرنے کے واسطے خاص محنت اور خاص وسائل کی ضرورت ہے۔ اور اس مرحلہ مین ہر شخص بازی نہ جا سکتا ہے۔ علوم اور فنون کی ابتدائی الجھنون اور مشکلات کے حل کرنے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ بات ذہن نشین کرلین کہ کوئی علم یا کوئی فن اگرچہ کیسا ہی مشکل اور ادق ہو اُس انسانی طاقت سے باہر نہین جو اُسے قدرت نے عطا کر رکھی ہے جو چیزین قدرت نے بنائی ہین اُنکا علم اُسی قدر ہو سکتا ہے جتنی عقل اور فہم خود قدرت نے اُنکے سمجھنے کے واسطے انسان کو دی ہے لیکن جو چیزین خود انسان نے بنائی یا مہیا کی ہین اُنکا حاصل کرنا بھی اُسی قدرتی عقل اور فہم کے ذریعہ سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

ہر علم اور ہر فن کی صورتین حسب ذیل ہو سکتی ہین۔

(الف) علم۔ (الف) فن۔

(ب) علم مطلق۔ (ب) فن مطلق۔

(ج) علم کیفی۔ (ج) فن کیفی۔

آسان لفظون مین علم کے معنے جاننے اور فن کے معنے جانی ہوئی شئے کے ایک ترکیب ثانی مین لانے کے ہین۔ جو چیز ہم جانتے ہین یا جو چیز جاننے کے قابل ہے وہ ایک علم ہے جو جانی ہوئی چیز ہم ایک ترکیب جدید مین لاتے یا لا سکتے ہین وہ ایک فن ہے۔ جو بچہ یا جو شخص یہ نہین جانتا کہ سفید اور سیاہ رنگ مین یہ فرق ہوتا ہے اُسے جب ان دونون رنگون مین ایسا فرق دکھایا جائے گا تو وہ ایک آسانی سے مقابلتاً یہ جان سکے گا کہ واقعی ان دونون مین یہ فرق ہے اور اُس وقت یہ کہا جائے گا کہ اُسے سفید اور سیاہ کا علم ہے گو ایسا بچہ یا ایسا شخص یہ تو نہین جانتا کہ سفید اور سیاہ رنگت کی اصلی وجہ کیا ہے لیکن اسقدر ضرور جان

جاتا ہے کہ سفید اور سیاہ جداگانہ رنگ ہین اور وہ انمین تمیز بھی کرسکتا ہے جو بچہ یا جو شخص نہین جانتا کہ سفید اور سیاہ رنگ بھی ہوتا ہے اُسکی نسبت یہی کہا جائیگا کہ وہ ان رنگون سے واقف نہین یا وہ انکا علم نہین رکھتا۔

جس قدر اشیا ہم جانتے ہین یا جس قدر اشیا سے ہم واقف ہین اُن سب کا علم ہمین حاصل ہے یا یہ کہ اُن سب کو ہم جانتے ہین جو اشیا یا جو چیزین ہم نہین جانتے گو وہ موجود ہوتی یا کسی نہ کسی رنگ مین وجود اور ہستی رکھتی ہین وہ ہمارے علم سے باہر ہوتی ہین جو لوگ اُنھین جانتے ہین وہ لوگ مقابلہ اُن لوگون کے جو اونھین نہین جانتے اُنکی نسبت ایک علم رکھتے ہین یا یہ کہ ایسی اشیاء اُنکے علم سے باہر نہین ہوتین۔

کوئی علم اور کوئی فن دنیا۔ موجودات اور کائنات سے جداگانہ نہین ہے۔ علم دنیا ہے اور دنیا علم ہے یا یہ کہ علم تمام موجودات اور تمام کائنات ہے اور تمام موجودات اور تمام کائنات علم ہے۔ علم یا فن کی بنیاد کیا ہے؟ دنیا اور کائنات۔ دنیا اور کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ علم اور فن۔

صرف نحو۔ منطق فلسفہ۔ طب ڈاکٹری۔ ہیئت سائنس وغیرہ کیا ہے؟ کائنات اور موجودات کی مختلف حقیقتون اور کیفیتون کا ایک خاص نام یا خاص صورت یا خاص دریافت شدہ کیفیت۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلان شخص علم حیوانات مین ماہر اور کامل ہے تو اُسکا مطلب سوا اسکے اور کیا ہوسکتا ہے کہ جو شخص اپنے اردگرد کے حیوانات کی حقیقت سے ایک حد تک واقفیت رکھتا ہے وہ علم حیوانات سے ماہر ہے اسی طرح جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص صرفی اور نحوی ہے تو اُسکا منشا بھی یہی ہوتا ہے کہ مختلف لوگ ایک زبان کا جس جس طریق سے استعمال کرتے ہین وہ اُسکا جاننے والا ہے۔

ایک ڈاکٹر یا ایک طبیب کب ڈاکٹر یا طبیب ہوتا ہے؟ جب وہ ادویہ۔ امراض اور عوارض سے واقفیت رکھتا ہے اور جب اصول و وسائل تشخیص امراض اور ترکیب ادویہ مین مہارت رکھتا ہو۔

یہ دونون شقوق یا تو خود کائنات ہین اور یا کائنات کے اندر اور مجموعہ موجودات مین داخل۔ کائنات اور موجودات کا جاننا اُسکی حقیقتون اور کیفیتون سے حد امکانی تک واقف ہونا ایک علم حاصل کرنا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ کائنات ہی علم ہے اور کائنات ہی معلوم گو بظاہر یہ مرحلہ کسی حد تک مشکل معلوم دے لیکن اگر وسعت نظر سے دیکھا جائے گا تو پتہ لگ جائے گا کہ دراصل کائنات کے علم ہی کا نام علم ہے اور وہ کائنات سے جدا نہین اور نہ اُس مین اور کائنات مین کوئی فرق ہے اگر کوئی فرق ہے تو صرف ترکیب کا۔ ہر شخص کسی نہ کسی حد تک نحوی۔ صرفی۔ منطقی اور فلاسفر ہے لیکن ہر شخص اُن ترکیبون۔ مجازات یا اصطلاحات سے

واقفیت نہین رکھتا جو کسی قانون یا ضابطہ کے ماتحت خاص کر لی گئی ہین۔ صور ہندسیہ اور اشکال سماویہ کائنات
مین موجود ہین لیکن اُنکی ترکیبی صورت علم ہندسہ حساب اور ہیئت سے موسوم ہے اور عام طور پر ایسی صورتین یا
ایسی کیفیتین ایک علم یا ایک فن سے تعبیر پاتی ہین ۔ ہر شخص علیٰ قدر مراتب منطقی اور فلسفی ہے گو ہر شخص یہ نہین جانتا
کہ وہ منطقی اور فلسفی بھی ہے لیکن اُسکی طبیعت اور اُسکے عمل مین منطق اور فلسفہ کے اجزاے کثیرہ پاے جاتے ہین
ہر شخص گلی کوچہ مین منطق برتتا ہے اور ہر شخص فلسفہ یا اصول فلسفہ سے استدلال اور استشہاد کرتا ہے گو وہ یہ نہین
جانتا کہ اُسکا طریق عمل یا استدلال ایک حدتک تابع قواعد منطق یا ماتحت فلسفہ کے ہے۔ منطق کی واضح تعریف ایسے
قواعد کا اتباع ہے جو ایک صحیح نتیجہ پیدا کرنے کا صحیح ذریعہ ہوسکین اسی طرح فلسفہ کی موٹی تعریف عقل و فراست ہے
یا عقل و فراست سے استدلال - یہ دونون کیفیتین یا دونون صورتین درجہ بدرجہ ہر شخص کی ذات مین کسی نہ کسی
حدتک پائی جاتی ہین ۔ ایک دور بین انسان بادنیٰ توجہ ہر شخص کی طبیعت مین انکا نشان پاسکتا ہے اور خیال
کرسکتا ہے کہ قدرت نے جو مواد دے رکھا ہے اُس سے ہر شخص کام لے رہا ہے جو شخص ایسے مواد سے علمی رنگ مین
کام لیتا ہے وہ منطقی اور فلاسفر ہوجاتا ہے یا اُسکو منطقی اور فلاسفر کہتے ہین اور جو شخص ایک مختص قانون سے ناواقف
ہوتا ہے وہ اگرچہ اس مواد سے ایک حدتک کام تو لیتا ہے لیکن ایک مختص قانون کے ماتحت اُسکو منطقی اور فلاسفر
نہین کہا جاسکتا۔ دنیا مین جسقدر علوم اور سامان علوم پائے جاتے ہین وہ سب کسی نہ کسی رنگ مین موجود ہین عام
اس سے کہ ہمین اُنکا علم ہے یا نہین۔

اوپر کی سطرون مین علم اور فن کی جو ضمنی صورتین بیان کی گئی ہین اُنکی تفصیل مختصراً یون ہوسکتی ہے -

(الف) جو کچھ ہمارے سامنے ارگرد گرد اوپر نیچے یمین ویسار اندر باہر پایا جاتا ہے یہ سب علم ہے جب تک بعض
خصوصیات اور بعض حدود کا اطلاق نہو تب تک یہ سب منظر ایک علم ہے جب منجملہ اس منظر کے کوئی منظر من جہت
بعض خصوصیات مختص قرار دیا جائے تو وہ علم مطلق کی تعریف مین آجاتا ہے -

(ب) جب ایک مختص علم کی کیفیت پر بحث ہو تو اُس وقت اُسے علم کیفی کہتے ہین۔

(ج) یہی صورت فن کی بھی ہے -

فن اُس وقت تک فن ہے جبتک وہ من وجہ بعض خصوصیات منظر عامہ مین سے مختص نہو جب اختصاص
پاجائے تو وہ فن مطلق ہوجائے گا اور جب اُسکی کیفیت معرض عمل مین آئے گی تو اُس صورت مین اُسکا نام فن
کیفی ہوجائے گا۔

(د) مثلاً عناصر یا بہ تکرار کائنات مین جہت عناصر و کائنات ایک علم ہے یا یہ کہ ایک ایسی ہستی جو اندرحدود علم ہے۔ اور کائنات کا تجزیہ فرداً فرداً علم مطلق ہے۔ ہر فرد اور ہر جزو کی بابت باعتبار حقیقت اور کیفیت کے جو بحث کی جاتی ہے وہ ایک کیفی علم یا کیفی فن ہے۔ ہوا اور پانی کی بابت جب باعتبار تاثیرات و تصرفات و کیفیات کے بحث کی جاتی ہے تو کہا جائے گا کہ باعتبار کیفیت کے وہ ایک علم کیفی ہے۔ اسی طرح جب فن مطلق کی بابت مین بہت کیفیات بحث کی جاتی ہے تو کہا جائے گا کہ وہ باعتبار ایک کیفیت کے ایک فن کیفی ہے۔

باعتبار علم مطلق اور علم متکیف کے ہر علم ہمارے اردگرد کے مناظر مین پایا جاتا ہے اور ہر منظر بجائے خود ایک علم ہے۔ ہر منظر مین جہت کیفیات اور تاثیرات و تصرفات ایک علم ہے اور ہر ہستی اپنے اپنے رنگ مین ایسے کام لے رہی ہے اور انھین تاثیرات کیفیات اور تصرفات کو جب ایک مختص ضابطہ کے ماتحت لایا جاتا ہے تو اُسے ایک خاص نام سے موسوم یا تعبیر کیا جاتا ہے۔

(ھ) مثلاً منطق اور فلسفہ بجائے خود ایسی دو کیفیتیں یا دو تصرفات ہین جو عام طور پر ہر دماغ انسانی مین پائی جاتی ہین اور ہر ضمیر انسان کچھ نہ کچھ اُن سے کام لے رہا ہے لیکن عام طور پر انھین ان حالات مین منطق اور فلسفہ نہین کہا جاتا۔

(و) جب ایسی کیفیات اور تصرفات کو ایک ضابطہ کے ماتحت لایا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ منطق ہے اور یہ فلسفہ ہے۔

(ز) عالم۔ علم اور معلوم دراصل غیر نہین ہین تینون مین ایک نسبت موجود ہے عالم جو کچھ معلوم کرتا ہے وہ پہلے سے بصورت ایک حقیقت اور کیفیت کے بحیثیت ایک علم کے موجود اور ثابت معلوم دراصل ایک علم ہی ہے۔ علم کیا ہے؟ جو معلوم کیا جاتا ہے معلوم کیا ہے؟ جو علم ہے۔ منطق کیا ہے؟ جو لوگون کی بول چال مین آتی ہے۔ لوگون کی بول چال کیا ہے؟ جو منطق ہے۔ فلسفہ کیا ہے؟ جو لوگون کا طبعی استدلال ہے۔ استدلال کیا ہے؟ فلسفہ ہے۔ صرف و نحو کیا ہے! وہ طریقہ جس پر لوگ بولتے اور کلام کرتے ہین۔ جس طریقہ پر لوگ بولتے اور کلام کرتے ہین وہ کیا ہے؟ علمی رنگ مین وہ طریقہ صرف و نحو سے تعبیر پاتا ہے۔ اور اس سے ثابت ہے کہ جو مواد اور جو حقایق جو کیفیات ہم ایک ضابطہ ایک قانون کے ماتحت لاتے یا منضبط کرتے ہین انھین کا نام علم یا فن ہو جاتا ہے۔

تمام انسانی قوتین انسانی جسم ہی کے اندر رہین جب تک اُن سے کام نہین لیا جاتا تب تک اُنکے تاثیرات اور تصرفات کا جداگانہ نام نہین رکھتے لیکن جب اُن سے کام لیا جاتا ہے اُنھین مختلف نامون سے تعبیر کرتے ہین

یہ ایک قدرتی فیضان ہے جو ہر ایک شخص کے حصہ مین علےٰ قدر مراتب رکھا گیا ہے اس سے ثابت ہے کہ علوم اور فنون کی بنیاد ازلاً رکھی گئی ہے اور ہر انسان توجہ اور کوشش سے اُن مدارج تک پہنچ سکتا ہے یہ مدارج روحانی۔ تمدنی ترقیات کے واسطے ایک عالی زینہ ہین۔

سلطان احمد

ایک افسردۂ محبت سے خطاب

(ایک انگریزی نظم کے جواب مین اُسی کے انداز پر)

دیکھتی اکثر ہو تم افسردہ نظرون سے مجھے
اس طرح اگو یا کسی نے تم کو دیکھا ہی نہین

دیکھتا ہون۔ انکو حسرت باشیان کرتے ہوے
آہ! وہ آنکھین۔ جو ہین وشیزگی سے شرگین

کیا تمھارے دل مین ایسا راز پنہان ہے کوئی
جو لب اظہار تک آنے سے نامانوس ہے

یا جو بالکل غیر ممکن ہو۔ وہ ارمان ہے کوئی
جسکے بر آنے کے امکان ہی سے دل مایوس ہے

کچھ تو بتلاؤ کہ یہ خاموشیِ مطلق ہے کیون
کس لیے بشاش ہونے کی جگہ تم ہو حزین

چشم کیون پر آب ہے اور رنگ رخ کا فق ہے کیون
تم تو ہو اک ہستیِ لطف و مسرت آفرین

کیون بیان کرنے مین ہے اُسکے تامل اسقدر
کس لیے آخر نہین کرتی ہو مجھپر اعتماد

کھلکے دیکھو تو کہ مین کرتا ہون کوشش کس قدر
جس کی پھر بیساختہ دینا پڑے گی تم کو داد

تم ہو اس دنیا سے ناواقف اگر پروا نہین
مین مدد دونگا تمھین ہر جس قدر امکان مین

سچے دل سے کہہ رہا ہون مین جھوٹ اصلا نہین
اور قائم اس پہ ہون ہے جان جبتک جان مین

دیکھکر افسردہ تم کو تاب نطق ارہ نہین
گر یہی حالت رہی۔ وحشت مجھے ہو جائیگی

فکر ہے جو تمکو اُسکا ہی اگرچارہ نہین
پھر جہان مین ہوشیاری میرے کیا کام آئیگی

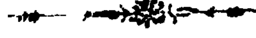
کیا کرون گانے کے مین عقل و خرد ہوش و حواس — عقدۂ مشکل تمھارا ہی نہ جب حل ہو سکے
تجربہ کاری مری کیا۔ اور کیا زور قیاس — جب نہ یہ دل کی خلش تک کو تمھاری کھو سکے



مجکو اس پژمردگی کا کچھ بتاؤ تو سبب — تاکہ اُسکے دور کرنے کی کوئی تدبیر ہو
میرے دل مین سخت پیدا ہو گیا رنج و تعب — دیکھکر تم کو کہ یون افسردہ و دلگیر ہو



پھر تعمق کی نظر سے دیکھتی ہو تم سب مجھے — آہ یہ گہری نگاہین ہین نہایت ہی عجیب
اس ادا سے کر رہی ہو اور بھی تم گُم مجھے — دور اتنا ہی ہوا جاتا ہون جتنا ہون قریب



آہ تم پر تو وہی طاری ہے اب بھی خامشی — جو برابر کرتی جاتی ہے مجھے اندوہگین
مین تو اسکو آج تک سمجھے ہوا تھا شاعری — واقعی سچ ہے حسینون کے دہن ہوتا نہین



بس خدا کے واسطے دیکھو نہ مجھکو یاس سے — ورنہ رخصت کوئی دم مین ہونیوالا ہے شکیب
کیا چلا ہی جاؤن مین اُٹھکر تمھارے پاس سے — اور تم سمجھو کہ یہ ہمدردیان تھین سب فریب



پڑ رہی ہے آہ پُر معنی نگہ پھر بھی وہی — چھپ گیا تاریکیون مین اور بھی اب راز دل
میرے دل مین بھی مگر اک بات پیدا ہو گئی — دل ہی سن سکتا ہے اس دنیا مین ہان آواز دل



او گھبراؤ نہ ہرگز مشکلین ہون گو ہزار — بعد ہو کیسا ہی لیکن قرب جا سکتا نہین
جبر کتنا ہی کیا جائے اگرچہ اختیار — متحد جو ہون اُنھین کوئی بچھڑا سکتا نہین

او بچھنین یہ عارضی ہین۔ دور ہو جائینگی سب
کامیابی نذر دے گی ایک دن عیش و طرب

ارشد تھانوی (از بمبئی)

ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر

ایک مفصل ریویو

نمبر ۲

تاریخ کیا ہے؟ مراۃ الاولین و عبرۃ الآخرین - سابقین کے حالات سے ہم کو سبق لینا چاہیے - عبرت پکڑنا چاہیے انکو صحیح حالت مین دکھانا چاہیے نہ کہ غلط واقعات اور خلاف تدین راے کا اظہار کرکے اس سرے سے اُس سرے تک اک آگ لگادین - مطالعۂ تاریخ سے بگڑے بن اور روٹھے من جاتے ہین اور ہمارا تو اعتقاد ہے کہ اگر مسلمانون کے سچے حالات بعینہ ملک مین پیش کیے جائین تو غیر ممکن ہے کہ از سر نو ایک تازہ روح نوخیز نسلون مین پیدا نہو بشرطیکہ انکے دلون مین انکی تاریخی عظمت کا گہرا نقش پیدا کرنے کی اور بھی خارجی عملی کوششین ہون - یہی نہین بلکہ ہماری امیدین ہمین ایک قدم اور آگے لے جاتی ہین اور ڈھارس دلاتی ہین کہ یہ نفاق کی صورت مٹ جائے گی -

شکر ہے کہ ایسی کوششون کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے اور جناب مولوی فقیر کرم الٰہی صاحب صوفی نے بہت بڑی شفقت سے کتاب زیر تبصرہ لکھکر ایک عمدہ مثال پیش کی ہے جو مختلف حیثیتون سے قابل قدر ہے - ہم دست بدعا ہین کہ انکو بارگاہِ صمدیت سے اس حسن خدمت کا بہتر سے بہتر صلہ ملے - کتاب اپنے دامن مین اسقدر خوبیان سمیٹے ہوے ہے کہ "کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست" کا نقشہ جابجا پیش نگاہ ہے -

مصنف کی دل توڑ کوشش، جانفشانی اور بالغ نظری کا اندازہ صرف اس امر سے ہوسکتا ہے کہ انھون نے تقریباً پچاس کتابون کے مطالعے کے بعد اس تصنیف پر قلم اُٹھایا ہے جنمین عربی فارسی انگریزی اُردو ممکن ہے ہندی کی کتابین ہین - اور مصنفین کی فہرست مین مسلمان ہی نہین بلکہ ہندو و انگریز حتیٰ کہ سکھ تک شامل ہین - جب یہ دو جلدین مکمل ہوئی ہین -

تحقیقات مین یہ احتیاط برتی ہے کہ اپنا مدار بیان عہد بعہد انھون نے مصنفین کے اُس دور پر رکھا ہے جو اقرب ہے اور پھر عند الضرورت دوسرے مصنفین کے بیان کا موازنہ کیا ہے اور افراط و تفریط دکھا کر اپنی راے قائم کی ہے - مثلاً فتح سندھ غزنوی اور غوری خاندانون کے عروج و زوال - خاندان غلامان کی سلطنت - خلجی خاندان کی حالت کو لکھین گے تو تدریجاً مسعودی فتوحات اسلامیہ یمنی طبقات ناصری اور فیروز شاہی وغیرہ پر اپنے بیان کو قائم کرینگے اور اسکے بعد دور آخر کے تصنیفات کا موازنہ کرینگے - اس مقام پر ہم مصنف سے یہ دوستانہ شکایت کیے بغیر نہین رہ سکتے کہ انھون نے خود اپنی

تصنیف کی گران وزنی اور اہمیت کا اندازہ نہین کیا بلکہ اسکی قدر کم کیے ہین - دہلی کی تاریخ پر نظر کرتے ہوے وہ صفحہ ۲۱۲ پر رقمطراز ہین "بہرحال ہند وعہد کی بھی تاریخ لکھنے مین مشکلات ہین کہ سررشتہ تعلیم پنجاب کی ٹکسٹ بک کمیٹی کو بھی صحیح تعداد کا ملنا مشکل ہوگیا - پھر اوشما کس برتے پر ہندوون کی صحیح تاریخ لکھنے کا وعدہ کرسکتے ہین" اگر ہمارے سررشتہ جات ہی مین تحقیق و احتیاط سے کتابین لکھی جایئن تو آج رونا کس بات کا ہوتا ؟ یہی تو رونا ہے اور مولوی صاحب کے ایسے مادّشناس کا اسمین دسترس ہوتا تو یہ روز سیاہ دیکھنا کیون نصیب ہوتا - مورخ کے لیے جن چیزون یعنی شدت حافظہ - انتقال ذہنی اور اصابت راے کی ضرورت ہے معلوم ہوتا ہے فطرت نے وہ خصوصیات ہمارے مصنف مین پورے طور پر ودیعت کردی ہین واقعات انکے خزینۂ دماغ مین اس طرح جمع ہین گویا کہ انھون نے انکو جذب کرلیا ہے انتقال ذہنی کا یہ عالم ہے کہ وہ بلا تکلف عہد اسلامی مین زمانۂ برطانیہ کے حالات کا توافق - تطابق اور استقرار کیفیات کرتے ہین - اصابت راے کے متعلق ہم کہہ سکتے ہین کہ استخراج نتائج مین انکی غلطیان "الشاذ کالمعدوم" کی مصداق ہین - جو نتیجے انھون نے نکالے ہین وہ زیادہ تر صحیح ہین - ہان یہ اور بات ہے کہ مقدمہ ہی غلط ہو - ہم مثالین پیش کرنے سے عمداً پہلوتہی کرتے ہین اس لیے کہ خلاف قیاس بہت طول ہوگیا ہے -

ایک دوسرا رخ جو اس کتاب کا بہت زیادہ روشن ہے وہ انکی مذہبی خدمت - نہ صرف مذہبی بلکہ اخلاقی خدمت ہے - جہانتک تاریخ سے ایک اخلاقی نمونہ پیش کرنے کا تعلق ہے ہم نہایت ہی اطمینان کے ساتھ اپنے ابناے ملت سے سفارش کرتے ہین کہ وہ جناب مولوی صاحب کی اس تازہ تصنیف کو ملاحظہ فرمایئن - اس اخلاقی نقطۂ خیال کو جناب مولوی صاحب نے اس حد تک نصب العین رکھا ہے کہ محض اس خیال سے کہ ممکن ہے کسی پر مطالعہ کتاب سے بُرا اثر پڑے "بدنام کنندۂ نکونامے چند" سگ دیوانہ ناہنجار وبدفرجام کیقباد اور ننگ خلائق خسرو خان کی بدا طواریون اور سیہ کاریون کا حال تک لکھنے سے اُنھون نے احتراز کیا ہے - مسلمانون کو اس کتاب کے دیکھنے سے اپنے اسلاف کے کارنامون کی اصلی تصویر دکھلائی دے گی - انکو اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ لٹیرے لالچی قابو پرست خونی بنی نوع کے دشمن نہ تھے بلکہ اونمین عدالت گستری - عفو و رحم - ایثار نفس اور دوسرے محاسن کے ایسے اور اس حد تک جوہر تھے کہ جنکی مثالین دنیا مین خال خال نظر آتی ہین اور جہان ہین بھی تو اس پایہ کو نہین پہونچتین - جناب مولوی صاحب کو ہر موقع پر اخلاقی سبق نکالنے کا پہلو پیش نگاہ رہا ہے اور انکی نکتہ رس نگاہ قریب قریب ہر جگہ پہونچی ہے - اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ انکا موضوع کتاب یہی ہے - بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ اگر بجاے ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے اس کتاب کا نام مسلمانان ہند کی اخلاقی تاریخ رکھتے تو شاید زیادہ موزون ہوتا - اس صورت مین

انھین "لفظ اخلاقی" کی توجیہ وتشریح کرنا پڑتی - کہ انکا کیا مفہوم ہے -

جناب مولوی صاحب ایک زبردست صوفی ہین - نہایت ہی پرجوش اور مذہب کے سخت حامی - مگر انھون نے اپنی حرارت مذہبی اور حسن عقیدت کو اپنی مورخانہ ہستی پر غالب آنے نہین دیا جس مقام پر مذہبی امور کی بحث کی ہے وہان عقلی ثبوت پیش کرنے کی کوشش مین رہے ہین - اگر کسی زمانہ مین سلطنت کے حسن انتظام سے اچھے نتائج پیدا ہوے ہین تو یہ لکھنے پر یا ثابت کرنے پر بس نہین کی ہے کہ فلان بزرگ کے وجود مسعود سے یہ نتائج پیدا ہوے یا فلان کی دعا کے اثر سے یہ ہوا بلکہ نہایت صاف دلی سے اُس عمدہ انتظام کو سراہا ہے مگر با این ہمہ اپنے عقائد کے اظہار سے باز نہین رہے ہین بلکہ انکے اعلاء کی سعی سے غافل نہین رہے ہین - اس امر کو بڑے ہی شد و مد کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اسلامی عصبیت اور شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی ہی سے مسلمان ترقی کر سکتے ہین - نہین تو نہین - اخلاقی سبق آموز حکایتین جا بجا نہایت ہی حسن اسلوب سے بیان کی ہین - جنمین سے چند بشرط موقع و فرصت ہم آگے چلکر بیان کرینگے اجنکا نہایت ہی اچھا اثر پڑتا ہے - ہم امید کرتے ہین کہ ہمارے نوجوان اس کتاب کو نہایت ہی غور سے مطالعہ کرینگے جو امید ہے کہ انکے لیے شمع ہدایت ہو -

یہ ایک ایسی تصنیف ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس زمانہ کے لیے نہایت ہی ضروری ہے - باین لحاظ کہ بہت زیادہ طول ہو جائے گا ہم اس کتاب سے مثالین نہین پیش کرتے اور نہ اسکے تمام محاسن کی توضیح مین شاخ در شاخ باریکیان نکالتے ہین یہ بہت ہی تجلی امور لکھ دیے ہین - بقیہ باتین انھین سے پیدا ہوتی ہین اور "گل چین بہار تو ز دامان گلہ دارد" کہکر روے سخن کتاب کے دوسرے رخ کی طرف کرتے ہین -

اس مقام پر یہ امر فراموش نہین کیا جا سکتا کہ مصنف کی غرض تصنیف اخلاقی خوبیون کے اظہار کے علاوہ موجودہ رائج الوقت تاریخی کتب کی غلطیون کو رفع کرنا ہے چنانچہ یہ مد نظر رکھکر کہ ہندوستان کے مسلمان جنکی اسلامی حمیت قومی عصبیت زنگ آلود ہو چکی ہے انکے لیے بہادر شاہان ہندوستان کے اسلامی جذبات کا مطالعہ نہایت مفید ہے - اور دیگر ملکی بھائی ہندوون وغیرہ کو جو نفرت اور کراہت تاریخی کورسون مروجہ مدارس کے مطالعہ سے پیدا ہو کر ہندوستان کی مشکلات کا باعث ہو رہی ہے دور ہو گی انھون نے اپنی تحقیقات کا سلسلہ شروع کیا ہے اور اخلاقی پہلو کو کسی مقام پر ہاتھ سے جانے نہین دیا - ابتدا کرتے ہی مورخین پر نے دے کی ہے جسمین زیادہ تر انگریزی مورخین کی خبر لی ہے اس لیے کہ انھین کی کتابین انگریزی دان شائقین تاریخ کے لیے فی زماننا مطالعہ کتب مین امیر النحل بنی ہوی ہین اسکے اظہار مین مصنف نے کوی کسر نہین اٹھا رکھی ذکاء اللہ خان بہادر شمس العلما مولوی

ذکاء اللہ مرحوم کی لغزشین بھی دکھائی ہین اور اس امر کے بجا اور بہت بجا متمنی ہین کہ محقق ناظرین محض وجاہت دنیوی پر نگاہ کر کے میری ناچیز تحریر کو حقارت سے نہ دیکھین بلکہ اختلاف کو تاریخی معیار سے تحقیق فرمائین "تحقیقات کا جوہر ہمارے مصنف مین بہت اعلےٰ درجہ پر ہے۔ اختلافی مقامات ہندوستان کیا عرب و فارس کی تاریخون کے بھی جا بجا پائے ہین ان پر مدلل اور مفصل بحث کی ہے اس کتاب کا یہ رخ نہایت ہی روشن اور دلفروز ہے۔ اگر سرسری طور پر نہ پڑھیے بلکہ بہ امعان نظر اس کتاب کو دیکھیے تو اسکی وقعت معلوم ہوتی ہے۔

باین خیال کہ ہم پر بیجا طرفداری کا الزام نہ لگایا جائے ہم چند فروگزاشتین اور لغزشین بھی مصنف کی ظاہر کیے دیتے ہین۔

انگریز مصنفین کی تصنیفات اور غلط بیانی کی بابت جناب مولوی صاحب کا خیال ہے کہ" انکی ترتیب و تالیف مین مصالح ملکی یا قومی کو مدنظر رکھا گیا ہے" لیکن ہمارا خیال ہے کہ انکی غلط بیانی کی ایک اور بڑی اور قوی وجہ یہ ہے کہ انکے خیالات بیشتر ہی سے مسلمانون کی جانب سے ازحد خراب ہین اور اسی بدگمانی کا نتیجہ ہے کہ کل بہت سعدی "و در چشم دشمنان خار است" کی مصداق مسلمان انکی تصنیفات مین نظر آتے ہین۔ اسی امر کو قدرے وضاحت سے ہم اوپر لکھ آئے ہین۔ دوسری وجہ انکی غلط بیانی کی یہ ہے کہ ان مصنفین کی نظر بجائے خود وسیع نہین ہے۔ ہندوستان مین یہ علمی غرض سے نہین آئے بلکہ بسلسلہ ملازمت آئے۔ اور اس دوران مین کتب بینی کے شوق نے چند کتابین ان کے مطالعہ سے گذرانین جسکا نتیجہ انکی نام نہاد تاریخون کا جلوہ مشہود ہے سطرہ اسپر یہ کہ تعصب کی پٹی باندھکر انھون نے اسلامی واقعات اور کارنامون پر نظر کی۔ ظاہر ہے کہ انکی تحریرین پھر کیسی ہونگی۔ اگر نیک نیتی اور صاف دلی سے مطالعہ تاریخ کرتے تو غیر ممکن تھا کہ جرمن اور فرانسیسی مصنفین ڈاکٹر لیبان مصنف "تمدن عرب" وغیرہ کے ہم نوا یہ نہوتے۔ انکی نیک نیتی کی حالت تو ایک ایک فقرہ سے ظاہر ہے مصنف نے بہت سی غلط بیانیان ظاہر کی ہین چنانچہ الفنسٹن صاحب کی اس تحریر کے بابت" کہ اگر ایسا ہی ہوا ہوگا تو غالب ہے کہ سندھ کی حسین عورتون کے لیے لٹیرون نے ارادہ کیا ہوگا کیونکہ ملک عرب مین اس ملک کی حسین عورتون کی کمال آرزو تھی"۔ مولوی صاحب بہت صحیح فرماتے ہین" اسکے بعد بحری حملے پر شک کرتے ہوے بے انصافی سے خلاف واقعہ اپنی ذاتی رائے تحریر کرتا ہے" مصنف نے صرف لٹیرون اور مجاہدین کی بحث کتاب مین اچھی کی ہے اور یہ امر اگر مان بھی لیا جائے کہ ایسا واقع ہوا تو لٹیرون کے حملہ کو خلافت راشدہ سے کوئی تعلق نہو گا خوب دکھایا ہے۔ یہی وہ قیاسات اور مظنے ہین جنکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہین۔ ایسے ہی دور از کار فقرون کے ذریعہ سے ملک مین نفاق کی تخم ریزی ان کتابون نے کی ہے۔

اب ہم بالاختصار چند اور باتین دکھاتے ہین جو اس کتاب کے چہرۂ زیبا کا داغ ہین:-

(۱) (ترتیب) سب سے بڑی کمی جو اس کتاب مین نظر آتی ہے وہ یہ کہ اس کتاب مین ترتیب کا کوئی خاص نظام نہین ہے۔

(الف) واقعات عموماً تاریخون مین سنہ وار درج ہوتے ہین اسکا لحاظ اس کتاب مین بہت کم ہے۔ سنون کی وضاحت کی مصنف نے خود زیادہ کوئی کوشش بھی نہین کی۔

(ب) تقدم و تاخر بلحاظ سنین کی عدم موجودگی سے قطع نظر کر کے ذکر واقعات مین کوئی خاص سلسلہ نہین ہے۔ مثال کے طور پر ہم سلطان محمود کے حالات لیتے ہین۔ سلطان محمود سے ہندوون کی نفرت کی وجہ دکھائی یورپ مین مورخ کا بیان لکھا۔ جنگ کا حال شروع کیا۔ بعد ازان اشاعت اسلام بذریعہ صوفیائے کرام لکھی پھر جنگ کا حال لکھا۔ حالات جنگ کے تذکرہ مین ضمناً مختلف مضامین لکھے گئے ہین جس مین کہ اس موقع کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو سنہ کا خیال رہا ہے پھر فتح سومنات کے بعد "غزنی کو واپسی اور مشکلات" "سلطان کی اجابت دعا" "راجاؤن کی سرکشی" "خطاب خلیفہ بغداد" "اسلامی مرکزی طاقت" اور "راجاؤن پر چڑھائی" کے مختلف عنوانون کے بعد سقنا طیسی بت کا ذکر کیا ہے جسے فتح سومنات کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔

مناسب یہ تھا کہ ولادت کے حال سے لیکر سلسلہ وار جنگ کا ذکر ہوتا بعد ازان سلطان کے عادات و خصائل کا اور عند الموقع ضمناً مورخین کی خلاف بیانی، اعتراضات اور اخیر مین ہندوؤن کی نفرت اور ایسی فروعی باتون کا ذکر ہوتا۔ کیقباد کے حال مین کسی سلسلہ کا پتہ نہین چلتا۔ مصنف نے اخلاقی حالت دکھانے پر خاص توجہ کی ہے۔ جس طرح انھون نے مسلمانون کے ہندوؤن کی طرز معاشرت پر اثر کے ناکافی بیان کو اخیر کتاب مین لکھا ہے مناسب یہ تھا کہ اسے بھی اخیر مین لکھتے اور عہد بعہد اشاعت اسلام بذریعہ صوفیائے کرام وغیرہ کی توضیح کرتے۔ مصنف نے ترتیب کتاب پر توجہ نہ کرنے مین اس امر کو نظر انداز کر دیا ہے کہ حسن ترتیب سے کتاب کے مضامین یاد رکھنے مین بہت مدد ملتی ہے۔

(۲) کتاب کا ایک کافی حصہ ایسے زوائد اور حشویات سے پر ہے جس کا تعلق ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے بہت کم گویا کہ نہین ہے۔ مثلاً خاندان اموی۔ عباسی۔ غزنوی اور غوری کا زائد از ضرورت اور بالتفصیل حال فتح ایران اور سلجوقیون کی بغاوت کی کیفیت وقس علی ہذا۔

(۳) بعض باتین ایسی ہین جن پر ایک اجمالی نظر ڈالنا لازمی تھی مثلاً حملہ محمد قاسم و محمود کے وقت ہندوستان کی

ایک عام حالت اور ہندوؤن کی قوت دکھانا چاہیے تھی جس سے مسلمانون اور ہندوؤن کی قوت کا اندازہ ہوسکتا ورنہ یہ امراب بھی غیر منفصل شدہ رکھا ہے کہ زیادہ تر ہندوؤن کی باہم برسرعناد اور چھوٹی چھوٹی ریاستون کے ہونے کے باعث مسلمان کامیاب ہوے حالانکہ یہ خلاف واقع ہے جیسا کہ خود مصنف نے اکثر مقامات پر اپنی تصنیف مین اشارہ کیا ہے۔ لگر ہندوؤن کی اکثر ریاستون کے حدود (اقلیم) مالی طاقت فوجی کیفیت وغیرہ مصنف نے زیادہ صراحت اور وضاحت سے لکھی ہوتی تو اس شبہ کا بھی موقع نہ تھا۔

(۴) مصنف نے مسلمانون کی قواعد دانی اور فنون حرب سے واقفیت کے بوضاحت اظہار کی کوشش نہین کی۔ جہان ہے ضمناً ذکر آگیا ہے۔ حالانکہ الحرب خدعۃ اسی کا نام ہے اور جنگ رکھاوار دکا راز یہی ہے۔ بجائے اسکے زیادہ تر جناب مولوی صاحب نے روحانی فوقیت پر فتح کو محمول کیا ہے روحانی قوت کی برتری اور اسکے آثار و عجائبات سے انکار نہین۔ وہ اکثر جگہ کام دے جاتی ہے اور فتح وانحصار بہت کچھ اسپر ہے لیکن اسکے یہی معنی ہین کہ روحانی قوت فوج کا پاؤن اکھڑنے نہ دے گی جس سے ممکن ہے کہ ساری فوج کٹ مرے لیکن پیچھا نہ دکھائے۔ مگر پھر بھی ظفر جنگی قریب قریب قواعد جنگ کی واقفیت اور اسپر عمل پیرائی کی برتری پر منحصر ہے۔ اس عالم آب وگل مین تمام چیزین محض حق وناحق اور صرف روحانی فوقیت کی بنا پر نہین طے پاتین۔

(۵) بعض باتین ہین کہ انکا ذکر مصنف نے ناکافی اور ادھورا کیا ہے۔ مثلاً نصرا خان اور کیقباد کا حال ہونا ہے مصنف نے صرف تخمینین لکھنے پر اکتفا کی ہے۔ علاؤالدین کے قلعہ دیوگڈھ کے دوبارہ فتح کے حالات مین یہ نہ لکھا کہ ملک کا پھر حشر کیا ہوا۔

(۶) اکثر مقامات پر مصنف جادۂ اعتدال سے بہت دور جا رہے ہین اور یہ امر کوئی تعجب خیز نہین۔ ہر پر جوش شخص سے ہمین اندیشہ رہتا ہے۔ مثالاً چند باتین مندرج ہوتی ہین۔

(الف) سلطان محمود کی راجہ گجرات کو تاج بخشی کے موقع پر لکھتے ہین صفحہ ۱۱۴ انہلوارہ کا راجہ بھاگ گیا۔ اور مطیع نہوا۔ سلطان نے گجرات کی حکومت ایک ایسے شخص کو عطا کی جو قدیم راجاؤن کے خاندان سے تھا اور اب خلوت نشین سادھو تھا۔ جنگی یا مالی طاقت نہ رکھتا تھا۔ یہ راجہ اسی دابشلیم کی نسل سے تھا جسکا افسانہ انوار سہیلی (پنچ تنتر) وغیرہ مین درج ہے۔ ایسی تقرری کو خواہ کسی مصلحت پر تصور کیا جاے لیکن ایک سادھو گوشہ نشین کو سابق راجہ انہلوارہ کے جیتے جاگتے راج ملک دینا کمال فیاضی اور زبردست شاہانہ اقتدار کو ثابت کرتا ہے کہ ایک بے خانمان شخص کو گدائی سے درجہ شاہی تک پہونچا دیا۔ اور شاہانہ بندہ نوازی کو دوست و دشمن کے

دل مین بٹھادیا۔۔۔۔۔ سلطان کی اس تاج بخشی کا مقابلہ تاریخ مین نہین پایا جاتا۔" سلطان کی زبردست قوت ملوکانہ اقتدار ہیبت اور سطوت وجلالت سے انکار نہین ہوسکتا۔ اور اسی کی وجہ سے اسے اس تاج بخشی مین ایسی کامل کامیابی ہوی۔ لیکن اس ذکر کمال فیاضی شاہانہ بندہ نوازی مین مبالغہ کی بو پائی جاتی ہے اور خصوصاً اس بیان مین کہ "سلطان کی اس تاج بخشی کا مقابلہ تاریخ مین نہین پایا جاتا" بہت کچھ مبالغہ ہے۔ "شاہانہ بندہ نوازی سلطان کے لیے شایان شان ہے"۔ "کمال فیاضی" کو اگر اس نقطۂ خیال سے لیجیے جو سلاطین کے لیے معیار ہے تو بہت کچھ اپنے درجہ سے گرتی ہوی دکھائی دیتی ہے۔ اسلیے کہ شاہانہ عطایا محض خوشنودی مزاج پر بلا کسی ذاتی خیال کے ہوتے ہین جو حالت اس موقع پر نہین ہے۔ سلطان کی اس "تاج بخشی" مین سیاسی مصالح کا بھی ایک پہلو ہے۔ ایک ذی اقتدار کی قوت کو زائل کردینا اور دوسرے کو ابھار دینا تا کہ ایک راہ کا کانٹا دشمن دور ہوجائے اور ایک دوست دامن دولت سے لپٹا رہے۔ خصوصاً ایسی حالت مین کہ الحاق ملک مقصود نہو سلاطین اولوالعزم کے لیے ایک معمولی بات ہے۔ ایسی مثالون کی کمی تاریخ مین نہین ہے۔ کچھ بہت ہی نہین بلکہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ اسی ہندوستان مین انگریزون نے سلطان ٹیپو کی حکومت اور سلطنت خاک مین ملادی اور اُسکی جگہ پر قدیم ہندو خاندان کو پھر برسر حکومت کیا۔

(ب) خلیفہ عبدالعزیز کو فخر اسلام کہا ہے۔ سوا آنحضرت صلعم اور چند دیگر صحابۂ کبار کے کسی کو فخر اسلام کہنا زیبا نہین۔ اسلام کے تمام محاسن بلکہ قدرے مافوق صفات اگر کسی جزو واحد مین جمع ہون تو اسے فخر کہہ سکتے ہین نہین تو نہین۔ ہان بیشک اس خلیفہ کے مایۂ ناز اسلام ہونے مین کلام نہین۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی علوشان کی بڑی وجہ نزاکت وقت کے لحاظ سے ہے۔

(ج) سلطان محمود کے انتقال کے موقع پر لکھتے ہین۔

"و ۲۳ ربیع الاول ۴۲۱ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۰۳۰ء کو ۶۱ یا ۶۳ سال کی عمر مین ۳۵ یا ۳۶ سالہ سلطنت کے بعد وہ شمشیر زن کشور کشا دنیا کا سب سے زبردست بادشاہ تیغ اجل سے جانبر نہو سکا اور راہی فردوس برین ہوا اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا الیہ راجعون فلاسفر اور عالم کا اپنا قطعہ صحیح ثابت ہوا۔

قطعہ

ہزار قلعہ کشادم بیک اشارتِ دست ... بسے مصاف شکستم بیک اشارتِ پاے

چون مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت ... بقا بقاے خدا ہست ملک ملکِ خداے

قطع نظر اس امر کے جن لفظوں پر ہم نے خط کھینچ دیے ہیں وہ ایزاد سے محفوظ نہیں سلطان محمود کے فلاسفر اور عالم ہونے میں کلام ہے۔علم دوستی اور علم پرستاری کے معنی عالمیت نہیں ہو سکتے۔اگر "فلاسفر" کا اصلی یعنی یونانی مفہوم "محب علم" لیا جائے تو بیشک سلطان کو اور اسی طرح سلاطین کے ایک گروہ کثیر کو "فلاسفر" کہہ سکتے ہیں سلطان کے لیے کوئی امتیازی شان نہیں رہتی۔اور غالباً لفظ فلاسفر کو مصنف نے حرفی معنوں میں لیا ہے کسی شعبہ میں یہیے محمود کے فلسفیانہ مکاشفات نہیں پائے جاتے کیونکہ اگر ہوتے جنکی ہمیں خبر نہیں تو مصنف یقیناً لکھتے۔اگر ہیں اور مصنف سے لکھنے میں فروگذاشت ہوئی تو تصنیف میں سخت نقص ہے۔اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف اس قطعہ کے لحاظ سے سلطان کو فلاسفر اور عالم بتایا ہے۔اس قطعہ میں علم اور فلسفہ کی جھلک کم پائی جاتی ہے۔اس سے ایک ایسے شخص کی حسرت آمیز نظر واپسیں معلوم ہوتی ہے جس نے اپنے کارناموں سے عالم پر ایک گہرا نقش چھوڑا ہو۔یا اس سے ناپائداری دنیا کا ایک نقشہ سا ظاہر ہوتا ہے۔جسکی مثالیں فارسی اور اردو کے عام شعروں میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

(د) ایسا ہی مبالغہ اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔علاؤالدین کے متعلق لکھتے ہیں "ملکی انتظام اور بہبودی رعیت کے لیے وہ انیا نفس کا اعلے نمونہ تھا۔جس صفت میں دنیا کا کوئی بادشاہ علاؤالدین کا مقابلہ نہیں کر سکتا" کیا ناصرالدین محمود بھی؟ اسی علاؤالدین کے انتظام انسداد رشوت ستانی کی بابت لکھتے ہیں "رشوت کی رکاوٹ جس طرح سلطان علاؤالدین نے کی وہ روے زمین کے کسی بادشاہ سے نہ ہو سکی" جو مبالغہ ان دونوں بیانوں میں ہے وہ خود ہی ظاہر ہے محتاج وضاحت نہیں۔

(ہ) یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ جس شخص میں ایک صفت علے وجہ الکمال پائی جاتی ہے اور محامد بقدر نصیب ہوتے ہیں۔اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سلطان محمود میں تہور نہیں بلکہ شجاعت علے وجہ الکمال تھی اور اسلیے رحم۔عفو۔کرم اور سخاوت بھی تھی لیکن اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ سلطان کو سخی فیاض اور باذل ان سلاطین کے مقابلہ میں لا رکھیں جنھوں نے اسلام کا نام روشن کیا۔مثل اورنگ زیب کے سلطان محمود ایک جز رس منتظم تھا جس طرح اسے کنجوس لکھی ہوس کتنا ظلم ہے اسی طرح فیاض اور باذل کہنا بھی بیجا جنبہ داری کی حد میں داخل ہے۔مورخین اسلام جنھوں نے سلطان پر حرف گیری کی ہے انکے پیش نظر خلفاے دمشق و بغداد و اندلس اور برامکہ و آل بویہ وغیرہ کی داد و دہش کے کارنامے تھے اور اسلیے سلطان کی سخاوت میں انکا فی لگا دینا صحیح ہے فردوسی کے قضیہ میں بھی مصنف کی طرفداری کی جھلک نظر آتی ہے ہم اسے اس مقام پر بلحاظ طوالت قلم انداز

کرتے ہین - بہرکیف خواہ سلطان کے اپنے قصور سے ہو یا وزیر کے لیکن فردوسی کا لگایا ہوا -

پرستار زادہ نیاید بہ کار　　　　اگرچہ بود زادۂ شہریار

اور　کف شاہ محمود عالی تبار　　　　نہ اندر نہ است و سہ اندر چہار

کا ٹیکہ اسکے ماتھے پر لگ گیا اور ایسا لگا کہ اس کا مٹنا اب محال ہے - ایسی مثالین بکثرت ملتی ہین اور مورخین بہت کم ایسے ہین جو بالکل حد اعتدال مین ہون -

الفنسٹن کا اعتراض کہ "معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ملکون کے انتظامون مین کوئی نئی بات اپنی طرف سے ایجاد نہین کی اور نہ کوئی نیا قانون اور قاعدہ جاری کیا" چندان غلط نہین معلوم ہوتا - ممکن ہے کہ مصنف کا اس اعتراض کی بابت یہ کہنا کہ "یہ انکی اسلامی قانون (فقہ) سے ناواقفیت کا سبب ہے" صحیح ہو لیکن اسمین بھی شک نہین کہ مقتضیات وقت و مقام کے لحاظ سے ہر حالت مین ایک مدبر قوانین مین جدت طرازی کرسکتا ہے اسلامی اصول مین فروعات پیدا کرسکتا ہے اور وہ بھی ایجاد اور اعتزال سے کوسون دور رہ کر - زراعت تجارت انسداد جرائم اور اسی طرح معاشرت کے مصالح ہر مقام پر ایک ہی نہین ہوتے - اسلام نے ایک عام اصول مقرر کردیا ہے اب اُن اصول پر عمل درامد کرتے ہوئے نئی باتین پیدا کرنا ہر بادشاہ کا کام ہے -

ترویج فارسی کے ذکر مین جناب مولوی فقیر کرم الٰہی صاحب نے عربی اور پھر مذہب مین ضعف پیدا کرنے کا الزام محمود کے سر رکھا ہے اور محض محمود کے ایرانی النسل ہونے کو اسکا محرک بنایا ہے - ہم یہ بحث نہین چھیڑنا چاہتے کہ صرف ایرانی النسل ہونا اسکا محرک ہے یا کچھ اور لیکن اسقدر کہے بغیر نہین رہ سکتے کہ مصنف نے اس امر کو بالکل نظر انداز کردیا کہ زبان دربار اور زبان عدالت ملک کی اقتصادی اور معاشرتی حوائج کی بہت زیادہ تابع و محکوم ہے مملکت کی وسعت نے سلطان کو اس امر پر مجبور کیا ہوگا - عربی کو ہندی اور پشتو وغیرہ سے وہ رشتہ یگانگت نہین ہے جو فارسی کو ہے - عربی اصلاً ان السنہ سے بالکل جدا ہے - اسکے علاوہ فارسی نے عربی مصطلحات کو جذب کرلیا تھا ان تمام باتون پر نظر کر کے غالباً سلطان نے فارسی کو زبان عدالت قرار دیا ہو - مذہب مین ضعف پیدا کرنے کا اعتراض بھی صحیح نہین - یہ یقیناً درست ہے کہ زبان شریعت مذہب کی استواری مین ایک حد تک معین ہوتی ہے لیکن شیوع مسائل کافی طور پر نہین ہوسکتا - عوام الناس کو تا وقتیکہ خود انکی زبان مین نہ سمجھاؤ دل مین باتین گھر نہین کرسکتین - زبان عربی کے عام کردینے کا خیال ایسی حالت مین کہ وسائل افہام و تفہیم و اشاعت ایسے عام نہ تھے جیسے کہ اب ہین خواب نوشین سے زیادہ ہستی نہین رکھتا - اس لحاظ سے

بھی فارسی کا رواج دینا مناسب نہ تھا۔ مذہبی انحطاط کا بنیادی پتھر تغیر زبان سے نہین رکھا جاتا بلکہ اس گروہ کے اخلاقی اضمحلال۔ تن پروری۔ تن آسانی اور فرائض فراموشی سے ہوتا ہے جو خلایق کی پیشوائی اور دستگیری کرتا ہے۔

فارسی زبان اور شعرالعجم کو مخرب اخلاق کہنا ظلم ہے۔ دنیا کی کوئی زبان نہین جسمین ایسے متخالف اور متضاد عناصر نہ پائے جاتے ہون۔ کیا انگریزی زبان جو اس وقت ہندوستان کا سرتاج بنی ہوئی ہے ان عناصر سے خالی ہے۔؟

ملٹن اور شیکسپیر اپنی پاکیزگیِ خیالات کے لحاظ سے معلمِ اخلاق سمجھے جاتے ہین لیکن انھین کی بعض تصنیفین بد اخلاقیون کا دفتر نظر آتی ہین۔ (Rape of Lucerece) مین شیکسپیر نے کچھ ایسی گندہ باتین لکھی ہین کہ اُسکے مطالعہ سے ہر شخص کو شرم معلوم ہوتی ہے (Paradise Lost) مین ملٹن نے اپنی مان حوا کی جو برہنہ اور شرمناک تصویر دکھائی ہے اسکا خیال بھی ایک صاحب اخلاق کو ہلا دینے والا ہے۔

لارڈ بائرن کی بعض نظمین اسقدر فحش ہین کہ ہمارے یہان اُردو کی زہر عشق کی مثنوی اور طلسم الفت اور دیوان جان صاحب انکے سامنے کچھ ہستی نہین رکھتے۔

نقش ہستی

انقلاب ایران

آہ اے ایران تو تھا ایک رشکِ جنت نشان — آہ! لیتا تھا قدم تیرے کسی دن آسمان

تھے ترانہ سنج تجھپر طوطیان خوش نوا — تھے ترنم ریز تجھپر بلبلانِ نغمہ خوان

نخل ماتم بن گئے ہین آہ! کیون تیرے شجر — آہ کس گلچین نے لوٹا آج تیرا بوستان

بن گیا شہر خموشان آہ کیون تیرا چمن — اب کہان ہین آہ تیرے شاعرانِ خوش بیان

آہ! تو تھا ایشیا کی اک پرانی سلطنت — تجھسے اے ایران رونق یاب تھا تختِ کیان

ایک ہی پرچم کے سایہ مین پھلا پھولا ہے تو — تجھپہ لہرایا ہے صدیون ایک ہی قومی نشان

آہ! تیری کیا خطا تھی کیون ہوا مقہور تو — محشرستان کیون بنا ہے آج تیرا ہر مکان

کون آفت تجھپہ ٹوٹی کیون ہوا یہ تیرا حال — کھا گئی کس کی نظر تجھکو نصیب دشمنان

آہ! تجھسے تقویت تھی عالم اسلام کو ۔۔۔ مامن بیچارگان تھا حامی اسلامیان
بنگیا ہے کس لیے تو عرصۂ کرب و بلا ۔۔۔ آہ! تیرے مجتہد کیون پارہے ہین پھانسیان
آہ! اے مظلوم ایران آہ اے خانہ خراب ۔۔۔ آہ! اے معتوب ایران آہ! اے بے خانمان
کس خطا پر تو ہوا ایسے مصائب کا شکار ۔۔۔ کس گنہ پر ہو رہی ہین تجھپر ایسی سختیان
تو مرقع بن گیا اب حیرت و افسوس کا ۔۔۔ تجھپہ جو گزرا ہے تصویرون سے ہے تیری عیان
آہ اک وہ وقت تھا جلتا تھا جب تیرا چراغ ۔۔۔ رہگیا ہے آہ! اب تو ایک دھندلا سا نشان
ایشیا کی جتنی قومین ہین سبھی کو رنج ہے ۔۔۔ عالم اسلام ہی تیرا نہین ہے نوحہ خوان
ہو رہا ہے تیرا ماتم چین مین جاپان مین ۔۔۔ رو رہا ہے کس بیبسی پر تری ہندوستان
کربلا سے بڑھ کے ہے ایران تیرا واقعہ ۔۔۔ مرثیہ ہے مرثیہ تیری تباہی کا بیان
آہ تجھکو دشمنون نے کر دیا بیت الحزن ۔۔۔ آہ تو تھا ایک دن دار الشرف دار الامان
اب سنبھلنا ہے ترا ایران اک خواب و خیال ۔۔۔ رہگیا ہے اور تو تھوڑے دنون کا میہمان
وہ مرض تجھکو ہے جو لیکر ٹلے گا جان اب ۔۔۔ ساتھ ٹرکی کے ہے اب تو بھی مریض نیمجان
روضۂ شاہ خراسان کیا ہوے تجھسے سلوک ۔۔۔ آہ اے مشہد ہوئی تجھپر بھی گولہ باریان
عین عاشورہ کے دن کیا کیا ہوے تجھپر ستم ۔۔۔ تا ابد یہ دن رہے گا یادگار کشتگان
آہ قسمت مین تری دوہری غلامی ہے لکھی ۔۔۔ پیس ڈالین گے تجھے مل کر زمین و آسمان
چل گئی افسوس کچھ ایسی ہواے مغربی ۔۔۔ بجھ گئے واحسرتا لاکھون چراغ خاندان
مٹ گیا ایران تو یورپ کے ہاتھون مٹ گیا ۔۔۔ لٹ گیا یورپ کے ہاتھون آہ تیرا کاروان

اب نہین جاگے تو کب جاگوگے اے ایرانیو! ۔۔۔ اور بھی دکھلائے گا کچھ تمکو یہ خواب گران
یاد رکھو ٹھوکرین کھا کر بھی گر سنبھلے نہ تم ۔۔۔ دیکھنا مٹ جائے گا باقی ہے جو نام و نشان
اب بھی تم ہو جاؤ اپنے کیل کانٹے سے درست ۔۔۔ اب بھی چمکاؤ فلک پر دوستو قومی نشان
اب بھی چونکو اور اپنے کارنامون کو پڑھو ۔۔۔ باستان نامہ مین دیکھو ہستان باستان
آنکھ کھولو خواب غفلت سے اٹھو ایرانیو! ۔۔۔ شاہ نامے مین پڑھو اپنے بزرگون کا بیان
کچھ خبر بھی ہے تمھین کس نسل سے ہو کون ہو ۔۔۔ اور ہو کس وقت سے ایران پہ تم حکمران

(ماخوذ از شاہنامہ)

تم وہ ہو جنکا کہ لوہا مانتے تھے دیوزاد — تم وہ ہو ڈرتے تھے جنکے نام سے شیر ژیان

تم وہ ہو شیرون کو جنکے اسپ کرتے تھے ہلاک — تم وہ ہو جنتے تھے جنسے ایکدن پیل دمان

تم وہ ہو مشرق مین جنکا نام تھا جنگ آزما — تم وہ ہو مغرب مین چمکی جنکی تیغ خونفشان

تم وہ ہو جو سیر کرتے تھے ہوا کے دوش پر — تم وہ ہو جن کا کہ اکدن تخت تھا تخت روان

تم وہ ہو قبضہ مین جنکے ایکدن تھے روم و شام — تم وہ ہو جن کا لقب تھا ایکدن گیتی ستان

تم وہ ہو جن سے ہوے ایجاد سب آلات حرب — تم وہ ہو مردانگی کا جنکے قائل ہے جہان

تم وہ ہو مشہور ہے جن کا طلسمی جام جسم — تم وہ ہو جو دیکھتے تھے جام مین سیر جہان

تم وہ ہو جن کی شجاعت ہوگئی ضرب المثل — تم وہ ہو جنسے کھلا ہم پر طلسم ہفت خوان

تم وہ ہو جو عدل مین تھے آپ ہی اپنی نظیر — تم وہ ہو گزرا ہے جنمین دادرس نوشیروان

تم وہ ہو روئین تنون کو جو سمجھتے تھے حقیر — تم وہ ہو پیدا ہوا جن مین تہمتن پہلوان

تم وہ ہو جنسے ہوے مفتوح بربر اور مصر — تم وہ ہو جن کا کہ افریقہ مین سکہ تھا روان

تم وہی ہو ڈالدیتے تھے جو گھوڑے آگ مین — تم وہ ہو جو ایک کرتے تھے زمین و آسمان

تم وہ ہو جن سے ہوا ہے بادشاہی کا رواج — سب سے پہلا ہے سلاطین مین تمھارا خاندان

تم وہ ہو جو لیگئے تھے تخت طاؤسی اوڑا — تم وہ ہو جنکو ملا تھا تحفۂ صاحبقران

تم وہ ہو مشہور ہے جنکا کہ تخت طاقدیس[1] — آسمانی حال تم پر جس سے ہوتا تھا عیان

تم وہ ہو صدقہ ہوا کرتے تھے جن پر سے ہما — تم وہ ہو قربان تھا جنپر درخت گلفشان[2]

پھوٹ نے آپس کی تم کو کھو دیا ایرانیو — کھا گئین تم کو تمھاری آہ خانہ جنگیان

کام نکلے گا نہ کچھ جنگ و جدل سے دوستو — توڑ دو تیغ و سنان اور پھینک دو تیر و کمان

متفق ہو جاؤ اور سرگرم جد و جہد ہو — ایکدن ہو جائے گا ایران پھر دارالامان

موسیٰ حسین اختر (جلال آبادی)

[1] خسرو پرویز کا تخت جو اسکو ورثے مین فریدون سے ملا۔ اس سے حالات نجوم دریافت ہوتے تھے۔ [2] درخت گلفشان کیخسرو جسکے نیچے دربار کیخسرو مین رستم پہلوان کی کرسی طلائی رکھی جاتی تھی یہ درخت معتضد عباسی خلیفہ بغداد کے پاس تھا۔ یہ تین گز بلند تھا اور اسمین اشاخین تھین اسکے پتے زمرد کے اور پھل یاقوت کے تھے اور ہر شاخ پر ایک مرصع ہما بیٹھا تھا جب اس درخت کو کوٹتے تھے تو ایک ہما اوڑ کر معتضد کے سر پر سے نثار ہو کر اپنے نشیمن مین جا بیٹھتا تھا۔

پھر بھی عمر قید!

۱

اس سے اچھی، اس سے عمدہ، اس سے بہتر جگہ ملنی ظاہرہ تو قریب قریب ناممکن کے ہی تھی! ذرا غور تو کیجیے! ہندوستان کے انٹرنس، ولایت کے بیرسٹر، تہذیب یافتہ، روشن خیال۔ پھر سب سے زیادہ متمول، بس اور کیا چاہیے؟ رہی یہ بات کہ میر حسن کی نانی پر باندی ہونے کا شبہ کیا جاتا ہے تو یہ کچھ قابل لحاظ بات نہیں: لد گیا وہ زمانہ جب فلان بن فلان کی بہت چھان بین کی جاتی تھی، اب تو شریف خون کی قدر بھیڑ بکری کے خون کے برابر بھی نہیں! یہ مان لیا کہ میر حسن کے باپ شبیر حسن عزت کے لحاظ سے نہایت کم رتبہ شخص تھے، بالکل صحیح ہے کہ وہ اپنی طالب علمی کے زمانہ مین مفلسی کی وجہ سے محلہ کی سڑک والی لالٹین کے نیچے رات کے اکثر گھنٹے مدرسہ کا کام کرنے مین گزارا کرتے تھے۔ اور اس مین بھی شک نہیں کہ بیچارے مرتے مر گئے لیکن اپنی ٹکے گز کی چال کبھی نہیں چھوڑی؛ مگر مرے مردے اکھیڑنے سے کیا فائدہ؟ شبیر حسن نے اچھا نہ کھایا، اچھا نہ پہنا، زندگی کا کوئی لطف نہ اٹھایا لیکن کوڑی کوڑی کو دانت سے پکڑ کر رکھا تو سہی! تجارت کو خدا کی دین یا برکت کہا جائے تو بجا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے کہاں سے کہاں پہنچ گئے! میر حسن کو انھون نے انٹرنس سے زیادہ نہ پڑھایا، تعلیم سے چھٹا کر فوراً ہی تجارت مین لگا دیا، اور نو عمری کے زمانہ مین ہی ایک غریب جگہ شادی بھی کر دی! اس نئی دلھن کو شادی کے بعد حقیقی مسرت کبھی حاصل نہوی۔ خدا جانے کیا وجہ تھی یہ بیچاری روز بروز کانٹا ہی ہوتی گئی: مگر اس زمانہ کا اثر کیا رہا؟ کچھ بھی نہیں! میر حسن کے ہان اولاد کے نام چوہے کا بچہ بھی نہیں ہوا، باوا کے مرنے کے دو سال بعد بیوی بھی قبرستان مین جا سوئی: نہ جھگڑا رہا نہ ٹنٹا، میر حسن بالکل نچنت ہو گئے!

تجارت کا بکھیڑا بھی ٹھکانے لگا دیا، اور پرانے خیالات کی جھول بھی یکقلم اتار پھینکی! اب کونسی بات ہے جس پر کوئی بھول کر بھی انگلی اٹھا سکے: ماں باپ کی پیدا کی ہوی چار سو ماہوار کی جائداد اور چالیس ہزار نقد ہر آئین پیر جائین؛ انگلستان جانا اور پورے آٹھ سال رہ کر بیرسٹر ہو آنا کیا مشکل تھا؟ چلو یون ہی سہی کہ میر حسن صاحب آٹھ سال کے بعد کیچلی اتار کر مسٹر مارسین بارایٹ لا بن کر ولایت سے واپس آئے تو چالیس ہزار نقد کے بجائے دو ٹرنک سوٹون سے پرتھے اور کچھ بیش قیمت بوٹ اور شوز! مگر پھر بھی بیرسٹری کی سند اور چار سو روپیہ ماہوار کی مستقل آمدنی، موجودہ زمانہ مین بہت بڑی چیز تھی: کریلا اور نیم چڑھا، سب سے

زیادہ بے فکری اور خود مختاری! خرچ! خراجات کے لیے نہ ماں باپ سے لڑنا تھا، نہ قلیل محنتانہ پر چھوٹی چھوٹی عدالتوں میں مارا مارا پھرنا! نہایت شان و شوکت کے ساتھ ہائیکورٹ میں کام شروع کیا اور ہمیشہ اس پر نظر رکھی کہ جلدی کام شیطان کا! رفتہ رفتہ سب ہی کچھ ہوا اور جو کچھ رہ گیا ہے وہ اب ہو جائے گا! لیکن سچ تو یہ ہے کہ مارسین نے جو کچھ کیا۔ نہایت اطمینان، نہایت خاموشی، اور نہایت ٹھاٹھ کے ساتھ کیا! اسپر لڑنا کہ پانچ سال کی پریکٹس میں وکالت کی آمدنی ساڑھے تین سو ماہوار تک بھی نہیں پہنچی، ایک فضول سی بات ہے! ہاں یہ امر قابل غور ہے کہ پچھلے سال مسٹر مارسین پراونشل کاونسل کی ممبری کے لیے کھڑے ہوئے تھے! اب یہ بات کہ مسٹر مارسین کو ڈیڑھ سو میں سے کٹ کٹا کر کم و بیش دس رائیں ملی تھیں، مجھ سے پوچھیے تو رائے دہندگان کی جہالت پر دال ہے: کیونکہ ہندوستان کے رائے دہندہ اپنی ذاتی رائے تو۔ بلا مبالغہ اسّی فیصدی۔ کچھ رکھتے ہی نہیں اور بیس فیصدی ایسے ہیں جو روزانہ ہوا کے رخ کے ساتھ اپنی رائے بھی الٹتے پلٹتے رہتے ہیں! مسٹر مارسین اول تو کسی کے پاس جانا اپنی کسر شان سمجھتے تھے اور اگر بھولے بھٹکے کہیں چلے بھی گئے تو محض انکی شکل دیکھتے ہی۔ دروغ برگردن راوی۔ تین چوتھائی پختہ رائیں بالکل غائب! پھر فریق مخالف نے ڈنڈا ہاتھ میں لے کر رائے دہندگان کی دہلیز کی مٹی لے ڈالی تھی ایسی حالت میں ہندوستان جیسے جاہل ملک میں کامیابی ہونی معلوم، اور فقط۔ صرف۔ اکیسو چالیس رائیں قبضہ سے نکل جانی کچھ بھی تعجب خیز نہیں! مگر اس فضول سی بات سے مسٹر مارسین کے لائق، تعلیم یافتہ، سویلائزڈ وغیرہ وغیرہ ہونے میں کیا فرق آسکتا ہے؟

صورت کے لحاظ سے بھی مسٹر مارسین کچھ برے نہیں: رنگ کو یورپ کی گوری چمڑی والے کالا کہیں، لیکن سچ یہ ہے کہ مسٹر مارسین اور انکے احباب اسکے ماننے کے لیے تیار نہیں تھے: نقشہ موزوں اور اچھا ہونے میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہو سکتا: ہاں! عمر کا سوال کسیقدر ٹیڑھا ضرور ہے کیونکہ انٹرنس کے سرٹیفکٹ کے حساب سے عمر کچھ زائد ثابت ہوتی تھی، مگر سچ پوچھیے تو آج کل عمر کا صحیح اندازہ بھی ایک نہایت مشکل کام ہے! ڈاڑھی اور مونچھیں تو ایک عرصہ سے فیشن کے تخت پر جلوہ افروز ہونے کے ناقابل سمجھی جانے لگی ہیں یا پالیٹکس کی زبان میں یوں سمجھیے کہ۔ وہ اسقدر ناموزوں اور کمزور ہو گئی ہیں کہ اپنی ہستی خود قائم نہیں رکھ سکتیں اور بیچارہ کروپر برزر جو محض اصلاح خط کے لیے عیوب اور فضولیات دور کرنے کے لیے۔ انکی بارگاہ میں حاضر ہوا تھا، اب مجبور ہے کہ اس خود بخود کمزور ہو جانے والی چیز کو بالکل اسی طرح صاف کرتا رہے جس طرح یورپ ٹرکی کو! مختصر یہ کہ ڈاڑھی مونچھیں نئی روشنی نے اڑا دیں، سر کے بالوں کا رنگ سیکڑوں قسم کے 'ہیر ڈائی' نے مشتبہ کر دیا، اور دانت مگر کین

ڈنٹسٹ کی وجہ سے مشکوک ہو گئے: اب عمر کا اندازہ کیا جائے تو کیونکر؟ مگر پھر بھی ماننا پڑیگا۔ مسٹر مارسین باعتبار عمر کے لحاظ سے پچاس کے صحیح رخ پر ہیں! ہاتھ پاؤں کے اچھے، آنکھ ناک سے درست، محنت سے بے پروا، روپے سے مستغنی، ہم سب سے زیادہ۔ بیرسٹر: بیرسٹری نہیں ٹوپ ہیٹ سے کریپنٹ لیڈر شوزتک صاحب: صاحب ہی نہیں: آزاد خیال: آزاد خیال ہی نہیں تمام دقیانوسی باتوں سے ایک دم متنفر!! اب بتائیے کہ تمیز النساء کی اکلوتی لڑکی مس فاخرہ۔ ایسی سونے کی چڑیا کو اپنی عالم آشوب اداؤں کے جال میں پھانس نے تو باعث فخر ہے یا نہیں؟

مس فاخرہ کے والدین نے اول دن سے ہی زمانہ کی ہوا دیکھ کر مس فاخرہ کو تعلیم و تربیت دلائی تھی! اس نے مشن گرل اسکول سے باقاعدہ طور پر انٹرنس پاس کیا تھا، ٹینس میں پچھلے ہی سال کپ لے چکی تھی، گانے میں اپنی نظیر آپ ہی تھی، اور مختصر یہ کہ۔ ڈانسنگ اور اسکیٹنگ کو چھوڑ کر پیانو، سنگنگ، بائیکنگ، وغیرہ وغیرہ کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس میں وہ تبد ہو! شادی کا اختیار اسے ضرورت سے زیادہ ملا ہوا تھا! مگر پھر بھی وہ ایک حد تک عقلمند لڑکی تھی اور اپنی حالت پر نظر ڈالتے ہوئے شادی کے معاملہ میں روپے کے سوال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی تھی؛ یہی وجہ تھی کہ اس نے اخبار۔۔۔۔۔ میں۔ شادی کے عنوان میں "ضرورت ہے ایک متمول بیرسٹر کو شادی کے لیے ایک تعلیم یافتہ لڑکی کی۔۔۔۔۔" دیکھتے ہی اسکا کھوج نکالنا شروع کیا! اول تو خود اسکی نظر روپے پر پھر والدین کا سمجھانا، غرض خواہ مخواہ اسے مسٹر مارسین کی عمر کو نظر انداز کرنا پڑا! دو تین غلط انداز نظریں انرو وکشن کے لیے کافی تھیں، اور دو تین معنی خیز تبسم ربط ضبط بڑھانے کے لیے کافی سے بھی زیادہ! چند ہی ملاقاتوں میں مسٹر مارسین کو پھانس لینا چنداں تعجب خیز نہیں؛ اور پھانستے ہی فوراً شادی کے لیے مجبور کر لینا بالکل نیچرل! مگر فاخرہ نے پھر بھی تھوڑا بہت احتیاط ہر بات میں ملحوظ رکھا۔ فلرٹیشن کے وقت بھی چوٹی کی آزادی سے ہمیشہ پہلو بچایا! نکاح کا دن بھی اپنی مختصر اور اصلاح شدہ مذہبیت اور مسٹر مارسین کی ترقی یافتہ مغربیت کو سمو کر۔ گڈ فرائیڈے! مقرر کیا! اول تو خود طرفین کی منتخب کردہ اور رضامندی کی شادی، اسپر ایسی متمول اور معزز جگہ؛ پھر اگر آج مس فاخرہ کے والدین لڑکی کو بخیر و خوبی رخصت کرنے کے بعد خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے تو تعجب ہی کیا ہے؟

(۲)

اخبار سے اب بھی فرصت نہیں؟ تیسرے پہر کا وقت حسب معمول کلب کے نذر ہوا: مغرب کے بعد کھانا کھایا ہی تھا کہ دوستوں کی آمد شروع ہو گئی! اب خدا خدا کرکے فرصت ہوی ہے تو اخبار ہاتھ سے نہیں چھوٹتا! آج رات کے نو بجے، اور اخبار بینی!! واقعی ہے بھی صحیح: شادی کی پہلی رات اور اخبار بینی؟! ۲ بجے سہ پہر سے لے کر رات کے

نو بجے تک جس شوق اور بے چینی کے ساتھ وقت گذرا، اُسکو تو فاخرہ کا دل جانتا ہوگا یا جس کسی پر بیتی ہوگی اُس کا دل جانتا ہوگا! لیکن اسمین شک نہین کہ نو بجے کے بعد سے شوق اُلجھن سے بدلتا جاتا تھا!

فاخرہ ایک خوبصورت صوفے پر خاموش بیٹھی تھی، اگرچہ ایک کتاب اُسکے ہاتھ مین بھی تھی، لیکن اُسکی نظرین دزدیدہ نظرین۔ کتاب کے صفحہ کے بجاے مارسین کے چہرے تک جانے اور خدا جانے کیا کچھ دریافت کرنے مین مشغول تھین! مارسین برابر والی کرسی پر نہایت انہماک کے ساتھ اخبار مین ہمہ تن غرق تھا! ڈرائنگ روم نہایت شاندار، خوبصورت، اور آراستہ تھا: فرنیچر سے تموّل اور فارغ البالی ٹپکی پڑتی تھی، اور بجلی کی روشنی مین ایک ایک چیز اپنی دلکش خوبی کا اثر دیکھنے والے پر ڈالنے کے لیے تیار نظر آتی تھی! مگر فاخرہ؟ آہ! وہ ان سب چیزون کی طرف سے غافل تھی، اعلےٰ درجہ کا فرنیچر اُسے اپنی طرف متوجہ نہ کر سکتا تھا، ڈرائنگ روم کی شان و شوکت اُسکا دھیان نہ بٹا سکتی تھی: اُسکو اس وقت ایک خیال تھا۔ صرف ایک!

فاخرہ کا لباس اُسکے نوخیز حسن کے لیے سونے پر سہاگے کا کام کر رہا تھا! ہلکا اور نئی وضع کا ڈھیلا پائجامہ جو اس وقت بے خیالی کے ساتھ رانون پر اکٹھا ہو کر خوبصورت اور سڈول پنڈلی پر سے کسی قدر اونچا اُٹھ گیا تھا! چست اور اعلےٰ درجہ کی سلی ہوئی بلاؤز۔ جو سینہ اور کمر کو نہایت صاف طور پر الگ الگ کرکے دکھلا رہی تھی: مہین کریپ کا پیازی دوپٹہ۔ جو سر سے ڈھلک کر گھونگروالے بالون کو بل کھانے اور لہرانے کی پوری اجازت دے چکا تھا! پھر اُسکی اُٹھتی جوانی، اُسکا زاہد فریب حسن، اُسکی عالم آشوب ادائین! یہ سب کچھ اور پہلی رات! پہلی رات اور تنہائی! تنہائی اور؟ اور خدا جانے کیا! بس فاخرہ کو ایک ہی فکر تھی۔ صرف ایک!

اُس کو اپنے حسین ہونے کا پورا پورا علم تھا۔ اور یہ علم اور بھی زیادہ ستا رہا تھا! وہ جانتی تھی کہ سوسائٹی کے نوّے فیصدی نظرباز محض اُسکی ایک نگاہ کے لیے اپنا اپنا دل ہتھیلی پر لیے رہتے تھے۔ اور یہ جاننا اور بھی غضب ڈھا رہا تھا! وہ سمجھتی تھی کہ خواہ مخواہ کی شرم کو بالاے طاق رکھکر وہ بیک اشارۂ ابرو۔ یا بخندۂ زیرلب۔ اچھے اچھون کو متوالا بنا دیتی تھی۔ اور یہ سمجھنا اور زیادہ اُسکے چٹکیان لے رہا تھا! مگر اسوقت پہلی رات کو تخلیہ مین مارسین کے روبرو، اُسے ایک ہی پریشانی تھی۔ صرف ایک!

اُسکو یاد تھا کہ کوٹھی مین گھستے ہی مارسین نے اُسے اپنی آغوش مین صرف ایک دفعہ لیا تھا، مگر ساتھ ہی یہ بھی اچھی طرح یاد تھا کہ سینہ سے سینہ ملنے کے وقت جب کہ اُسکا سانس نہایت تیزی کے ساتھ آرہا تھا اُسے کچھ گرمی۔ کچھ کشش۔ مطلق محسوس نہین ہوئی تھی؛ وہ ابھی بھولی نہین تھی کہ اُسی وقت مارسین کے ہونٹ اُسکے نازک

اُسکے نازک لبون سے صرف ایک دفعہ ملے تھے! لیکن ساتھ ہی یہ بھی نہین بھولی تھی کہ اس بوسۂ مشترک کے موقع پر کوئی خاص قوت مقناطیسی نیگیٹو (Negative) اور پازیٹیو (Positive) کے اتصال سے پیدا ہونے والی بجلی۔ اُسے نام کو بھی نہین معلوم ہوئی تھی! وہ سب کچھ جانتی تھی لیکن پھر انجان بننا چاہتی تھی! وہ سب کچھ سمجھتی تھی لیکن پھر نا سمجھ بننا چاہتی تھی! اس تمام علم و فہم کی وجہ سے اسے ایک ہی اُلجھن تھی ۔ صرف ایک !۔

آخر مارسین اخبار کیون نہین چھوڑتا؟ فاخرہ کی دلی کیفیت کا اندازہ کیون نہین کرتا؟ اُسکے بار بار پہلو بدلنے کو کیون نہین سمجھتا؟ اُسکے انگڑائیان لینے سے کیون نہین تاڑتا؟ وہ چاہتی تھی کہ مارسین اُس سے کچھ کہے! وہ منتظر تھی کہ مارسین اُسکی مچلنے والی حسرتون کا خیال کرے! وہ بے چین تھی کہ مارسین اُسکی طرف دیکھے! اُسکے پاس آئے اُسکو چھیڑے، اُسکو گُدگدائے، اور اُسکے ساتھ نہایت .... سچ تو یہ ہے کہ اس غضب کی تنہائی مین اُسے ایک ہی کشمکش تھی ۔ صرف ایک !

ٹن ٹن، ٹن ..... کارنس پر رکھی ہوئی ٹائم پیس نے دس بجانے شروع کیے! آواز کے ساتھ ہی فاخرہ کی نظرین خود بخود اُسکی طرف اُٹھ گئین! خوشنما اور بیش قیمت ٹائم پیس پر کیوپڈ۔ خدائے عشق۔ اپنے تیرون کا ترکش پس پشت رکھے، ایک ہاتھ کندھے پر کمان ڈالے، دونون پانون لٹکائے، خدا جانے کس انتظار مین بُت بنا بیٹھا تھا! اس خاموشی، اس سکوت، اس سناٹے مین وہ بھی غالباً مبہوت تھا! اپنے تیر و کمان کو اور اسکے برمحل استعمال کو قطعی بھول گیا تھا! کیا اچھا ہو کہ اسکا ایک بے چین کر دینے والا تیر مارسین کے دل مین ترازو ہو کر اُسے وقت کی قدر بتادے، آج کا کام آج ہی کرنا سکھا دے، اور کچھ بھی نہین تو صرف ہوشیار ہی کرے! ..... ٹن ٹن، ٹن! ٹائم پیس اپنے یکسان وقفے کے ساتھ دس بجا چکی تھی اور اب اُسکی آخری آواز کی جھنکار کمرے مین گونج کر رفتہ رفتہ غائب ہوتی جاتی تھی! مارسین نے اخبار ہاتھ سے رکھا اور فاخرہ کی نظرین اُسکے چہرے سے ہٹ کر بے تحاشا کتاب کی طرف دوڑین! مارسین اپنی کرسی پر سے کھڑا ہوا اور فاخرہ کا دل فوراً نہایت سرعت کے ساتھ دھڑکنے لگا! مگر افسوس وہ فاخرہ کے پاس آنے کے بجاے میز کے پاس گیا، اور گھنٹی بجانے لگا! کچھ زیادہ دیر نہین ہوئی تھی کہ ایک خادمہ اندر آئی اور حکم سننے کے انتظار مین کھڑی ہوگئی! مارسین نے ایک بھونڈے تبسم کے ساتھ۔ غالباً زبردستی پیدا کیے ہوے تبسم کے ساتھ۔ خادمہ سے کہا "دیکھو! مسز مارسین کو اُنکے بڈروم مین لیجاؤ اور بہ تکلیف وہ لباس اُتار کر رات کے کپڑے پہنا دو!"

آخر بڈروم مین جانے کا وقت آگیا! رات کا لباس پہننے کا موقع آپونچا! یہ تو آپ خود اندازہ کیجیے کہ

ان الفاظ نے فاخرہ کے کان تک پہونچ کر اُسکے دل و دماغ پر کیا اثر کیا ہوگا؟ البتہ یہ ہم ضرور کہین گے کہ وہ اُٹھتے وقت جھجک جھجک کر اُٹھی، چلتے وقت رُک رُک کر چلی، اور خادمہ کے ساتھ بڈروم مین جاتے ہوے اُسے کچھ پسینہ سا آگیا۔ اسکے جاتے ہی مارسین نے گھنٹی سے ملازم کو بلایا اور "چاے" کے لیے حکم دیا! اب پھر وہ اپنی پہلی کرسی پر جا بیٹھا۔ جا بیٹھا اور اخبار بینی مین ڈوب گیا!

+ + + + + +

فاخرہ کو کپڑے اُتار کر رات کا لباس پہنے ہوے بہت دیر ہو چکی تھی، اُسکو مسہری پر لیٹے ہوے گھنٹے گذر چکے تھے! معمولی سی آہٹ پر اُسکا دل دھڑکنے لگتا تھا: ذرا سے کھٹکے پر وہ آنکھین بند کرکے سوتی بنجاتی تھی! کئی مرتبہ اسکے تمام بدن مین غیر معمولی کیفیت پیدا ہوئی اور جاتی رہی، کئی مرتبہ پسینہ اُسکے چہرے اور پیشانی پر ظاہر ہوا اور غائب ہوگیا، اور کئی مرتبہ وہ عین انتظار مین اپنی قوت متخیلہ کے دھوکون مین آکر پوری تکلیف اُٹھانے کے بعد آپے مین آ گئی!!

ہمیشہ کی آنے جانے والی نیند نے بھی اس سخت روح فرسا کشمکش کے موقع پر ساتھ چھوڑ دیا تھا: اُس نے آنکھین بند کرکے سونا چاہا، اُسنے دماغ سے پریشان خیالات کو نکالنا چاہا، اُس نے کروٹین بدل بدل کر غافل ہونا چاہا، مگر خدا جانے کیا چیز تھی جو برابر چٹکیان لے رہی تھی؟ کیا خیال تھا جو نکالے نہین نکلتا تھا؟ اور کیا بے چینی تھی جو کسی طرح دور نہین ہوتی تھی؟

آہ، دنیا! اور دنیا کی نت نئی خواہشات! خواہشات اور خواہشات بھی نفسانی؟ نفسانی اور نفسانی بھی عالم شباب مین؟ عالم شباب اور عالم شباب مین شادی کی پہلی رات؟ تسے مئے دوسالہ! برق اور برق صبر سوز!! فتنہ اور فتنۂ قیامت!!!

بڑھ! اے انتظار کے کاٹے نہ کٹنے والے وقت۔ قسم ہے تجھکو عمر خضر کی! بڑھ! چڑھ: اے اُٹھتی جوانی کے ارمانون کے دریاے بے پایان۔ قسم ہے تجھکو طوفان نوح کی۔ چڑھ! چڑھ اور ڈبو دے: تمام مصنوعی شرم کو، تمام دقیانوسی عقائد کو، تمام لغو مفروضات کو، تمام خلاف فطرت بندش و قیود کو، ڈبو دے! غرق کردے!! فنا کردے!!!

اُسکا سر چکرانے لگا، آنکھین پتھرا سی گئین، ناقابل برداشت گرمی محسوس ہوئی، سانس اُلجھا، دم اُلٹا، دل گھبرایا اور وہ فوراً اُٹھ بیٹھی! اُٹھ بیٹھی اور کھڑی ہوگئی! مسہری کے برابر ہی کپڑون کی الماری کھڑی تھی،

جسکے سامنے کے رُخ پر قد آدم آئینہ لگا تھا؛ اور اس آئینہ مین بجلی کی روشنی مین۔ فاخرہ کا عکس سر سے پیر تک بالکل صاف نظر آرہا تھا! کھڑے ہوتے ہی خود بخود فاخرہ کی نظر آئینہ پر جا پڑی۔ نہین نہین۔ آئینہ کے دل تڑپا دینے والے عکس نے اور کسی کو نہ پاکر اسی کو زبردستی اپنی طرف متوجہ کر لیا!

وہ انتظار اور نیند کے خمار مین ڈوبی ہوئی بادامی وضع کی سیاہ آنکھین۔ پردہ نشین اچھوتی متوالیان! وہ کالے بھونرا لے خمدار پیوستہ ابرو۔ آسمان حُسن کے ماتمی لباس والے ہلال! وہ چکنے گداز اور سرخ رخسار۔ فرشتۂ چشم ولب کے معبود! وہ گھن دار اور بل کھانے والے گیسو۔ شب ہجر کی سیاہی اور روز حشر کی درازی کے لخت جگر! وہ لمبی اور صراحی دار گردن؛ پھر اس سب پر غضب رات کا لباس: نیچے گریبان اور بلا آستینون والا کامنیشن Combination! بھرے بھرے مونڈھے اور گورے گورے بازو، گردن کے نیچے سے گریبان کی حد تک ایک عجیب تناسب کے ساتھ اُبھرنے والا سرخ و سفید جسم' سینہ سے کمر تک دونون جانب سے غضب کا اُتار غرض قدرت کے فیاض ہاتھون سے بخشے ہوے عطیات کا مع نیچرل نشیب و فراز کے پورا پورا اظہار! اُف! غضب! آفت!! قیامت!!!

سوچیے ضرور سوچیے! دیکھنے والے کا کیا حال ہوا ہوگا؟ نظرین کہان کہان لوٹی ہونگی؟ آنکھین کہان کہان جم گئی ہونگی؟ دل کس کس جگہ مچل گیا ہوگا؟ سوچیے پھر سوچیے: دیکھنے والا تعلیم یافتہ ہے' روشن خیال ہے' سوسائٹی سے واقف ہے' حسین ہے! اُسکو دنیا مین آنکھین کھولے ہوے سترہ برس گذر رہے ہین! اُسکی شادی کی پہلی رات ہے' وہ ارمانون کی کش مکش سے گھبرا رہا ہے' وہ انتظار کی کُند چھُری سے اتنی دیر تک ذبح کیا گیا ہے کہ رات کے تین بج چکے ہین' اور اب وہ ایک آئینہ کے سامنے سر سے پیر تک اپنے حُسن عالم سوز کو بغیر کسی حجاب یا پردے کے اچھی طرح دیکھ رہا ہے! بتایئے۔ قسم ہے آپ کو تمام مغربی تہذیب' تعلیم اور بالخصوص مورلیٹی (Morality.) کی۔ ضرور بتایئے اُس نے کیا کیا دیکھا ہوگا؟ کیونکر دیکھا ہوگا؟ اور کیا کچھ سوچا ہوگا؟!

جس طرح غریب فرہاد خدا جانے کیسی کیسی جانگداز تکلیف کے بعد جوے شیر لا یا بھی اور نا کامیاب رہا' اُسی طرح بیچاری فاخرہ۔ فی الحال برائے نام مسز مارسن سخت دقت کے ساتھ شام سے صبح کر سکی اور پھر بھی وہی ایک فکر' پریشانی' اُلجھن' کش مکش اب بھی تھی۔ پہلے سے زیادہ تھی!!

(۳)

"رات نے دن کا' اور دن نے رات کا لباس پہنا: ہفتہ نے مہینے کا اور مہینے نے موسم کا روپ بھرا: جاڑے نے

گرمی کا اور گرمی نے برسات کا بھیس بدلا؛ آفتاب تین سو پینسٹھ دفعہ زمین کے بلا گردان ہوا یا زمین نے چکراتے ہوئے ایک مرتبہ آفتاب کا پورا طواف کیا: گھنگور گھٹائین اٹھین اور برس گئین: زور و شور کی آندھیان آئین اور گزر گئین: دل تڑپا دینے والی بجلیان چمکین اور تھم گئین: منھ بند کلیان کھلین اور کھلا گئین: سب کچھ ہوا اور ہوا؛ لیکن آہ! فاخرہ کی تقدیر نہ پلٹنی تھی نہ پلٹی! وہ شادی کے ایک سال بعد بھی ویسی ہی تھی جیسی ایک سال پہلے!!

آرام کی جگہ آرام اور روپیہ کی جگہ روپیہ، مارسین کا پیٹھ پیچھا ہے اُس نے فاخرہ کے خوش رکھنے کے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا! اعلے سے اعلے کھانا، عمدہ سے عمدہ لباس! نوکر چاکر، جوڑی گاڑی: خدا کا دیا سب ہی کچھ تھا! روزانہ دونون وقت ہوا خوری، رات کا وقت گذارنے کے لیے پیانو موجود! سال مین چھ مہینے پہاڑ پر، بڑے دن کے لیے بمبئی یا کلکتہ! پھر سب پر طرہ خود مختاری، آنے جانے ملنے جلنے کی پوری آزادی! کوئی بات ایسی نہ تھی جسکی شکایت فاخرہ کسی کے سامنے کرسکتی، مگر پھر بھی وہ روز بروز مضمحل ہوتی جاتی تھی، پژمردہ ہوتی جاتی تھی، اندر ہی اندر گھلتی جاتی تھی!!

صبر اور شکر؟ مگر صبر اور شکر کی وہ عادی نہ تھی! تقدیر کا لکھا؟ مگر تقدیر کو وہ محض مہمل حیلہ سمجھتی تھی! بندہ عاجز مجبور؟ مگر وہ اپنے آپ کو اپنے کام مین کسی کا مجبور نہین مانتی تھی! ماں باپ کی لاج؟ مگر اس لاج کے لیے وہ مرجانے کو کسی طرح تیار نہین تھی! اُس نے سوچا اور سوچا، غور کیا اور کیا، لیکن جہانتک اُسکی عقل کام کرسکتی تھی اُسکو اس انتخاب مین دھوکا ہوا۔ بلکہ دیا گیا! پورے غور و خوض کے بعد اُسے اپنی غلطی صرف اسقدر نظر آتی تھی کہ اُسے انتخاب سے پہلے ہر طرح اپنا اطمینان کرلینا چاہیے تھا، پوری آزاد خیالی کے ساتھ جانچ لینا چاہیے تھا، اور فلرٹیشن کے وقت ہر قیاد کی خیال کو اپنے دماغ سے قطعی نکال دینا چاہیے تھا! عصمت و عفت کا خیال ہی وہ چیز تھا جس نے آج اُسے زندہ درگور کردیا تھا، اور اب اُسکا اس بیہودہ خیال کے نام پر بھون چڑھا لینا بالکل حق بجانب تھا! اسقدر تعلیم، ترقی اور آزادی کے بعد بھی عصمت کا پوچ خیال اُسکی نظر مین موجودہ سوسائیٹی کا مہلک نقص نظر آتا تھا! اب بھی اُسے طبقۂ نسوان جاہل، اور لغو قیود۔ ناقابل برداشت قیود۔ مین جکڑا نظر آتا تھا!

کہنے والے مارسین کو بُرا کہین اور اسکو مجرم، گنہگار، غرض جو چاہین بتائین، لیکن سچ تو یہ ہے کہ جو کچھ مارسین نے کیا مقتضائے بشریت تھا! موجودہ فلاسفی بتاتی ہے کہ انسان خود غرض ہے اور زندگی ایک سخت مجادلہ ہے! اپنی ہستی کے قیام کے لیے ایک درخت کتنے آس پاس کے پودون کو چوس جاتا ہے اور ایک جاندار کس قدر جاندارون کو ہضم کرجاتا ہے؟ محض قوت شامہ کو تسلی دینے کے لیے، محض اپنی ہوس بجھانے کے لیے کس قدر پھول چمن بہار کے عالم مین توڑ لیے جاتے ہین، مسل ڈالے جاتے ہین، روند ڈالے جاتے ہین؟ انسان ضرورت و بلاضرورت۔ اپنی

حتی الوسع ہر عمدہ اور خوشنما چیز کو اپنے قبضہ مین لانا چاہتا ہے؛ وہ اپنے فائدے، اپنے آرام، اور اپنی مسرت کے خیال پر کسی دوسرے کے خیال کو کبھی ہرگز ترجیح نہین دے سکتا! محبت کیا ہے؟ خود غرضی! دوستی کیا ہے؟ خود غرضی! عبادت کیا ہے؟ خود غرضی! بلکہ سچ تو یہ ہے کہ- زندگی کیا ہے؟ خود غرضی! خود غرضی! خود غرضی! آہ! انسان از سرتا پا خود غرض ہے! اور آخر مارسین بھی انسان ہی تھا!

مارسین نے اگر اپنا نقص چھپایا اور دھوکا دیا تو محض اپنا دل خوش کرنے کے لیے- یا لفاظ دیگر وہی خود غرضی! فاخرہ نے اگر اسے منظور کر لیا اور دھوکے مین آگئی تو محض روپے کے خیال سے یعنی وہی خود غرضی! مارسین کو زیادہ مورد الزام بنانے کی کوئی وجہ ہمارے سمجھ مین تو آتی نہین! خیر، سانپ نکل گیا اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ؟ ہان! ماں باپ کے انتخاب مین اگر یہ نقص نکلتا تو طبقۂ نسوان کا حامی گروہ جوش آزادی مین خدا جانے ماں باپ کو کیا کیا کچھ کہہ گذرتا، لیکن یہان توبس فاخرہ نے خود اپنے ہی ہاتھ سے اپنے پیر مین کلھاڑی ماری تھی! اب اسکو فقط چانس کہکر ٹالدیا جاتا ہے؛ البتہ اگر ماں باپ کے انتخاب مین ایسا ہی چانس واقع ہوتا تو ظلم، جبر اور اندھے کوئین مین دھکا دیدینے سے تعبیر کیا جاتا! ایک ہی بات اور ایک ہی چیز کا نام ضرورت کے لحاظ سے پلٹ ہی جایا کرتا ہے!!

فاخرہ نے اکثر دقیانوسی خیال والی عورتون کو بُرے شوہرون کو، بھرتے سُنا تھا، صبر کے ساتھ سخت سے سخت تکالیف برداشت کرتے دیکھا تھا: لیکن وہ یہ کہتی تھی- اور غالباً سچ کہتی تھی- کہ اُن عورتونکو اوّل سے ہی قناعت کا عادی بنایا گیا تھا تقدیر پر شاکر ہونا انکی رگ و پے مین سرایت کر گیا تھا، اور شرافت آبائی و عصمت کا خیال بچپن سے ہی ان مین پھونکا گیا تھا! ایسی حالت مین جو کچھ پڑے اُسے مستقل مزاجی کے ساتھ جھیلنا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا! البتہ نئی تعلیم دی جائے، آزاد خیال بنایا جائے، مذہب کی وقعت بالکل نکالدی جائے، خودسری، خودرائی، خودپسندی اور مساوات کی روح پھونکی جائے اور امید رکھی جائے کہ ایسی نئی ترقی یافتہ بھی مصیبت کو اسی طرح برداشت کرے گی جس طرح ایک دقیانوسی تعلیم والی، قطعی عقل کے خلاف ہے! واقعی فاخرہ کا یہ مقولہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے کہ "اس ادھوری آزادی سے پرانے خیالات کی پابندی بہتر ہے" کیونکہ پابندی کی حالت مین ہوش سنبھالنے سے آزادی کا خیال تو دماغ مین آکر زندگی دشوار نہین کریگا! ایسی آزادی پر تین حرف کہ خواہ مخواہ ایک مفروضہ عصمت کے خیال سے نوجوان لڑکیون کو گندم نما و جو فروش، مردون کا شکار بنایا جائے اور زندہ درگور ہو جانے کا احتمال باقی رکھا جائے! وہ سوچتی تھی اور سوچتی تھی-

کہتی تھی اور یہی کہتی تھی کہ "آہ! کیا اچھا ہو کہ مظلوم طبقۂ نسوان کو پوری آزادی نصیب ہوجائے، سوسائٹی مین دغا اور فریب کی گنجایش نہ رہے، اور پرانے جہالت آمیز خیالات انسان کے دماغ سے بالکل دور ہوجائین!!"

یہ بتانے کی چندان ضرورت نہین کہ فاخرہ کا انجام کیا ہوا؟ اُسکی زندگی کہان گئی، کیونکر کٹی، اور کیسی کیسی بدنامی اور مصیبت سے اُسکو سامنا کرنا پڑا؟ ہان یہ ہم بغیر کہے نہین رہ سکتے کہ نئی روشنی، نئی ترقی، نئی آزادی سب ہی کچھ موجود تھی، لیکن "پھر بھی عمر قید"!!

سلطان حیدر (جوش)

انبساط زندگی

(ماخوذ از نظم سروجنی نائڈو صاحبہ)

سبزۂ خوابیدہ پر ہے کیا بہار آئی ہوی
کس نزاکت سے صبا پھرتی ہے اترائی ہوی

سُن تو اے دل یہ ہوائے مست اٹھلائی ہوی
گونج کر کانون مین کیا کہتی ہے شرمائی ہوی

بیخودی مین کوکتی پھرتی ہے کوئل کو بکو
آتی ہے ہر نخل سے آواز پیہم تو ہی تو

بھینی بھینی آرہی ہے باغ سے پھولون کی بو
فیض سے ساقی کے شبنم کا ہے ہر قطرہ سبو

قہر ہے گر تو نہ دیکھے چشمۂ آب روان
جان لے اسکو غنیمت دیکھ دریا کا سمان

سبزۂ ساحل کی موجین کرتی ہین اٹکھیلیان
غم غلط ہوتا ہے جنکے دیکھنے سے بیگمان

غیر تو خوشیان منائین اور ہم غم مین اسیر
بلبلین تو لطف اُٹھائین روئین ہم اے ہمصفیر

نغمہ زن کبک دری اور خندہ زن گل تا وبیر
اشک کیون اپنے بہین پھر صورت ابر مطیر

کبک کی وہ خوشخرامی ابر کی مستانہ چال
نغمۂ طوطی و قمری عشق کی پھر قیل و قال

راز ہمراز سوز الفت کیا ہے کوئی خوش جمال
سچ بتا اے دل تجھے کس بات کا ہے یہ ملال

ختم کر اب سوز الفت آ ادھر بہر خدا
دیکھ تو کیسی ترنم ریز آتی ہے ہوا

وجد مین عالم تہ و بالا ہے سارا ہو چلا
اے دل غافل مرے اب بھی نہین تو چونکتا

عمر رونے کو پڑی ہے چھوڑ دے اب غم نہ کھا
انبساط زندگی کا لطف اے ظالم اوٹھا

یاد رکھ قول وفا دع ما کدر خذ ما صفا
تو بھی خوش ہو کھیل ان سب کی طرح خوشیان منا

(انتخاب از حضرت جلیل)

احوال واقعی

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ سودا نہیں جنون نہیں وحشت نہین مجھے

جناب ایڈیٹر صاحب بعد تسلیم کے گذارش یہ ہے۔ کہ آجکل عام طریقہ تنقید کا یہ دیکھتا ہون کہ جب کسی کلام پر تنقید کی جاتی ہے تو قبل ہی نقاد اپنے دل مین یہ مستحکم منصوبہ کرلیتا ہے۔ کہ اس سختی سے تنقید کیجیے۔ کہ شاعر کی ہمت پست ہوجاے۔ اور اس نزہت گاہ کو پرخار وادی سمجھکر وہ پھر اس طرف رخ نہ کرے۔ اور یہ طریقہ کچھ عوام ہی کا نہین ہے۔ بلکہ خواص کی بھی یہی ہمت رہتی ہے محض تمثیلاً مولانا شبلی صاحب کو پیش کرتا ہون جنکی قابلیت کا زمانہ معترف ہے۔ اور اپنے وقت کے امام غزالی ہین۔ ایک بار آپ پھلواری تشریف لاے۔ مین نے موازنہ دبیر و انیس کا ذکر چھیڑا۔ آپ فوراً دالان سے کتاب اُٹھا لاے۔ اور فرمایا کہ آپ ان دونون مین کس کا کلام پسند کرتے ہین مین نے عرض کی کہ مجھکو میر انیس کا کلام پسند ہے۔ یہ سُن کر متفرق جگھون سے قریب پانچ چار ورق کے سُنایا۔ اس مین شک نہین کہ موازنہ بہت خوب کیا ہے۔ اگرچہ نکتہ چینون نے بہت کچھ نکتہ چینی کی۔ اور آج تک نکتہ چینی کا سلسلہ قائم ہے۔ مگر کسی نے مولانا کے دعوے کو دلیل سے رد نہین کیا۔ سواے اسکے کہ آپ نے مرزا صاحب کا مرتبہ دیکھا کہان ہے۔ مرزا صاحب ایسے تھے ویسے تھے۔ اور بعضون نے گالیون سے بھی دریغ نہین کیا کیا ان مزخرفات سے مولانا کے آہنی پنجہ سے گلو خلاصی ہو گئی ہرگز نہین۔ مین نے موازنہ اور اسکے جواب کو اول سے آخر تک دیکھا انصاف یہ ہے کہ اس سے بہتر موازنہ ہو نہین سکتا۔ لیکن مین باوجود اُن خوبیون کے جو موازنہ سے ظاہر ہین۔ اتنا ضرور کہون گا۔ کہ مولانا نے جس سختی سے تنقید فرمائی ہے اس سے ایک شاعر کی چلبلی طبیعت کو صدمہ پہونچنے کی بہت کچھ امید ہے۔ اور بیساختہ پن کا لطف اکثر مفقود ہوجاتا ہے۔ اگر گستاخی نہین سمجھی جاے تو مین کہہ سکتا ہون کہ اس تنقید کے مولانا موجد و مجتہد ہین۔ اور میرا یہ بھی خیال ہے۔ کہ اگر آجکل کی تنقید کے مطابق شعراے سابقہ کے کلام کو جنکو خداے سخن کہا جاتا ہے۔ جانچا جاے۔ تو غالباً اُنکو صدہا سال کے بعد یہ معزز لقب ندامت کے ساتھ واپس کردینا پڑیگا۔ اور مجھکو زیادہ تر یہ حیرت ہے۔ کہ جب لطافت پسندون نے صرف سلاست و فصاحت کے خیال سے صنائع بدائع کے ساتھ رعایت لفظی کو بھی ناپسند کردیا۔ تو کیا ان سختیون کے ساتھ جو اکثر تنقیدون مین دیکھی جاتی ہین۔ سلاست و فصاحت کا سلسلہ قائم رہے گا۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ بجز تکلف و آورد کے کچھ بھی نہ ہوگا کیا ہمارے ہمعصرون نے غور نہین کیا۔ کہ جو لوگ سختی سے قیود کے پابند ہین۔ اُنکے کلام سے روانی رخصت ہوجاتی ہے

اسی لیے حضرت داغ و امیر نے آپ کو ہمیشہ قیود کی سختی سے آزاد رکھا۔ علاوہ اسکے ایک شاعر کے لیے نشست
الفاظ۔ وزن۔ ردیف و قافیہ۔ تعقید۔ متروکات کی بیڑیان کیا کم تھین کہ طوق و ہتھکڑی کا بھی حکم دیا جاتا ہے
ہمارے شاعر کی جان عجیب کشمکش مین ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ رسم و رواج کا کوئی پہلو فروگذاشت نہو۔ کوئی کہتا ہے
کہ الفاظ کے عروج و نزول کا خیال رکھو۔ کوئی کہتا ہے کہ تم اور میر کا مقابلہ نہو۔ کوئی کہتا ہے کہ لفظ کی تکرار نہو۔
کوئی کہتا ہے کہ مبالغہ اور غیر ممکنات نہون۔ کیا ان سختیون کے ساتھ شعر کے حقیقی معنی فوت نہونگے۔ جب شعر کے
معنے یہ بیان کیے جاتے ہین کہ شاعر کے جذبات کا اثر سامع کے دل و دماغ پر ایسا پڑے۔ کہ وہ متاثر ہوکر وجد
ہی نہین کرنے لگے۔ بلکہ شاعر کے جذبات مین برابر کا حصہ دار ہوجاے کیا تنقیدی احکام کے مطابق وہ جذبات
کا حصہ دار ہوسکتا ہے۔ کیا اُسکو سحر بیانی حاصل ہوسکتی ہے۔ اس تحریر سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ شعرون کے
عیوب کو بھی قبول کرلیا جاے۔ بلکہ مین اپنے قابل نقادون سے یہ التماس کرتا ہون کہ تنقید مین ایسی سختی روا
نہ رکھی جاے۔ کہ اک ذی حوصلہ مرعوب ہوجاے اور اسکی بڑھتی اُمنگون کو صدمہ پہونچے۔ خصوصاً ایسے وقت
مین کہ آپ حضرات اُردو کی ترقی مین جان و مال سے کوشان ہین۔ بلکہ ایک حد تک کامیاب بھی ہوچکے ہین۔
حق تو یہ ہے۔ کہ یہ آپ ہی حضرات کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ کہ شاعری گندے مضامین کے کوچہ سے نکل کر مہذب
طریقہ سے حکیمانہ شاہراہ پر چلنے لگی۔ اب نہ وہ بوسہ بازی ہے۔ نہ وہ لپٹ جھپٹ ہے۔ بلکہ ایک اعلی بندش۔ پاکیزہ
خیالات سادہ واقعات کا مجموعہ ہے کہ ایک نوجوان بے جھجک اپنا کلام بزرگون کو سنا سکتا ہے۔ خدا کرے اُس
شاعری کا بھی جلد خاتمہ ہوجاے۔ جو باتباع یورپ ایک شریف خاندان کی دوشیزہ لڑکی اور ایک جنٹلمین کے عشقیہ
جذبات کا فوٹو اُتارا جاتا ہے۔ اور اس گندے مضمون کو جو درحقیقت مخرب اخلاق ہے نظم و نثر مین شایع کیا جاتا ہے۔
کیا کوئی غیرت دار اسکو قبول کرے گا کہ اُسکی لڑکی پاکدامنی کے ساتھ کسی غیر مرد کو تاک جھانک کرے۔ یا اداؤن سے
کسی غیر مرد کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے۔ کیا شریفون پر یہ خفیہ حملہ نہین ہے۔ کیا اس ناپاک شاعری کا
خاندانون پر بُرا اثر نہین پڑتا ہے۔ فی الفعل ہی لکھنؤ کی دو شریف زادیان مردانہ لباس مین پھلواری تھانہ مین
گرفتار آچکین۔ اور اُنکے باپ و شوہر مجسٹریٹ بانکی پور کے اجلاس سے لیگئے۔ مین نے بھی اُنکو دیکھا تھا۔ وہ دونون
ایسی طرارہ تھین کہ خدا کی پناہ۔ انکے پاس سے ایک ناول جس کا نام شاید اُٹھتی جوانی تھا برآمد ہوا۔ یہ ہمارے
ہم وطنون کی جادو نگاری کا نتیجہ ہے طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس کورانہ تقلید مین ہندو مسلمان دونون مبتلا ہین چونکہ
مجھکو اسوقت ناولون پر بحث کرنا منظور نہین ہے اس لیے اس مضمون کو ختم کرتا ہون مگر ہان مختصر طریقہ سے کچھ سوانح عمری کے

لکھون گا۔ کیونکہ نقادون کی طرح سوانح نگار بھی جادۂ اعتدال سے بہت کچھ گزر جاتے ہین۔ اپنے ناظرین کو اسوقت یاد گار غالب کی طرف توجہ دلاتا ہون۔ کیونکہ یہ اک بہت بڑے مستند ادیب کی لکھی ہوی ہے۔ مگر افسوس کہ اسکی بھی آنکھ افراط و تفریط کو دیکھکر ایسی خیرہ ہوجاتی ہے۔ کہ اُسکو یقین ہوجاتا ہے کہ مولانا نے بھی نقادون کی طرح قبل سوانح نگاری کے مستحکم عہد کرلیا تھا۔ کہ غالب مرحوم کو افضل و لاثانی ثابت کرنے کی کوشش کرون گا۔ اُنکی تصانیف کو قرآن سے کم درجہ نہین دون گا خاص کرکے شاعری مین توکسی کو ٹرھنے ہی نہین دونگا۔ صفہان کا شاعر ہو یا شیراز کا گو میری اس سینہ زوری کو کوئی مانے یا نہ مانے۔ مگر مین ایسا ہی کرونگا۔ بلکہ مین اُنکے عیبون کو بھی ہنر کے پیرایہ مین دکھاؤن گا۔ چونکہ اس مختصر تحریر مین عام خردہ گیری کی گنجائش نہین ہے اسلئے ناظرین کو مولانا کی اس محویت کی طرف توجہ دلاتا ہون۔ جہان ظہوری اور غالب کی غزل کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور مرزا صاحب کے ہر شعر کو ظہوری کے شعر سے بلیغ و نیچرل فرمایا گیا۔ اگرچہ اس فیصلہ کو دیکھکر ایک منصف مزاج یہ اندازہ کرسکتا ہے۔ کہ مولانا کس طرح شراب عشق سے کس قدر سرشار ہین۔ اور وفاداری مین کس قدر ثابت قدم ہین۔ کہ انصاف کی بھی کوئی پروا نہین کرتے چنانچہ بطور نمونہ کے دو شعر لکھتا ہون۔ ان ہی پر ناظرین بقیہ اشعار کا قیاس کرلین ظہوری کہتے ہین۔

گمر کہ رخصت بے طاقتی شود مرہم کہ گوش دل شدگان ریش گشتۂ پندست

غالب ؎ نگفتۂ کہ بتلخی لب از وپند پذیر بر دکہ بادۂ ما تلخ تر ازین پندست

ظہوری کا تو یہ مقصود ہے۔ کہ کان نصیحت سے زخمی ہوگیا اب اسکا مرہم سوا نالہ کے کچھ نہین ہے یعنی عشق سے جدا مجبور ہون نصیحت سے جدا پریشان ہون اب سوا اسکے کوئی علاج نہین ہے کہ رو پیٹ کر دل کا بخار نکالون اور واقعی آہ وزاری سے غم مین بہت کچھ سکون ہوجاتا ہے۔ اور مرزا کی غرض یہ ہے۔ کہ تم نے کہا کہ نصیحت کی تلخی کو قبول کرو۔ تو جاؤ شراب میری نصیحت سے زیادہ تلخ ہے۔ یعنی غرض تلخی سے ہے تو شراب زیادہ کڑوی ہے اسی کو پیونگا حالانکہ سوا ظاہری مشابہت کے معنوی مماثلت کچھ نہین ہے۔ کیونکہ نصیحت عام عشاق کو ناگوار ہے۔ اور شراب کی تلخی میخوارون کے لیے خوشگوار ہے۔ مگر مولانا فرماتے ہین کہ مرزا کا شعر بلیغ و نیچرل ہے۔ اب مین یہ دیکھتا ہون کہ خود غالب اس بارہ مین کیا کہتے ہین۔ لیکن اُنکے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولانا کے فیصلہ کو موازنہ کے قبل ہی مسترد کردیا تھا جیساکہ فرماتے ہین :-

زلہ بردار ظہوری باش غالب بحث چیست در سخن درویشی باید نہ کہ دکان داری

اور ایک جگہ فرماتے ہین :-

بہ نثر و نظم مولانا ظہوری زندہ ام غالب رگ جان کردہ ام شیرازہ اوراق کتابش را

اس سے بڑھکر گداگری و ریزہ چینی کا کیا مرتبہ ہوگا۔ کیا اب بھی مولانائے مستردفیصلہ مین کوئی حالت منتظرہ باقی ہی تماشا تو مولانا نے یہ کیا ہی کہ نظیری پر بھی غالب کو بڑھادیا۔ مگر ہان نظیری غریب پر اتنا ضرور رحم کیا۔ کہ آخرین کہدیا۔ کہ ایک آدہ غزل کے بڑھ جانے سے یہ مطلب نہین ہی۔ کہ مرزا کو نظیری پر ترجیح ہوگئی۔ گو مولانا نے فیصلہ بادل ناخواستہ ڈر سے صائب و اسیر کے دیا ہے۔ چونکہ صائب نے پہلے ہی خبردار کردیا تھا کہ۔

صائب چہ مجالست شوی ہمچو نظیری عرفی بہ نظیری نہ رسانید سخن را

اسیر نے کہدیا کہ ؎ ہم چشمیِ نظیری حدِ نظر نباشد۔ مگر مولینا کہتے ہین کہ ایک آدہ غزل مین تو ضرور نظیری سے مرزا بڑھ گئے۔ لیکن مرزا نے مولانا کے اس فیصلہ کو بھی مستردکردیا جیسا کہ کہتے ہین ؎

ہلہ تازہ گشت غالب روش نظیری از تو سزد این چنین غزل را بہ سفینہ ناز کردن

سبحان اللہ مرزا بیچارہ نظیری کی حلقہ بگوشی کو سرمایۂ ناز جانتا ہی۔ اور مولانا کہتے ہین کہ مرزا کی غزل بڑھگئی۔ مولینا نے کمال تو اس جگہ کیا ہے۔ جہان مرزا اور اُنکے مخالف کے قصہ مین آپ نے ثالثی کو قبول فرمایا ہے۔ مجھکو یقین ہے کہ اگر یادگار غالب کی تنقید کی جائے تو ایک دفتر ہوجائے۔

معذرت ۔ مین اپنی دیانت سے کہتا ہون۔ کہ ان چند سطرون کے لکھنے سے میرا ہرگز یہ مطلب نہین ہی۔ کہ ان بزرگوارون پر کسی طرح کا حملہ کرون۔ یا معاندانہ تخطیہ کرون۔ مین انکی قابلیت کا معتقد ہون۔ مین انکو اپنا محترم جانتا ہون۔ اور نہ مجھکو غالب مرحوم سے خدانخواستہ عداوت ہی۔ کہ خواہ نخواہ اُنکی تنقیص کرون۔ مین صرف تشفی کا خواستگار رہون۔ کہ مولینا نے باوجود مستند ادیب ہونے کے سوانح نگاری کے فرائض سے کیون پہلوتہی فرمائی جب سوانح نگار پر حسن و قبح کا ظاہر کردینا فرض ہے۔ تو کیون غالب مرحوم کے عیوب مین پردہ داری۔ جنبہ داری سے کام لیا گیا۔ مین امید کرتا ہون کہ کوئی ایسا ذریعہ نکل آئے گا جس سے میری بدظنی جلد رفع ہوجائے گی۔ اور آیندہ مجھکو اُن غلطیون کی فہرست پیش کرنے کا موقع ملے گا جو میری سمجھ مین نہین آئین۔

جناب اڈیٹر صاحب کی خدمت مین محمد کشش شاگرد میر علی حسین روش لکھنوی مرحوم شاگرد رشید خواجہ وزیر لکھنوی مرحوم۔ بعد ادب التماس کرتا ہے کہ فقیر کی عمر ترسٹھ[۶۳] برس کی ہوی اور ہاتھ مین رعشہ بھی ہی غالباً پڑھنے مین دقت ہوگی مگر امید ہے کہ از راہ اخوت اسلامی معاف فرمائین گے۔ اگر غلطی ہو تو اسکی بھی اصلاح[۱۵] فرمائین گے۔

---

۱۵ اگرچہ ہمارے نزدیک اس تحریر مین کئی جگہ ہمرفتبدیلی الفاظ کی ضرورت تھی مگر ہم نے قصداً اس سے احتراز کیا ہے۔ اڈیٹر

رباعی ذوالقوافی الاربعہ

زندان حیات میں ہوا ہے جو قید — صیاد اجل سے نہ بچے گا وہ صید
احسن ہو کہ محمود ہو حامد ہو کہ زید — پیدا جو ہوا یہاں وہ ہوگا ناپید

سودائے حیات جان اگر تیز ہوا — سن کر یہ خبر عبث کوئی تیز ہوا
بچتا نہیں کوئی مست یا تیز ہوا — جس وقت کہ دشنۂ اجل تیز ہوا
(سان رکھا ہوا)

اے خاک لحد تیز ترا پانی ہے — فولاد کا زہرا بھی یہاں پانی ہے
لذت دنیا کی اب کہاں پانی ہے — اس گھر کا نیا دانہ نیا پانی ہے
(پانا) (آب)

خاصان خدا خوب بسر کرتے ہیں — طے عشق کی راہ سر بسر کرتے ہیں
کچھ جان کا ڈر نہ خوف سر کرتے ہیں — با مردیوں سے مہم یہ سر کرتے ہیں

جان سوز ہے کیا آتش تر کا ہر پھول — کانٹوں میں الجھتا ہے جو پیتا ہے پھول
غافل آزاد بن کے شیخی سے نہ پھول — دیکھے ہیں کسی نے سرو میں بھی پھل پھول
(غرور) (دخل)

کیا موت سے بچنے کی نکالیں کوئی کل — باقی نہیں رہنے کی یہ خاکی ہیکل
بے غم رہیں احسن کہ رہیں ہم بے کل — مرنا ہے بہرحال نہیں آج تو کل

رکتی نہیں وہ جیب گھڑی کوئی گھڑی — صناع ازل نے جس کی ہر کیل گھڑی
ہے تازہ یہ تشبیہ کہ موتی کی لڑی — سینہ ہے کہ جیب ہے یہ دل ہے کہ گھڑی

آرائش بزم جسم ہے درہم بالکل — مینائے شراب ہے نہ شور قلقل
پڑھتے ہیں مزاروں پہ جو آج آکر قل — ہونے والا ہے کل تک انکا بھی قل

احسن مارہروی

تحقیق سخن پر ریویو

فن شاعری کی معلومات، مذاق سلیم کے افادہ و استفادہ کی غرض سے مولانا شفق رضوی عماد پوری نے تحقیق سخن لکھکر اُردو شعرا کی اچھی رہنمائی کی ہے۔ اسکے محققانہ مضامین بیش بہا۔ اسکا تاریخی نام بھی موزون ہر طرح اسم با مسمی ہے۔

آجکل کثرت نظم نگاری اور نئی روشنی کی تخئیل جدیدہ سے اردو شاعری مین معتدبہ اضافہ ہو رہا ہے لیکن قیود سخن کی آزادی۔ فن کی ناواقفیت۔ زبان کی ناآشنائی نے نقائص کا بازار بھی گرم کر دیا ہے۔

ایسے زمانے مین ہر آشنائے اُردو کو عموماً اور شعرا کو خصوصاً ایسے رسالے کی ضرورت تھی جو مصنف ممدوح کی سعی سے قلمبند ہوا

فہرست مضامین لکھکر سلسلہ وار رائے زنی سے کام لیتا ہون

(عیوب سخن) تعقید۔ حشو زوائد۔ مقدرات بیجا۔ ذم کا پہلو۔ متبذل۔

(قیود سخن) متروکات۔ محاورات۔ تذکیر و تانیث۔ واحد جمع۔ عطف و اضافت۔ قوافی۔

(اصناف سخن) قصیدہ۔ غزل۔ مرثیہ۔ مثنوی۔ رباعی۔ قطعہ۔ تاریخ گوئی۔

مذکورۂ بالا عنوانون کے بعض مضامین ضخامت بڑھنے کے لحاظ سے اختصار کا پہلو لیے ہوے ہین جن سے تشنہ کامان تحقیق کی پوری پیاس نہین بجھتی مگر کوزے مین دریا والی مثل صادق آتی ہے کہ ایک رسالے مین اتنی کارآمد و مفید بحثین منضبط ہین جنکے لیے خدا جانے کتنے رسالے ڈھونڈھنے پڑتے اور کتنی کتابون کی ورق گردانی کرنی پڑتی۔

تعقید کی چار قسمین کرکے صاف بتادی اور مع مثال سمجھادی گئی ہین۔ حشو کے نکالنے کی صورت بھی نکالدی ہے۔

مقدرات کی دونون قسمین مع مثال لکھکر تفریق کر دی گئی۔ متبذل کس طرح کے اشعار ہوتے ہین اور کیسے غزلون مین داخل ہوے ہین اسکی تشریح بھی خوب کی ہے۔

متروکات کی تین قسمین کرکے ہر ایک کی الگ الگ تفصیل کردی ہے۔ واجب الترک وہ الفاظ جنکا استعمال صریح غلطی ہے اسلیے کہ زبان نے خارج دفتر کر دیے۔ مستحسن الترک وہ الفاظ جنکا استعمال روش فصحا کے خلاف شان فصاحت کے منافی ہے۔ مشتبہ الترک وہ الفاظ جنھین بعض فصحا نے ترک اور اکثر نے استعمال کیا اور خود مصنف کے نزدیک انکا ترک کرنا وسعت سخن کے دائرے کو محدود اور زبان کو بیجا پابند قیود کرنا ہے۔

محاورات کے متعلق تصرف محاورہ کا عدم جواز خاص طور سے لکھا ہے ترجمہ محاورہ کی نسبت وہ محققانہ رائے لکھی ہے

کہ قابلیت کی داد دی ہے تذکیر تانیث کے تحت میں تین سو چالیس مشترک و مختلف فیہ الفاظ کا فیصلہ مع اشعار شائع کیا ہے
واحد و جمع کی بحث میں جمع الجموع کی نسبت بھی خوب بات لکھدی ہے عطف و اضافت و قوافی کی بحث میں پریشان
کی تحقیق اور شمشیر کا فیصلہ ماہر فن وسیع النظر ہونے کا ثبوت دیتا ہے
اصناف سخن پر وضاحت کے ساتھ ایسے اچھے مضامین لکھے ہیں کہ کہیں پہلے نظر سے نہیں گزرے معلومات کی وسعت
عبارت کی دلچسپی۔ انداز بیان کی خوبی۔ مثالوں کی خوش اسلوبی سب دیکھنے ہی کے لائق اور قدر کے قابل ہیں۔ ہر صنف
سخن میں مذاق سلیم حاصل ہوجانے کے لیے ان مضامین کا پیش نظر یا ذہن نشین رہنا کافی ہے۔
آخر میں تاریخ گوئی کے متعلق وہ رموز لکھے ہیں جنھیں خواص کے سوا اور لوگ کم جانتے ہونگے۔ مزید تحقیق کا پتا
لگتا ہے اور محاسن و عیوب تاریخ سے بھی آگاہی ہوجاتی ہے۔ الا ما شاء اللہ
مختصر یہ ہے کہ مبتدیوں کا اتالیق، نومشقوں کا استاد شفیق شعرا کا رفیق اس سے بہتر اسوقت اردو میں کوئی
نہیں ہے اس لیے جو صاحب تحقیقات شاعرانہ کو دل و دماغ کے خزانے میں جگہ دینا چاہیں وہ خاص مصنف
مولانا شفق رضوی عمادپوری۔ رفیع گنج ضلع گیا کے نشان سے وطلب فرمائیں۔ یا لکھنؤ امین آباد دفتر
الناظر سے خریدیں قیمت آٹھ آنے۔ محصول علاوہ۔
واضح ہو کہ کچھ دنوں سے مصنف ممدوح نے چھپی ہوی جلدوں میں بھی دست خاص سے قلمی ترمیم کی ہے اسلیے
کہ جو نسخہ مجھ تک پہلے پہونچا تھا وہ بلا ترمیم تھا اور اب ایک دوست کے پاس دست خاص کا ترمیم کیا ہوا دیکھا
گیا اس لیے جتنی ترمیم جس سطر جس صفحے میں ہوی ہے درج ذیل ہے کاش کسی نسخے میں یہ تصحیح نہ ہو تو بنالی
جائے۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۹	۱	مذکر ہے	مونث ہے	۵ کوثر اُنکا ہے بہشت اُنکی ہے رضوان اُنکا (امیر مینائی)
۳۸	۱۷-۱۸	جس کا مصرع سے	×	قلمزد
		آخر مصرع تک	×	× × ×
۴۷	۶	قلق ہو مرتے دم بھی	دم آخر قلق ہو	
۴۹	۱۲	جو بات۔ الخ	×	پورا شعر قلمزد

راقم آرج گیاوی

غزلیات

یہ تو کیا ہے جو ہو دامان بیابان دامن
نہ بچے دست جنون سے کسی عنوان دامن

شرم تر دامنی گرمی محشر کا ہے دھیان
دیکھنا خشک نہو دیدۂ گریان دامن

پھر رولاتی ہے لہو خار تمنا کی خلش
پھر دکھاتا ہے بہار چمنستان دامن

دست وحشت سے ہے صد پارہ قبائے ہستی
خاک پہچان پڑے اسمین گریبان دامن

اُڑ کے پڑ جائے کہین خاک نہ مظلومون کی
ہان اُٹھائے ہی رہے گنبد گردان دامن

مر دے جی اُٹھے ہوا دے کے ذرا دیکھو تو
ہے مگر بافتۂ تار رگ جان دامن

سیکڑون دل ہین کہ ہر بل مین پسے جاتے ہین
یون نہ نکلا کرو گردان کے اے جان دامن

چننے آئے تھے یہان پر گل گلزار مراد
خار حسرت سے ہے صحرائے مغیلان دامن

اب تو کوتاہی دامن پہ ہے ضامن ہمین ناز
تھا کسی وقت دلیل سر و سامان دامن

ضامن کنتوری

بلبل قفس کی یاد سے کہتی ہے باغ مین
جو لطف قید مین ہے نہین وہ فراغ مین

ناکامیون نے ذوق تمنا بڑھا دیا
دل کی امید بن گئی سوداد ماغ مین

او حسن دلفریب ہم اب اور کیا کہین
تیری گلی مین آ سے تجھے دل کے سراغ مین

پایا قفس کی قید مین کیا جانین کیا مزہ
روتی ہے چھوڑتے ہین جو بلبل کو باغ مین

یہ مے نہین چھلکتی ہے او بیخود نشاط
ساقی کی چشم مست کا ہے عکس ایاغ مین

اتنا تو سوز گرمی الفت مین چاہیے
کچھ جل اُٹھین چراغ دل داغ داغ مین

دیوانگی نے قیس کی حسرت نکال دی
خلوت ہوی تصور لیلے اسے راغ مین

اتنو ترے ستم سے بھی محروم ہو گئے
کیا خاک زندگی کا مزا ہے فراغ مین

مدت ہوی کہ ناقۂ لیلے گزر گیا
بیٹھا ہے کس امید پہ اب قیس راغ مین

زخمون کی تو نے محوی غافل خبر نہ لی
ناسور پڑ گئے جگر داغ داغ مین

محوی لکھنوی

رو نما ہے صاف کوئی شوخ پُر فن پھول مین
جس کا جلوا ہے فروغ چشم روشن پھول مین

اے گل تر تیرے دم سے ہے گلستان کی بہار
طائر رنگ چمن کا ہے نشیمن پھول مین

اس طرح دلمین پریرویون کی الفت چاہیے — جس طرح رہتی ہے شبنم پاکدامن پھول مین

آرسی مین دیکھتے ہین وہ رخ رنگین کی سیر — کیا تماشا ہے نظر آتا ہے گلشن پھول مین

ہم تو ایجان کشتۂ تیغ تبسم ہو گئے — غنچۂ لب سے ہے پیدا آب آہن پھول مین

غنچۂ دل مین ہی ہر دم زلف پیچان کا خیال — بوے سنبل نے بنایا اپنا مسکن پھول مین

آہ سوزان کی عجب تاثیر ہوتی ہے سفیر
آتش گل بن گیا بلبل کا شیون پھول مین

سفیر کاکوردی

محمد مصطفے دونون طرف تیری حقیقت ہے — ترا ظاہر نبوت ہے ترا باطن ولایت ہے

کلام اللہ کی ہر ایک سورۃ تیری صورت ہے — نظر کرنا ترے چہرے پہ قرآن کی تلاوت ہے

تو وہ نقطہ ہے جس سے ابتدا ہے سیر وحدت کی — تو وہ مرکز ہے جس پر منتہی دور رسالت ہے

تو نور حق ہے تیرا عکس پیدا کر سکے کیونکر — حقیقت آئینہ کی تیرے آگے بے حقیقت ہے

تری تعلیم اک عنوان ہے تیری رسالت کا — تری برہان ختمیت تری مہر نبوت ہے

وہی کثرت وہی تیرا ظہور عالم آرائی — وہی وحدت وہی تیری حقیقت کی حقیقت ہے

تری ذات مقدس برزخ کبریٰ ہے دونوں کی — ادھر تیری نبوت ہے اُدھر تیری ولایت ہے

خدا کو ہم نے پہچانا تو بیشک تجھ سے پہچانا — کہ علم معرفت تیرا ہی ادراک حقیقت ہے

عیان سب مین ہے تیرا نور سب ہین نور سے تیرے — تری وحدت مین کثرت ہے تری کثرت مین وحدت ہے

دم بربادی بت ہاے کعبہ حل ہوا مطلب — کہ تیری ہی نبوت حامل بار ولایت ہے

تو ان دونون مین افضل ہے تو ان میں نو مین اولیٰ ہے — ترے گھر کی نبوت ہے ترے گھر کی ولایت ہے

دل توفیق مین نہان ہین شعلے تیری الفت کے
چراغ زیر دامن تیرا ہر داغ محبت ہے

سید جلال الدین توفیق

مٹے گی خودنمائی اس بت خودبین و خودسر کی — مقابل آئینہ ہے آج چوٹین ہین برابر کی

تمنا پھر وہ تمنا کس کی قد موزون دلبر کی — قلم مین آگئی وقت رقم رفتار محشر کی

وہی پیش آئے گا آخر جو پیشانی مین لکھا ہے — نہین کچھ ڈر عداوت سے سپہر کینہ پرور کی

مے عشق بتان پی کر تو دیکھو حضرت واعظ — کہ اسکے دُرد مین بھی ایک کیفیت ہے کوثر کی

مزے سے پاؤن پھیلائے ہوے سوتا ہون بے کھٹکے — ملین کنج لحد مین راحتین آغوش مادر کی

خدا پر کشتی امید اپنی چھوڑ بیٹھے ہین — ضرورت کچھ نہین اب ناخدا کی ہے نہ لنگر کی

دھرا چھاتی پہ پتھر صبر کا فرقت مین گو لیکن — ہوئی پھر بھی نہ کچھ کم بیقراری قلب مضطر کی

ہوائے صبح دم سے کیون گلستان سب مہک اُٹھا — صبا شاید رہی ہے ہمنشین زلف معنبر کی

یقین آیا تو آیا کس طرح جھوٹی شکایت کا — الٰہی کس طرح اُس نے عدو کی بات باور کی

برا ہو اس نقاہت کا سمجھ ہی مین نہین آتا — تن لاغر ہے اپنا یا ہے کوئی چین بستر کی

جلانے کی نئی صورت نکالی ہے ستمگر نے — دم پیمان قسم کھاتا ہے وہ اغیار کے سر کی

تصور تیرے فتنون کا رہے گا دفن ساتھ اپنے — ہماری قبر بھی ہوگی زمین میدان محشر کی

نہ وہ آئے شب غم دم بہ بالین پر اجل آئی — یہ قسمت کے کرشمے ہین یہ خوبی ہے مقدر کی

سمجھ رکھا تھا قتل بیگنہ کو بازی طفلان — چڑھا جب خون آنکھین کھل گئین قاتل کے خنجر کی

اگر سینے پہ آئے تو لنڈھا دے خم کے خم دم مین — تیرے میکش کے آگے کیا حقیقت ایک ساغر کی

قیامت سے بھی بڑھکر کوئی شاید آنے والا ہے — کسی کو ڈھونڈھتی ہین کیون نگاہین اہل محشر کی

گزرتے ہین یون ہی دن عرشی آزاد مشرب کے — نہ کچھ ہے خوف عقبیٰ کا نہ کچھ ہے فکر محشر کی

محمد عبد العزیز عرشی

وہ نہایت پکا مسلمان تھا۔ مذہب اسلام کے بھٹکے ہوئے پیرو اسکی ثنا وصفت مین بیان کرتے ہین کہ جیسا وہ

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ۱۰۴) اپنا دوست اور حلیف کہین ۔

ایسے دوستون اور حلیفون کا احسان اسپر کچھ نہین تھا۔ ان مین سے ایک بھی مدد کے لیے کھڑا نہین ہوا۔ ہان مبارکباد دینے کے لیے سب موجود ہو گئے۔ جتنی جنگ ہوئی اس سب کا بار صرف صلاح الدین ہی پر رہا باستثنا اخیر جنگ کے جسمین اسکا بھائی بہت زیادہ پیش پیش نظر آنے لگا تھا کوئی شخص کسی ایک بھی جنرل یا مشیر کا نام نہین لے سکتا جسکے متعلق کہا جاسکے کہ سلطان کی رہبری کرنا تو کیا اسپر رائے مین غالب بھی رہا ہو۔ اسمین شک نہین کہ ایک مجلس جنگ ضرور تھی جسکے مشورہ کے بموجب وہ اپنے فوجی احکامات جاری کیا کرتا تھا۔ مجلس کبھی کبھی سلطان کی ایسی رائے کو بھی توڑ دیتی تھی جو خود اسکی رائے سے بہتر ہوتی تھی جیسے کہ صور (طائر) اور عکہ کے معاملہ مین ہوا لیکن اس مجلس بھر مین ایک شخص بھی ایسا نہین مل سکتا تھا جسکی تنہا آواز ایسی ہو جو اسکے ارادونپر غالب آسکے۔ بھائی۔ بیٹے۔ بھتیجے۔ قدیم ہمدم نئے باجگذار۔ قاضی الفاضل جیسا ہوشیار شخص عماد الدین کاتب (سکرٹری) جیسا محتاط آدمی۔ کوئی پرجوش واعظ۔ سب کے سب عام حکم مین اپنا اپنا حصہ لیتے تھے۔ سب کے سب اپنی قابلیت بھر اپنے آقا کی وفاداری کرتے تھے باوجود اسکے ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو کبھی یہ بھول گیا ہو کہ اسکا آقا کون ہے۔ اس تمام تشویشناک۔ پُرازمحنت ومحنونازک وقت مین صرف ایک دماغ تھا اور ایک ارادہ جو سب پر غالب تھا۔ یہ دماغ وارادہ صلاح الدین کا تھا

جب آخرکار جنگ ختم ہوئی اور عیسائی ساحل تک ہٹا دیے گئے اور وہ مقامات جو مسلمانون اور عیسائیون دونون کے لیے مقدس تھے ایکمرتبہ پھر سلطان کے قبضہ مین آگئے تو کیا عجب ہے کہ صلاح الدین کو ایک وسیع تر سلطنت کا خواب نظر آتا ہو اور بڑی بڑی تجویزین اسکے پیش نظر ہون۔ کیا عجب ہے کہ مسلمانون کی ابتدائی فتوحات کی یاد دیاور قریب زمانہ کی سلجوقیون کی کامیابیون کی مثال اُسکے دل مین دوسرے ممالک فتح کرنے کے خیالات پیدا کردیتی ہو لیکن یہ تمام تصورات اتنے پختہ نہین ہونے پائے تھے کہ اُنکی اس جدید حاصل کی ہوئی صلح وآشتی مین خلل انداز ہوتے۔ سب سے پہلا خیال سلطان کا یہ ہوا کہ اپنی تھکی ماندی فوج کو آرام دینا چاہیے۔ صلح نامے پر دستخط ہوتے ہی اُسنے سپاہیون کو اپنے اپنے گھر رخصت کردیا اور ۱۲ اور ۱۳ ستمبر کو میسو پوٹیمیا کے لوگون کے طویل طویل جلوس نے اس خوشی وخرمی کے سفر کی ابتدا کی جبکہ سپاہی دریاے فرات کے کنارے یا کوہ ہاے فیج کے مرتفع دامنون مین اپنے اپنے قصبات کی طرف جارہے تھے۔ اس کے بعد اس نے اپنی توجہ عیسائی زائرین ارض مقدس کے انبوہ در انبوہ کاروانون کی جانب مبذول کی جنھون نے آخرکار یہ سمجھکر اپنی تشفی کرلی تھی کہ اُن مقامات کی زیارت کرسکین گے جہان حضرت مسیح فوت ہوے تھے۔ یروشلیم مین نہایت تندخو مسلمان سپاہی ایسے بھی تھے جو میدان عکہ مین اپنے بھائیون کے قتل کیے جانے سے انتقام لینے کے لیے بھوکے نظر آتے ہون لیکن صلاح الدین کے دستے سڑک پر تعین تھے اور نیک نفس رحمدل بزرگ شہر کا حاکم تھا جسکی وجہ سے زائرین تمام خطرون سے بامن وامان گزر گئے۔ ستمبر کے مہینے مین خود سلطان یروشلیم مین موجود تھا جبکہ ہیو برٹ والٹر اسقف سالسبری کے ہمراہ زائرین کا تیسرا قافلہ مقامات مقدس مین داخل ہوا۔ شاہ رچرڈ کا روزنامچہ نگار (صفحہ ۴۲۔ جلد ۱) لکھتا ہے کہ

ایک ہیرو اور سورما تھا ویسا ہی ولی اللہ بھی تھا کہا جاتا ہے کہ اُسے ہمیشہ یہ رنج رہا کہ حمایت مذہب میں مصروفیت

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) ہیوبرٹ اسقف سالسبری کے ساتھ اسکی دیانت داری وحق پژوہی اور نیز اسکی دانائی اور وسیع شہرت
کی وجہ سے صلاح الدین نے بہت خاطر مدارات کی۔ اور ایک مکان بازار میں رہنے کو دیا۔ لیکن اسقف مذکور نے [illegible] کردیا
کہ وہ اور اسکی جماعت والے زائرین کی حیثیت سے نہیں آئے ہیں۔ تب صلاح الدین نے اپنے نوکرون کو حکم دیا کہ [illegible] اور [illegible] کے
ساتھ ہر قسم کی خاطر داری برتی جائے۔ صلاح الدین نے خود بھی اُسے بہت سے قیمتی تحفے دئیے [illegible] اور ایک مرتبہ یہ دیکھنے کے لئے مدعو کیا
کہ شکل و شباہت میں وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اُسکے [illegible] دونوں [illegible] بات کرتے رہے [illegible]
رہے۔ اس موقع پر صلاح الدین نے دریافت کیا کہ عیسائی مسلمانوں کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں [illegible] بشپ اسقف
نے کہا۔ اپنے بادشاہ کے متعلق میں صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ دنیا بھر میں کوئی سورما یا دلیر [illegible] میں [illegible]
یا شجاعت و مردانگی میں اسکی برابری بھی کرسکے وہ ہر عمدہ صفت کے ساتھ متصف ہے۔ اگر کوئی شخص حضور کے [illegible]
دیکھے اور اسکی خوبیاں آپ میں پیدا کرسکے تو دنیا [illegible] صلاح الدین نے [illegible]
کے ساتھ سُن کر جواب دیا کہ میں [illegible] بادشاہ کی شجاعت [illegible] اپنے آپ کو خطرات
خطرات میں ڈال دیتا ہے اور جان کی پروا نہیں کرتا۔ میں اپنے متعلق یہ کہہ سکتا ہون کہ خواہ کتنا ہی بڑا بادشاہ کیوں نہ ہون
لیکن میں اُسی حالت میں حصول دولت کرنا پسند کرونگا جبتک [illegible] دانشمندی [illegible] حاصل ہوتے نہ کہ [illegible]
بے اعتدالی کے ساتھ۔ غرضکہ ایک ترجمان کے ذریعہ سے بہت دیر تک باتیں کرنے کے بعد صلاح الدین نے بشپ (اسقف) سے
کہا کہ اگر آپ کی کوئی خواہش ہو تو میں پوری کرنے کو تیار ہون۔ آپ مانگیں جو مانگنا چاہتے ہون۔ اس حمایت کے جواب میں
بشپ نے بہت کچھ شکر گزاری کے بعد دوسرے دن تک کی مہلت مانگی تاکہ اپنے لوگون سے مشورہ کرسکے۔ دوسرے دن جب وہ
آیا تو اس نے عرض کیا کہ میں چاہتا ہون کہ دو لاطینی عبادت کرنے والے اور دو دوسرے پادریون کو اجازت دی جائے کہ [illegible]
کے ساتھ مزار مقدس میں عبادت کرایا کریں۔ ان لوگون کی تنخواہیں [illegible] ادا ہوا کرینگی۔ بشپ مذکور نے مزار
مقدس کی زیارت کے وقت دیکھا تھا کہ شامی عیسائی اپنے وحشیانہ طریقے کے موجب ادھوری نماز پڑھا کرتے ہیں چنانچہ اس نے
اسی طرح کی درخواست بیت اللحم [illegible] کے متعلق کی۔ یہ درخواستیں منظور کرلی گئیں اور جیسا کہ شخص کا اعتقاد تھا یہ کام خدا
کو بہت پسند آیا۔ سلطان کی رضامندی کے بعد بشپ (اسقف) نے اپنی درخواست کے موجب ہر ایک مقام پر عبادت کرنیوالے
اور ترسا پادری مقرر کردیے اور یہ ایک ایسا کام کیا جو خدا کی راہ میں بہت موزون و پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ روزنامچہ نگار
کے قول کے بعد اب ہم پھر مسٹر اسٹینلی لین پول سے نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ان لاطینی پادریوں کے تقرر سے چار ہی ماہ قبل
شاہنشاہ یونان نے ایک سفیر بھیجکر اسی قسم کی درخواست آرتھوڈاکس گرجے کی جانب سے صلاح الدین کے سامنے پیش کی تھی
جسے اس نے نامنظور کردیا تھا۔ لین پول صاحب نہایت حیرت و استعجاب سے تحریر کرتے ہیں کہ یہ ایک عجیب حیرت انگیز بات ہے

کی وجہ سے اُسے کبھی اتنی مہلت نہ ملی کہ جاکر فریضۂ حج ادا کرتا۔ اسکے دربار کے عدل و انصاف کی حالت یہ تھی کہ اُسے

(۱) سلسلہ ایشیا صفحہ ۔ بارھوین صدی عیسوی مین مقامات مقدسہ کے متعلق کسی قسم کی نزاع پیش آئی تھی (Russia) روس نے ۱۸۵۳ء مین ترکون سے جنگ کرنے کے عذرات مین پیش کی تھی۔

جب صلاح الدین کو معلوم ہوا کہ بادشاہ انگلستان جہاز پر روانہ ہوگیا ہے تو اس نے اُن ممالک کا ایک دورہ کیا جو اتنی جانین گنوانے کے بعد ہنوز شمشیر سے فتح ہوئے تھے۔ تمام قلعہ جات اور بڑے بڑے شہر اس نے دیکھے اور اُنکے مقامات محفوظت کو بھی دیکھا بعض مستحکم مورچون کا حکم دیا اور ہر ایک مین ایک سالار سواران کا اور ایک دستہ پیدل فوج کا مقرر کیا۔ پہلی نومبر کو مقام بیروت رئیس انطاکیہ بوہیمانڈ (Bohemond) اس سے ملنے کو آیا اور سب سے پہلے صلح پیش کی۔ دونون کی ملاقات نہایت دوستانہ ہوئی اور سلطان نے رئیس کو انطاکیہ مین جاگیر خاصی پندرہ ہزار زرسرخ سالانہ کی عطا فرمائی۔ بمقام کوکب اسکے ابتدائی زمانہ کا قدیم ملازم قراقوش ملا جو تسخیر عکہ کے بعد سے قید خانہ مین پڑا مصیبت کاٹ رہا تھا۔ سلطان نے اس سے کوئی گلہ نہین کیا بلکہ اپنا قدیم اور وفادار ملازم سمجھ کر عزت اور خاطرداری کی۔ چنانچہ سلطان دمشق مین دوبارہ داخل ہوا چار سال تک اُسے باہر رہنا پڑا تھا اور دمشق کے دوسرے روز جب وہ جلوس کے ساتھ شہر مین نکلا تو اسکے پرانے دوستون اور خوش و خرم رعایا کا ایک ہجوم تھا شاعرون کو نظمین پڑھنے کے الفاظ نہین مل سکتے تھے جو اس موقع کے لیے موزون تھے۔

اب سلطان پھر اپنے بچون مین آگیا ہم اُسے قلعہ کے میدان مین اپنے باغ کی بارہ دری کے اندر اپنے چھوٹے چھوٹے بچون کے ساتھ بیٹھا دیکھتے ہین۔ یکایک عیسائیون کے سفرا کی اطلاع کی جاتی ہے لیکن جب وہ اسکے سامنے حاضر ہوتے ہین تو انکی منڈی ہوئی ڈاڑھیان اور کترے بال اور عجیب غریب لباس دیکھکر چھوٹا بچہ ابوبکر چلا اُٹھتا ہے اور ڈر کر رونے لگتا ہے۔ باپ کو صرف اپنے بچے کا خیال ہے اور وہ سفیرون کو قبل اسکے کہ کوئی پیام پہونچائین رخصت کردیتا ہے۔ اور دوسرے لڑکے بھی وہین تھے جو اب بڑے ہوگئے تھے اور اپنے باپ کے ساتھ میدان جنگ مین کارنمایان کرچکے تھے سلطان اپنے بھائی ملک عادل اور ان لڑکون کو لے کر روزانہ دمشق کے وسیع میدانون مین ہرن کا شکار کرنے جایا کرتا۔ اُسے اداے حج کا بھی خیال تھا جو کہ مسلمانون کا بہت بڑا فریضہ سمجھا جاتا ہے اور اُسے یہ بھی خواہش تھی کہ ایک دفعہ مصر اور جائے جو اسکی ترقی کی سیڑھی تھا لیکن وقت گزرتا گیا۔ حاجی عرب سے لوٹ بھی آئے اور وہ دمشق ہی مین اپنے گھر کے آرام و اطمینان سے خوشیان مناتا رہا۔

۲۰ فروری (۱۵ صفر ۵۸۹ھ) کو جمعہ کے روز بہاؤالدین کو ہمراہ لیکر وہ حاجیون کے قافلے کے استقبال کے طور پر شہر سے باہر گیا تھا۔ پچھلے کچھ دنون سے کچھ اسکی طبیعت بھی اچھی نہ تھی۔ موسم برشگال تھا۔ اور سخت بارش کے بعد سڑکین پانی سے بھری ہوئی تھین۔ غلطی سے اپنا گرم لبادہ بھی پہننا بھول گیا تھا۔ اس بے احتیاطی کی وجہ سے رات کو بخار آگیا۔ دوسرے دن دسترخوان پر اپنے دوستون کے ساتھ کھانا کھانے بھی نہ آیا۔ بعض لوگون نے جب بیٹے کو باپ کی جگہ بیٹھا دیکھا تو

ادنیٰ عرضی گزار بھی اپنی مراد کو پہونچتا تھا اور اس کی فیاضی کی یہ صورت تھی کہ محاصرہ عکہ کے وقت بارہ ہزار

(بسلسلۂ نوٹ صفحۂ ماسبق) آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور بدشگونی سمجھے۔ سلطان کی روز بروز حالت بدتر ہونے لگی۔ سر درد سے پھٹا جاتا تھا اور اندر ہی اندر اُسے سخت تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ بخار نے بدن کی جلد کو خشک کر دیا اور کمزوری بڑھتی چلی گئی۔ نویں دن بحران کی حالت ہوگئی اور غفلت سی پیدا ہوگئی اور حالت ایسی نازک ہوئی کہ دوا بھی پیٹ میں نہیں جا سکتی تھی۔ ہر شب کو بہاؤالدین اور وزیر الفاضل سلطان کو دیکھنے جاتے یا کم سے کم یہ سُننے جاتے کہ طبیبوں کی کیا رائے ہے اور کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ آنکھوں میں آنسو بھرے گریہ کو ضبط کیے ہوئے باہر آتے کیونکہ ہر وقت ڈیوڑھی پر مجمع لگا رہتا تھا کہ اندر سے آنیوالوں کے چہرے دیکھکر اپنے آقا کی طبیعت کا اندازہ کر سکیں۔ اتوار کے روز بیمار ہونے کے دسویں دن۔ دوا سے کسی قدر افاقہ معلوم ہوا۔ مریض نے آش جو کا ایک جرعہ پیا اور پسینہ بدن سے بہت خارج ہوا۔ بہاؤالدین کہتا ہے کہ "یہ حالت دیکھکر ہم نے خدا کا شکر ادا کیا اور ہمکو امید تھی کہ انکی طبیعت بحال ہو کر باہر آئے" لیکن افسوس یہ مریض کی آخری کوشش تھی۔ سہ شنبہ کی رات کو وفادار کاتب سکریٹری بہاؤالدین ابن شداد اور وزیر (الفاضل) اندرون قلعہ طلب کیے گئے لیکن انھوں نے سلطان کو نہیں دیکھا جسکی حالت تیزی کے ساتھ گرتی جاتی تھی۔ شیخ ابو جعفر امام کلاسہ رات کے وقت نزدیک بیٹھے قرآن پاک پڑھ رہے تھے اور اس وقت محض خالی الذہن تھے جب شیخ ان کلمات پر پہونچے هو الله الذی لا اله الا هو عالم الغیب والشهادة هو الرحمن الرحیم سلطان نے سُن کر آہستہ سے کہا "صحیح ہے" اور جب یہ الفاظ انکی زبان پر آئے کہ لا اله الا هو علیه توکلت تو مرنے والے نے تبسم کیا اور اسکا چہرہ چمک اُٹھا اور جان پاک جان آفرین کے سپرد کی۔ (انا لله وانا الیه راجعون)

یوم چہار شنبہ کو بتاریخ ۲۷ صفر ۵۸۹ھ (۴ مارچ ۱۱۹۳ء) بعد نماز صبح سلطان نے وفات پائی۔ یہ ایسا روز تھا کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وفات کے بعد سے آج تک اسلام و مسلمین پر ایسا روز نہیں گزرا تھا۔ تمام عالم پر وحشت عظیم طاری ہوئی اور لوگ تمنا کرتے تھے کہ کاش ہم سلطان پر سے جو اپنی جانوں سے بھی زیادہ ہمیں عزیز تھا فدا ہو جاتے۔ وفات کے قریب اسکا سن ۵۷ سال کا تھا (Stanley Lane Poole) لین پول نے ۵۵ سال لکھے ہیں جو شمسی سال کے حساب سے صحیح ہیں) اور مصر و صوریا میں اس نے ۲۴ برس حکومت کی تھی۔ انتقال کی خبر سُنکر تمام لوگ حاضر ہو گئے اور جنازے کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے اور قلعہ دمشق کے باغ کی بارہ دری میں عصر کے وقت اُسی مقام پر دفن کر دیا جہاں وہ مریض رہا تھا۔ جو تلوار جہاد میں اسکے زیب کمر رہی تھی آج اُسکے برابر رکھدی گئی اور "وہ جنت میں اپنے ساتھ لے گیا" اس نے ہر چیز خرچ کر دی تھی حتیٰ کہ دفن کفن کے واسطے قرض لینا پڑا اور لکڑیاں تک جو قبر میں لگائیں قرض لی گئیں تمام مراسم تجہیز و تکفین اس سادگی سے ادا ہوئے جیسے کہ ایک غریب آدمی کے جنازے کے ساتھ ہوتے ہیں۔ قبر پر ایک دھاری دار ردا ڈالدی گئی۔ کسی شاعر کو مرثیہ کہنے یا کسی واعظ کو تقریر کی اجازت نہ ملی۔ جب لوگوں نے ڈیوڑھی پر

گھوڑے اُس نے تقسیم کیے اور موت کے وقت صرف سنتائیس درہم اور ایک دینار اسکے خزانہ مین نکلا۔ اسکی

(سلسلہ نوٹ صفحہ ما سبق) انبوہ در انبوہ کھڑے تھے جنازے کو دیکھا ایک آواز گریہ و بکا بلند ہوئی۔ لوگون پر اسقدر ہجوم الم تھا کہ اُنکی زبان سے کوئی دعا تک ادا نہین ہوسکتی تھی۔ خاموشی کے ساتھ جنازے کو لیے ہوے روتے چلے جاتے تھے۔ کوئی نہ تھا جس کی آنکھین خشک ہون اور کم ایسے تھے جو چلا کر نہ روتے ہون۔ اسکے بعد ہر شخص اپنے اپنے گھر چلا گیا اور ماتم مین مکان کے دروازے بند کرکے اندر بیٹھ گیا اور صرف خاموشی اور سنسان سڑکین بتاتی تھین کہ لوگون پر کس قدر عظیم صدمہ ہے صرف کاتب بہاء الدین ابن شداد اور سلطان کے اہلبیت قبر پر قرآن خوانی کرنے گئے اور وہین رو رو کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ دوسرے دن لوگون کا مزار پر مجمع ہوا جو روتے جاتے اور قرآن پڑھتے جاتے اور خداے جل و علےٰ سے دعا کرتے تھے کہ اس زیر زمین سونے والے کو اپنے جوار رحمت مین جگہ عطا فرمائے۔ اہل بیت مین ایک دُکھیا محبت کی ماری بہن بھی تھی جسے "ست الشام" کہتے تھے اس نے مرحوم بھائی کے لیے اپنی جیب خاص سے بہت کچھ صدقہ و خیر و خیرات کی ملک الافضل نے عزاداری کی۔ کاتب عماد الدین نے اسکے غم مین دو سو تیس شعر کا ایک مرثیہ لکھا ہے جسمین سے چند شعر یہ ہین۔

شمس الهدى والملوك عم ضياؤه	والدهر ساءت وقلعت حسناته	اين الذى عنت لسطوته	ذلا ومنها ادركت ساداته
اين الذى مذ لم يزل مخشية	مرجوة رهباته وهباته	اغلال اعناق العدا اسيافه	اطواق اجياد الورى منّاته
اين الذى كانت له طاعاتنا	مبذولة ولربه طاعاته	لم يجد تدبير الطبيب وكم وكم	احيت لطب الدهر تدبيراته
يا الله اين الناصر الملك الذى	لله خالصة صفت نياته	من فى صدور الكفر صدّر قناته	حتى توارت بالصيام قناته
اين الذى ما زال سلطانًا لنا	يرجى نداه وتتقى سطواته	فى نصرة الاسلام يسهر دائمًا	ليطول فى روض الجنان سباته

لا تحسبوه مات شخصًا واحدًا فممات كل العالمين مماته

دوسرا سال ابھی ختم نہین ہونے پایا تھا کہ سلطان کی لاش کو اُسکے لڑکون مین سے کسی لڑکے نے مسجد بنی امیہ کے متصل اس خانقاہ مین جو کلاسہ کی جانب شمال واقع ہے لیجا کر دفن کیا جہان وہ ابتک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ اس مزار پر سلطان کے وفا شعار وزیر الفاضل نے جو اپنے آقا کے تھوڑی ہی مدت بعد خود بھی رہگراے عالم جاودانی ہوا یہ کتبہ تحریر کیا تھا "اے خدا۔ اس روح کو اپنی جوار رحمت مین جگہ دے اور اسکے لیے جنت کے دروازے وا فرمادے جو اسکی وہ آخری کامیابی ہوگی جس کے لیے وہ متمنی رہتا تھا"۔

ابن خلکان لکھتا ہے کہ مین اس خانقاہ مین کلاسہ کی طرف کے پھاٹک سے داخل ہوا اور قبر پر تھوڑا کلام مجید پڑھکر مین نے دعا کی کہ خداے بزرگ و برتر صاحب قبر پر رحمت فرمائے۔ دربان نے مجھے ایک گٹھری دکھائی جسمین صلاح الدین کے کپڑے رکھے ہوے تھے۔ مین نے اسمین ایک چھوٹا زرد رنگ کا کرتہ دیکھا جسمین زرد کف لگے ہوے تھے۔ مین نے دعا کی کہ خدا اسکی برکت سے مجھے محروم نہ فرمائے"۔

موت اسکی حیات سے زیادہ سبق آموز تھی۔ یہ دیکھکر کہ اب وقت اخیر ہے اس نے اپنے علمبردار کو نزدیک

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) طبیب داناعبد اللطیف کسی قدر رکھائی کے ساتھ لکھتا ہے کہ اسکے علم مین صرف اسی ایک بادشاہ کی ایسی نظیر تھی جسکے لیے واقعی رعایا نے ماتم کیا ہو۔ صلاح الدین کے اثر و مقبولیت کا گروہ محبت تھی جو اُسے اپنی رعایا کے ساتھ تھی۔ جو شئے دوسرے لوگ خوف۔ سختی اور تجمل شاہانہ سے حاصل کرتے ہین اس نے رافت و مہربانی سے حاصل کی تھی۔ اسکے وہ یادگار زمانہ الفاظ جو مرنے سے کچھ ہی مدت پہلے اس نے اپنے نہایت درجہ عزیز لڑکے ملک الظاہر سے اپنے ایک صوبکی حکومت پر جانے کے لیے رخصت کرتے وقت کہے تھے اُسکے اثر و قوت کے منشاء حقیقی کو ظاہر کرتے ہین۔

اُس نے یہ وصیت کی کہ اے میرے لڑکے مین تجھے خدائے بزرگ و برتر کے سپرد کرتا ہون جو تمام خوبیون کا سرچشمہ ہے اسی کی مرضی کے موافق کام کرو کیونکہ اسی مین فلاح ہے لوگون کی خونریزی سے اجتناب کرو۔ یہ کوئی بھروسہ کی چیز نہین ہے کیونکہ کشتون کا خون کبھی چین سے سونے نہین دیتا۔ لوگون کے قلوب اپنے ہاتھ مین لینے کی کوشش کرو اور انکی فراغ بالی پر نظر رکھو کیونکہ صرف انھین کے چین و آرام کے لیے خدا نے تمھین اور مجھے مقرر کیا ہے۔ اپنے امیرون وزیرون اور ارکان دولت کے قلوب اپنے قبضہ مین کرنے کی کوشش کرو۔ میری جو کچھ عظمت تم دیکھتے ہو اسکی وجہ یہی ہے کہ مین نے لوگون کے دلون کو نرمی اور ملاطفت سے اپنا گرویدہ کیا ہے"۔ کرم نفسی اسکی طبیعت کی خصوصیت اعظم تھی۔ ہم اسکے ہمعصر واقعہ نگارون کی تصانیف مین اس شے کو تلاش کرتے ہین جو عام طور پر بادشاہون مین پائی جاتی ہے یعنی تجمل و شکوہ شاہانہ۔ مگر کہین نظر نہین آتی۔ اسکا ذکر نہ کرنے کی صرف وجہ یہی ہے کہ لوگون مین جو کچھ اسکی منزلت تھی وہ اُس محبت کی وجہ سے تھی جو خوف و دہشت کو دور کردیتی ہے۔ اسی طرح تزک و شاہانہ طمطراق کا بھی کہین پتہ نہ تھا۔ بجز اسکے کہ وہ دربار مین اراکین کی تعظیم اور ادنی ادنی مراسم و آداب و شاہانہ پر لحاظ رکھتا ہم دیکھتے ہین کہ کوئی بادشاہ اتنا خوش اخلاق نہین ہو سکتا جتنا کہ یہ تھا اور کسی کے پاس اسکی رعایا اس آسانی سے باریاب نہین ہو سکتی تھی جیسے کہ اسکے یہان پہونچ سکتی تھی۔ وہ پسند کرتا تھا کہ اسکے جلسے مین دانشمند اہل بحث و مباحثہ کرنے والے رہین اور وہ خود بھی بہت دلچسپ باتین کرتا تھا۔ وہ عربون کی قدیم روایات اور اُنکے بہادرون کے کارنامون سے اور انکی گھوڑیون کی نسلون سے خود بھی بہت واقف تھا۔ اسکی عام ہمدردی اور بے لوث تعلقات نے ہر ایک کو مطمئن کردیا تھا اور بجاے اسکے کہ وہ لوگون کو آزادی کے ساتھ گفتگو کرنے سے منع کرتا وہ اسقدر آزادی کے کلام کرنے کی اجازت دیتا تھا کہ بعض وقت خود اسکی آواز انکی آوازون مین گم ہوجایا کرتی تھی۔ پُرانی وضع کے درباری بیشک افسوس کرتے ہونگے کہ اس زمانہ مین نورالدین کے درباریون کی سی سختی آداب نہین پائی جاتی جبکہ ہر ایک آدمی ایسا خاموش نظر آتا تھا کہ گویا اسکے سر پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے اور جبتک کلام کرنے کی اجازت نہین ملتی تھی زبان سے ایک حرف نہین نکال سکتا تھا۔ صلاح الدین کے دربار مین ہر طرف نہایت پرجوش تقریر کرتے ہوے لوگ نظر آتے تھے اور ایک

بلا کر کہا "ایام جنگ میں تم میرے علم بردار رہا کرتے تھے آج میری موت کے دن بھی تمہیں میرا جھنڈا اٹھانا۔ یہ میرا کفن ہو

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) ایسی ہماہمی رہا کرتی تھی جو بادشاہوں کے درباروں میں کہیں نظر نہیں آتی۔ ہم ہر شے کے لیے حدود مقرر نہیں جس سے کوئی شخص سلطان کی موجودگی میں تجاوز کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی نامناسب تقریر وہ روا نہیں رکھتا تھا اور نہ اس بات کی مجال تھی کہ کوئی شخص چھچھورے پن کے ساتھ کوئی اخلاق سے گری یا کسی کی شان کے خلاف کر سکے وہ خود نہ کبھی اپنی زبان سے کسی کے لیے بُرے الفاظ استعمال کرتا تھا اور نہ دوسروں کے لیے۔ وہ رکھتا تھا سخت سے سخت مشتعل کر دینے کے موقع پر بھی وہ اپنی زبان پر سخت قابو رکھتا تھا۔ اور یہی قابو اسے اپنے قلم پر بھی حاصل تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے کسی مسلمان کے لیے کوئی سخت کلمہ لکھا ہو۔

بعد ازاں مشہور و معروف طبیب عبداللطیف نے پہلی مرتبہ جو سلطان صلاح الدین کو دیکھا اور جو اثر اس پر پیدا ہوا اسے مختصر الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے: "میں نے اسے ایک عظیم الشان بادشاہ پایا جسکی صورت دیکھنے سے دلوں میں محبت و عظمت پیدا ہوتی تھی۔ جسکے پاس ہر کوئی جا سکتا تھا۔ جو نہایت درجہ ذکی و فریس تھا اور جو سرتاپا کرمت و شریف خیال تھا۔ جتنے لوگ اسکے قریب آتے اسکی ذات کو اپنے لیے ایک قابل تقلید نمونہ سمجھتے ...... پہلی مرتبہ شب کو جب میں اسکے پاس حاضر ہوا تھا تو میں نے دیکھا کہ علما کی ایک بہت بڑی جماعت اسے گھیرے ہوئے مختلف علوم پر بحث کر رہی ہے اور وہ نہایت مسرت سے سب سنتا جاتا ہے اور انکی تقریر میں خود بھی حصہ لیتا جاتا ہے۔ کبھی وہ [illegible] قلعہ جات اور مورچہ جات پر گفتگو کرتا اور کبھی مسائل فقہ پر کلام کرتا تھا اور اسکی تمام تقریر جدت خیال و ذکاوت سے مملو تھی۔ اس زمانہ (یعنی سنہ ۱۱۹۱ء) میں مورچہ جات یروشلیم کے استحکام میں نہایت مصروف تھا اور بذات خود کام کی نگرانی کرتا تھا حتیٰ کہ پتھر تک اپنے کندھوں پر پہنچاتا تھا۔ ہر شخص امیر و غریب حتیٰ کہ عماد الدین کاتب اور قاضی الفاضل تک اسکی تقلید کرتے تھے۔ فجر کے وقت سے وہ گھوڑے کی پیٹھ پر نظر آتا اور دوپہر تک خود نگرانی کرتا رہتا..... اور پھر تیسرے پہر سے رات تک مصروف رہتا اور شعلوں کی روشنی میں مکان لوٹ کر آیا کرتا تھا۔ اسکے بعد وہ رات کا ایک بہت بڑا حصہ دوسرے دن کے کاموں کے انتظامات میں صرف کرتا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کا میل جول لوگوں کے ساتھ کیسا تھا۔ اسکی تمام زندگی نہایت سادی پر از مشقت و محنت اور مرتاضانہ تھی۔ جب اسے ایک نہایت خوبصورت شامیانہ دکھایا گیا جو اسکے لیے دمشق میں تیار ہوا تھا تو اس نے بمشکل ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھا اور یہ کہا "ہم یہاں ہمیشہ قیام کرنے کے لیے نہیں آئے۔ یہ مکان اس شخص کے کام کا نہیں ہے جسکے ہر وقت پیش نظر موت رہتی ہے۔ ہم یہاں صرف خدا کی تابعداری کرنے آئے ہیں" عیش و آرام و تکلفات سے اسے نفرت تھی۔ ایکمرتبہ جب اس نے دیکھا کہ اسکا ایک لڑکا ایک جاریہ کے شغف میں اسقدر مبتلا ہے کہ اپنے فرائض ٹھیک سے غافل ہوگیا ہے تو اس نے اس عیش پسند شہزادے کو سخت سرزنش کی اور عورت سے جدا کر دیا۔

اور ایک نیزے پر لپیٹ کر دمشق کے اطراف واکناف میں پھراؤ اور یہ ندا کرتے جاؤ کہ دیکھو یہ مشرق کا بڑا بادشاہ

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) بہاؤالدین کہتا ہے کہ "ہمارا سلطان نہایت شریف النفس تھا۔ مہربانی اسکے چہرے سے ٹپکی پڑتی تھی وہ نہایت مہذب اور حد درجہ خوش خلق تھا"۔ تمام تاریخیں اسکی نیکی کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں۔ اس زمانہ میں جبکہ نوکروں کو مارنا پیٹنا ایک عام دستور تھا وہ یہ نہیں برداشت کرسکتا تھا کہ اسکا کوئی نوکر پیٹا جائے۔ اگر وہ اسکا روپیہ چرا لیتے تو وہ انھیں موقوف کردیتا لیکن کوڑے سے اُسے نفرت تھی۔ اسکی رواداری، شفقت و تحمل کی کوئی حد نہ تھی اور نہ کبھی اس نے کسی قسم کے تبختر سے کام لیا۔ بہاؤالدین نہایت ہیبت و شرمندگی سے یہ واقعہ بیان کرتا ہے کہ کس طرح وہ دونوں ایک بارش کے دن یروشلیم میں سوار جا رہے تھے اور اسکے خچر کے پیروں سے کیچڑ کی چھینٹیں اوڑ اوڑ کر سلطان کے کپڑوں کو خراب کرتی جاتی تھیں لیکن صلاح الدین صرف ہنس دیتا تھا اور اپنے سکرٹری کو جو شرمایا جا رہا تھا کسی طرح پیچھے چلنے نہیں دیتا تھا۔ ایک مرتبہ کا اور واقعہ ہے کہ کسی نوکر نے ایک جوتا اس طرح پھینکا کہ سلطان کے لگتے لگتے رہ گیا لیکن اُس نے مسکرا کر دوسری طرف منھ پھیر لیا گویا کہ اسے دیکھا ہی نہیں۔ ایک بڈھے ملوک نے ایسے وقت میں جبکہ یہ ماندگی سے چور چور تھا ایک عرضی لاکر پیش کی لیکن بجائے اسکے کہ کچھ برہم ہو فوراً خود قلم دوات لاکر اُسکی درخواست کو منظور کردیا۔ جب وہ دربار کرتا تو عرضی گزار اسطرح اُسے آکر گھیر لیتے کہ گویا اُس پر چڑھے بیٹھتے ہیں اور کبھی کبھی اسکے کپڑے بھی کچل دیتے لیکن یہ ہر ایک کی عرضی خود اپنے ہاتھ میں لیتا جاتا اور انکی فریادرسی کرتا اور کوئی خالی ہاتھ نہ جاتا۔ ہر روز اسکے پاس یہ تکلیف دہ کاغذات آتے اور یہ ایک وقت نکال کر سکرٹری کے ساتھ ان تمام کاغذات کو دیکھتا اور ہر ایک پر مناسب و موزوں جوابات لکھتا جاتا۔

دوشنبوں اور پنجشنبوں کو وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھتا اور اجلاس پر قاضیوں اور فقیہوں کو موجود رکھتا اور جو کوئی آتا اسکے حق میں انصاف کرتا۔ عدالت کے سامنے نہ تو خود کوئی خاص امتیاز اپنے لیے رکھتا اور نہ دوسروں کے ساتھ برتتا اور اگر کوئی شخص کسی شہزادے پر یا خود سلطان پر مقدمہ دائر کرتا تو اس شہزادے کو عام مدعا علیہ کی طرح قاضی کے سامنے حاضر ہوکر قانون کے حکم پر عمل کرنا پڑتا اور خود بھی ایسا ہی کرتا۔ لیکن اگر سلطان مقدمہ جیت جاتا تو ہارے ہوئے مدعی کو خلعت دے کر اسکے اخراجات ادا کرتا اور خوش خوش اور مظفر گھر واپس کرتا۔ ایسے منصف مزاج بادشاہ سے کوئی شخص سختی کا اندیشہ نہیں کرسکتا۔ باوجود ان سب باتوں کے مذہبی جنگ کے موقع پر نہایت سخت بلکہ سنگدلی کی حد تک نظر آتا۔ مقتولین اور وہ بھی خاصکر جمعیت ہیکلیس کے مقتولین کی فہرست کو دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ کس طرح مذہب[۵۱] کے اثر سے نیک سے نیک آدمی بھی سخت دل ہوجاتا ہے۔ لیکن اسکی ہمیشہ حالت ایسی نہ تھی۔ مثلاً ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کس طرح ایک عیسائی قیدی سلطان کی حضوری میں تھرتھراتا ہوا پیش کیا گیا اور جب سامنے آیا تو بیساختہ چلاتا تھا کہ جبتک میں نے اسکے چہرے کو نہیں دیکھا تھا میں خوف سے بیخود تھا لیکن اب جبکہ اُسکی صورت دیکھی تو مجھے

[۵۱] یہ مسٹر لین پول کی رائے ہے۔ ہمارے خیال میں یہ مذہب کا اثر نہیں ہے بلکہ جنگ کی مجبوریاں نا محالہ ایسا کراتی ہیں۔

آج مر رہا ہے اور سوائے اس ذرا سے کفن کے قبر میں اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاتا ہے"[1]

(بسلسلۂ نوٹ صفحۂ سابق) یقین ہو گیا کہ یہ مجھے کوئی ضرر نہیں پہونچائے گا" چنانچہ وہ آزاد کر دیا گیا اور اپنے گھر چلا گیا۔

ان صفحات میں اسکی رحمدلی اور رقیق القلبی کی چند مثالیں بیان کی گئی ہیں لیکن یہ ابھی اور بہت سی بیان کی جا سکتی ہیں۔ ایک عیسائی عورت کا ایک عجیب دردناک واقعہ ہے جو عکہ میں صلیبیون کے کیمپ سے اپنے چھوٹے سے بچہ کو جسے مسلمان سپاہی اُٹھا لائے تھے ڈھونڈھتی ہوئی آئی تھی۔ پہرے کے سپاہیون نے راستہ دیدیا بلکہ یہ کہکر سلطان کے پاس لیگئے کہ "وہ بہت رحمدل ہے"۔ عورت نے سلطان سے فریاد کی۔ صلاح الدین پر اس واقعہ کا ایسا اثر پڑا کہ اسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے تمام کیمپ چھنوا ڈالا یہانتک کہ لڑکی مل گئی اور ماں کی گود میں دیدی گئی اور ماں بیٹی دونوں غنیم کی حدود تک پہونچا دی گئیں۔ بچون کی محبت اسکے خصائل کا ایک نہایت لطیف جزو تھا۔ ہر یتیم بچے کو وہ سمجھتا تھا کہ اُسکی خاص پرورش میں ہے۔ خود اپنے چھوٹے بچون سے بھی اُسے بیحد محبت تھی۔ مسٹر لین پول کہتے ہیں کہ اسکی بی بیون کا حال ہم نے کہیں نہیں پڑھا[1]۔ مشرقی شرفا اپنی بی بیون کا ذکر نہیں کرتے لیکن اکثر جگہ کتابون میں یہ مذکور پایا گیا ہے کہ اپنے بچون کے ساتھ وہ کس طرح جی بہلایا کرتا تھا۔ وہ یہ نہیں روا رکھتا تھا کہ اُسکے بچے خونریزی کے مناظر دیکھیں۔ یہ ایک ایسی احتیاط تھی جو مسٹر موصوف کہتے ہیں کہ ہماری نگاہ میں کوئی نئی نہیں معلوم ہوتی لیکن اُس زمانہ میں اسکی مثالیں شاذ و نادر نظر آتی ہیں۔ سلطان کہا کرتا تھا کہ "یہ لڑکے ابھی بچے ہیں میں نہیں چاہتا کہ یہ خونریزی کے عادی ہو جائیں یا لوگون کی جان لینے میں مسرت حاصل کرنے لگیں"۔ وہ خود ہی بیٹھکر انھیں پڑھایا کرتا تھا اور انکے ننھے ننھے دلون میں چند مذہبی عقائد و مسائل بٹھانے میں اُن سے بھی زیادہ شاید خود اسے مسرت ہوا کرتی تھی کیونکہ تمام امور سے بالاتر سلطان صلاح الدین اپنے مذہب میں نہایت پکا مسلمان تھا۔ اسکا مذہب ہی صرف اسکی دنیا تھی یہی اک ایسی شے ہے جس میں وہ نہایت پرجوش تھا۔ مذہب کے لحاظ سے وہ نہایت پکا سُنّی تھا جسمیں سادگی استقامت اور خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اسلام اپنے اصلی معنی میں اور ایسے ماننے والون کے لحاظ سے

---

[1] مسٹر لین پول ایک نوٹ میں لکھتے ہیں کہ صلاح الدین کی بی بیون میں سے صرف ایک ہی بی بی مکہ عصمۃ الدین کا نام جانتے ہیں جو دمشق کے مشہور و معروف وزیر انز کی بیٹی تھی۔ سلطان نورالدین نے ۱۱۴۷ء میں پہلے اس سے شادی کی تھی۔ اسکی وفات کے بعد ۱۱۷۶ء میں صلاح الدین کے حبالہ عقد میں آئی۔ تو اس کی عمر اس وقت کم سے کم ۴۵ سال کی تھی لیکن کہا جاتا ہے کہ ۱۱۹۳ء میں حمل سے تھی۔ اسکی تمام اولادیں اسکے سامنے ہی مر گئیں اور ۱۱۸۶ء میں خود اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ ست الشام خواہر صلاح الدین کی طرح اس نے بھی مسجدیں تعمیر کرائی تھیں۔ صلاح الدین نے اپنی وفات کے وقت سترہ لڑکے اور ایک چھوٹی لڑکی چھوڑی اور چند بچے اسکے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے (منقول از تاریخ عبدالباسط و عماد الدین فی تاریخ الوفیات صفحہ ۱۲۰)

جبتک کہ کوئی شخص دوبارہ تولد نہوگا وہ کسی طرح خدائے جل و علےٰ کی بادشاہت کو نہین دیکھ سکتا۔"

(نوٹ بسلسلہ صفحہ ماسبق) درد نہین محسوس ہوتا تھا اور جب بیکار رہتا اسوقت تکلیف معلوم ہونے لگتی۔

خدا کی راہ مین جہاد پر اُس نے - ہر چیز - قوت و صحت - بلکہ اپنی جان تک قربان کر دی - اسی راہ مین اس نے اپنا خزانہ خالی کر دیا۔ اس کی طبیعت فطرتاً داد و دہش کی طرف مائل تھی اور جب کبھی دیتا بلا پس و پیش - ہاتھ کھول کرکے دونون ہاتھون سے دیتا - اسی طرح جب کہ وہ غریب ہوتا اور اسی طرح جبکہ وہ امیر ہوتا۔ روپیہ پیسہ کو وہ بالکل مٹی سمجھتا تھا اور اگر کوئی مانگتا تو انکار کرنے سے نفرت رکھتا تھا۔ اور ہمیشہ اُس سے زیادہ دیتا جتنی کہ لوگ توقع رکھتے اور کبھی کسی سے یہ نہ کہتا کہ "اُسے ہم پہلے دے چکے ہین"۔ حریص بھکاریون کا اسپر ہجوم ہوتا اور لوگ ایسے نامناسب موقعون پر اُسے عرضیان دیتے کہ خود بہاؤالدین شرما جایا کرتا تھا۔ اگر اُسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو اسکی جنگین روپیہ پیسہ نہونے کی وجہ سے خراب ہوجاتین کیونکہ اسکا یہ عام قاعدہ تھا کہ کمسریٹ والے جو چیز گاؤن والون سے خریدین اسکی قیمت ادا کر دیا کرین۔ اسکے خزانچی ہمیشہ وقت بے وقت کے لیے خفیہ سلک خزانہ مین رکھا کرتے تھے پھر بھی سلطان کی یہ حالت تھی کہ بجائے اسکے کہ ایک غریب آدمی کو جواب دے وہ یہ بہتر سمجھتا تھا کہ اپنی اخیر جائداد بھی بیچ کر اسکے سوال کو پورا کر دے - اسی کا نتیجہ تھا کہ جب وہ مرا تو اسکے خزانے مین صرف ایک صوری دینار اور ۴۷ نقرئی درہم پائے گئے تھے - اس نے نہ کوئی مکان چھوڑا۔ نہ اسباب نہ کوئی ایکڑ زمین۔ نہ دیہات اور نہ کسی قسم کی ذاتی جائداد۔ ایسی عظمت و شان کا سلطان جب مرا تو تلاش مرا مشکل سے کسی شخص کی نظیر ایسی ذہن مین آسکتی ہے جسمین اس سے زیادہ ایثار نفس ہو۔ جسکے مقاصد اس سے زیادہ اعلیٰ ہون اور جو اس سے زیادہ محبت کے لائق ہو۔ مسٹر لین پول اخیر مین کہتے ہین کہ اگر وہ اس سے زیادہ سخت طبیعت کا آدمی ہوتا یا کسی قدر کفایت شعار اور حزرس ہوتا اور ایک خود غرض مدبر کے مانند روپیہ جمع کرنے کی احتیاط ملحوظ رکھتا تو ممکن ہے کہ وہ اس سے زیادہ مستحکم اور متحد سلطنت قائم کر لیتا لیکن وہ صلاح الدین نہوتا جو شجاعانہ فیاضی اور ایثار نفس کا نمونہ سمجھا جاتا ہے۔

وفادار سکرٹری (بہاؤالدین) جب اپنے آقا کی سرگذشت تمام کرتا ہے تو لکھتا ہے "مین نے اپنی سرگذشت کو اسکی موت کے دن ہی تمام کر دیا۔ **خدا** کی رحمت اُسپر ہو میرا اس سے مقصد یہ تھا کہ خدائے جل و علیٰ کی رحمت کا مستحق بنون اور لوگون کو آمادہ کرون کہ صلاح الدین کی روح پر فاتحہ بھیجین اور اسکا نام نیکی کے ساتھ یاد کرین ۱۲ -

(منقول از "صلاح الدین" مصنفہ اسٹینلی لین پول - باب ۲۲ صفحات ۳۵۸ الیٰ ۳۷۶ و کتاب الحروب الصلیبیہ مولانا سید علی الحریری صفحات ۳۱۴ و ۳۱۵)۔

سے گبن کی تاریخ زوال سلطنت روما جلد (۱۱) صفحہ (۱۳۱) **سے** سینٹو ریا برنارڈ ڈی ٹھیسا وریا ئی باب (۱۸۱) و صلیبی محاربہ حصہ اول مصنفہ مسٹر ٹی اے آرچر لیکن مسٹر لین پول اس واقعہ کو پایۂ اعتبار سے گرا ہوا سمجھتے ہین (لین پول کی کتاب

"صلاح الدین" باب (۲۳) صفحہ ۳۸۶)

صلاح الدین کی وفات کے بعد اسکی قائم کی ہوئی سلطنت کے حصے ہو گئے۔ اسکے کئی لڑکے تھے جنمین سے

۵۴ پادری صاحبون کی اس ہرزہ گوئی کا جواب خود انکے فقرۂ اول مین موجود ہے تاہم ہم اس مقام پر انھین کے ہم مذہب مصنفون کے چند اقوال درج ذیل کرتے ہین :- رچرڈ شیردل کا وزنامچہ نگار (جلد ششم صفحہ ۳۴) ہیوبرٹ والٹر بشپ آف سالسبری کی زبانی جو سلطان صلاح الدین سے مخاطب ہی لکھتا ہے کہ "اگر حضور کے عمدہ خصائل شاہ رچرڈ کو کوئی دیسکے اور اسکی خوبیان آپ مین پیدا کرسکے تو دنیا ایسے دو بادشاہون کی نظیر نہین پیدا کرسکے گی" شاہ رچرڈ کی جو خوبیان ہین اسی ہیوبرٹ نے اوپر بیان کردی ہین کہ "دنیا بھر مین کوئی سورما ایسا نہین جو فوجی امور مین اس سے ٹکر کھا سکے - یا شجاعت و مردانگی مین اسکی برابری کرسکے" اب سلطان کی جو خوبیان ہیوبرٹ چاہتا تھا کہ رچرڈ مین بھی موجود ہوتین وہ اسکی کریم النفسی - فیاضی ہمدردی بنی نوع انسان بے تعصبی تھی جو عین حضرت مسیح کی شان تھی اور جو اس محمدی مین پائی گئی تھی - ان صفات کا آدمی کبھی تشخص و دنائت کا مجموعہ نہین ہوسکتا - مؤلف صاحبان کی طرف سے یہ جواب ہوسکتا ہے کہ وہ اُس زمانہ کے عیسائیون کو بھی حقیقی اور سچے عیسائی نہین تصور کرتے ہین اسلیے انھین قطع نظر کردیجیے آجکل کے عیسائیون بلکہ خود پادری صاحبون کو دیکھیے - یہ سب صفات اگر کسی مین پائیے گا تو اپنے ہم مذہب والون کے لیے محدود پائیے گا - دوسرون کے ساتھ اگر وہ عیسائی نہین ہین اُن مین سے کوئی وصف بھی اپنا جلوہ نہین دکھاتا اور تمام اوصاف مسیحی پردۂ خمول مین پوشیدہ نظر آتے ہین

خود لین پول (صلاح الدین صفحہ ۳۶۸ باب ۲۲ مین) لکھتا ہے کہ "کریم النفسی اسکی طبیعت کی خصوصیت اعظم تھی اسکے ہم عصر واقعہ نگارون کی تصانیف مین ہم اُس شے کو تلاش کرتے ہین جو عام طور پر بادشاہون مین پائی جاتی ہے یعنے تجمل و شکوہ شاہانہ مگر کہین نظر نہین آتی .... اسی طرح تزک شاہانہ و طمطراق کا بھی کہین پتہ نہ تھا - بجاے اسکے کہ وہ دربار مین اکڑ کے بیٹھتا اور ادنی ادنی مراسم و آداب شاہانہ پر لحاظ رکھتا ہم دیکھتے ہین کہ کوئی بادشاہ اتنا خوش اخلاق نہین ہوسکتا تھا جتنا کہ یہ تھا اور کسی کے پاس اسکی رعایا اس آسانی سے باریاب نہین ہوسکتی تھی جتنی کہ یہان پہونچ سکتی تھی"

جس شخص مین یہ اوصاف موجود ہون وہ سمجھ مین نہین آسکتا کہ کس منطق سے تشخص و دنائت کا مجموعہ ہوسکتا ہے ۱۲

۵۵ افسوس ہے کہ انجیل مقدس کی وہ تعلیم ہی نہین ہے جو عیسائیون نے سمجھی ہے - انجیل خدا کی کتاب ہے اور بیشک اسکی تعلیم کا یاپلٹ دینے والی ہے بشرطیکہ یحرفون الکلم عن مواضعہ کے مصداق نہو۔

۵۶ لن یلج ملکوت السموات والارض من لم یولد مرتین یعنے ہر کہ دو بار نزاید در ملکوت آسمان و زمین در نیاید یعنی ولادت اول سے اول عالم ملک مین آتا ہے اور ولادت ثانی سے عالم ملکوت مین اور جو کچھ عالم ملکوت مین ہے وہ اسرار خزائن الٰہی ہین - اگر عیسائی حضرت عیسیٰ کی حقیقی پیرو ہوتے تو یہ سب نعمتین نصیب ہوتین مگر انکی حقیقی تعلیم سے افسوس جسقدر بون بعید عام مسیحیون کو عام طور پر اور پادریون کو خاص کر ہے اسکے اظہار کی ضرورت نہین - اتباع حضرت مسیح و ولادت ثانیہ کی مبحث تو الگ رہی ان کو معاش نہین تھی انکی خواہشات و دعاوی سب باطل ہین

گئین نے قاہرہ و دمشق و حلب میں اپنی اپنی سلطنتیں قائم کیں لیکن اسکے بہادر و جانباز سپاہیوں میں سے اکثر سپاہی صلاح الدین کے بھائی سیف الدین کے علم کے ساتھ ساتھ رہے جنکی مدد سے اس نے اپنے بھتیجوں سے چھین چھان کر[1] ملک شام میں ایک بڑی سلطنت قائم کرلی۔ یہ نازک وقت ایسا تھا کہ بیت المقدس کو اس زمانہ میں دوبارہ فتح کرلینا آسان معلوم ہوتا تھا[2]۔ پس پاپاے روم سلسٹائین سوم نے جو اس زمانہ میں مسند تقدیس پاپائی پر جلوہ فرما تھا ۱۱۹۵ عیسوی میں جنگ کے لیے لوگوں کو صلاے عام دینی شروع کی لیکن سواے جرمنی کے اور کسی نے مہر سکوت کو نہ توڑا۔ جرمنی نے مذہبی پیشوا کی آواز پر لبیک کہا اور تمام ملک میں شمال سے لے کر جنوب تک جنگ کا ایک جوش پھیل گیا اور مذہبی اور غیر مذہبی دونوں فریق نے دھوکے سے اسے جوش یزدانی تصور کرکے صلیبی مارکہ

---

[1] جب صلاح الدین نے دمشق میں انتقال کیا تو ملک افضل بیٹا افضل اسکے ساتھ تھا۔ باپ کے مرتے ہی وہ دمشق۔ بلاد سواحل بیت المقدس بعلبک۔ صرخد۔ بصری۔ بانیاس۔ حوران۔ تبنین اور تمام علاقہ داروم پر قابض ہوگیا۔ اسکا بھائی ملک العزیز چونکہ مصر میں تھا لہذا وہ وہاں مصر کا بادشاہ بن گیا۔ تیسرا بھائی الظاہر حلب میں تھا وہ اسکا خود سر حکمران بن گیا جسکے ساتھ بلاد حارم۔ تل باشر۔ اعزاز۔ برزیہ۔ درب ساک اور منبج وغیرہ بھی اسکے قبضہ میں آئے۔ ملک العزیز نے چاہا کہ باپ کی پوری سلطنت پر میں ہی قابض رہوں۔ لہذا اس نے ارض شام آکر دمشق پر حملہ کیا اور افضل کو محصور کرلیا۔ افضل نے تمام خاندانی حکمرانوں کو اطلاع دی جو مختلف شہروں پر قابض تھے سب سمجھے کہ اگر ملک العزیز نے ملک الافضل کو مغلوب کرلیا تو ہمارا بھی ٹھکانا نہ لگے گا۔ لہذا سب افضل کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوے۔ صلاح الدین کا بھائی ملک العادل سیف الدین جو علاقہ کرجستان کا بادشاہ تھا اپنی قلمرو سے۔ ملک الظاہر حلب سے۔ ناصر الدین محمد حماہ سے۔ اسد الدین شیرکوہ حمص سے غرض سب آپہونچے۔ یہ رنگ دیکھکر ملک العزیز نے انجام پر نظر ڈالی اور صلح منظور کرلی۔ چنانچہ سب کے اتفاق سے یہ طے پایا کہ بیت المقدس اور اسکے قرب وجوار کے مقامات بھی عزیز کو دیدیے جائیں اور بلاد جبلہ اور لاذقیہ بھی افضل کے قبضہ سے نکال کر تیسرے بھائی ملک الظاہر کو دیدیے جائیں اور ملک العادل کا جو علاقہ مصر میں تھا وہ ملک العادل کا رہے۔ سلطان صلاح الدین نے ماہ صفر ۵۸۹ھ میں انتقال کیا تھا اور ۵۹۰ھ میں اسکے بیٹوں میں یہ فیصلہ ہوا۔ ۵۹۱ھ میں ملک العزیز نے پھر دمشق کا محاصرہ کیا تھا مگر اب کی شکست کھاکر واپس گیا لیکن اب ملک العزیز اور ملک العادل سیف الدین میں موافقت ہوگئی اور ملک العادل نے مع ملک العزیز کے ۵۹۲ھ میں ایک سازش کے ذریعہ سے دمشق پر قبضہ کرکے افضل کو نکال باہر کیا یوں دمشق ملک العادل کے قبضہ میں آگیا اور اب صلیبیوں سے لڑنے والے صرف ملک العادل اور ملک العزیز تھے جن میں سے اول الذکر دمشق اور شام میں تھا اور آخر الذکر مصر میں (منقول از لوٹ ترجمہ حروب صلیبیہ مصنفہ مسٹر کاکس و ترجمہ منشی محمد امیر مرزا صاحب لکھنوی)۔

[2] ہسٹوریا جنکوبائی ڈی وٹریا کو جلد سوم ۱۲۔

اختیار کیا۔[۱] اس طور پر گویا محاربہ چہارم[۲] کی ابتدا ہوئی۔ اسکی عمر بہت کم اور نتائج بہت بے حقیقت تھے۔ صلیبیون کی

[۱] کرونیکا آگسٹنسس (Chronica Augustensis)

[۲] سلطنت ایوبیہ سلطان صلاح الدین کے زمانہ مین منتہاے عروج کو پہونچکر اب رو بانحطاط تھی تاہم ملک العادل ابھی زندہ تھا جس نے صلاح الدین کے ساتھ رہکر صلیبیون کو بہت سبق دیے تھے اور جس کا نام رچرڈ اور صلاح الدین مین صلح کرانے کے سبب سے عیسائیون مین بہت مقبول ہو چکا تھا۔ سینٹ جان کی نائٹون نے صلاح الدین کی اولاد مین تفرقہ دیکھکر میدان خالی سمجھا اور خیال کیا کہ اس موقع پر اگر مسلمانون کا زور توڑ دیا جائے تو پھر وہ کبھی نہ ابھر سکین گے چنانچہ پوپ سلسٹائن ثالث کی مدد سے انھون نے پھر ممالک عیسوی کو آمادۂ پیکار کرنا شروع کیا اور پوپ نے وعدہ کر لیا کہ قیامت مین بڑے بڑے اجر ہوا کے گا لیکن فلپ آگسٹس ہمت ہار چکا تھا۔ رچرڈ شیر دل سلطنت قسطنطنیہ کے خواب دیکھنے اور اپنی مفلس رعایا سے جزیۂ حرب وصول کرنے مین مصروف تھا۔ جرمنی کے شہنشاہ ہنری ششم نامرد نے دلی ظاہر کی لیکن اسکا مقصد محض فتح بیت المقدس نہین تھا بلکہ جزیرۂ صقلیہ کو اپنی بی بی کے حق کی بنا پر اسی فوج سے فتح کرنے کا خیال تھا جو مسلمانون کے مقابلہ مین تیار کر رہا تھا لیکن یہ خود میدان جنگ مین جانا نہین چاہتا تھا اس لیے اس نے امرائے دولت کو فلسطین مین جہاد کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ لوگ ارض مقدس اس زمانہ مین پہونچے جبکہ سلطنت لاطینی باوجود ختم مدت معاہدہ التوائے جنگ کے ابھی لڑائی کے لیے آمادہ نہ تھی لیکن اہل جرمنی برسر پیکار تھے انکا اور ملک العادل کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانون نے یافہ پر قبضہ کر لیا اور قلعہ منہدم کر دیا گیا۔ صور اور صیدا کے درمیان ایک اور جنگ ہوئی جسمین مسلمانون کو ہزیمت ہوئی۔ عیسائیون کی ہمت اس کامیابی سے بڑھ گئی اور انھون نے شہر تبنین (طورون) کا محاصرہ کیا۔ اہل قلعہ جب تنگ ہوگئے تو اس شرط پر قلعہ حوالہ کر دینے کے لیے آمادہ ہوگئے کہ انھین بلا مزاحمت سلامتی مین چلے جانے کا راستہ دیدیا جائے۔ یہ شرط منظور کی گئی لیکن شامی عیسائیون نے محصورین کو یقین دلایا کہ اہل جرمنی اپنے معاہدہ پر قائم نہین رہین گے اور تم سب قتل کر ڈالے جاؤ گے۔ یہ سنکر مسلمانون نے قصد مصمم کر لیا کہ خطرناک لڑین گے اور بجائے اسکے کہ بے قابو ہوکر دشمنون کی تلوارون کے شکار بنین داد مردانگی کے ساتھ شہادت حاصل کرنا چاہیے۔ جتنے رخنے قلعہ کی دیوار کے نیچے عیسائیون نے کیے تھے محصورین نے نہایت مستعدی سے سب بھر دیے اور نہایت سختی سے دشمنون کا مقابلہ کیا اور برابر لڑتے رہے یہان تک کہ ربیع الاول مین ملک العزیز مصر سے کمک لے کر عسقلان مین آ پہونچا اور دوسری طرف سے ملک العادل بھی آ گیا۔ اتفاق سے اس وقت عیسائیون مین بھی پھوٹ پھیل گئی تھی اور تمام فوج ابتر ہو گئی تھی اتنے مین ہنری ششم شاہنشاہ جرمنی کی وفات (۱۱۹۷ء) کی خبر آئی جس نے جرمن افسرون کے خیالات بالکل بدل دیے اور تمام ذی اثر سردار جو انتخاب بادشاہ کے وقت موجود رہنا ضروری سمجھتے تھے جرمنی روانہ ہوگئے اور اس طرح چوتھی جنگ صلیبی کا خاتمہ ہوگیا۔

سپاہ کی بڑی کامیابی اس مین یہ ہوی کہ سلطنت عیسوی کی جسمین اب تک ساحل شام کا بہت بڑا حصہ شامل تھا منزلت باقی رہی اور وہ تباہی سے بچ گئی۔

محاربہ پنجم بہت سے حالات و واقعات کی وجہ سے ممتاز ہے۔ نویلی کے ایک پادری مسمی فوک کے وعظ نے اسکی آگ بھڑکائی۔ یہ ایک جاہل متعصب اور پطرس سے نسبتہً کم پرجوش تھا۔ اسکی تقریر مین وہ فصاحت و بلاغت نہ تھی جو سینٹ برنارڈ مین تھی۔ عیسائی درویشون کے طبقۂ فقرا (مینڈیکینٹ آرڈر) اور عدالت مذہبی کے بانی مبانی پاپاے روم انوسنٹ ثالث نے جو اپنے زمانہ کے ذکی ترین لوگون مین سے تھا اور جس سے زیادہ لائق کوئی پوپ نہین ہوا پادری مذکور کی ہمت افزائی کی[۱]۔ ان دونون کی راے کے بموجب خیبالٹ امیر شمپین نے عمل شروع کیا۔ یہ اک نوجوان اور ذی ہمت نائٹ تھا جس نے اک بڑے جلسے مین فوک کی موجودگی مین اپنے ساتھیون سمیت نشان صلیب اختیار کیا۔ امیر بلای (Blois) نے بھی اسکی تقلید کی اور تھوڑی ہی مدت مین نہایت حیرت انگیز طریقے سے پھر صلیبی جہاد کے خیالات عود کر آئے۔ امیر فلانڈرس نے بھی بہت سے لوگون کے ساتھ مقام برجیس (Burges) مین صلیب ہاتھ مین لی اور مختلف اقطاع فرانس سے آ آکر بہت سے نائٹ ان لوگون کے شریک حال ہوگئے[۲]۔

یہ طے پایا کہ اب کی مرتبہ سمندر کے راستہ سے مہم روانہ کی جائے اور باشندگان وینس Venice (بندقیہ) سے جہازون کا انتظام کر لیا جائے چنانچہ اس کام کے لیے ایلچی روانہ کیے گئے۔ جس کا انتظام یون کیا گیا کہ پوپ کے حکم کے بموجب پادریون پر ایک طرح کا جزیہ قائم کیا گیا اور غیر مذہبی اشخاص سے درخواست کی گئی کہ اس مذہبی کام کے لیے چندہ دین۔ کہا جاتا ہے جسقدر چندہ آخر الذکر اشخاص نے اپنی خوشی سے دیا اسکی تعداد اُس جزیہ کے برابر تھی جو اول الذکر سے بجبر وصول کیا گیا تھا[۳]۔ لیکن باوجود اس تمام روپے کے جو پاپاے روم کے خزانے مین جمع کیا گیا جبکہ محاربین صلیب مہم پر روانہ ہونے کے لیے آمادہ ہوے تو اسقدر روپیہ بھی نہین برآمد ہوا جو اس معاہدہ کی تکمیل کے لیے کافی ہوتا جو دوجی وینس (بندقیہ) کے ساتھ قرار پایا تھا[۴]۔

(۱) میلٹ (Millot) جلد سوم۔ صفحات ۲۲۴ و ۲۲۵ - (۲) میورٹیر جلد سوم صفحہ (۵۰۷) دولی ہاڈوئن نمبر (۱۹) نقل کردہ مل (Mill) (۳) ہسٹوریا راجیری دی ہاویڈین صفحہ ۸۲۸ - (۴) مجاہدین نے وینس کے راستہ دریائی سفر کرنے کا قصد کیا۔ رئیسان بلدا۔ فلانڈرس اور شانپین کے سفرا صیام مسیحی (رسنٹ) کے پہلے ہفتہ مین وینس پہونچ گئے اور ہنری داندولو سے ملے جس کی عمر (۹۰) سے متجاوز تھی اور جسکی بینائی زیادہ تر اہل قسطنطنیہ کے مظالم کی نذر ہو چکی تھی۔ سفرانے اپنے اپنے رئیسون کی طرف سے خطوط پیش کیے اور سفر کے لیے جہاز طلب کیے۔ دوجی نے شرطین دریافت کین۔ ایلچیون نے کہا جو آپ تجویز فرمائین۔ دوجی نے کہا دو صورتین مین۔ ایک تو یہ کہ وہ چار ہزار

خدائی لشکر کا ایک رسالہ

اقلیم دل پر نفس و شیطان نے لام باندھا ہے۔ حرص و طمع کی پلٹنیں۔ غرور و تکبر کے رسالے حسد و عناد کے ہتھیار سنبھالے سائنس و فلسفہ کی رسد رسانی کے بھروسہ پر ایمانی سرحد میں گھسے چلے آتے ہیں۔ اور نفوس مطمئنہ اطمینان سے قصر روحانی کے دیوان میں فکر الٰہی کر رہے ہیں تو کیا یہ **دشمن فتحیاب ہونگے**؟ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جنود یزدانی حرکت میں آئے ہیں قدوسی فوجیں ضرب نفی اثبات کے حربے اٹھائے نعرہ **ھو** لگاتی امڈی چلی آتی ہیں۔ اب توپیں گرجیں گی گولے گولیاں برسیں گی خون کی کیچڑ میں پاؤں پھسلیں گے نفس و خودی کے تاجدار سپاہ الٰہی کی ٹھوکروں سے پامال ہونگے۔ اگر کوئی اس پیشین گوئی کا ظہور دیکھنا چاہے تو خدائی لشکر کے ہراول رسالہ **نظام المشائخ دہلی** کو منگا کر دیکھے جو ہر قمری مہینے کی چھٹی تاریخ کو سیدی و مولائی خواجہ حسن **نظامی** صاحب خواہرزادہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رح کی سرپرستی و نگرانی اور ملا **محمد الواحدی** کی ایڈیٹری میں ۸۰ صفحوں پر دہلی سے شایع ہوتا ہے گویا ۸۰ صفحیں لیکر ہر ماہ میں ایک بار الحاد و بیدینی کے کیمپ پر چھاپہ مارتا ہے یہ وہ **رسالہ** ہے جسکے ملفوظوں کی ہندوستان میں دھوم ہے۔ یہ وہ **رسالہ** ہے جو علوم روحانی کی انگریزی سنسکرت اور عربی پچاڈیوں سے بلا کر اپنے اردو کے خیمہ میں جمع کر رہا ہے۔ یہی وہ **رسالہ** ہے جس نے ہزاروں انگریزی تعلیم یافتوں کو جو مرکز تصوف سے ہٹ گئے تھے پھر دائرہ وحدت میں سمیٹ لیا ہے۔ یہی وہ **رسالہ** ہے جسکی خصوصیات حد شمار سے باہر ہیں اور جس نے دور جدید اور دور قدیم کے مضمون نگاروں کو ایک میدان میں طبع آزمائی کا موقع دیا ہے۔

صوفیانہ رزم بزم کے جلوے دیکھنے ہوں سیکڑوں برس گزشتہ کے نامور بزرگوں کی محفلوں کا کیف تماشہ کرنا ہو علوم جدیدہ کو علوم قدیمہ کے پاؤں پر گرتا دیکھنا ہو تو رسالہ **نظام المشائخ** طلب کیجیے۔ راحت دل۔ آب دیدہ۔ وقت خوش ہدیہ کا ہو تو اس رسالہ کو پڑھیے جس میں تسکین۔ سوز۔ اور حیات جسمانی و روحانی کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اب دوستانہ تحائف کے تبادلہ میں یہ رسالہ کام آتا ہے۔ بزرگ اپنے خوردوں کو پیر مریدوں کو اسی کا انعام دیتے ہیں۔ مریدوں کی جانب سے بھی مرشدین کی خدمت میں یہی رسالہ نذر ہوتا ہے۔ شریف مستورات کے مطالعہ کے لیے بھی اسی کی مانگ ہے۔ لہذا آپ کو بھی چاہیے کہ خدائی لشکر کے اس رسالہ کا خیر مقدم کر کے غازیان دین کے رجسٹر میں اپنا نام لکھوائیں۔

قیمت سالانہ مع محصولڈاک قسم خاص ۵ روپیہ، قسم اول ۴ روپیہ، قسم دوم ۳ روپیہ، ششماہی ۲ روپیہ، دعا، وظیفہ طالب الترتیب نمونہ ہر کو مفت ہے

مینجر رسالہ نظام المشائخ درویش پریس دہلی سے طلب فرمائیے

تصانیف مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی

جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔ عہ

ابوبکر شبلی۔ حضرت شیخ شبلی کے حالات عہ

تاریخ سندھ۔ سندھ کی مکمل تاریخ ہر دو جلد قیمت جلد اول ہر جلد دوم ۔ ہر

حروب صلیبیہ مصنفہ مسٹر کاکس کا ترجمہ و ترشس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

تاریخ بغداد۔ مرکز خلافت عباسیہ ۶ر

ملک العزیز ورجینا۔ ایک عربی شہزادہ ملکہ ۳ر

الحکم الرفاعیہ مصنفہ شیخ احمد رفاعی کا ترجمہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر

آغائی صاحب۔ رئیس لکھنو مرحوم کے حالات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

سکینہ بنت حسین۔ جناب سکینہ کے حالات۔ ۷ر

زوال بغداد۔ سب سے نیا دلچسپ تاریخی ناول ہر

غیب داں دولہن۔ پاکدامن اور عفیفہ اور جاہل بی بی کی کرتوت جسکی عبرت انگیز غیب دانی عہ

ماہ ملک۔ مولانا کا نیا اور اچھوتا ناول۔ عہ

یوسف و نجمہ کا مل۔ جگ بیتی نہیں آپ بیتی۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر

شوقین ملکہ۔ پہلی اور دوسری صلیبی لڑائیاں قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ عہ

مقدس نازنین۔ ہسپانیہ کی کاہنہ کا ناول

ملک العزیز ورجینا۔ تیسری صلیبی لڑائی ۔ ہر

ایام عرب۔ جاہلیت عرب کے حالات ہر دو حصہ عہ

فردوس بریں۔ جیتے جی جنت کی سیر۔ عہ

حسن انجلینا۔ سدوم و عمورہ کی لڑائی۔ ہر

منصور موہنا۔ ایک عربی خاندان سندھ میں ہر

شہید وفا۔ اسپین میں مسلمانوں کی پامالی عہ

درگیش نندنی۔ ایک بنگالی ناول ہندو میں عہ

دلچسپ مصنف کا پہلا ناول دو حصہ ہر دو حصہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۴ر

دلکش یا العجب پر عشق دو حصہ ہر حصہ ۱۲ر

میوہ تلخ یعنی ناموزوں و نارضامندی کی شادیاں ۸ر

بدر النساء کی مصیبت۔ سفر میں جورو دونوں کا بدل جانا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر

معاشرت۔ ایک اعلیٰ درجہ کی اخلاقی کتاب انگریزی کی مستان کہانیاں کی بیوہ آف لائف کا ترجمہ عہ

آتالیق کی بی بی۔ میاں کے افعال پر بی بی کی نوک دار نکتہ چینیاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲ر

رفع النقاب۔ مروجہ پردے کے خلاف ایک مدلل رسالہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر

افسانہ قیس۔ مجنوں عامری کی لائف جو از سر نو مکمل کی گئی ہے قیمت فی جلد ۳ر

قیس و لبنیٰ۔ مشہور عاشق عرب قیس بن خسرہ کی اور اسکی معشوقہ لبنیٰ کے حالات کو ایک نہایت دلچسپ ناول کے لباس میں پہنایا گیا ہو عہ

حسن بن صباح۔ باطنی فرقہ باطنیہ کے حالات زندگی اسکی تعلیمیں اسکا علم و فضل اور اسکے سرگذشت فدائی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶ر

عصر قدیم۔ ایک نہایت مکمل اور علمی ہندی تاریخ جسمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پیشتر کی تمام قوموں مصریوں، عراقیوں، آسیائے وابل والوں، ایرانیوں، یونانیوں، مقدونیہ والوں، رومیوں، ساسانیوں، بطلیموسیوں وغیرہ کے اجمالی حالات ہیں قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ہر

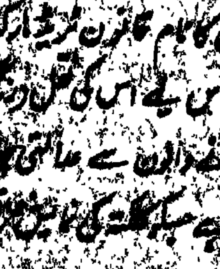
آغا صادق کی شادی۔ لکھنؤ کے اگلے دور شاہی کی ایک با مذاق تصویر۔ کس کی دولہن کس کے ساتھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰ر

فلورا فلورنڈا۔ اندلس کا اسلامی دور مسلمانوں کی بردباشت اور مسیحیوں کا احمقانہ تعصب نہایت دلچسپ اور پر اثر تاریخی ناول۔ ۔ ۔ ۔ ہر

خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت قطب الاسلام خواجہ اجمیری کے مسلسل تاریخی حالات اور آپ کے کمالات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶ر

فلپانا۔ مولانا شرر کا بہت ہی عمدہ تاریخی ناول جس میں العرب پر صحابہ کرام کا حملہ حضرت عثمان غنی کا عہد۔ صحابہ کی پاکبازی۔ ایک نفسی شہزادی فلپانا اور عبداللہ بن ابی سرح ۔ عہ





رجسٹرڈ نمبر

هوالمستعان

الناظر

جامیست جہان نمائے ہر صفحہ دریں

۱۳۲۷ھ

قسم اول

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک صہ

الناظر پریس واقع خیالی گنج لکھنؤ میں طبع ہوکر

دفتر رسالہ الناظر فلاور ملز لکھنؤ سے شائع ہوا

قیمت فی پرچہ ۸؍

قیمت سالانہ قسم اول صہ | قیمت سالانہ قسم دوم عہ

الناظر

نمبر ۴۷ جلد ۸ | یکم مئی سنہ ۱۹۱۳ء

قیمت فی پرچہ قسم اول ۸ر | قیمت فی پرچہ قسم دوم ۴ر

الناظر

نمبر ۴ جلد ۸ — یکم مئی سنہ ۱۹۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الناظر کی سہ سالہ خدمات

پر

مختصر تبصرہ

مارچ کے الناظر مین جو گزارش ہم نے لکھی تھی اُس پر ابھی تک بہت کم حضرات نے توجہ کی ہے۔ ہمین کسی سے شکایت نہین اسلیے کہ ہم اچھی طرح جانتے ہین کہ ہماری قوم ابھی تک خواب غفلت مین سرشار ہے اور بیداری کے جو تھوڑے بہت آثار نمایان ہین وہ بھی اُن معاملات کے لیے وقف ہین جن سے قوم کے مذہبی احساس کو کوئی سخت صدمہ پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ لیکن نہایت درجہ ناشکری ہوگی اگر اُن حضرات کے خیالات کی دل سے قدر نہ کی جائے جنھون نے ہماری درخواست پر فوراً توجہ کرکے اپنے خیالات سے مفصل طور پر مطلع فرمایا ہے۔

جو حضرات شروع ہی سے الناظر کو ملاحظہ فرماتے رہے ہین اُنکی رایون کے ہم خاص طور پر امیدوار ہین اسلیے کہ اُنھین الناظر کی ساری زندگی کو پیش نظر رکھکر رائے زنی کرنے کا بہترین موقع حاصل ہے لیکن اُن مین سے ابھی تک صرف تین صاحبون نے ہماری گذارش پر توجہ فرمائی ہے جنکے قیمتی خیالات درج ذیل کیے جاتے ہین۔ ایک عزیز کرمفرما نے الناظر کی خدمات کا اعتراف نظم مین کیا ہے۔ اُن کی اس عنایت کے ہم خاص طور پر شکر گزار ہین۔

جن حضرات نے ابتک اپنی آرا ارسال نہین فرمائی ہین اور فرصت کے منتظر ہین اُن سے ہم بادب التماس کرتے ہین کہ مزید تاخیر مین اندیشہ ہے کہ ہم اُنکے قیمتی مشورون کو نظر انداز کرنے کے مجرم قرار پائین اسلیے جہانتک جلد ممکن ہو اپنے تفصیلی خیالات سے مطلع فرمائین۔

صائب دو چیز می شکند قدر شعر را
تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

جو شخص سچی تعریف سے خوش نہین ہوتا یا سچی تعریف کا خواہان نہین ہے وہ ذہین نہین ہے۔ بیشک تعریف کی خواہش رکھنا بعض وقت اخلاق سے بعید سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سچی تعریف کی پروا نہ کرنا اور اپنی نسبت لوگون کے خیالات اور رایون کا معلوم نہ کرنا اس ٹوہ مین نہ رہنا ذہانت سے دور ہے۔ ذہین وہی ہے جو اپنے اور دوسرون کے معاملات اور واقعات پر غور کرنے کا خوگر ہے۔

جو حسین اپنے حسن کی تعریف سن کر ناک بھون چڑھاتا ہے وہ اپنے حسن کی قدر نہین جانتا یا یہ کہ بضاعت حسن اسکی محدود اور کم ہین نگاہون مین کوئی وقعت اور کوئی بضاعت نہین رکھتی حسن اور خوبصورتی مین ایک تیز حس ہوتی ہے۔ اس حس کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنی قدرتی خوبیون سے کبھی بے خبر اور بے پروا نہین رہنا چاہتی۔ بدصورت اور کریہ منظر کی بھی اگر تعریف کی جاے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ یہ ثبوت اس امر کا ہے کہ تعریف چاہنا اور تعریف سننا ایک طبعی خاصہ ہے۔ یہی مطلب حضرت صائب نے اپنے شعر مندرجہ عنوان مین ظاہر کیا ہے۔

تحسین حوصلہ افزا ہے اور نفرین مصلح۔ تحسین سے طبائع مین اور بھی سرگرمی اور جوش پیدا ہوجاتا ہے۔ اور نفرین سے انسان آنکھیں پھیر کر اپنا ریویو آپ کرتا ہے۔ اگر تحسین سے حوصلہ بڑھتا ہے تو نفرین سے اصلاح کی بنیاد پڑتی ہے۔ دونون صورتون مین نتیجہ ایک ہی رہتا ہے۔

انسان دوسرے مخلوقات کے مقابلہ مین ہمیشہ اشرف اور افضل شمار ہوتا ہے اور خود انسان اسکا مدعی بھی ہے لیکن باین ہمہ اسکی ذات مین چند کمزوریان بھی پائی جاتی ہین۔ اس مین راز یہ ہے کہ باوجود چند کمزوریون کے بھی انسان کی شرافت اور عظمت معرض زوال مین نہین آتی چند خوبیان یا چند نیکیان بہت سی برائیون اور عیوب کی نحوست کو کھو دیتی ہین۔ یہ کہنا کہ کسی مخلوق مین کوئی کمزوری یا کوئی برائی نہو دوسرے الفاظ مین یہ کہنا ہے کہ کوئی مخلوق مخلوق نہ ہو۔ مخلوق ہونا بجاے خود ایک عیب اور کمزوری ہے۔ اگر کوئی مخلوق یہ چاہتی ہے تو اسے خالق کی (نعوذ باللہ) ڈگری لینی چاہیے۔

انھین نگاہون سے جن سے ہم انسان کو یا خود کو دیکھتے ہین الناظر کو بھی دیکھتے ہین اور تنقیدانہ پرکھتے اور جانچتے ہین کہ تین سال کے ایک لمبے عرصے مین ہم نے اس کے مضامین اسکے طرز۔ اسکے استدلال اسکے اوقات اسکے نظم و نسق اسکے استعمال مین کیا کچھ دیکھا اور کیا کچھ پایا۔

ریویو کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ریویو کے واسطے جن امور جن متعلقات کا تہیہ لازمی ہے وہ ہمین مہیا نہین ہین۔ حافظہ اسقدر نہین کہ ۳ سال مین جو کچھ الناظر نے کر کے دکھایا ہے اُس کا پورا پورا ریویو کر سکین۔ رسالا آیا اور پڑھکر رکھدیا۔ مگر چونکہ الناظر کے مضامین اور اشاعتون سے ایک حد تک ہمین ایک وابستگی رہی ہے۔ اس واسطے حسبتہ حسبتہ امور کے متعلق مختصر تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

الناظر کا استقلال اوقات

اگرچہ بہت سے رسائل شروع شروع مین اس امر کی ذمہ داری اپنے ذمہ ہمت پر لیتے ہین کہ عین وقت پر اُن کی اشاعت عمل مین آتی رہے گی۔ لیکن یہ افسوس ہے کہ اُنھین سال کے اکثر حصون مین اپنا اقرار واپس سے کر عذرات کرنے پڑتے ہین۔ الناظر نے میری راے مین اس تمہیدی ضمانت کو ہمیشہ وقت پر پورا اور ادا کیا ہے۔ شاید ہی کوئی پرچہ وقت پر نہ آیا ہو۔ اس سے ہم قیاس کر سکتے ہین کہ مولوی ظفر الملک صاحب اپنے وعدہ اور اقرار کے کس حد تک پورے اور پابند ہین۔ اللھم زد فزد۔

رنگ۔ ڈھنگ۔ طرز

الناظر کا ڈھنگ شروع مین جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ البتہ کاغذی رنگ ڈھنگ مین ہر سال وارفرق آتا رہا تو انسان ورائٹی کے اصول سے اس تبدیلی کا ہمیشہ خواہان رہتا ہے لیکن اگر اسمین بھی استقلال رہتا تو شاید اور بھی اچھا ہوتا۔

نظم ونسق

ہمین یہ تو معلوم نہین کہ رسالہ کی اندرونی اور مالی حالت کیا ہے لیکن قیاس یہ ہے کہ اشاعت کی تعداد کچھ ایسی نہین جس پر الناظر من بھاتی ترقی کر سکے۔ جب تک کسی رسالہ کی مالی حالت اچھی نہو کوئی نہین کہہ سکتا کہ وہ کب تک زندہ رہے گا۔ لوگ پڑھتے بڑی خوشی سے ہین۔ لیکن "چون نز طلبی سخن دراین ست" آثار کہہ رہے ہین کہ الناظر کی مالی ضرورت محدود ہے۔ اس واسطے ناظرین الناظر کا یہ فرض ہے کہ اُسکی وسعت اشاعت مین کوشش کرین اور اُسکے واسطے سب ناظرین اپنی اپنی بضاعت کے مطابق ایک فنڈ کھول دین۔ چونکہ الناظر ہمیشہ وقت پر روشن دے جاتا ہے اس واسطے ہمین یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کا نظم ونسق باین ہمہ قابل تعریف رہا ہے یہ تعریف اُسکے منیجر اور اُسکے اڈیٹر کی خدمات کا اعتراف کراتی ہے۔

الناظر کا استدلال

الناظر کے سہ سالہ فائلون کے دیکھنے سے ہر شخص اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ اُسکے اڈیٹر صاحب کی قوت

استدلالیہ ایک خاص وسعت رکھتی ہے جن جن معاملات اور جن جن مضامین کا تعلق ایڈیٹر صاحب سے ہے۔ جیسے علم الافلاک وغیرہ اُنکی کاوش اور اُنکی روش و طرز ایک خصوصیت لیے ہوئے ہے۔ شاید بعض کی نگاہون مین اُنکے استدلال مین کوئی کمزوری ہو جو انسانیت کا خاصہ ہے۔ لیکن خدا لگتی یہ ہے کہ اُس کا بہت حصہ اپنی تئین لاثانی خوبیان رکھتا ہے۔ اور یہ بات ایک ایڈیٹر کے واسطے فخر کی بات ہے۔

مضامین

اس شق مین حضرت ایڈیٹر کا صرف اسقدر حصہ بخرہ ہے کہ اپنی کوشش اور ہر دلعزیزی کے زور سے ایسے مشاہیر اور ایسے اصحاب کا مجمع اپنے اردگرد جمع کرے جو ادبی دنیا کے واسطے قیمتی اجزا شامل ہو سکین۔ اور اُس مجمع کو منتشر ہونے نہ دے۔ الناظر کے سہ سالہ نمبرون کے دیکھنے سے یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ ایڈیٹر "ظفر الملک" کو اسمین ایک خاص کامیابی حاصل ہوئی ہے بعض دفعہ ان مضامین پر ایڈیٹر صاحب کے قلم سے جو نوٹ لکھے گئے ہین وہ خاص وقعت رکھتے ہین۔ اور اُن نوٹون سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایڈیٹر کی نگاہین بھی کس حد تک جامع ہین۔ اور وقت پر اُنکی روشن دماغی کیا کچھ کام دے جاتی ہے۔

معاشرت انسانی اور عورتون کی منزلت	فلسفہ شاعری	فلسفہ خیال
مرأت الاذہان	محاربات صلیب	اثبات واجب الوجود
تنقید الکلام	اخلاق یورپ کی تاریخ	غزلیات و ابیات (یعنے نیچرل نظمین)
عورت کی عزت	فلسفہ اور اُسکی ماہیت	

وغیرہ وغیرہ مضامین نظم و نثر جن کے لکھنے اور کہنے والے

مولوی ضیاء الحسن	امیر احمد علوی بی اے	لسان العصر اکبر الہ آبادی
پروفیسر مرزا محمد ہادی	سید علی اصغر بلگرامی	حضرت ریاض
طالب علم	مولوی معشوق حسین	حضرت جلیل
احمد علی شوق قدوائی	مولوی مفتی انوار الحق	حضرت ارشد تھانوی
عزیز مرزا مرحوم	مسٹر عبد الماجد	حضرت طباطبائی
	حضرت شاکر میرٹھی	

ایسے ہین جو اپنی خوبیون کے لحاظ سے ناظرین الناظر کے لیے ایک اچھا اور برگزیدہ سامان ضیافت طبع تھا بعض

مضامین واقعی چوٹی کے مضامین ہین جن سے صرف الناظر کی وقعت ہی دوبالا نہین ہوتی - بلکہ الناظر کے چاہنے والون کی قیمت بھی بہت کچھ بڑھ جاتی ہے دو ایک مضمون ہین مذہب کی نسبت چند ایسے الفاظ نکل گئے ہین جو میری راے مین الناظر کی ذمہ داریون سے باہر ہین - اگرچہ اور کسی کا کیسا ہی خیال ہو - میرے خیال مین مذہب ہی ایک ایسا سلسلہ ہے جو انسان کی باگ اپنے قابو مین رکھتا ہے - بالخصوص مسلمانون کی قسمت تو سب سے زیادہ مذہب ہی سے وابستہ ہے - مذہب ہی کی کمزوریون نے اُنکی یہ گت بنا رکھی ہے -

مضامین نظم

یہ خوشی کی بات ہے کہ الناظر مین جس قدر نظمین درج ہوتی رہی ہین - اُن کا اکثر حصہ نتیجہ خیز ہے - اور ہمین امید ہے کہ آیندہ اور بھی نتیجہ خیز نظمین قومی - اخلاقی - ادبی - علمی رنگ مین شایع ہوا کرین گی -

مضامین نسائیہ

عورتون کے متعلق جسقدر مضامین شایع ہوے ہین اُن مین بعض ایسے بھی ہین جن سے کلیتہً بعض ناظرین الناظر کو اتفاق نہین ہوسکتا - لیکن وہ سب کے سب اچھے ڈھنگ پر لکھے گئے ہین - البتہ بعض مین وہ پہلو مخالف یا موافق اختیار کیا گیا ہے جو یا تو عورتون کو اپنے دائرے ہی سے باہر نکال دیتا ہے - گویا وہ اپنی حیثیت عورت ہونے کی چھوڑکر مردانہ حیثیت مین آجاتی ہین - یا بالکل حیثیت عورت سے نیچے جارہی ہین - جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکی حیثیت ہی کوئی نہین یا یہ کہ اُنکی ہستی لاشے ہے - یورپ کی تہذیب کے بھروسہ پر ہندوستانی خصوص اسلامی عورتون کے مراتب مین فرق پیدا کرنا ایک بڑی ذمہ داری عائد کرتا ہے - اور اُن مزید مصائب کی جو یورپ مین آجکل پیش آنے کو ہین یاد دلاتا ہے -

مضامین فلسفہ

میری راے مین صرف الناظر ہی کے واسطے یہ تعریف ہے یا یہ کہ الناظر ہی دوسرے یا تیسرے نمبر پر ہے کہ جس مین فلسفیانہ مضامین خصوصیت سے شایع ہوتے رہتے ہین - ایک علمی رسالہ کے واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کے مضامین سے لوگون کی مختلف طبائع مین گھر کرے تاکہ ہر طبیعت اُس سے مستفید ہوسکے -

مضامین عامہ

مضامین عامہ بھی ایسے نہین ہین جن سے الناظر کے ناظرین اُکتاے ہون - یا طبیعت پڑھتے پڑھتے بوجھل ہوگئی ہو - یہ نتیجہ اس بات کا ہے کہ اڈیٹر کی قوت انتخابیہ خصوصیت سے ناظرین الناظر کی ضیافت طبع کا خیال رکھتی ہے - اور یہ

ایک ضروری وصف ایڈیٹر کا ہے۔

نظرے خوش گزرے

ایڈیٹر الناظر نے بہت کم پرچے ایسے چھوڑے ہین جن مین اس عنوان کے نیچے مختلف رسائل کتابون اور اخبارات کو نظر انداز کیا ہو۔ گو اس عنوان سے یہ تو پتہ لگتا ہے یا لگ سکتا ہے کہ یہ جملہ ریویو کا صحیح معنون مین قائم مقام نہین ہے۔ مگر پھر بھی بہت کچھ اس فقرے کے تحت مین لکھا جاتا رہا ہے۔ مین نہین کہہ سکتا کہ ایڈیٹر کو ریویو کے پیرایہ مین کہان تک اس مین کامیابی ہوی ہے۔ راہ جاتی نظرین جو کچھ یا جس قدر دیکھ سکتی ہین اُس سے الناظر کی نظر کم نہین رہی ہے۔ لیکن بعض وقت بوجہ رہگذری کے بعض ادبی مقاصد پر پوری روشنی نہین پڑ سکی۔ اور نہ پورا تسلط ہو سکا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ تنقید الکلام پر جو نوٹ اس سلسلہ مین دیا گیا ہے اُسکے بعض فقرے ایک حد تک اپنے پیمانہ سے دور ہٹے ہوے ہین۔ یہ نقاد کی کمزوری یا تیزی طبیعت پر دال نہین ہے بلکہ مذاق کے اختلاف کی وجہ سے اور چونکہ رہگذر نظرین جادۂ استقامت سے کبھی کبھی ہٹ کر یا تھک کر پھر جاتی ہین اس لیے نشانہ ٹھیک نہین بیٹھتا۔

جو لوگ صرف تعریف کے خواہان اور تماشائی ہین وہ اس سلسلۂ نظرے خوش گزرے سے چندان خوش نہین ہو سکتے لیکن جنھین صرف مختلف رایون اور مختلف خیالات کے معلوم کرنے کا شوق ہے اور یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ دنیا کے نقاد اُنکی نسبت کیا کچھ کہتے ہین۔ وہ چین بر جبین نہین ہوتے۔ اور ایسی نقادانہ تحریرون سے فائدہ اُٹھاتے ہین۔ الناظر اس سلسلہ مین کسی دوسرے رسالہ سے کم نہین رہا۔ بلکہ کچھ نمبر بڑھا ہوا ہے۔ اور ادبی دنیا کو اس "نظرے خوش گزرے" سے بہت کچھ فائدہ ہوا ہے۔

ایڈیٹر کی ذاتی ذمہ داری اور وعدے

ایڈیٹر کی ذاتی ذمہ داری صرف اسی امر کی نہین کہ وہ اچھے بُرے نوٹ لکھدیا کرے۔ بلکہ یہ بھی کہ رسالہ یا اخبار کے ہر پہلو سے خبر رکھے اور جن اغراض کی ماتحت اُس کا اجرا ہوا ہے اُنکا ایفا کرے۔ شکر ہے کہ الناظر کے ایڈیٹر نے اُن مواعید کا بوجھ خواہ مخواہ ناظرین کی مختلف طبائع اور مختلف گردنون پر نہین رکھا کہ جن کی وجہ سے وہ ہمیشہ ایفاے مواعید کی امید و یاس مین رہین۔ یہ علمی نقص ہے جو بعض رسائل مین پایا جاتا ہے۔ جب وعدے معرض بیان مین آکر پورے نہین ہوتے تو ناظرین رفتہ رفتہ اُکتا جاتے ہین۔

اُکتا ہی نہین جاتے بلکہ اُنھین یقین بھی ہو جاتا ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہین اور دکھانے کے اور۔ بعض وقت یہی بات ادبی دنیا کے واسطے بہت کچھ نقص پیدا کر کے رہتی ہے۔ بات وہی جو ہو جاے اور عمل وہی جو پورا ہو۔

کیا الناظر کی ضرورت ہے؟

میری آزادانہ راے ہے کہ الناظر جیسے رسالون کی ادبی دنیا کو سخت ضرورت ہے یا یہ کہ ادبی دنیا اُسکی محتاج ہے مین یہ نہین کہونگا کہ اُسمین کوئی نقص یا کمزوری نہین - مگر ایسے ہی جیسے کہ ایک شریف انسان مین ہوتی ہے - کیا بعض کمزوریون کی وجہ سے کوئی شریف انسان سوسائٹی مین رہنے کے قابل نہین رہتا ضرور رہتا ہے - اور اسکی ضرورت اُن انسانون سے زیادہ ہوتی ہے جو اُس سے بہت کم درجہ پر ہوتے ہین - اگر الناظر جیسے رسالہ کے لیے جائز امداد کی راہین کھل جائین تو وہ موجودہ حالت سے اور بھی ترقی کر سکتا ہے - اور قوم و ملک کے واسطے ادبی رنگ مین اچھا اور مفید سامان پیش ہونے کے وسائل بہم پہونچ سکتے ہین -

انجمن ترقی اُردو مین ایسے رسائل کی خاص طور پر قدردانی ہونی چاہیے - ہمین مولوی عبدالحق صاحب بی اے حیدرآبادی سے امید رکھنی چاہیے - کہ اُردو کی ترقی کے اسباب مین سے الناظر جیسے علمی رسائل کی پائداری اور ترقی کا بھی خصوصیت سے لحاظ زیر بحث رہے گا -

آخر مین ہم ادب کے ساتھ مولوی ظفر الملک صاحب ایڈیٹر الناظر کی سہ سالہ خدمات کا اعتراف کرتے ہوے دعا کرتے ہین کہ اُنکی خداداد قابلیت اور علم پرستی سے امید ہے - کہ وہ اپنی علمی خدمات سے اور بھی قوم و ملک کو اعترافات کا موقع دینگے - اور اُنکی ادبی کوششون کا نوخیز شجر خوبی کے ساتھ بڑھے اور پھلے پھولے گا -

اور اُنکے کام مین جو رُکاوٹین ہین وہ ناظرین الناظر کی کوشش سے رفتہ رفتہ حل ہوتی جائینگی -

خلاصہ اس سارے تبصرہ کا یہ ہے - کہ الناظر بھی اُن منتخب رسائل مین سے ہے جو ملک اور قوم اور ادبی دنیا کے واسطے باعث فخر ہین -

سلطان احمد

الناظر

(بہ لحاظ اپنی خصوصیات کے)

اے ہر اک ماہ مین دیدار دکھانے والے
دوسری تیسری تاریخ کو آنے والے

اپنی پابندی اوقات بتانے والے
سبق علم و عمل سب کو پڑھانے والے

ہے ادا خاص ترے انداز سے تیرے ظاہر
تیرے ناظر جو ہین تو خود بھی ہے اُن کا ناظر

ذاک سے پیش نظر آکے تو جب ہوتا ہے — لطف و تفریح و مسرت کا سبب ہوتا ہے
جلوۂ حسن معانی بھی غضب ہوتا ہے — شیفتہ جس کا ہر اک ذوق طلب ہوتا ہے
دستۂ گل چمنستانِ ادب کا تو ہے
ذوقِ علمی جو بڑھائے وہ تری خوشبو ہے

نظم اور نثر تری باعث شانِ اردو — ہیں مضامین ترے روح روانِ اردو
مایۂ ناز ہے تو بہرِ زبانِ اردو — کیوں نہ ممنون ہو پھر تیرا جہانِ اردو
لا رہا ہے تو ہر اک علم - ہر اک فن اس میں
دانہ دانہ یہی ہو جائے گا خرمن اس میں

فلسفہ ہندسہ سائنس پہ لکھا اکثر — حسنِ اخلاق کے چمکائے قلم سے جوہر
حفظ صحت کے مسائل بھی رہے پیشِ نظر — چھوڑا اصلاح تمدن کا نہ پہلو دم بھر
فلکیات پہ مضمون نکالے تو نے
اور تاریخ کے چھاپے ہیں رسالے تو نے

کہیں جذبات دکھائے کہیں تصویر خیال — کہیں الفت کا مرقع کہیں نیرنگ جمال
کہیں تنقید کلام اور کہیں تردید سوال — جو کہیں وجہ مسرت ہے کہیں وجہ ملال
صاف کہہ دیتا ہے منھ پر تو وہ آئینہ ہے
جس میں ہے صدق و صفا وہ ترا گنجینہ ہے

بحث قومی میں کسی کی نہیں پروا تجھکو — شخصیت کر نہیں سکتی کبھی اپنا تجھکو
نہ تملق نہ خوشامد ہے گوارا تجھکو — جانتا ہے یہ ہر اک دیکھنے والا تجھکو
حریت بھی ہے مساوات بھی حق گوئی بھی
جو ضروری ہو صفت چھوٹی نہیں کوئی بھی

دلکشی رکھتا ہے وہ حسن یگانہ تیرا — جس سے مشتاق ہوا سارا زمانہ تیرا
لطف دیتا ہے کانوں کو فسانہ تیرا — رونقِ نطق۔ زبانوں کو ترانہ تیرا
شاہدِ رعنا ہے تو اک مگر الناظر
چشمِ نظارہ کا منظور نظر الناظر

ارشد تھانوی

مراسلت دربارہ النّاظر

بگرامی خدمت ایڈیٹر صاحب الناظر لکھنؤ

آپ کی صلائے شوریٰ جو گزارش کے عنوان سے الناظر بابتہ مارچ کے شروع مین درج ہے اسمین غالباً آپ کا روئے سخن ملک کے اہل الرائے اور اہل قلم حضرات کی جانب ہے مگر مجھے اظہار خیالات کی صرف اس وجہ سے جراءت ہوی ہے کہ مین رسالۂ الناظر کو ابتدا سے غایت دلچسپی کے ساتھ دیکھتا رہا ہون اور اس ترقی پذیر رسالے کی روز افزون کامیابیون کو دیکھکر مجھے دلی مسرت حاصل ہوتی رہی ہے لہٰذا رسالۂ الناظر کی اصلاح و ترقی کی زیر غور تجاویز مین مجکو فقط یہ عرض کرنا ہے کہ تمام ناظرین کی آرا و توجہات حاصل کرنے کے ساتھ ہی مناسب ہوگا کہ آپ بحالت موجودہ اپنے معاصرین کی طرز و روش کو پیش نظر رکھکر بطور خود خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول پر کاربند ہونے کی کوشش کرتے رہین - اسلیے تحریر ہذا مین مجملاً آپکے سامنے اُردو کے موجودہ رسائل کی حالت کا ایک خاکہ پیش کر دیا جاتا ہے جس سے مفید مطلب نتائج اخذ کر لینا آپ کے لیے دشوار نہ رہے گا -

جہان تک مجھے علم ہے آجکل اُردو زبان کے ماہوار رسالے حسب ذیل خصوصیات کے ساتھ اقطاع ہند مین شائع ہو رہے ہین -

ادبی - فلسفانہ - مذہبی اور تمدنی یا اقتصادی - چنانچہ زمانۂ حال کے ممتاز رسالہ جات مین ادبی مضامین کے لیے الناظر کے علاوہ دلگداز و معیار (لکھنؤ) اُردوے معلےٰ (علیگڈھ) ادیب (الہ آباد) صبح بہار (میسور) مخزن (لاہور) تمدن (دہلی) اور اکبر آباد کا تازہ پرچہ نقاد جاری ہین - معمولی پرچون اور غزلیات کے گلدستون کو چھوڑکر یہ نصف درجن سے زائد اُردو کے ماہوار رسالے ادبی دلچسپیون کا سامان بہم پہونچانے مین نمایان طور پر کامیاب نظر آتے ہین - انمین صرف ادیب الہ آباد اُردو زبان کو ترقی دینے کے ساتھ ہی فن تصویر کو بھی فروغ دینا چاہتا ہے لیکن ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے رسالہ جات متذکرہ صدر کی یہ تعداد کثیر ایسی ہے جو الناظر کو کسی حد تک ادبی خدمات سے سبکدوش کرنے کے لیے کافی سمجھی جاے گی -

مزید بران لکھنؤ کے مرکزی شہر سے اُردو کا نوخیز رسالہ العصر جاری ہونا شروع ہوا ہے جو ایڈیٹر کی قابلیت اور شہرت کے لحاظ سے امید ہے کہ ملک کی قدر افزائی کا مستحق اور ہونہار ثابت ہوگا لیکن ابھی العصر کا ابتدائی پرچہ مین نے دیکھا ہے کار آمد اور بلند پایہ مضامین کی کمی خلاف امید معلوم ہوی ع

"سالے کہ نکوست از بہارش پیداست"

خصوصاً اس ابتدائی نمبر العصر کا تیسرا مضمون (جو کسی پنجابی لکچرار کی انگریزی تقریر کا ترجمہ ہے) "سلاطین مغلیہ کی سوشل زندگی" کے عنوان سے شایع ہوا ہے یہ مضمون اردو کے علم ادب مین ایک ضروری اضافہ کہا جائیگا جو از سرتا پا مختلف مورخون اور راویون کے بیانات کا اقتباس ہے۔ مگر اکثر واقعات کا ماخذ میر ورانجھا کا قصہ بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح شہنشاہ جہانگیر کا ذکر شراب نوشی اور کلال خانون مین جا جا کے عام بازاریون سے ہم نوالہ و ہم پیالہ بن جانے کی فرضی حکایات مزید ثبوت کی محتاج رہگئی ہین بلکہ پایۂ تحقیق سے گری ہوی اور غلط ہین۔ مغلون کے اصل و نسل کے متعلق ایڈیٹر کا نوٹ صحیح معلومات پر مبنی ہے مگر نفس مضمون مین مغلون کو چنگیزیہ ترکمانون کے مثل وحشی و زشت خو اور تہذیب و تمدن سے نابلد قرار دینا تاریخی غلطی ہے اس لیے کہ سرزمین فارس کی آب و ہوا اور تبدیل مذہب نے مغلون کو بالکل ایک نئی قوم بنا دیا تھا جو عادات و خصائل کے لحاظ سے شایستہ و متمدن اقوام عالم مین شمار ہونے لگے۔ اور مغل ہندوستان مین فاتحانہ حیثیت سے آئے ہین اس وقت انمین اپنے قدیمی آباد اجداد کی خو بو مطلق نہین رہی تھی بلکہ انکے شائستہ مذاق اور آئین حکمرانی کی یادگارین آجتک انکے اوصاف حمیدہ کی ثنا خوان نظر آتی ہین جس کا تذکرہ جستہ جستہ اسی مضمون مین آگیا ہے لیکن "کافر تاتار" جو بہ زمانہ تغلق شاہیہ حضرت امیر خسرو کو بُری طرح گرفتار کر کے لیگئے تھے انکی ہجو مین خسرو نے اشعار کہے ہین اور ان اشعار سے مضمون العصر مین عجیب و غریب معنی آفرینی کی گئی ہے مثلاً ؎

زشت تر از زنگ شدہ بوے شان　　　پست تر از پشت شدہ روے شان

اس شعر سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ "وہ جسمانی صفائی کی کچھ پروا نہ کرتے تھے اس وجہ سے انکے جسم سے بو آیا کرتی تھی" رنگ و بو سے ایسے موقع پر عموماً صورت و سیرت مراد ہوتی ہے مگر جسم سے بو آیا کرتی تھی یہ تلمیح امیر خسرو کے ذہن مین بھی نہ ہوگی۔ تاہم وحشی تاتاریون کے ان خصائص کو اُن مغلون کے حالات و صفات سے منطبق کرنا کہان سے صحیح ہوسکتا ہے جنکی خصوصیات مین خوشبوؤن کے شوق باغات کی آراستگی گلاب کے پھولون کی پیداوار اور کشید عرق و عطر کے سوا نہرون اور سڑکون کی تعمیر ملک کی سرسبزی اور فارغ البالی کے حالات کا خود مضمون نگار کو بھی معترف ہونا پڑا ہے۔ سارے مضمون کا نچوڑ یہ فقرہ ہے جو بالکل آخر مین درج کیا گیا ہے کہ۔

"اگر محل سرا کا پردہ اُٹھا کے دیکھا جائے تو ایک جگہ جہانگیر اپنے باپ اکبر کے بستر مرگ پر بیٹھا ہوا نظر آتا ہے"

"اور دوسری جگہ وہ ایک حرم موسومہ انارکلی کے عشق مین والہ وشیدا نظر آتا ہے اسکے علاوہ کہین کہین مغل"

"مخدرات وبیگمات کا قافلہ کسی پیر فقیر کی زیارت کے لیے جاتا ہوا سڑکون پر دکھائی دیتا ہے الخ"

نثر مضامین کے سوا العصر کے اس نمبر مین نظمون کا حصہ دلچسپی سے خالی نہین ہے کلام اکبر مین یہ رباعی کسقدر بیساختہ ہے جس کو ایک لوح مزار کا کتبہ کہنا چاہیے ؎

ممدوح شرق وغرب وشمال وجنوب تھے — تعریف بھی ہنر کی بری از عیوب تھے

اب کچھ نہین تو کیا کہین تم سے کہ کیسے ہین — ہان اسمین شک نہین ہو کہ جب تھے تو خوب تھے

حضرت شوق کی نظم "لطف دریا" تو موتیون مین تولنے کے لایق ہے جسمین خسرو کی اس مشہور رباعی کا منظر کمال خوبی وصفائی سے دکھایا گیا ہے ؎

رفتم بتماشاے کنارِ جوے — دیدم بہ لب آب زن ہندوے

گفتم صنما بہاے مویت چہ بود — فریاد برآورد کہ دُر دُر موے

صبح سرا کی سینری کا ساقی نامہ مولانا شفق عمادپوری کے بلاغت آفرین دماغ کا نتیجہ ہے اسمین بند دوم کا مصرعۂ ثانی یون ہوتا تو زیادہ اچھا تھا ع شمعون کی زرد ہوگئین گوری کلائیان۔ بعض مصرعون مین میر انیس کا رنگ جھلکتا ہے ع شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے۔ نظم کی لطافت مین شبہ نہین مگر ماہِ صیام نمبر مین اس کا درج کردینا بے وقت کی بھیرویں سُنانا ہے۔

غرض اس تمام بیان سے یہ ہے کہ رسالہ الناظر مین اس طرح کے رطب ویابس مضامین سے جہانتک ممکن ہو احتراز کیا جاے تو بہتر ہے لیکن اسی نمبر العصر مین مضمون شاہ ظفر درحقیقت ادبی وتحقیقی مضامین کا ایک قابل قدر نمونہ ہے اور عہد مامون مین مسلمانون کی علمی ترقی پر مختصر و پاکیزہ مضمون ہے مگر واضح رہے کہ اُس زمانہ مین علمی ترقیان صرف مسلمانون کا حصہ نہین تھین بلکہ ہند و یہودی اور مسیحی بھی اپنے علم وکمال کی قدردانیان حاصل کرتے رہے ہین۔ حفظ صحت کا مضمون بھی کارآمد معلومات سے پُر ہے، نظم سیتا کی کہانی سیتا کی زبانی بہت عمدہ اور موزون الفاظ مین لکھی گئی ہے رنج وحسرت درد ومصیبت کی گویا تصویر کھینچدی ہے دشت غربت مین بادصبا کو پیامبر بنا ناکس خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے ؎

سیتا کی بیتی ہی سے کہتی ہے + سیتا ہر حال مین ستی ہے + اے بادصبا تو جا کے کہنا + اُن سے میری سناکے کہنا + کہنا اے خوشخرام میری + رگھنا تھ سے رام رام میری + فرمایا جو راجچندر جی نے + دی جان رضامین جانکی نے

ضرورت اس وقت ایسے مضامین کی ہے جو ملک و قوم کے لیے نفع بخش ثابت ہوں لیکن اختلاف انگیز مضامین یا فقط زبان و بیان کی شوخیاں تو خواب ہائے پریشان ہیں جن سے نہ ادب اُردو میں کوئی معقول اضافہ ہوتا ہے اور نہ وہ کسی درد کی دوا ہو سکتے ہیں۔ تمثیلاً یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ ترکی بھائیوں کی موجودہ جگر پاش مصیبتوں کے وقت بطور ہمدردی نظم و نثر کے جسقدر لآلی شاہوار لٹائے گئے ہیں اس کا عشر عشیر بھی تمام ملک سے امداد مالی نہ دی جا سکی جس سے انسانی ہمدردی کا ثبوت کما حقہ ہو سکتا ؎

اے منہمک لذت نفسانی خویش ✤ برخیز کہ برخاست ز مغرب دو دے ✤ گیتی بفنائے ہستی تو مشغول ✤ تو مشتغل نغمۂ چنگ و رودے ✤

غور طلب امر یہ ہے کہ ملک و ملت کی اصلاح حالت کے لیے ادبیات و شاعرانہ خرافات کی اشاعت کس حد تک مفید ہو سکتی ہے۔ لارڈ مورلے سابق وزیر ہند انگریزی کے فاضل ادیب اور فصیح البیان مقرر ہیں جنکی ایک اسپیچ کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ "علم ادب سے زیادہ دلفریب مگر اس سے زیادہ تباہ کن کوئی علم نہیں ہے" اس مقولے کے علاوہ تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ ادبیات وغیرہ کی ترقی و گرم بازاری ہمیشہ ملک و قوم کے ادبار کی نشانی ہوتی چلی آئی ہے اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آج کل بھی ہماری قوم میں جسقدر شعر و سخن کا مذاق باقی رہگیا ہے وہ ضروری اور بکار آمد مضامین سے دماغوں کو دور رکھنے کا قوی تر سبب ہے بلکہ بحالت موجودہ بالتونی پہلوانوں کی یہ فراوانی افسوسناک نظر آتی ہے جو کارگزار اور دل سوز محبان قوم و فدائیان ملت پر زبان لعن و طعن دراز کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں لیکن عملی میدان میں گھٹنیوں کے بل بھی چلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ایسے ہی غیر ذمہ دار افراد قوم نے اپنی بے نتیجہ چیخ پکار سے عرصۂ ملک کو فی الحال ایک شورستان محشر خیز بنا رکھا ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو یہ آثار ترقی و بیداری کے نہیں بلکہ نشۂ غفلت کی ترنگیں ہیں جو بیخودی کا عالم دکھا رہی ہیں ؎

لاکھوں فتنوں کا ہے گویا جاگنا ✤ ایک اُٹھنا اُن کا خواب ناز سے

ادب و شاعری کی طرح فلسفہ نظری بھی قوم خفتہ کو جگانے کے لیے کوئی چلتا ہوا جادو نہیں ہے مگر رسالہ الناظر نے شروع ہی سے فلسفیانہ مباحث کو ملک کے سامنے پیش کرتے رہنے پر کمر ہمت باندھ رکھی ہے بلکہ اس خصوصیت میں بمقابلۂ دیگر رسائل اُردو اس کو نمایاں امتیاز حاصل ہو چکا ہے مثلاً ابتدائی نمبروں میں ایک دھواں دھار مضمون "مذہب کی ضرورت" کے عنوان سے نکلا تھا جسمیں مخالفین کی طرف سے جسقدر الزامات شدید غریب مذہب کی جانب منسوب ہوتے چلے آئے ہیں وہ سب یکجائی طور پر جمع کر کے رکھدیے گئے تھے

مگر اس مضمون کا دوسرا حصہ جو تردیدی بیانات پر مشتمل تھا افسوس ہے کہ تمہید کی طرح کا زوردار اور چکدار نہین رہا۔ اسی قبیل سے الناظر کی کارگزاریون مین شمار ہونے کے لایق ایک طولانی تنقید کا وہ سلسلہ تھا جو علامہ شبلی کی کتاب الکلام کے متعلق بڑی دھوم دھام سے نکلتا رہا اور ممکن ہے کہ علامۂ موصوف نے جدید علم کلام کی جو بنیادین قایم کی تھین وہ اعتراضات کی موسلادھار بارش سے متزلزل ہو کر رہ گئی ہون مگر اس عالیشان قصر کی تعمیر کے لیے اب مزدوری گران ہو گئی ہے اور ایسے شخص یا اشخاص کی ضرورت ہے جو مذہب کے ان معرکۃ الآرا مسائل پر زیادہ زوردار دلائل قایم کر کے دکھا سکین۔

"اخلاق یورپ کی تاریخ" بھی فلسفیانہ مباحث کا ایک قصر بیستون نظر آیا مگر اس زمانے مین مسئلۂ ارتقا کی تردید کرنا زمانے کی تیز رفتار ترین کو کئی منزل پیچھے ہٹانے جانے کی بے سود کوشش تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے مضامین مقبولیت کا درجہ کبھی نہین حاصل کر سکتے۔

تجاذبات فلک اور نظام مشتری یہ مضامین ایسے تھے جو جدید معلومات کے لحاظ سے اردو زبان مین عمدہ اضافہ کہے جا سکتے ہین۔

فلسفہ کی تعلیم گزشتہ و موجودہ مطبوعہ الناظر نمبر ۲۴ مسٹر عبد الماجد کے قلم کا حصہ تھا مگر اسمین حکماے اسلام مثل ابن رشد امام رازی۔ غزالی خیام اور ابن سینا وغیرہ کے حالات کا نہونا اس مضمون کا بڑا نقص تھا۔ ذہانت و جنون کا مضمون مطبوعہ الناظر نمبر ۱۶ ابتک تشنہ چھوڑ دیا گیا ہے۔

تاریخی مضامین بھی فلسفے ہی کے ذیل مین آتے ہین اور اسمین شک نہین کہ اردو زبان مین مفید و دلچسپ مواد تاریخی فراہم کرنے مین رسالۂ الناظر کا حصہ دیگر رسائل ملک سے کم نہین رہا ہے اور کم و بیش اس قسم کے قابلانہ مضامین کا سلسلہ جاری رکھا جاے تو ملک و ملت کی ایک مفید خدمت ہو سکتی ہے کیونکہ تاریخ ایسا فن ہے جس سے علاوہ دلچسپی کے اکثر مسائل عمرانیہ پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ بکرماجیت کے حالات مین کافی داد تحقیق دیگئی تھی اور کتاب کلیلہ دمنہ کے متعلق بھی تاریخی معلومات کی جستجو اور تلاش قابل ستایش تھی اگرچہ اس مضمون مین سید علی بلگرامی مرحوم کے ایک لکچر کا حوالہ نہونا تعجب ہے جو اسی کتاب کے متعلق ہے اور کہین چھپ چکا ہے۔ اسپین مین اسلام مطبوعۂ الناظر نمبر ۲۳ و ۲۶ اور کپتان عروج بار بروسہ کے حالات الناظر نمبر ۱۳ مین بخوبی قلمبند ہوچکے ہین۔ حیدر نائک کا مسلسل مضمون ایک تاریخ نما افسانہ ضرور تھا مگر مجھے اس دعوے سے اتفاق نہین ہے کہ حیدر نائک وغیرہ امن دوستی اور نظام سلطنت کی درستی کے مقصد مین دولت برطانیۂ عظمی کے شریک حال یا معین

مددگار رہے ہیں بلکہ میرے نزدیک تو ظاہر ہے کہ موجودہ امن و امان کی صورت میں محض سلطانوی اثر و اقتدار کا نتیجہ اور طفیل ہیں جیسا کہ جناب منشی ضیاء علی صاحب بی اے نے اپنے انعامی مضمون مطبوعۂ الناظر نمبر ۳۹ میں نہایت شرح و بسط سے ثابت کیا ہے۔

مذہبی مباحث سے الناظر کا الگ تھلگ رہنا چنداں قابل شکایت نہیں ہے اسلیے کہ اس ضروری فرض کو ملک کے دوسرے رسالہ جات مثل تہذیب الاخلاق اور نسیر الندوہ نظام المشائخ ضیاء الاسلام تجلی۔ ریویو آف ریلیجنز قادیان اور برہمہ پرچارک وغیرہ وغیرہ بوجہ احسن انجام دے رہے ہیں۔

۔ پولیٹیکل مضامین سے بھی الناظر کا دامن پاک رہنا بہتر ہے یعنی وہ نام نہاد پالٹکس جو بہ زمانۂ موجودہ چند سر برآوردہ حامیان ملک و ملت کو بے نقط سنانے یا گورنمنٹ سے جا و بیجا شکایت کرنے میں غیروں کی تقلید بیجا کا نام ہے مگر اصلی و حقیقی پالٹکس میں تو ایسے ضروری اور اہم اُمور داخل ہیں جنکے بغیر الناظر کی تمام کوششیں بیکار سمجھی جائینگی یعنے وہ مہمات مسائل جن پر ملک کی اصلاح و ترقی کا دارومدار ہے مثلاً انسداد گاؤکشی اسباب قحط اور افلاس مالی دفع کرنے کی تدبیریں صنعت و حرفت کا مذاق پھیلانے کی کوششیں اتحاد باہمی کی مبارک تجویزیں تعلیم کو ارزاں اور عام کرنے کے وسائل اور تعلیم نسوان کو ترقی دینے کی فکریں یہ سب ایسے ضروری اور مفید ملک و ملت مباحث ہیں جو پالٹکس سے علیحدہ نہیں کیے جا سکتے مگر اس قسم کے مباحث کی طرف ناظرین کا میلان و رجحان پیدا کرنے کے سوا محض ادبی و تفریحی مضامین سے الناظر کی قدر و قیمت میں اضافہ ہونے کی امید موہوم ہے۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ ادب و فنون لطیفہ وغیرہ کی بھی بقا جب ہی ہو سکتی ہے جب ملک کی سرسبزی و خوشحالی کے سامان نظر آئیں ورنہ شکستہ حالی تو وہ بلا ہے جس نے دہلی کے زندہ دل شاعر کو خدا کی جناب میں شکوہ سنجی کا مجرم بنا دیا تھا کہ ؎

بگیتی درم بے نوا داشتی
دلم را اسیر ہوا داشتی

تعلیم نسوان کے اہم ترین مقصد کے متعلق بیشتر الناظر میں چند قابل قدر مضامین نکلے ہیں مگر کس قدر شرم و افسوس کی بات ہے کہ بعد کو دو ایک ظریفانہ مضامین کی بدولت اسکی پروا نہیں کی گئی کہ یہ رسالہ شریف مستورات کے ملاحظہ میں جانے کے قابل رہتا۔ تعلیم مفید کہاں اور کیونکر حاصل ہو مطبوعہ نمبر ۳۵ قابل غور مضمون تھا اور گزشتہ نمبر میں گرانی اجناس کا مختصر مضمون بھی غنیمت نظر آیا۔ درحقیقت پالٹکس کو اقتصادیات سے گہرا تعلق ہے اور اقتصادی ترقی کے بغیر کسی قوم کی زندگی یا زندہ دلی خواب و خیال سے کم نہیں ہوتی۔ اسوقت سیاسی اور اقتصادی امور پر سنجیدگی سے بحث کرنے والا اُردو کے ماہوار رسالوں میں تنہا رسالہ

زمانہ کانپور سے نکلتا ہے جسمین نفیس و نایاب تصاویر کے علاوہ ادبی دلچسپیون مین گرانقدر اضافے بھی ہوتے رہتے ہین اور اسکے ساتھ ہی عموماً ایسے ضروری اور کار آمد مضامین زیر بحث لائے جاتے ہین جن سے ملک و ملت کی سود و بہبود وابستہ ہے۔ جہانتک مجھے معلوم ہے ایسی آب و تاب اور اس جامعیت کا کوئی رسالہ اُردو زبان مین موجود نہین ہے منشی پریم چند کے قصے ادبی حیثیت سے بینظیر ہوتے ہین اور اُنکے نتیجے ہمیشہ اخلاقی ہوا کرتے ہین۔ الناظر مین بھی تازہ نمبر مین ایک فسانہ عمر قید کی سرخی سے چھپا ہے جو خون ناحق کے رنگ مین لکھا گیا ہے اور گویا مثنوی زہر عشق کا جواب اچھا ہے "نظم از من نمی آید بہ نثر ادا کردم" مگر شاذ و نادر حالات کو چھوڑکر واقعات پر نظر کی جائے تو ظاہر ہے کہ کمزور عورت کو ڈائن کی صورت مین دکھانا کوئی خوبی نہین بلکہ ستم ناروا کی تازہ مثال ہے۔ بخلاف اسکے رسالہ زمانہ ہمیشہ مظلوم کی حمایت پر کمربستہ نظر آتا ہے اور الناظر کو اس پیمانے پر لانے کی کوشش ہوتی رہے تو یقین ہے کہ یہ رسالہ بھی ایک دن ملک و قوم کے واسطے ایک مفید آلہ کہلانے کا مستحق بن سکتا ہے۔

اب مجھے الناظر کی صرف ظاہری شان اور دیدہ زیبی کے متعلق عرض کرنا رہگیا ہے۔ جسکی لکھائی چھپائی چند مہینون سے غنیمت نظر آرہی ہے مگر اسکے ساتھ کسی منظر قدرتی یا کسی مشہور محب وطن کی تصویر کا نمونا رسالے کی دلچسپی کو کم کردینے کا ضرور باعث ہے اس لیے کہ بعض رسالون مین صرف تصویر ہی ایسی چیز ہے جس کی دلکشی و نظر فریبی "غزالہ زرین" سے کم نہین ہوتی۔ فقدان تصویر کے سوا الناظر کا ماٹو بھی قابل لحاظ ہے جسمین مادہ تاریخ کے سوا کوئی مناسبت رسالے کے اغراض و مقاصد سے نہین پائی جاتی۔ یہ مصرع رسالے کے بجاے کسی اخبار کے لیے شاید موزون ہوسکتا تھا ع جامیست جہان نماے ہر صفحہ درین۔

فخر الدین احمد سفیر

اطمینان قلب

ڈالتے ہین ہم نگاہ حسرت آگین گرد و پیش
اور طلب کرتے ہین وہ شئے جو ہمین حاصل نہین

یہ ہماری بزلہ سنجی یہ ہمارے قہقہے
باطناً اندوہ و حسرت کے سوا کچھ بھی نہین

ہین ہماری حسقدر دلچسپ نظمین اور گیت
وہ سراپا درد ہین۔ دلسوز اور اندوہگین!

(شیلے)

رنج و حرمان سے جہان مین کوئی گھر خالی نہین؛
ہم کو دنیا مین میسر فارغ البالی نہین

فضل آلہی قریشی

وہی ہم تھے، وہی ہم ہین

وہی ہم تھے، کہ تھا زیرِ نگین ملکِ سلیمانی
وہی ہم ہین، کہ راس آتا نہین اب تاج سلطانی

وہی ہم تھے کہ بنتا تھا چنور بالِ ہما سر پر
وہی ہم ہین کہ کرتا ہے پرِ بوم اب مگس رانی

وہی ہم تھے، کہ فاتح کے لقب کو ناز تھا ہم پر
وہی ہم ہین کہ اب مفتوح کی ہم پر ہے جولانی

وہی ہم تھے، کہ چومے فتح و نصرت نے قدم اکثر
وہی ہم ہین کہ دیتے ہین شکستین ہم کو نصرانی

وہی ہم تھے کہ جھنڈے گاڑتے تھے قصرِ قیصر پر
وہی ہم ہین، کہ سر چڑھتے ہین اب سردی و یونانی

وہی ہم تھے، کہ یورپ نے تمدن ہم سے سیکھا تھا
وہی ہم ہین، نہین اب ہم مین وہ تہذیب انسانی

وہی ہم تھے کہ ہمدردِ بنی آدم تھے عالم مین
وہی ہم ہین، نہین خود ہم مین ہمدردیِ اخوانی

وہی ہم تھے، کہ رہتے تھے بہم اعضائے یکدیگر
وہی ہم ہین کہ ہین اعدائے یک دیگر بہ نادانی

خدا جانے وہی ہم تھے، وہی ہم ہین کہ کیا ہم ہین
کہان وہ ہم کہان اب وہ ہمارا جوشِ ایمانی

شفق پڑھکر یہ مصرع آپ اپنے دل مین شرماؤ
"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

گورِ غریبان کا سمان

سحر اوٹھکر سوئے گورِ غریبان
چلو دیکھین جو عبرت کا سمان ہے

کسی تربت پہ روتی ہے جوانی
کسی مدفن پہ حسرت نوحہ خوان ہے

کہین سر پر اوڑا کر بیکسی گرد
پریشان صورتِ ریگِ روان ہے

کہین ہین دل جلون کے دل تہِ خاک
سرہانے شمعِ کشتہ کا دھوان ہے

چڑھائے چادرین ٹوٹی لحد پر
جو سبزہ پردہ پوشِ بیکسان ہے

ہوا ہے جا بجا سے وہ بھی پامال
عیان کچھ کچھ نشانِ بے نشان ہے

صدا یہ دے رہا ہے ذرّہ ذرّہ
کہ ہستی نقشِ پائے کاروان ہے

کنارے اک طرف خاموش و گریان
شفق بھی محوِ یادِ رفتگان ہے

شفق عمادپوری

فلسفۂ عادت

(قابل ملاحظہ جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم اے - پی ایچ ڈی)

پروفیسر جیمز نے فلسفۂ عادت کی ایک نئی تشریح دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔ ان کے نزدیک عادت درحقیقت ایک ایسے جسمانی اصول کا نام ہے۔ جو ہر فعل کی تہ مین مضمر ہے۔ پروفیسر صاحب عادت کی تعریف اس طرح کرتے ہین کہ "وہ عمل کی ایک شاہراہ ہے جو دماغ کی سطح پر بنتی ہے۔ اور جس پر سے تمام ہم جنس خیالات آئندہ گزر کر عملی صورت اختیار کرتے ہین" بالفاظ دیگر وہ ایک رجحان ہے۔ جس کے ذریعہ سے نظام عصبی کسی فعل کو اس طریقے سے انجام دیتا ہے جس طریقے سے کہ وہ اس قسم کے کام کو پہلے انجام دے چکا ہو" نظام عصبی جب کسی خیال کو عملی صورت مین لاتا ہے۔ تو اس فعل کا اثر تھوڑا بہت دماغ پر قائم رہتا ہے۔ اور جیسا کہ مشاہدے مین آیا ہے۔ دماغ پر لکیرین یا ہلکے ہلکے نشانات پڑ جاتے ہین۔ ان نشانات کی پختگی عادت کا آغاز ہے۔ ایک ہی فعل کے بار بار کرنے سے وہ نشانات زیادہ پختہ اور گہرے ہوتے جاتے ہین۔ اور عادت بھی ساتھ کے ساتھ پختہ ہوتی جاتی ہے۔ جب ایک دفعہ یہ نشانات بن جاتے ہین تو اسکے بعد ایک ہی قسم کے جسقدر افعال نظام عصبی انجام دیتا ہے۔ ان کا گزر ان ہی لکیرون مین سے ہوا کرتا ہے۔ ایک دفعہ کے فعل کا اثر بھی دماغ پر باقی رہتا ہے۔ اور کسی صورت مین ضائع نہین ہونے پاتا۔ مادی لحاظ سے اگر دیکھا جائے۔ تو عادت دراصل دماغ کی سطح پر ایسی شاہراہون کے بننے کا نام ہے جس پر سے نظام عصبی کے ہمجنس افعال عملی صورت اختیار کرتے وقت گزرتے ہین۔ جبکہ انکو حرکت مین لانے کے لیے مناسب تحریک دی جائے۔ مثال کے طور پر شراب پینے کی عادت کو لو۔ اول اول شرابی گاہ بگاہ پیتا ہے۔ لیکن اسکے ان فعلون کے نشان اسکے دماغ پر پڑ جاتے ہین اور بار بار اسی پینے کے عمل کو جاری رکھنے سے یہی نشان یا شاہراہین گہری ہو جاتی ہین۔ بالآخر یہ عادت اسقدر پختہ ہو جاتی ہے۔ کہ جب کبھی وہ شراب کو دیکھ لیتا ہے۔ اس سے صبر و قرار نہین ہو سکتا۔ اور وہ بیدھڑک اسے پی جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ ایسے شخص مین سے جو اپنی عادت کا غلام ہو برائی سے مقابلہ کرنے کی طاقت اگر پوری طور پر جاتی نہین رہتی۔ تو کم سے کم گھٹ تو ضرور ہی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ خود ضبطی بالکل مفقود اور عنقا ہو جاتی ہے۔

عادت کے بننے کا امکان زیادہ تر مغز انسانی پر منحصر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دماغ مین یہ قوت موجود ہے کہ وہ نشانات یا نقوش کو قبول کرے۔ اور پھر انکے موافق ہمارے خیالات اور افعال کو تبدیل کر دے۔ دماغ

بیرونی اثرات کو جلد قبول تو کرلیتا ہی لیکن تمام دماغ یکایک ایسا نہین کرتا۔ لیکن ہان جب ایک دفعہ بھی دماغ پر کوئی اثر ہوتا ہی تو اس کا نشان کبھی زائل نہین ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ رہتا ہے۔

متذکرۂ بالا سطور کے سمجھنے کے لیے ضروری ہی کہ مفصلۂ ذیل مثال کو ذہن مین رکھا جائے جب لوگ یہ چاہتے ہین کہ کسی سبزہ زار میدان مین سے شاہراہ (دٹبیا) بنائین تو عموماً یہ قاعدہ ہوتا ہی کہ مسافر مختصر راستہ پر چلنا شروع کردیتے ہین۔ شروع شروع مین گھاس پر کوئی نمایان اثر دکھائی نہین دیتا لیکن اثر پڑتا ضرور ہے۔ یہی اثر رفتہ رفتہ پختہ ہوکر اُس خاص راستہ مین سے گھاس کو اُڑا کر ایک ڈنبیا بنا دیتا ہی بعد ازان لوگ تمام میدان کو چھوڑ کر اسی راہ پر ہو لیتے ہین بعینہ یہی مثال عادت کی ہی جب انسان کوئی کام کرتا ہے۔ تو نظام عصبی اثر پذیر ہوکر متحرک ہوجاتا ہی۔ اور دماغ پر ایک ہلکا سا نشان پڑجاتا ہے۔ اور اگر اُس کام کو آیندہ پھر نہ کیا جاے تو بھی فعل کا اثر دماغ پر موجود رہے گا۔ جس طرح کہ سبزہ زار میدان مین صرف ایک ہی مرتبہ چلنے کا نشان پڑجاتا ہے اور جون جون اس کام کی کثرت کی جاتی ہے وون وون وہ نشانات پختہ ہوتے جاتے ہین۔ اور انسان کو مجبور کرتے ہین۔ کہ وہ اس خاص فعل کو اسی طریقہ سے کرے جس طریقہ سے کہ وہ پہلے اُسے انجام دیچکا ہے۔ دماغ انسانی مقررہ عادت مین کسی تبدیلی کو پسندیدگی کی نظر سے نہین دیکھتا۔ بلکہ وہ چاہتا ہے۔ کہ ایک کام جس طریقے سے چل رہا ہی اُسی طریقے سے آیندہ بھی انجام پاتا رہیگا یہی وجہ ہے کہ پختہ ہوجانے کے بعد کوئی عادت آسانی سے چھٹ نہین سکتی۔

عادت کے اثرات

(۱) عادت ہمارے افعال کو آسان اور درست بناتی ہی یعنی مشق ہمارے کامون کو مکمل کردیتی ہے۔ یہ امر بالکل بدیہی ہی کہ جن کامون کی ہم کو عادت اور مشق ہوا کرتی ہی۔ وہ مقابلۃً زیادہ آسانی اور صفائی کے ساتھ طے ہوجاتے ہین بہ نسبت اُن کامون کے جن کی ہم کو عادت نہین ہوتی۔ مثال کے طور پر چلنے کی عادت کو لیجیے۔ اول اول بچے کے لیے چلنا کس قدر مشکل اور اہم دکھائی دیتا ہی۔ لیکن جب اسکو چلنے کی کافی مشق ہوجاتی ہی یا بالفاظ دیگر چلنے کی عادت پختہ ہوجاتی ہی تو وہ کس قدر آرام و آسانی کے ساتھ چلتا ہی۔ ہماری زندگی بالکل ناممکن تھی اگر عادت اس طرح سے ہماری طاقت کے خرچ مین کمی نہ کرتی۔

(۲) جن کامون کا انسان خوگر ہوجاتا ہی۔ انھین وہ بہت کم توجہ کے ساتھ تکمیل کو پہونچا سکتا ہی مثلاً جب ہم گانا یا بجانا سیکھتے ہین۔ تو ہم کو توجہ برقرار رکھنے کی کس قدر کوشش کرنی پڑتی ہی۔ ہم مختلف سرون کو اپنے ہاتھون کی مختلف حرکات کو بچشم غور دیکھتے ہین۔ لیکن جب مشق کرنے سے گانے کی عادت پختہ ہوجاتی ہے۔

تو اس وقت ہم بغیر کسی توجہ کے بجا سکتے ہین۔ کام کو شروع کرنے کے لیے تو بیشک ذراسی توجہ کی ضرورت پڑتی ہے لیکن کام کے جاری ہو جانے کے بعد وہ کام خود بخود بغیر کسی توجہ کے انجام پاتا رہتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ عادی کامون مین ہمین اعلیٰ ذہنی قوتون کی رہنمائی کی کچھ ضرورت نہین رہتی صرف احساس۔ اثر یا جوش اس کام کو جاری رکھنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص پیانو بجا رہا ہے۔ تو اسکی انگلیون کی حرکت یا باجے کی آواز خود بخود اسکے دل مین ترتیب کی حرکت کا خیال ڈال دے گی۔ اور یہ احساس اسکو آئندہ کی حرکت کا اشارہ کر دے گا۔ اور یہ عمل اسوقت تک جاری رہے گا۔ جب تک کہ وہ بجانا ختم نہ کرلے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی عادی کام کی رہنمائی کے لیے ہم کو مزید توجہ کی ضرورت نہین ہوتی۔ بلکہ برخلاف اسکے اس کام کا احساس یا جوش ہی ہم کو کام جاری رکھنے پر مائل کرتا رہتا ہے۔ انسان ان احساسات کا کچھ خیال نہین کرتا لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ ہم کو ان کا تھوڑا بہت ہوش ضرور ہوتا ہے۔ اب بُننے کی مثال ملاحظہ ہو۔ اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ ایک شخص باتین بھی کرتا جاتا ہے اور ساتھ کے ساتھ ٹوپی بھی بُنتا جاتا ہے۔ یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بُننے کا عمل کیونکر جاری رہتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کم سے کم یہ بات تو بالکل غلط ہے کہ بُننے کا عمل خود بخود قائم نہین رہتا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ شخص اس عمل کا ہلکا سا احساس رکھتا ہے۔ اور یہی احساس بالآخر اس کی انگلیون کی مختلف حرکات کو جاری رکھتا ہے۔ ہر ایک احساس اپنے سے اگلے احساس کو پیدا کر دیتا ہے۔ دوسرا احساس تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو۔ حتےٰ کہ یہ عمل بافندگی اسی طرح پوری توجہ رکھے بغیر جاری رہتا ہے۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر علم النفس کا یہ مسئلہ ہے۔ کہ عادت کا دارومدار اُن احساسات پر ہے۔ جن کا انسان کو پورے طور پر ہوش نہین ہوتا"

(۳) جن کامون کی ہم کو عادت ہوتی ہے۔ اُن مین وقت بھی بہت کم صرف ہوتا ہے۔ اس امر کی مزید تشریح کی ضرورت نہین کیونکہ ہر ایک شخص اسکا کم و بیش تجربہ رکھتا ہے۔ لیکن پھر بھی اتنا بتادینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی کام نیا معلوم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ دیر ہی مین کیا جاتا۔ تو انسانی زندگی فی الحقیقت مصائب سے پُر ہو جاتی۔ مگر قدرت انسان کی مدد کرتی ہے اور اس لیے وہ عادی کامون کو نہ تو مشکل سمجھتا ہے اور نہ اُنھین وہ دیر سے انجام دیتا ہے۔ بلکہ وہ بہت جلدی پورا کر لیتا ہے۔

اصول عادت کی اہمیت اخلاقی لحاظ سے

یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ عادت ہمارے افعال کو یکسان اور آسان بنا دیتی ہے اور ہمارے چال چلن

ٹھہرا کر مضبوط و استوار کر دیتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس سے کچھ ایسے نتائج اخذ کرین۔ جو دوسرون کے لئے باعث رہنمائی ہو سکین پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ عادت کے بننے کا امکان مقام عصبی (جسمین دماغ بھی شامل ہے) کے مادہ پر منحصر ہے۔ اگر مادہ قدرے نرم ہوگا تو اسکے یہ معنی ہین کہ وہ سخت مادہ کی نسبت اثر قبول کرنے کے لیے زیادہ تیار ہے۔ یہ امر حکمار سے پوشیدہ نہین کہ بچپن مین دماغ جوانی کی نسبت زیادہ تر نرم رہتا ہے۔ اور اس لیے بیرونی اثرات آسانی قبول کر سکتا ہے۔ لہذا والدین کا فرض عین ہے کہ چھوٹی عمر مین جس کو سیکھنے کی عمر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بچون کی عادات کا خاص طور پر خیال رکھین۔ کیونکہ پختہ ہونے کے بعد وہ آسانی سے تبدیل نہین ہو سکتین۔ نوجوانون کو بھی مفید اور حمیدہ عادات کے اختیار کرنے مین بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے نظام عصبی ہماری اچھی اور بری عادات کو ہمیشہ لکھتا رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر اسکے پاس ہماری عادتون کا ایک مکمل ریکارڈ موجود ہے اسلیے ہمین چاہیے۔ کہ "نظام عصبی کو اپنا دشمن بنانے کی بجاے اپنا دوست بنائے رکھین" اور یہ بات صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ ہم پورے صبر و انتظام کے ساتھ اچھی خصائل کے اختیار کرنے مین مصروف رہین۔

"عادت طبیعت ثانیہ ہے" اور ڈیوک آف ولنگٹن تو یہ کہتا ہے کہ عادت طبیعت سے دس گنی بڑھکر ہے" اور جس درجہ تک یہ قول صحیح ہے۔ اس سے کوئی فرد بشر انکار نہین کر سکتا۔ پروفیسر ہکسلے کہتے ہین کہ ایک ظریف نے کسی ایسے بوڑھے سپاہی کو جو اپنے گھر کھانا لیجا رہا تھا۔ یکایک مخاطب کرکے کہا "اٹینشن"۔ یہ کلمہ سننے کے ساتھ ہی اس نے اپنے ہاتھ چھوڑ دیے اور تمام کھانا زمین پر گر پڑا۔ یہ واقعہ اگرچہ قابل اعتبار تو معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ صحیح نہو۔ بہرحال وجہ یہ ہے کہ فوجی ورزش مکمل طور پر ہو چکی تھی۔ اور اسکے اثرات نظام عصبی مین رچ گئے تھے۔"

"عادت ہی ہم کو قانون کی حد کے اندر ... رکھتی ہے۔ یہی ماہی گیرون کو جاڑے کے دنون مین بھی سمندر مین رکھتی ہے۔ یہی کان کن کو کانون کے اندھیرے مین ٹھہرنے کے لیے مجبور کرتی ہے۔ یہی انسانون کو تربیت کے اصولون کے موافق پیکار زندگی لڑنے کے لیے تیار کرتی ہے۔ پچیس برس کی عمر سے ہر نوجوان ڈاکٹر، تاجر یا بیرسٹر کے عادات و اطوار پختگی اور یکسانیت اختیار کرنے لگتے ہین۔ اور پھر ذرا ذرا سی باتین اسکے چال چلن اور خصائل کا جزو سمجھی جاتی ہین۔ یہانتک کہ تیس برس کی عمر مین اس کا کیرکٹر پلاسٹر کی طرح مضبوط و پختہ ہو جاتا ہے۔ اور

لے یہ وہ لفظ ہے جس کے سننے کے بعد سپاہی حسب حالت مین کھڑا ہو جاتا ہے۔

پھر کبھی اس مین نرمی نہین آتی۔

"اگر بیس اور تیس کا درمیانی زمانہ ذہنی اور خارجی عادات کے بننے کے لحاظ سے نہایت نازک ہے۔ تو بیس سے قبل کا زمانہ تو نہایت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ اسمین عادات اختیار کی جاتی ہین۔ یہی وہ زمانہ ہے جس مین بات کرنے کا طریق۔ حرکات وسکنات۔ تلفظ ولہجہ سیکھا جاتا ہے۔ بیس برس کی عمر کے بعد یہ امر نہایت مشکل ہے کہ کوئی غیر زبان صحیح تلفظ کے ساتھ سیکھی جا سکے۔ اسی طرح یہ بھی نہایت مشکل ہے کہ کوئی ایسا نوجوان اپنے سے بڑے لوگون کی صحبت مین نشست و برخاست شروع کردے جسکو پہلے سے سلیقہ سے بات کرنے کی تربیت نہ دیگئی ہو اسمین کچھ شک نہین کہ وہ اس زمانہ مین شریف زادون کا لباس بھی اختیار نہین کرسکتا۔ خواہ اسکی جیب مین بہت سے روپے ہی کیون نہون۔ سوداگر لوگ اپنا مال اسکے سامنے اس طرح سے رکھین گے۔ گویا کہ وہ کسی بگڑے ہوے رئیس کے آگے رکھتے ہین۔ مگر اسے ٹھیک اور درست مال خریدنے کا کبھی سلیقہ نہین آئے گا۔ کشش ثقل کی طرح کوئی اندرونی قانون اسکے عادات واطوار کو ہمیشہ یکسان رکھتا ہے۔ اور یہ امر کہ اسکے دوست واحباب کو کس طرح سے اچھی چیزین دستیاب ہوجاتی ہین۔ ایک ایسا معمہ ہے جس کو وہ مرتے دم تک کبھی حل نہین کرسکے گا

"اس لیے تعلیم کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے نظام عصبی کو اپنا دشمن بنانے کی بجاے اپنا دوست بنائے رکھین۔ چنانچہ اس امر کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ہم حتی الامکان بہت جلدی مفید افعال و عادات سیکھنے کی کوشش کرین۔ اور ہمیشہ اُن افعال سے پرہیز کرتے رہین۔ جو ہمارے لیے نقصان رسان ہو سکتے ہین۔ ہمین چاہیے کہ ہم روزمرہ کی زندگی کی بہت سی باتون کے خوگر ہوجائین۔ یقیناً اس شخص سے بڑھکر اور کوئی زیادہ بدنصیب نہوگا جو سگرٹ کے جلانے۔ چاء کا پیالہ پینے۔ ہر روز بستر پر لیٹنے اور اُٹھنے مین ارادہ اور غور وفکر کرتا ہو۔ فی الحقیقت ایسا شخص نہایت بدقسمت ہے جس کو کسی کام کے کرنے کی عادت نہین۔ اور جو فقط سوچ مین رہتا ہو۔ ایسے آدمی کا آدھا وقت تو معاملات کا فیصلہ کرنے اور اُنپر افسوس کرنے مین گزرجاتا ہے۔ کہ کیون وہ کام مناسب طور پر انجام پذیر نہوے۔ اگر میرے ناظرین مین کوئی شخص ایسا ہو۔ جو اپنے روزانہ فرائض کو ٹھیک طور سے نہین کرسکتا۔ تو اسکو چاہیے۔ کہ معاملات کو درست کرنے کے لیے وہ اُسی وقت سے تیاری شروع کردے۔

پروفیسر بین نے "اخلاقی عادات" کے باب مین چند عملی اور مفید ریمارک کیے ہین پہلا ریمارک یہ ہے کہ "اچھی عادت کو اختیار کرنے یا کسی بُری عادت کو ترک کرنے مین ہمارا ارادہ نہایت مضبوط و محکم ہونا چاہیے" ہمارا

فرض ہے کہ ہم ان تمام ممکن الوقوع حالات سے فائدہ اُٹھائین جو ہمارے ارادے کو زیادہ مضبوط کرنے مین ہمارے ممد و معاون ثابت ہون۔ اور اگر ممکن ہو تو پبلک کے سامنے حلفیہ عہد کرلو۔ الغرض اپنے ارادے کو ہر ممکن قوت سے زیادہ استوار بناؤ۔ اسکے بعد تمھین اپنے وعدے اور ارادے کے توڑنے کا بہت کم خطرہ رہے گا۔ اور اگر تم وعدہ توڑنے کی نفسانی خواہش کو ہر روز ٹالتے رہوگے۔ تو پھر اسکے دوبارا پیدا ہونے کا بہت کم اتفاق رہے گا۔

دوسرا اصول یہ ہی کہ "جبتک کوئی نئی عادت پورے طور سے تم مین جاگزین نہو جائے اُس عادت کی خلاف ورزی کچھ بھی نہ کرو۔" ایسا کرنا نہایت مضرت رسان ثابت ہوتا ہی ہمین یاد رکھنا چاہیے کہ کسی کام کو لگاتار کرنا بالآخر نظام عصبی کو ٹھیک راستے پر لے آتا ہے۔

شروع شروع مین کامیابی حاصل کرنے کی سخت ضرورت ہے شروع کی ناکامیابی ہماری آئندہ کی تمام قوتون پر پانی پھیر دیتی ہے۔ اور برخلاف اسکے شروع کی کامیابی ایک نئی قوت کے ساتھ ہم کو آگے بڑھاتی ہے ایک مرتبہ کوئی شخص جرمنی کے مشہور فلاسفر اور شاعر گیٹی کے پاس کسی اہم معاملہ کے متعلق مشورہ لینے آیا مگر ساتھ ہی اپنی قوت پر اسکو پورا پورا اعتماد نہ تھا۔ اسپر گیٹی نے کہا افسوس۔ پہلے تمھین اپنے ہاتھون کو اُڑا دینا چاہیے" گیٹی کا یہ قول اسکی پرجوش کامیاب زندگی کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔

اکثر اوقات یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ بُری عادتین یکایک نہین چھوڑی جا سکتین لیکن اگر اپنے ارادے کو تکمیل تک پہونچانے مین کسی قسم کا شک و شبہ ہو۔ تو یہ زیادہ بہتر ہی۔ کہ اس عادت کو رفتہ رفتہ ترک کیا جائے۔ افیون کھانے اور پینے کی خراب عادتین بسا اوقات یک لخت نہین چھٹ سکتین۔ انکے لیے یہی اصول اچھا ہی کہ انھین بتدریج چھوڑا جائے۔ جو شخص ہر روز ناغہ سے لوٹ ارادہ کرتا ہی۔ وہ اُس شخص کے مانند ہی۔ جو ہمیشہ کھائی کے کنارے تک پہونچ کر ہر مرتبہ رُک جاتا ہی۔ اور پھر نئی دفعہ بھاگ کر آتا ہے۔ اِس لیے ضروری ہی۔ کہ ہماری ترقی کی رفتار مسلسل اور لگاتار ہو۔ ورنہ پھر اخلاقی قوتون کا اجتماع ناممکن ہو جائے گا۔

"تیسرا اصول یہ ہی کہ "ارادے کو عمل مین لانے کے سب سے پہلے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو" یہ ظاہر ہے کہ اُسوقت تک کوئی عادت پختگی حاصل نہین کرسکتی۔ جبتک کہ ہم اُسکو عملی صورت نہ دین۔ اور اگر ہم ہر دفعہ پس و پیش کرتے رہین گے۔ تو یہ اخلاقی کمزوری ہمارے کیرکٹر کو پہلے سے زیادہ کمزور کر دینے کے بجاے اور کچھ نہ کرسکے گی۔ ایک انسان کے خیالات کتنے ہی اچھے کیون نہون۔ اور اسکو کتنے ہی اعلے اصول کیون نہ یاد ہون۔ لیکن اگر وہ انکو عملی صورت مین لانے کے لیے عملی مواقع سے کچھ فائدہ نہین اُٹھاتا۔ تو اسکا کیرکٹر کبھی بہتر نہین ہوگا۔ پروفیسر مل کہتے ہین

کہ کیرکٹر درست کردہ وضع کا نام ہے۔ اور وضع فی الحقیقت زندگی کے کاموں اور اصولوں کو ایک خاص اور مضبوط طریقے سے انجام دینے کا نام ہے۔ لہذا ایسا شخص جو اپنے ارادوں اور پُرجوش احساسات کو عملی نتائج سے ناآشنا رکھتا ہے۔ وہ دراصل اپنے آئندہ ارادوں کی تکمیل میں رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ اور یقیناً دنیا میں اس شخص سے بڑھکر اور کوئی قابل نفرت نہ ہوگا۔ جو صرف خیالی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور مردوں کی طرح کبھی عملی کام نہیں کرتا۔ حد سے زیادہ ناول خوانی انسان کو ایک خیالی انسان بنا دیتی ہے۔ اور اس لیے مضر ہے۔ مگر برخلاف اسکے تاریخ انسان کو عملی انسان بنانے میں ساعی رہتی ہے اور اسلیے اسکا پڑھنا ملک و قوم دونوں کے واسطے مفید ہے۔ متذکرۂ بالا کمزوری کا سہل علاج یہ ہے کہ انسان اپنے خیالات اور ارادوں کو ہمیشہ عملی جامہ پہناتا رہے۔"

لیکن یہ نہیں ہوسکتا۔ تاوقتیکہ غیر معمولی کوشش نہ کی جائے۔ اور کوشش کی قوت کبھی زندہ نہیں رہ سکتی جبتک کہ معمولی معمولی باتوں میں باقاعدگی اور عملی پہلو کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ اخلاقی کوشش کے بغیر نہ کوئی عادت اختیار کی جاسکتی ہے۔ اور نہ پرانی عادت کو ترک کیا جاسکتا ہے۔

علم الاخلاق کے لیے ذہنی حالات کا مطالعہ بھی بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ جس دوزخ کا ذکر ہماری مذہبی کتب میں موجود ہے۔ یقیناً وہ اس دوزخ سے بُرا نہیں ہوگا۔ جو اس دنیا میں ہم اپنے لیے بُری عادات کے اختیار کرنے سے پیدا کر لیتے ہیں۔ اس دنیا میں ہم خود اپنی زندگانی کا تانا بانا بُنتے ہیں۔ ذرہ کے برابر نیکی اور ذرہ کے برابر بدی اپنا نشان نظام عصبی کا چھوڑ جاتی ہے۔ جیفرسن کے ایک ڈرامے میں رپ وان ونکل شرابی کہتا ہے۔ کہ میں شراب پینے کی اس فعل کو شمار نہیں کروں گا اچھا وہ شمار نہ کرے اور ممکن ہے کہ مہربان خدا بھی معاف کردے۔ لیکن وہ لکھا جا چکا ہے۔ اسکے نظام عصبی نے فرشتگان حساب کی طرح سے اسکے ہر فعل کو تحریر کر لیا ہے۔ لہذا ہر نوجوان سے امید کیجا سکتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں وفادارانہ مصروفیت کے ساتھ اپنے ایام کو گزارے گا۔ اور ہر صبح سویرے اُٹھکر اپنی نسل کے لیے عملی انسان بننے کی کوشش کرے گا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ جانچ پرتال کرنے کی قوت دن پر دن نہایت خاموشی کے ساتھ اسکے دل میں مضبوط ہوتی جائے گی۔ اسلیے ہر نوجوان کا فرض ہے کہ وہ اس حقیقت سے پہلے سے آگاہ ہو جائے۔ کیونکہ اس قسم کی آگاہی اسکے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔"

بعض اقوال کے مطابق پچیس اور بعض کے موافق تیس برس کی عمر میں انسان کا چال چلن پختہ ہو جاتا ہے اسلیے ضروری ہے کہ اس زمانہ میں ہم بُری عادت کو ترک کردیں۔ بُری عادتیں زہر کے مانند ہے۔ جو انسان کے جسم میں داخل ہو کر پہلے تو اسکے واسطے باعث اذیت ثابت ہوتا ہے۔ اور بالآخر اسکو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر اس

سانپ کے مانند ہے جو انسان کے جسم کے اردگرد لپٹ کر اسکا خون چوستا رہتا ہے۔ یہانتک کہ وہ بیچارہ مرجاتا ہے۔ لہذا نوجوانی مین جبکہ کیرکٹر کا پلاستر قدرے نرم ہوتا ہے۔ ہمین لازم ہے کہ ہم اپنی اصلاح کرلین۔ اور باقی عمر آرام کے ساتھ بسر کرین۔ ورنہ عادت کے پختہ و استوار ہوجانے پر یہ امر قریباً ناممکن ہوجائے گا۔ کہ ہم اسکو ترک کرسکین۔ یا کوئی اچھی عادت اختیار کرلین۔ موجودہ وقت سے اسی صورت مین فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے جبکہ ہم اسی لحظہ سے ارادہ کرلین۔ کہ ہم فلان فلان کام نہین کرینگے کیونکہ اگر بچپن اور جوانی کا زمانہ پس و پیش ہی مین گزرے گا۔ تو اصلاح مرتے دم تک ناممکن ہے۔

(ماخوذ از ولیم جیمز) ضیاءالدین احمد برنی

درس اخلاق

شراب عیش سے مدہوش یا محو الم رہنا — مگر اے دل وفا کی راہ مین ثابت قدم رہنا
حقیقت کیا کھلے گی تجھپہ آرام و مسرت کی — اگر ہے بار خاطر مبتلائے درد و غم رہنا
یہ ہیبت ناک منظر وجہ طول زندگانی ہے — نگہ کے سامنے ہر وقت تصویر عدم رہنا
یہ آوازہ مجازی سلسلہ تمہید حقیقت ہے — ہمارا حلقۂ جنبان در بیت الصنم رہنا
ثبوت رقت قلب اور دلیل آدمیت ہے — کسی بسمل کی حالت سُننے مین آنکھون کا نم رہنا
فروغ سوزش باطن اگر منظور ہے تجکو — مثال شمع ہر اک بزم مین ثابت قدم رہنا
بتا دون اتحاد باطنی کا فلسفہ کیا ہے — دلی جذبات کا شادی و ماتم مین بہم رہنا
تلاش مدعا مین فکر بھی ہمراہ لازم ہے — کبھی دو گام چلنا اور کبھی دم بھر کو تھم رہنا
کوئی پوچھے کہ آخر آئے کیون تم بزم رندان مین — بہت دشوار ہے اعزاز شیخ محترم رہنا
بڑھے گی معرفت اضداد کے منظر سے او غافل — اگر جویائے حق ہے ساکن دیر و حرم رہنا
ہوئی جسوقت فکر رزق شب کو نیند آنے مین — مقدر بول اُٹھا بیدار غافل صبحدم رہنا
تواضع کی ادا دلکش ہی دیکھی گو کسی مین ہو — نہایت حُسن ہے محبوب کی زلفون مین خم رہنا
جہان صبر مین ہو شوق جسکو کامیابی کا — وہ پہلے اہل دل سے سیکھ جائے محو غم رہنا
یہ منظر بھی جہان مین قابل عبرت ہے اے گردون — مرا خاموش رہنا تیرا مشغول ستم رہنا
ہم ایسی زندگی کو زندگی کیونکر کہین محشر — سحر سے شام تک منت کش اہل کرم رہنا

فارس قدیم

اصطلاح کیونکر قائم ہوتی ہے

بعض اوقات جزو بول کر اُس سے کُل مراد لیتے ہین۔ اور وہی لوگون کی زبان پر چڑھ جانے سے زبان کی اصطلاح مقرر ہو جاتی ہے۔ اور اُستادون کے اس اصول پر کہ لغت سے عرف عام (اصطلاح) کی منزل بے چون وچرا کی ہے۔ اُسکو شان اعتبار حاصل ہوتی ہے۔

فارس سے ایران کی اصطلاح کے موجد کون تھے

ٹھیک اسی اصول پر پہلے ایران کو فارس کہا کرتے تھے حالانکہ دراصل فارس ایران کے ایک خطہ کا نام ہے جو جنوب مین خورستان اور کرمان کے درمیان واقع ہے۔ اس عرف کے موجد عرب تھے اور اتبک بھی اُسے پرشیا (Persia) (فارس ہی) کہتے آ رہے ہین۔ مگر عربون کو اس بدعت کے اول مخترع ہونے کی حیثیت سے الزام نہین دیا جا سکتا کیونکہ خود اہل فارس نے پہلے اس رسم کی یون بنیاد ڈالی تھی کہ لفظ عرب جو جزیرۂ عرب کے محض شمالی حصے کے باشندون کے لیے مخصوص تھا کُل جزیرۂ عرب کے باشندون پر بولے جس سے کُل کے لیے جدید اصطلاح ٹھہری اور وہی "زمانہ با تو نسازد تو بازمانہ بساز" والی مثل صحیح ہوگئی۔

ایرانی قوم کی اصل

بہرکیف! حاصل یہ ٹھہرا کہ جب ہم فارس بولین اور اُس سے بموجب اصطلاح بالا ایران مراد لین تو اُس ملک اور اُسمین بسنے والی قوم کی تاریخ عہد پیشین مین آرین قوم سے جا ملتی ہے جن سے انکی نسل قائم ہوی ہے۔ کیونکہ قدیم الایام مین ایرانی اور آریہ ہند وایک تھے۔ جسکے بعد کئی طویل اور ممتد دور گزرنے پر روشنی کا زمانہ آتا ہے جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ آریہ ہندو اور ایرانی جدا جدا ہو جاتے ہین۔

ایران کی قدیم سلطنتین

تو ایک دوسرا دور آتا ہے۔ جو تاریخ مین قدیم ایرانی دور کے نام سے موسوم ہے۔ اسمین ملک کی طاقتین متفرق طور سے منتشر رہتی ہین۔ اُسکے بعد اشوری دور آتا ہے، اب کچھ متفرق طاقتون کا شیرازہ منتظم ہو جاتا ہے۔ اسمین ایکہزار سال قبل مسیح سے اشوری خاندان حکمرانی کرتا ہے۔ یہ زوال پذیر ہوتا ہے تو ۷ صدی قبل مسیح سے مادی سلطنت کا دور فرمانروائی شروع ہوتا ہے۔ یہی ایران کی پرانی سلطنت کہلاتی ہے اسکے خاتمہ اور ۵۵۰ سال قبل مسیح دولت کیانیہ کے ظہور پر اصل فارسیت کا دور آتا ہے۔ اسکندر اعظم کا دبدبۂ جہانگیری ۳۳۰ سال قبل مسیح اسے تاخت وتاراج کرتا ہے۔ پھر ہر طرف بدنظمی اور طوائف الملوکی اپنا تسلط جما لیتی ہے۔ ۲۲۶ سال قبل مسیح تک یہی عالم رہتا ہے۔

پھر ساسانیون کا ستارۂ اقبال اوج پر آتا ہے اور ساسانی خاندان برسر حکومت ہوتا ہے جس کی حکومت کا سلسلہ دورہ آل ساسان برابر ایام قرب (عہد اسلام) سے آملتا ہے -

ہر سلطنت اور ہر حکمران قوم کی ایک عمر طبعی ہوتی ہے - جبتک حکومت آزاد اور رعایا کے دل شاد رہین سمجھو کہ وہ سلطنت اپنی عمر طبعی کے منازل مین ہے مگر جس حکومت مین آزادی کی شان باقی نہو - حکومت زوال سلطنت آل ساسان کرنے والون کے داغون سے نکاثیار معدوم اور ارتقاء ذہنی کے ملکات پابندی اور ضابطہ کا احساس فنا ہو چکا ہو یا ہونے کے قریب ہو تو سمجھ لو کہ اب اس حکومت کا آفتاب لب بام آپہونچا کسریٰ کی حکومت دولت کا جو دیو ایک عالم کے دلون مین بیٹھا ہوا تھا آخر آخر اسکی کچھ جھلک صرف درباروں مین نظر آتی تھی باقی صفائی ... کا زمانہ تھا چنانچہ اس واقعہ سے تاریخی شہادت بہم پہونچتی ہے کہ وہ مشہور رسالہ ... (وفد) جو عربون کی طرف سے اُنکے ایک مشہور پاسبان کی سرگروہی مین ایران گیا تھا اور اس نے انکے دربار کی ظاہری عظمت کو خیال مین نہ لاکر اپنے مشن کے مقاصد کو جس بیباکی اور آزادی سے ظاہر کیا تھا اُسکا کوئی جواب ملک عجم کی وزارت نہ دے سکی -

اس باجبروت اولوالعزم وزارت کے عہد مین ... بہادر اور شیردل سپاہی اس دولت کو ابدالآباد کے لیے نیست و نابود کرکے ایران پر ... ہین یہان سے حکومت فارس کا اسلامی دور شروع ہوتا ہے جو آج تک قائم ہے -

ایران کے ... سیاسی انقلابات مین کئی کئی سلطنتین قائم ہوکر درہم وبرہم ہوگئین ملک کے عام حالات اور اقتضاآت ... تبدیلیان واقع ہوئین ایران کی اصل زبان بھی ان انقلابات کی سرد و گرم تاثیرات سے محفوظ نہ رہ سکی اگر سچ پوچھو تو ایران کی اصل زبان سنسکرت یعنی آریہ ہنود کی زبان سے ملتی جلتی تھی جبتک آریہ اور ایرانی بھی ... ملے جلے رہے ... جیسے جیسے یہ چھٹتے گئے زبان کی مماثلت بھی گھٹتی گئی -

اگرچہ آثار قدیمہ سے اسکا سراغ کہ دولت ... کے قیام سے پہلے سلطنتون کے ردوبدل سے زبان مین کیا کیا اصلاح کس کس وقت ہوئی کسی نے پورے طور پر نہین پایا - مگر تحقیق و تلاش کے دیگر اسالیب سے یہ رمز کچھ کچھ آشکار ہوا ہے کہ دولت اشوریہ کے عہد مین ایران کی زبان مین آرامی اور کلدانی الفاظ کا ویسا ہی دخل و شمول ہو گیا تھا جیسا عربون کی سلطنت کی زمانہ مین لغت فارسی مین عربی الفاظ کا ہوا -

ایرانی زبان کے دور غرض زبان فارسی کی قدیم تاریخ اپنی عہد بعہد تبدیلیون کے لحاظ سے ذیل کے چار دورون مین تقسیم کی گئی ہے۔

(۱) اصل ایرانی دور۔ جس کا آغاز قبل زمانۂ تاریخ سے ہے اور اختتام حکومت اشوریہ کے آغاز پر ہوا۔ اس دور مین زبان اپنے عالم طفولیت مین تھی۔ اور اپنے فطرتی مربیون سے محض ٹھیٹھ اور پیش پا افتادہ اشیاء کے نام اور موٹی جھوٹی ضروریات کے سبق سیکھتی تھی۔

(۲) آرامی دور۔ آغاز ایک ہزار سال قبل مسیح جبکہ ایران مین اشوریہ حکومت کے آفتاب کی روشنی پھیل رہی تھی اور خاتمہ دولت کیانیہ کا آفتاب طلوع ہونے پر (یعنے ۵۵۰ سال قبل مسیح) اس مین مادی سلطنت کا زمانہ بھی داخل ہے اس دور کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اسمین اشوری اور آرامی الفاظ کثرت سے فارسی زبان مین داخل ہوے اور فارسی لٹریچر مین شامیون کے قصص، مذہبی روایات، اور قدیم مراسم (مورخین جنہین خرافات سے تعبیر کرتے ہین) بکثرت نقل ہوآئے تھے کہ مادی لٹریچر اپنے ایام دولت مین بھی اسکے مقابلہ مین کم مایہ اور ناداری رہا لیکن یہ زبان (زند اوستانیہ) و نیز کتب مذہبی کی تدوین ہی تک محدود رہی، عام زبانون پر اس کا رواج تکلم سے نہ حاصل ہوا۔ یہ زبان "زند" کہلاتی تھی۔

(۳) قدیم یا اصل فارسی دور۔ کیانی سلطنت کی دھوم دھام کے زمانہ سے اس دور کا آغاز ہوا۔ اسمین جس زبان کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہوی وہ ایران کے ایک خاص حصہ کی زبان تھی لیکن اس زبان کو یہ عہد کچھ ایسا راس اور خوشگوار آیا کہ ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک اس بولی کا رواج ہوا۔ دوسرے خطون کی سب زبانین کھوٹے سکہ کی طرح بے قیمت ہوگئین اور یہ سب سے مہرہ گئی بعینہ اسی طرح جیسے عرب مین لغت قریش ایک خاص قبیلہ کی زبان تھی مگر بعد اسلام اُسے اس درجہ مقبولیت نصیب ہوی کہ سارے قبائل عرب کی زبانون پر وہی وہ تھی۔

یہ زبان اصل یا قدیم فارسی زبان کے نام سے مشہور ہوی۔ اس لیے اس دور کا نام بھی اصل فارسی دور رکھا گیا۔ اسکے کتبے قدیم اصول کے مطابق بلند ٹیلون اور ٹیکرون کے اوپر پتھر کی چٹانون پر کندہ پائے گئے جو اسفینی یا اشوری خطون مین منقوش تھے۔

(۴) ساسانی دور۔ اس دور کی مدت قیام دولت آل ساسان (یعنے ۲۲۶ء) سے ظہور اسلام تک ہے۔ اسی دور کی زبان پہلوی ہے یہ زبان زمانۂ اسلام تک بلاد ایران مین اچھی طرح شایع و مروج تھی علوم اور

دینی روایات وغیرہ اسی زبان مین مرتب ومدون ہوتے تھے سکہ۔ مہر اور دیگر ضروریات سلطنت بھی اسی
زبان سے پوری ہوتی تھین۔ عقولات یونان کے حصے ترجمہ ونقل کے ذریعہ سے اسمین لائے گئے تھے۔ اسی
زبان سے بغداد کے مشہور علم پرور خلیفہ منصور عباسی کے میرمنشی اور اُسکے عہد دولت کے لائق مترجم عبداللہ
ابن المقفع نے مشہور معروف تاریخی کتاب کلیلہ دمنہ اور دیگر کتب مثل کتاب مزدک۔ خدائی نامہ۔ آئین
نامہ۔ آداب صغیر۔ آداب کبیر وغیرہ کے ترجمہ کین۔ اسی سے جبلہ ابن سالم نے کتاب رستم اسفندیار۔
بہرام گور وغیرہ نقل کین۔ اور اسی سے ہزار افسانہ (اصل کتاب الف لیلہ) اور ملوک عجم کے کارنامے
مشہور عالم ہوے۔

پہلوی کو فارسی وسطی کہنے کی وجہ — پہلوی زبان کو فارسی وسطی بھی کہتے ہین جسکی وجہ یہ ہے کہ اس کا زمانہ قدیم اور
جدید فارسیون کے دورون کے درمیان واسطہ پڑتا ہے۔

پہلوی اور فارسی جدید کا مابہ الفرق — پہلوی زبان اور مروج الوقت یا جدید فارسی زبان کا مابہ الفرق جدید فارسی
مین عربی الفاظ کی کثرت پر شمول ہے۔

عربی الفاظ کی یہ بھرتی فارسی مین زیادہ تر سلطنت عباسیہ کے اثر سے ہوی۔ جب ایرانیون نے دولت
بغداد مین رسوخ پایا۔ سلطنت نے ملکی مالی اعلےٰ سے اعلےٰ خدمات انھین عطا کین ماتحت صیغہ جات مین
مامور یان اور تقررات عمل مین آئے اس سلطنت کے زیر اثر ہوکر عربیت کا جیسا
جیسا رنگ اُنکی رگ و پے مین سرایت کرتا گیا عجمیت کا رنگ ڈوبتا گیا یا مخلوط
ہوتا گیا اخلاق۔ عادات۔ طور طریقہ۔ بات چیت سب کا اس سے متاثر ہونا لوازمات سے تھا۔

پہلوی جدید نے فارسی کا قالب کیا اور کیون اختیار کیا

بہرحال طبقۂ اعیان واشراف جنکی زبان سند مانی جاتی تھی اونھین پہلوی زبان تو یون از یاد رفتہ
ہوگئی کہ الناس علےٰ دین ملوکھم یا اشراف ھم پھر عوام کو اس سے تائب ہونے کی کیا قدرت تھی
نتیجہ یہ ہوا کہ پہلوی زبان کتابون مین اور وہ بھی فرقۂ زردشت کی کتب مقدسہ مین باقی رہگئی۔ اور جدید
فارسی نے جو عجمی قالب مین عربیت کے لعل وجواہر سے مرصع تھی اُسکی جگہ لی۔ سہ

از صحن خانہ تا بہ لب بام از آن من ۔۔۔ وز بام خانہ تا بہ ثریا از آن تست

کتابون مین بند ہوکر یہ زبان مردہ تو ہوگئی مگر پیروان مجوس متبرک سمجھکر اس کی برابر عظمت کرتے تھے

پہلوی زبان کی مذہبی عظمت — کیونکہ وہ اُنکی مذہبی زبان تھی۔ خود جو جدید کتابین اپنے مذہب اور دین کی

لکھتے تو اسی زبان مین لکھتے۔

مذہبی نسبت کے خیال سے کسی متروک یا قدیم رسم اور علامت کو جاری رکھنے کا خیال اکثر قومون مین پایا جاتا ہے چنانچہ مصر کے کاہن ہمیشہ حروف دیموطیقی کے مروج ہوتے ہوے بھی جنکی تحریر آسان تھی اپنے مذہبی آثار اور عبادات کے نقش ہیروغلیفی طریقہ سے ہی کرتے تھے۔ دور کیون جائیے۔ شام کا ملک رسم قدیم کا ابقاء
جب مسلمانون کے قبضہ مین آگیا تو فاتحین کی عربی زبان کے مقابلہ مین وہان کے نصاری کی مروجہ زبانین رفتہ رفتہ بند ہو گئین مگر عرصہ تک نصاری کتابت مین عربی شان سے احتراز ہی کرتے رہے جب لکھتے تو انھین سریانی حروف سے جن سے اپنی خاص زبان کی سواد نویسی کرتے تھے۔

اس تمام تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ فارس یا ایران کی قدیم زبانین چار ہین۔

۱۔ مادی زبان۔ جو مادین کے ایام سلطنت مین اور اُن سے قبل رائج تھی۔ اسکی کتابت کا طرز معلوم نہین ہوا۔

۲۔ ژند۔ جو ژندافستہ وغیرہ کتب دین مین استعمال ہوی ہے اور اسکے سواد دوسرا کام اس سے نہین لیا گیا۔

۳۔ فارسی قدیم۔ اسکے متعلق بجز اُن مکاتیب کے جنمین کچھ قصص وغیرہ اسفینی حروف مین کندہ تھے اور کوئی مزید علم حاصل نہین ہوا۔

۴۔ پہلوی۔ جو آل ساسان کے زمانے کی زبان ہے۔

اسکے بعد اب پانچوان نمبر جدید فارسیت کا ہے۔ جو فی زمانہ کئی صدیون سے شایع و مستعمل ہے اسکی چند فروع ہین جنمین سے زیادہ شہرت یاب اور مروج افغانی۔ بلوچستانی۔ کردی۔ پامیری۔ اور اوسی ہین۔
اہل فارس جو اصلاً و نسلاً آریہ ہین' اپنی گزشتہ عظمت' اور قدیم کارنامون کے اعتبار سے حکمران قومون کے صدر رہین' انکی حکومت و فرمان روائی کے سکہ سے آج تذکرہ نویس کے قلم کا زہرہ آب ہوتا ہے جب اُسے فارس و یونان کے محاربات صفحۂ قرطاس پر لانے پڑتے ہین۔

آئینہ تاریخ مین جب یہ مرقع پیش نظر ہوتا ہے کہ یونان کے مقابلہ پر ایران کی ٹڈی دل فوجین اُمڈی ہوی ہین جنکا پڑاؤ وسط ایشیا سے بحر ابیض تک ہے (اور جن کا ایک ایک پیادہ فوج شاہان ہفت کشور سے چشمک زنی کا حوصلہ رکھتا ہے) تو وہ لرز جاتا ہے۔

جسکے اہل سیف مین افراد کی شجاعت کا یہ عالم ہو اُس قوم کے علمی و عملی گروہ مین کہان تک ذہنی و دماغی

صلاحیت والے ہون گے۔

کسی قوم کی روشن دماغی کا معیار اُسکی تاریخ قدیمہ زمانہ سے معلوم کیا جاتا ہے۔ اہل فارس کے پاس اُنکے ہی علوم قدیمہ کیا کم تھے (یعنے از قبیل طبعیات و ریاضیات و نجوم وغیرہ) تاہم اگر اُن سے قطع نظر کی جائے تو اشوریین اور اہل بابل کا جو سرمایۂ علوم اُنکو پہونچا اُسکی قدر و قیمت کا کیا ٹھکانا ہے پھر اُنکے بنی اعمام اہل ہنود کے علوم۔

کتابت و تحریر کی حیثیت سے دیکھا جاے تو بھی اُنکا عہد عتیق تاریک نہین پایا جاتا، اس امر پر کہ وہ تحریر کتابت کے ماہر تھے وہ کتبات۔ لوحین اور پتھر کی چٹانین۔ روشنی ڈالتی ہین جو اسکندری افواج کے بلاد فارس کو تاخت تاراج کرتے وقت جذبات تخریب آثار کا ہدف بنین

افواج مذکور جب بلاد فارس پر چھا گئین تو پہلے قدیم و کہنہ بنائین منہدم کین۔ فوج مفتوح کے تمدن کے آثار مٹاے۔ اور اسمین یہانتک کد کی کہ پتھرون کی لکیرین تک مٹا ڈالین۔ علمی خزائن و دفائن جو کچھ ہاتھ آئے وہ یونانی و قبطی قالبون مین ڈھالے گئے۔ چینی و ہندی علوم اسلاف کے باقیات صالحات جو ترکۂ عظمت کی بڑی پونجیان تھین دفعتہً اُنکے ہاتھ سے چھین کر مصر کے بازارون مین پہونچ گئے۔

ایرانی علوم کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ صنائف علوم مین ایرانیون کے مایہ و بساط صرف یہی علوم نہ تھے۔ اُنکے پاس علوم اولین کا نہ منقوش سرمایہ بھی تھا جسمین اہل روما۔ فارس اور کلدانیہ کی علمی بلند آہنگیان تحریر کے افسون کا شکار بنی تھین۔ جنکی نسبت علامہ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ

"شاہ طہمورث نے بخوف دستبرد آتش و باران نایاب علمی کتابین اعلےٰ قسم کے سہات کے پترون اور لوحون پر کندہ و منقوش کراکے اُستاق مین سونپ دی تھین"

اُن کتابون مین زیادہ تر علم نجوم اور اُنکے علل حرکات کے مضامین کی کتابین تھین، جو اہل فارس روما اور کلدانیہ کے مخصوص علوم تھے۔ انمین سے اکثر کتابین اپنے مضامین کے لحاظ سے نہایت ہی بیش بہا اور نایاب روزگار تھین۔

اس دفینہ کے سوا اور بھی متعدد علمی دفائن اُنکے ہاتھ چڑھے تھے جنمین سے بعض کے مضامین کھلے اور بعض کے نہ بھی کھلے۔

مخفی نہ رہے کہ ممالک غرب مین علمی مضامین کی کتابون کو کندہ و منقوش کراکے اس طرح محفوظ

صورتون مین رکھنے کا پرانی تہذیبون کے دور مین عام رواج اور مذاق تھا جس کی نسبت علامہ یوسف اپنا ایک چشم دید واقعہ درج کرتے ہین کہ

"میرا مشاہدہ ہے کہ ابوالفضل ابن عمید نے ۳۵۰ھ یا اُس سے قریب تر موقع پر کچھ منقوش گرد شدہ کتابین یونانی زبان کی جیسی جو اصفہان کی شہرپناہ سے نکلی تھین ان کتابون مین فوجی اصطلاحات وفوجی انتظام رسد وغیرہ کے مفصل ومشرح حالات درج تھے"

"یہ کتابین یوحنا ایسے ماہرین فن کی بلیغ سرخ بزاریون سے دستیاب ہوی تھین"

اگرچہ اسمین کلام نہین کہ آغاز عہد سابور ابن اردشیر ساسانی تک علوم فارس کا اطلاق اُنکے پاس عہد سابور ابن اردشیر صرف چند اشعار واخبار کچھ کتب عقائد ومذاہب پر کیا جاتا تھا مگر قرن ثالث کے وسط عہد مذکور مین جب فرقہ مانویہ پیدا ہوا۔ شاہ سابور کسریٰ وایران واہل روم یعنے ذریات قیصر مین لشکر آرائی کی نوبت آئی۔ اور جس کا خاتمہ شاہ سابور کی فتح وظفر پر ہوا۔ اسی فتح کے بعد علم وفن کی روشنی بھی مطلع فارس پر نمودار ہوی۔

بعد اختتام جنگ فاتح جانشین آلِ ساسان بشمار قیدیان جنگ وبیش قرار مال غنیمت کے ساتھ قلمرو ایران کو شہنشاہی تزک واحتشام سے جشن عشرت برپا کرتا مظفر ومنصور واپس آیا۔

رومی غلام یا اسیران جنگ بیشمار تھے۔ اور باوجود فوج مین تقسیم ہونے کے جنکی ایک کثیر تعداد قیدکی کڑیان اب بھی جھیل رہی تھی وہ سب دارالامارہ مین موکب ہمایون پہنچنے پر بموجب فرمان شاہی آزاد کرکے ایک خاص مقام پر خوشنما آبادی کی صورت مین بسائے گئے۔ ماندوبود کے انتظام مین اونکی کافی اعانت کی گئی۔ اور اس بستی کا نام بھی بکمال مرمت شاہی جندسابور قرار پایا۔

روم چونکہ ایک مردم خیز سلطنت تھی اس لیے ان اسیرون کی جماعت مین صدہا اشراف واہل علم بھی قید ہوکر آئے تھے۔ جن کے شریف دلون نے تحریر رقبہ ودیگر الطاف وعنایات شاہی کا خاص طور سے اثر لیا۔

اُنھون نے جذبۂ تشکر و امتنان سے مغلوب ہوکر انعامات شاہی کے معاوضہ مین کسی علمی یادگار کی خدمت اپنے سر لینے کا آئیڈیا قائم کیا جس کا پیرایۂ عمل یہ تھا کہ فارس کے علوم قدیمہ جو کابدیونانی مین ضوفشان ہین وہ نقل وتراجم کے ذریعہ سے اپنے اصلی قالب مین پھر ڈھالے جائین۔ جابجا مکاتب ومدارس کھولے جائین اور اُنکی تعلیم وتدریس کا ملک مین مذاق عام پھیلایا جاسے۔

اس پاکیزہ تجویز کو گوش شاہی تک پہونچنے کا شرف حاصل ہوا، اور بعد منظوری کچھ لوگ منجانب سلطنت ممالک روم کو علوم و فنون قدیمہ کی کتابین فراہم کرکے لانے کے لیے روانہ کیے گئے۔ جو وہان سے فلسفہ کی مختلف شاخون کی بہترین کتابین تلاش کرکے لائے، اور پھر اُنکے نقل و ترجمہ کی مبارک خدمت اُن اشراف روم کے ہاتھ سے سرانجام کو پہونچی، جو اس خیال کے محرک اور اصلی باعث ہوے تھے۔

کتابین جو جو ترجمہ ہوتی گئین اُنکے متعدد و متعدد نسخے شاہی خطاطون سے نقل کرائے جانے لگے۔

اور بعد ان سارے اہتمامون کے ایک شاہی کتاب خانہ ترتیب پایا جسمین بحسن اہتمام یہ گنج علوم آراستہ کیا گیا اس کتب خانہ کے متعلق ایک جماعت اساتذۂ کاملین فن کی بھی جمع کی گئی تھی جو کتب خانہ مین رہکر مطالعہ سے فیضیاب ہونے والے منتہی طلباء کے اشکالات کو رفع کرتی اور مبتدی طلباء کو درس دیتی تھی

احیاء علوم کے اس تمہیدی دور کے بعد ایران مین بہت سے دور گزرے جسمین ترقی و اشاعت پر بیدریغ اور باثمر کوششین ظہور مین آئین۔ علوم و فنون کی ندیان بہین۔ علمی بلند آہنگیون نے جہالت و تقلید کی آوازون کو پست بلکہ معدوم کردیا۔ مگر اُن مین عہد سابور کی اس فضیلت سے فوق نہ حاصل ہو سکا کہ اُن ندیون کا سرچشمہ یہی دور تھا، اور وہ بلند آہنگیان اسی دور کی بازگشت آوازین تھین۔ بقول

اول آنکس کہ خریدار شدش من بودم	باعث گرمی بازار شدش من بودم

اس عہد کے بعد معروف بہ بادشاہ عادل یعنے نوشیروان کا عہد[1] آتا ہے۔ جسمین معدلت و داد گستری کے ساتھ ساتھ تاریخ فارس مین اشاعت علوم و فنون کے بھی ایک زرین باب کا اضافہ ہوا۔ اور ایران اہل علم کا دنگل اور بازی گاہ بنا۔

اس شاہ حق نواز کے ذوق علم و قدر افزائی اہل علم کا شہرہ سن سن کر اکناف عالم سے ارباب فن کو سرفرازی کی امید کھینچ کر ایران لے آتی۔ جہان امید سے افزون اُنکی قدر افزائی کی جاتی۔ پُر الوان دسترخوان چنا ہوا اُنھین ملتا جسمین صرف بسم اللہ کرکے وہ شریک ہوجاتے۔

اسی طور پر ایران مین یہ علمی بازار جمتے گئے اور علمی چرچے بڑھتے گئے۔ اس دعوت مین اکثر روم کے وہ فلاسفر بھی کھنچکر آئے جو جسٹنین قیصر رابع کے مظالم استیصال و ثنیت سے تنگ آکر روم سے چل نکلے تھے یا پابہ رکاب تھے۔

[1] (س) ابتداے ۵۳۱ء لغایت ۵۷۸ء

۲- ان فلاسفہ سے زبان فارسی مین مختلف فنون منطق۔ طب و علوم فلسفہ وغیرہ کی کتابون کی تالیف وتدوین کا کام لیا گیا۔

بہرکیف نوشیروان کے ذوق علم پرستی و عالم نوازی سے بیشمار علمی تالیفات فارسی مین پیدا ہو گئین۔ اور تھوڑے زمانے کے بعد فارسی مین ایک علمی زبان کی شان پورے طور پر نظر آنے لگی۔

نوشیروان کا ذوق علمی صرف اس تالیف و تدوین کی غائبانہ اعتنا پر قناعت پذیر نہ تھا۔ بلکہ اُسکے یہان ہر ماہ ایک علمی دربار بھی ہوا کرتا تھا۔ جسمین تمام علماء و فلاسفہ کو حاضر ہونے کا حکم تھا۔ اور صرف اجلہ فلاسفہ کو تقریر کی اجازت ملتی تھی۔ جو بطور مناظرہ مکالمہ و مذاکرہ کے اپنے اپنے نشاءت تحقیق پر تقریر کرتے جن سے سینون کے علوم پر صیقل پھرتا۔ حریف علماء کو اسپر جرح و تعدیل کا بھی حق ہوتا تھا اس بحث و مکالمہ کی سماعت سے خود نوشیروان کو فلسفہ[1] کا وہ علم حاصل ہوگیا تھا کہ بعض اہل یونان اُسے تلمیذ افلاطون کہتے تھے

۲- نوشیروانی عہد مین صرف اُنھین علوم پر توجہ نہین کی گئی جو یونانی زبان مین تھے۔ بلکہ سنسکرت سے ہندی علوم بھی ذریعہ نقل و ترجمہ فارسی مین لائے گئے۔

۳- ان باقاعدہ علمی ترقیون کے ذیل مین اُس مشہور عالم شفا خانہ کا ذکر نہ کرنا قانون تذکرہ نویسی کی رو سے ایک جرم کا مرتکب ہونا ہے جو جندیسابور مین قائم کیا گیا تھا۔

اس شفا خانہ مین اگر ایک طرف مریضون کا علاج کیا جاتا تھا تو دوسری طرف طلباء کو طبی تعلیم دی جاتی تھی۔ تعلیم و معالجہ کے کام پر ہند و یونان کے مشاہیر و نامی اطباء مامور تھے۔ ہر ایک اپنے اپنے اصول سے علاج کرتا اور تعلیم دیتا تھا۔

اس شفا خانہ کا کام اور اُسکے بعد اُسکا نام ایک عرصہ تک اُسکے رفاہ عام کی وجہ سے چلتا رہا کیونکہ اس زمانہ مین اپنے طرز کا یہ واحد شفا خانہ تھا بلکہ زمانۂ اسلام تک بھی اُسے خاص شہرت نصیب رہی۔ جسکے نمونہ پر کئی صدی بعد خلیفہ مامون الرشید عباسی نے بغداد کا شفا خانہ قائم کیا۔

بہرحال ان حالات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اہل فارس قدیم سے علوم و فنون کے سرپرست رہتے آئے ہین۔ انھون نے علوم فلسفہ اور فنون منطق۔ طب۔ نجوم۔ شعر کو خاص طور پر اہل یونان و ہند اور اہل چین سے لے کر مدون کیا۔ اور پھر ایسی وسعت دی کہ گویا اُنکے اپنے علوم ٹھہرے۔

---

[1] بعض اہل علم کی رائے ہے کہ یہی فلسفہ صوفیاء کرام کا اساس تعلیم ہے۔

ان تدوینات کو عہد نوشیروانی کی ہوا خاص طور سے راس آئی کیونکہ نوشیروان عادل تھا۔ اور علم کے پھلنے پھولنے کے لیے عدل و آزادی کا سایہ درکار ہوا کرتا ہے۔

(۳)

تحریر کتابت فارسی قدیم مین ۱۔ اگرچہ تحقیق حال نے اس امر پر کوئی روشنی نہین ڈالی کہ اصلی ایرانی عہد مین کوئی خط ایران مین رائج تھا۔ یا نہین؟

۲۔ مگر عہد آرامی مین جبکہ تہذیب حکومت سالقہ سے بیرو راثۃً منتقل ہوی تھی کسی طرح سمجھ مین نہین آتا کہ جملہ سامان تمدن کے مہیا ہوتے ہوئے تحریر رواج پذیر نہو۔ پس جہانتک تفحص کیا گیا یہ امر قرین قیاس پایا گیا کہ غالباً اسوقت میخینی خط کا رواج ہوگا۔ جس سے لغت بابل و آشور کی کتابت ہوتی تھی اور جسکے حروف کی شکل یہ ہے۔ ملاحظہ ہون اشکال نمبر ۱۔

نمبر (۱)

بعد ازان جب آرامی خط جو فینقی خط سے متفرع تھا اور جس سے اہل بابل و اشوریین نے بھی کام لیا تھا اشاعت پذیر ہوا تو اسکو اہل فارس نے بھی اختیار کیا۔ اور زیادہ تر اخبار وغیرہ کی تدوین اُسی خط مین ہوی۔

ہند و فارسی کے اشاعت یافتہ خطوط اسی کی شاخ ہین۔ جنکی اشکال یہ ہین۔ ملاحظہ ہون اشکال نمبر ۲۔

نمبر (۲)

۳۔ عصر فارسی اول۔ یعنی عہد دولت کیانی مین میخینی خط سے کام لیا گیا۔ جسکے کتبات اب تک بعض بلند ٹیلے اور نصب کردہ پتھرون پر پائے جاتے ہین۔ اچھی طرح پڑھے جاتے ہین۔ اور حیرت ہوتی ہے کہ جن حروف کو کندہ ہوئے تقریباً ۲۴ صدیان گزر گئین۔ وہ ایسے واضح و روشن ابتک کیونکر رہ سکے۔ ان کتبات کے چارسو کلمات تک دریافت کیے گئے۔ اور محسنین آثار قدیمہ نے بچشم خود دیکھے ہین۔

۴۔ عصر ساسانی یا فارسی وسطی۔ اس عہد مین ژندی حروف سے کتب مقدسہ کی کتابت رائج تھی۔ جس مین تین (۳) حروف ساکن اور گیارہ (۱۱) حروف متحرک استعمال ہوتے تھے۔ عام کتابت پہلوی خط سے ہوتی تھی۔

۱؎ اس عہد کے دو ٹکڑے ہین۔ اول [illegible] قبل مسیح سے [illegible] قبل مسیح تک جسمین تخت و تاج اشوریین کے ترقی قدم کو بوسہ دیتا تھا۔ اور دوسرا ٹکڑا اوسط [illegible] قبل مسیح تک جسمین مادیین کا ستارۂ اقبال افق ایران پر چمکتا تھا۔

۲؎ یہ خط آج بھی اُن مقامات پر رائج ہے جہان اشوریین کا وجود ہے مثل مابین النہرین وغیرہ کے۔

یہ خطوط باہم بھی اور آرامی سے بھی مختلف تھے۔

پہلوی حروف کی دو مختلف شکلیں ہیں جنہیں سے ایک کو پہلوی آرامی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور دوسری کو پہلوی ساسانی دونوں کی اشکال نقشہ میں ملاحظہ کیجیے۔

نمبر	پہلوی آرامی	پہلوی ساسانی	حروف ہم آواز	نمبر	پہلوی آرامی	پہلوی ساسانی	حروف ہم آواز
۱	[illegible]	[illegible]	ا	۱۰	[illegible]	[illegible]	ی
۲	[illegible]	[illegible]	ب	۱۱	[illegible]	[illegible]	ک
۳	[illegible]	[illegible]	ج	۱۲	[illegible]	[illegible]	ل
۴	[illegible]	[illegible]	د	۱۳	[illegible]	[illegible]	م
۵	[illegible]	[illegible]	ہ	۱۴	[illegible]	[illegible]	ن
۶	[illegible]	[illegible]	و	۱۵	[illegible]	[illegible]	ف
۷	[illegible]	[illegible]	ز	۱۶	[illegible]	[illegible]	ر
۸	[illegible]	[illegible]	ح	۱۷	[illegible]	[illegible]	س
۹	[illegible]	[illegible]	ط	۱۸	[illegible]	[illegible]	ش
						[illegible]	تش

انکے سوا پہلوی حروف کی چند اور شکلیں بھی ہیں۔ جو ایک دوسرے سے ویسی ہی مختلف ہیں جیسے ہمارے یہاں خط نسخ نستعلیق سے مختلف ہوتا ہے۔ جنکے استعمالات مختلف طور پر ہوتے تھے۔ مثلاً وہ حروف جو سکون پر نقش کیے جاتے تھے اُن حروف سے مختلف ہوتے تھے جو پتھروں پر کندہ کیے جاتے تھے۔ اور پتھروں کے کندہ شدہ حروف کتابت کے حروف سے مختلف ہوتے تھے۔

ان پہلوی حروف کے کتبات بھی ایسے دریافت کیے گئے ہیں جو اسفینی کتبات سے بھی قدیم ہیں۔ اگرچہ صدمۂ ایام کی وجہ سے اُن کے نقوش مدہم پڑ گئے ہیں۔

ان کتبات دریافت شدہ میں زیادہ تر کتابی حروف کے ہیں، اس میں ایرانی فوج کے سردار عرب سرداران فوج سے جنگی معاملات کے متعلق مراسلت کیا کرتے تھے۔

ان خطوط کی شان فارس میں حکومت اسلامی کے بعد سے عربی خط کی شان سے مبدل ہو گئی۔

مگر باتباع زردشت کتابت کتب مقدسہ مین اُسی کو احتراماً استعمال کرتے ہین کیونکہ اُسی مین قدیم سے کتب مقدسہ کی کتابت ہوتی آئی ہے اس لیے اُسکی حفاظت بھی وہ لوگ اپنے اعتقاد مین جزو ایمان سمجھتے ہین

عالی

مخمس بر غزل جامیؒ

تا کجا از جوشِ وحشت خانہ را صحرا کنم — تا یکے از چشمہاے خود روان دریا کنم
در فراقش این چنین تا چند واویلا کنم — کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم
گہ بہ مکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

گھٹ کے رہ جاتا ہے دل ہی دل مین دل کا حوصلہ — ہوکے مایوسی سے شل گر پڑتے ہین دستِ دعا
آپ تک آنے نہین دیتا ہے بخت نارسا — یا رسول اللہ بسوے خود مرا راہے نما
تا ز فرقِ خود قدم سازم ز دیدہ پا کنم

ہجر کی اک آگ سینہ مین ہے کب سے مشتعل — یہ تمنا ہے کہ جب ٹوٹے طلسمِ آب و گل
قبرِ عاشق بھی درِ معشوق سے ہو متصل — آرزوے جنت الماوی برون کردم ز دل
خفتم این بس کہ بر خاکِ درت ماوا کنم

سوے یثرب یون چلا ہون حزن مین ہو دل ملول — دامن غربت مین تیرے گلشن اُلفت کے پھول
زندگی بھر کی وہان ہوجائیگی محنت وصول — گرد صحراے مدینہ بوئیت آید یا رسول
جان خود را من فداے بوے آن صحرا کنم

آرزو ہے جب زیارت کا ہو حاصل افتخار — دل جو پہلو مین تو سینہ مین جگر ہو بیقرار
یون طوافِ روضۂ اقدس کرون دیوانہ وار — بر درِ باب السلام آیم بہ گریہ زار زار
گہ بہ بابِ جبرئیل از شوق واویلا کنم

ہین پسندِ طبع بس اشعار حمد و نعت کے — دل کو بھاتے ہین شب معراج ہی کے تذکرے
کام ہے اب صدق کو شام و سحر انھین اشغال سے — مُردم از شوق تو معذورم اگر ہر لحظہ
جامی آسا ہر زمان وصفت دگر املا کنم

صدق جائسی

شاہی کچہریان

آخری شاہ اودھ جان عالم ابوالمنصور ناصرالدین سکندرجاہ مرزا محمد واجد علیشاہ بہادر متخلص بہ اختر کے عہد مین وزارت کے عہدے پر پہلے نواب امین الدولہ عمدۃ الملک امداد حسین خان بہادر ذوالفقار جنگ تھے یہ سی وقت بادشاہ کے اُستاد تھے لیکن ذرا ثقل سماعت تھا۔ایک روز نواب امین الدولہ بہادر بگھی پر سوار دردولت پر جارہے تھے کہ ملکہ زمانیہ کے امام باڑے کے قریب حیدرخان و فضل علی و تفضل حسین و علی محمد نے بندوقین سرکین اور ایک آدمی نے پاؤن پکڑکر بگھی سے کھینچ لیا اور شانہ وساعد پر کئی زخم کاری لگائے اور چھریان کھینچ کر نواب کو حلقے مین لے لیا۔نواب رزیڈنٹ بہادر کو خبر ہوگئی اور وہ بروقت آگئے دشمنون کو گرفتار کرکے نواب کی جان بچائی بادشاہ نے انکی جگہ پر مدارالدولہ منتظم الملک علی نقی خان بہادر سہراب جنگ کو عہدۂ وزارت پر ممتاز فرمایا۔

بادشاہ کے عہد مین کچہری کا عملہ بہت معقول تھا جس کا بیان ضروری ہے۔

دیوان خاص۔اسکا افسر داروغہ دیوان خانہ کہلاتا تھا۔تمام شاہی احکام داروغۂ دیوان خاص کے نام جاری ہوتے تھے زبانی پیام بھی حضور کے دیوان خاص کی معرفت آتے تھے اور دردولت کی تمام فرمائشون کی تکمیل دیوان خاص سے ہوتی تھی۔دیوان خاص ایک بہت وسیع عمارت مین تھا جو حضرت گنج مین دردولت کے سامنے تھی بادشاہ سے سلام کرنے والے لوگ دربار مین حاضر ہونے والے لوگ دیوان خاص مین عرضی بھیجتے تھے۔

دیوان عام۔یہ کچہری دیوان خاص کے ماتحت تھی۔تمام خبرین اسکی معرفت پیش ہوتی تھین اور عام مقدمات کی اپیل سُنی جاتی تھی۔ایسی عرضیان جن سے دردولت کو کوئی تعلق ہوتا تھا پیش ہوتی تھین مہتمم اسکا داروغۂ دیوان عام ہوتا تھا یہ دفتر بھی دردولت کے سامنے تھا۔

دفتر خزانۂ مصارف۔اس دفتر مین تمام خرچ اور آمدنی کا حساب بمقابلۂ دفتر دیوانی مرتب ہوتا تھا اور دیوانی علاقون مین خزانچی روپیہ موجود رکھتے اور ترسیل زر کے لیے صدر خزانہ کی طرف سے مقرر ہوا کرتے تھے اور تنخواہ عدالتون کے ملازمون اور شاگرد پیشون کی خزانے سے تقسیم ہوتی تھی۔اور اعلے افسر دبیرالدولہ مدبرالملک میر عبداللطیف خان بہادر مقیم جنگ تھے۔

بیت الانشا۔یا دفتر منشی خانۂ سلطانی۔اس دفتر مین سرکاری حکم تحریر ہوا کرتے تھے اور ان کی نقل

محافظ خانہ سرکاری مین بھیجدی جاتی تھی اور پیام رازونیازانہ کی حفاظت کی جاتی تھی اور ایک منشی الملک سردفتر مقرر ہوتا تھا۔ اس دفتر مین مقدمات کے فیصلے اور عرضداشت کے جواب لکھکر بادشاہ کے سامنے پیش کرتے تھے حضور دستخط سے مزین فرماتے تھے۔

دفتر وزارت۔ اس دفتر کا تعلق براہ راست وزیر سے ہوتا تھا۔ دفتر کے ملازمون کی بحالی اور موقوفی کا اختیار وزیر کو ہوتا تھا۔ داروغۂ دیوان خانۂ وزارت کی معرفت تمام احکام وزارت نافذ ہوتے تھے اور جملہ کاغذات احکام وحساب وکتاب شاہی بغیر نشانی دفتر وزارت غیر معتبر سمجھے جاتے تھے۔ وزارت کے تمام احکام عدالت کے دفترون مین بھیجے جاتے تھے۔

چور کچہری۔ بادشاہ کی طرف سے یک کچہری ہوتی تھی جو خفیہ اوباشون اور بدوضعون کا حال دریافت کرنے کے لیے مقرر کی جاتی تھی۔

سررشتہ اخبار ڈیوڑھیات۔ اس محکمے کے ہرکارے محلات شاہی اور روسا وامرا کی ڈیوڑھیون پر مقرر ہوتے تھے کہ خبرین لایا کرین اور پرچے خبرون کے تحریری بذریعہ مہتمم پیش ہوتے تھے اور خبر تدارک طلب پر احکام مناسب صادر ہوتے تھے۔

کوٹ گشتی۔ اس سررشتے کی طرف سے خفیہ پولیس کے لوگ تمام شہرون مین گشت کرتے تھے اور کچہریون کے عاملون اور شاہی ملازمین کے خیالات اور پبلک کی خبرین اور ضروری امور کی رپورٹ بذریعہ تحریر پیش کرتے تھے۔

سررشتہ روند۔ اس کا تعلق پولیس سے تھا یا ایک ایک انسپکٹر حلقہ چند سوار اور سپاہیون کے ساتھ شب و روز گشت کرتا تھا اور جرائم پیشہ لوگون کو گرفتار کرکے تھانے مین بھیجدیتا تھا اور فوجداریون کی رپورٹ کرتا تھا۔

سررشتہ اخبار ملکی۔ اس کچہری کے دفتر سے ایک ایک رپوٹر تمام علاقون اور تحصیلون مین مع ہرکارون کے ناظم اور چکلہ دار اور تحصیلدار کے تعینات رہتا تھا اور ہر ایک رپوٹر ہرکارون کی معرفت زمینداران اور رعایا کے خیالات سے اعمال کو اطلاع دیتا اور اس کا مہتمم اُن اطلاعون کو شاہی دفاتر مین بھیجدیتا تھا۔ جو بات لائق تحقیقات ہوتی اُسپر حکم نافذ ہوتا۔

سررشتہ اخبار دفتران شاہی۔ اس سررشتے کی طرف سے دفتر وزارت۔ دفتر دیوانی۔ دفتر فوجداری بخشی گری

اور جملہ کچہریوں مین ایک ایک اخبار نویس مقرر ہوتا تھا جو روزمرہ ضروری امور کی رپورٹ کرتا تھا۔

دفتر دیوانی - اس دفتر مین تمام حساب و کتاب مداخل و مخارج معافی جاگیر وغیرہ کا ہوتا تھا اور امانی علاقون پر اہل کار بھیجے جاتے تھے۔

دفتر بیت الاجرا - جو کاغذات منشی خانۂ شاہی سے آتے تھے حسب ضابطہ مہر بیت الاجرا سے مزین ہوکر دوسرے دفترون مین تکمیل تعمیل کے لیے ارسال کیے جاتے تھے - یہ دفتر بیت الانشا کے ماتحت تھا۔

دفتر بخشی گری - اس دفتر سے جملہ احکام ملازمان فوج کے متعلق نافذ ہوتے تھے اور فوج کی تنخواہ تقسیم ہوتی تھی۔

محکمۂ صدر امانت - اس دفتر کا صدر مہتمم صدر امانت کہلاتا تھا اور امین اس محکمے کے اسکے ماتحت ہوتے تھے اراضیات کے متعلق تمام مزارعات کا فیصلہ اسی سررشتہ سے ہوتا تھا۔

محکمۂ عدالت عالیہ - اس کچہری مین تصفیہ ترکہ و املاک و قرضہ وغیرہ کا اور دیگر مقدمات دیوانی کا فیصلہ ہوتا تھا اور دعوٰی متعلق شادی کا عذر پیش ہوتا تھا بعد فیصلے کے چہارم حق کمیشن عدالت مدعی سے لیا جاتا اور خرید و فروخت مکانات کا قبالہ دیا جاتا تھا اور زر فیس کی رسید باضابطہ دی جاتی تھی

محکمۂ کوتوالی - اس محکمے کے ماتحت تمام تھانے تے اور ہر تھانے مین تھانہ دار، محرر، سپاہی حسب ضرورت مقرر ہوتے تھے - مقدمات کی سماعت محکمۂ کوتوالی مین ہوتی تھی اور کوتوال شہر سے ایک اقرار نامہ اس امر کا لیا جاتا تھا کہ جس مال مسروقہ کی سراغ رسانی نہوگی اسکا روپیہ کوتوال سے لیا جاے گا۔

محکمۂ مرافعہ - یہ محکمہ مجتہد العصر کے ماتحت ہوتا تھا اور اسکے افسر شیعہ مفتی مقرر ہوتے تھے اور انکی اپیل مجتہد العصر کے محکمہ مین ہوتی تھی اور محکمہ فوجداری کی اپیل بھی اسی محکمے مین ہوتی تھی۔

سررشتۂ پولیس - یہ محکمہ ڈکیتی اور ٹھگی کے انسداد کے لیے مقرر تھا اس محکمہ مین جمعیت سوار اور پیادون کی کافی موجود رہتی تھی۔

محکمۂ تھانہ صدر لکھنؤ - یہ محکمہ ایک مجتہد کے تحت مین مقرر ہوتا تھا اور تمام تھانون کے فیصلے کی نگرانی کا اسکو کامل اختیار تھا۔

محکمۂ قرضہ - اس محکمہ مین مقدمات فیصل ہوتے تھے۔

محکمۂ بیت الضرب - اس محکمہ کے متعلق ایک ٹکسال تھا جہان روپے پیسے اشرفی پر ٹھپہ لگایا جاتا تھا۔

سررشتۂ نزول - اس محکمہ سے املاک نزول متعلقۂ شاہی کی نگرانی متعلق ہوتی تھی۔

ہوتے تھے۔ اجناس کے نرخ اور پرمٹ کے متعلق قانون نافذ ہوتے تھے۔

سررشتہ پرمٹ۔ اس سررشتے سے اجناس کے نرخ اور پرمٹ کے متعلق قانون نافذ ہوتے تھے۔

سررشتہ آبکاری۔ اس سررشتے سے شراب پر ایک خفیف محصول لگایا جاتا تھا مگر جو لوگ اپنے گھر میں شراب تیار کر لیتے تھے اُن سے کوئی مواخذہ نہوتا تھا۔ شراب فروش کو میونسپلٹی کی حد میں کاروبار کی اجازت نہوتی تھی۔ شہر سے پانچ کوس باہر اسکی دوکانیں ہوتی تھیں۔

سررشتہ دواب۔ اس محکمے میں رتھ خانہ۔ توپ خانہ اور اصطبل کا حساب وکتاب رہتا اور اُنکی ضروریات کا انتظام کیا جاتا تھا۔

محکمہ نظامت۔ ہر نظامت میں تین چار چکلے ہوتے تھے۔ ہر چکلے دار کی ماتحتی میں تحصیلدار محال ہوتے تھے ہر ناظم کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی سواری کا جلوس شاہانہ رکھے اور سواری کے ساتھ چوبدار عصا بردار۔ علم بردار آگے آگے نقیب خوش الحان آواز لگاتے تھے تعلقوں کی آمدنی خزانہ عامرہ سلطانی میں داخل ہوتی تھی اور حساب اسکا متعلق دفتر دیوانی رہتا تھا۔ اضلاع لکھنؤ کا ایک عامل خاص ہوتا تھا اکثر علاقے ٹھیکے پر دیے جاتے اور ٹھیکے دار مستاجر کہلاتے تھے۔ مستاجری میں فوج سپاہی بدستور تعینات رہتی تھی اور وقت ضرورت مدد دیتی تھی عملہ تحصیل و تحریر مستاجر کی تجویز سے مقرر ہوتا تھا ان کو انعامات مستاجر لیتا تھا اور جب علاقہ امانی ہوتا تھا تو اُس وقت بادشاہ کی طرف سے ناظم اور چکلے دار مقرر ہوتے تھے اور تنخواہ خزانۂ عامرہ سے ملتی تھی۔ افواج شاہی کے علاوہ ناظم کے ہمراہ سپاہ سہ بندی ملازم ہوتی تھی۔ ناظم اسکے عزل ونصب کا اختیار رکھتا تھا۔ سہ بندی کے سپاہیوں کو یومیہ دا دو روپیہ ماہوار تنخواہ دیتا تھا اخبار نویس ہرکارے خبر رسان ہر نظامت میں رہتے تھے۔ آغاز سال کنوار کے مہینے میں ہوتا تھا۔ کوئی تعلقدار بغیر ضمانت گیری ناظم کے عدالت سلطانی میں نہیں آتا تھا ناظم اسکو بحفظ تمام علاقے میں پہونچا دیتا تھا۔ تعلقدار اکثر سرکشی پر آمادہ رہتے تھے اور مالگذاری سرکاری برسوں ادا نہ کرتے تھے حتیٰ کہ نوبت فوج کشی کی آتی تھی اور گرفتار ہوتے تھے۔ تو گذشتہ مالگذاری کو معاف کرا کے آیندہ کی ادائی کا عہد واثق کرتے تھے۔ اکثر زمیندار اپنے اپنے علاقوں میں ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ اور کبھی تعلقدار اپنی رضامندی سے زر مالگذاری کے وصول کرنے کا اختیار سرکاری فوج کے متعلق کر دیتا تھا کہ وہ سرکش اسامیوں سے مالگذاری وصول کرے اس بندوبست کا نام جموگ تھا۔

خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی

زبانِ گویا

(خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مدظلہ کا مضمون کسی قدر تصرف خیالات کے ساتھ نظم کیا گیا ہے)

اے زبانِ دہانِ تنگ اے ٹنگ[لہ] تجھکو کس نے سکھا دیے یہ نیرنگ
اے مری عندلیبِ خوش الحان اے مری طوطیِ فصیح بیان

اے بلاغت کی جان جانِ سخن اے فصیح البیان اے ارگن
آلۂ نطق بولنے کی مشین صفتِ خالقِ زمان و زمین

صاحبِ تیغِ بے نیام ہے تو مالکِ گوہرِ کلام ہے تو
قفلِ خلاق کی کلید ہے تو لائقِ دید اور شنید ہے تو

بس کی تو گانٹھ زہر کی پڑیا بولتی چالتی ہوئی گڑیا
تیرے ہر پھول کا ہے رنگ جدا تیرے ہر پھل کا اک نیا ہی مزا

ہر بیان میں ہے تیری سوز و گداز دل میں کھبتا ہے تیرا ہر انداز
بولا کرتی تھی جب ادھوری بول نہ نکلتے تھے منہ سے پورے بول

جب بھی تیرے نہاں نہ تھے جوہر صاف ظاہر تھے دوہرے دوہرے اثر
بھولی باتوں سے گہ ہنساتی تھی کبھی شوخی سے دل دکھاتی تھی

آگئی جبکہ تجھ میں گویائی تازہ گلشن میں اک بہار آئی
پھر تو کھلنے لگے ترے جوہر کام سب منحصر ہوئے تجھپر

اے زبان تیری مدح تیری قسم کر سکے گا بیان نہ کوئی قلم
عربی۔ سنسکرت۔ لاطینی فارسی و تلنگی و چینی

ترکی و روسی و دری و تبتو ارمنی۔ ہندی۔ اردو اور ہیبرو
انگلش و جرمن و فرنچ و گریک سبھی تو پیٹتے ہیں تیری لیک

قوم مرتی ہے تو نہیں مرتی سچ ہے تحریر ہے کہیں مرتی
ذکر تیرا کتابوں میں بیشک نام لیوا ترے ہیں تجھ پر تک

تو ذریعہ ادائے مطلب کا تو نمونہ ہے قدرتِ رب کا
مجھسے اندازہ تیری قدرت کا سچ تو یہ ہے کہ ہو نہیں سکتا

گو کہ تیری بساط ہی ہے کیا اک ذرا سا ہے گوشت کا ٹکڑا
چاہے لیکن تو گردنیں کٹ جائیں دل ہے کیا مال سر تلک پھٹ جائیں

جسکو چاہے ابھی لڑا دے تو پھر جو چاہے گلے ملا دے تو
پھانسی میں بیگنہ کو لٹکا دے چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دے

تو یگانہ کو کر دے بیگانہ ہے یہ افسون ترا نہ افسانہ
میٹھی باتوں سے کرتی ہے جب دام غیر ہوتے ہیں بندۂ بے دام

لہ انگریزی لفظ جسکے معنے زبان کے ہیں۔

تیری باتون مین ہے گھلی شکر قند سے بھی مٹھاس مین بڑھکر بول کڑوے ہین جو ترے لیکن اُنکے آگے ہے مات اندراین
نوک تیری ہے نوک خنجر کی بلکہ اُس سے بھی بڑھکے نشتر کی تیرے کاٹے کا ہے کہان منتر تو ہے مار سیہ سے بھی بڑھ کر
ہان مین تیری عجب لذت ہے ان نہین تیری اک قیامت ہے جھوٹ کو سچ کرے تو سچ کو جھوٹ میل چاہے کرے کرا دے پھوٹ
تو بدلتی ہے رنگ گرگٹ کے تو مٹاتی ہے قوم کو مٹ کے کبھی تو سوز ہے کبھی ہے ساز کبھی دھیمی کبھی بلند آواز
کبھی تو نرم ہے کرخت کبھی گہ ملائم ہے اور سخت کبھی کبھی تریاق ہے کبھی تو زہر کبھی تو رحم ہے کبھی تو قہر
کبھی وعظ کے مُنھ کی ہے تو زبان کبھی مجذوب کی ہے بڑ مین عیان کبھی بھٹیاریون کی گالی گلوچ گندے پانی کی جسطرح ہو موج
باتین متوالون کی اٹرنگ بٹرنگ کبھی کرتی ہی ترے ظاہر ڈھنگ کبھی تو نیک ہی کبھی ہے بد کبھی ضد ہی تجھے کبھی ہے کد
کبھی ناصح کی تو نصیحت ہے عیب جو کی کبھی ملامت ہے کبھی سرکش ہے اور کبھی ہی رام کار آمد کبھی کبھی بے کام
کبھی خاموش ہی کبھی پرجوش متقی ہے کبھی کبھی مے نوش ہے مہذب کبھی کبھی لسّان ہے سیانا کبھی کبھی انجان
کم سخن ہے کبھی کبھی بکّی اپنی دہن کی غرض کہ ہے پکّی کبھی کچھ کہتی کچھ کبھی کہتی ایک حالت پہ تو نہین رہتی
گر ہے سچی تو جان قالب ہے جی کی جنجال ہے جو کاذب ہے جھوٹ غیبت برا بھلا کہنا انھین دھندون مین رات دن رہنا
گر یہی رنگ ہے تیرا کام پھر خدا ہی کرے بخیر انجام گر ہے جھوٹی تو تجھ سے کیا حاصل مُنھ مین رکھنے کے بھی نہین قابل
جھوٹ تو بولے سر کٹائین ہم یہ نہو گا زبان خدا کی قسم لائینگے راہ راست پر تجھ کو اسمین اب چاہے زبان کچھ ہو
تیرا جوہر ہے راست بازی بس جیتے بڑھ کے اب یہ بازی بس کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست راستی موجب رضاے خداست
تجھ مین باقی نہین جو یہ جوہر پھر تو چھیچھڑے سے بھی بدتر نام تیرا بڑا ہے کام بڑے تیری قسمت بڑی ہے دام بڑے
نام تیرا ہے راز دار و امین کام تیرا ہدایت و تلقین نام تیرا ہے کاشف اسرار دل کے بھیدونکی ہی امانت دار
دل کی ہے غمگسار بھی تو ہی دل کی ہے یار غار بھی تو ہی دل موکل ترا ہے تو ہے وکیل ٹھیک اُتری ہی تجھپہ یہ تمثیل

علم ہے اک خزانہ غیبی حوصلہ اسکا قفل تو کنجی دل اگر ہے خزانچی اُس کا تو محاسب ہے فرض تیرا ہے کیا

سچ یہ ہے محل نہ ہونے پائے   پڑین لینے کے دینے تا تجھے جائے
روح سے بھی ترا تعلق ہے   تجھکو ہر عضو پر تفوق ہے

اسکی قاصد ہے اسکی یکتائی   دیکھ پیغام مین نہ ہو خامی
روح کیا شے ہے بولتا دم ہے   یہ سلامت اگر تو کیا غم ہے

تیرے دم سے ہی اسکی ساری دھوم   اسکی کیا دھوم ہے ہماری دھوم
منھ مین ہے قید پھر بھی ہے آزاد   سارے آزادونکی جگت استاد

گو کہ بتیس دانتون مین ہے دبی   ہے نہیں پھر بھی تیری آزادی
ایسی منھ پھٹ کہ منھ پہ کہتی ہے   پیچ دیتی ہے پیچ سہتی ہے

تیرا زیور ہے تیری آزادی   جس کا مٹنا ہے عین بربادی
سچ ہے سونا وہ کون مصرف کا   پھٹ پڑے جس سے کان ہی اپنا

بولتا دم رہے ترا آباد   یہ نصیحت رہے ہماری یاد
بولتی ہے تو بول تلے بول   ورنہ بہتر یہ ہے کہ منھ ہی نہ کھول

بول مین لفظ لفظ کے معنی   بول ہرگز نہ لفظ بے معنی
تیرے رتبے بڑے بڑے درجے   کم وہ رتبے ہین جو بہت گرجے

قول سے فعل ہو نہ تیرا جدا   جتنا کہتی ہے اتنا کر کے دکھا
سوچ کر بات کرنا ہے لازم   تاکہ ہونا پڑے نہ پھر نادم

پھر نہ آئے گی ہاتھ یہ ہیہات   منھ سے نکلی ہوئی پرائی بات
تجھکو دی ہے خدا نے گویائی   خلق کی اپنے کر نہ رسوائی

رکھتے ہین جانور بھی منھ مین زبان   کام کی باتین لیکن ان مین کہان
تجھسے انسان اشرف و افضل   تجھ سے انسان کامل و اکمل

تجھسے انسان کا ہوا اعزاز   ہے خلافت کے درجے پر ممتاز
آبرو ہے ہماری تیرے ہاتھ   دیکھ ایسا نہ کر ہمارے ساتھ

تو جو سیدھی ہے اک جہان سیدھا   تو جو ٹیڑھی ہے اک جہان ٹیڑھا
تو جو ہے بان ہے تو ہے زبان   ورنہ بیشک زبان ہے بلکہ زیان

اس پہ گر تو ہے پیٹ کی ہلکی   خیریت پھر نہیں ہے اک پل کی
عافیت ہو عاقبت کو سنبھال   ہے مثل کیا جیسے بری احوال

کس لیے چال ایسی چلتی ہے   تو جو سوتے مین بھی پھسلتی ہے
گر نہیں تیرا گوش ناشنوا   سن لے پھر یہ قمر کا بھی کہنا

کہین کھینچی نہ جائے گدی سے   کہین دابی نہ جائے دانتون تلے
جو چلا دوڑ کر وہ گرتا ہے   پھر خدا ہی کے گھر سے پھرتا ہے

اے خدا تو نے دی ہے مجکو زبان   شکر اسکا ہو کس زبان سے بیان
پھر زبان بھی وہ دی جو ہے گویا   حیف ہے گر نہ ہو تری جویا

ذکر مین تیرے گر نہ ہو مصروف   اسکا یہ بولنا ہی ہو موقوف
اے خدا کر عطا زبان مین اثر   اے خدا دے مری بیان مین اثر

دے قمر کو بھی رہت گفتاری   نہ کہ ندکار جز نکوکاری

سید قمر الدین احمد قمر سنسلہوی

سنہ ۱۹۱۲ء مین محمود نے کیا کہا تھا؟

(سلسلہ کے لیے الناظر نمبر ۳ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۳ء ملاحظہ ہو)

دوسرا باب

ڈپٹی صاحب "کیون مرزاجی آپ نے ایسا اندھیر کبھی آنکھون سے دیکھا ہے"

مرزا صاحب (اپنی سفید ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر) "اتنی عمر ہوگئی مگر ایسا معرکہ نہ دیکھا نہ سنا نہ کتابون مین پڑھا۔ واللہ مجھے تو پہلے یقین نہین آیا۔ مگر جب احمد علی صاحب نے فرمایا کہ یہ انکا چشم دید واقعہ ہے تو مین سکتہ کے عالم مین رہگیا۔

احمد علی "حضرت میرے تو ہنستے ہنستے پیٹ مین بل پڑ گئے"

حاضرین مین سے ایک مولوی صاحب (ذرا بلند آواز سے) "صاحبو! یہ ہنسنے کا مقام نہین ہے بلکہ رونے کا حیف صد حیف۔ قوم کی اس بداقبالی اور لامذہبی پر"

ڈپٹی صاحب "اور آپ صاحب بہادر کے خاندان سے بھی واقف ہین"

مولوی صاحب "ہان جناب۔ اس گمراہ لڑکے کے والد مرحوم خدا انکو غریق رحمت کرے میرے بہت کرم فرما تھے۔ خاندانی شرافت مین وہ یکتا تھے مگر صد افسوس آج انکے لڑکے نے انکے نام نیک کو خاک مین ملا دیا اور اپنے آپ کو اس قابل نہ رکھا کہ کوئی اس کی صورت دیکھے"

ایک اور صاحب "کیون صاحب لڑکی کے والد کا نام احمد مرزا تھا نہ۔ وہ تو اک زمانہ مین یہان صدر الصدور رہ چکے ہین۔ مجھسے ان سے بڑے مراسم تھے۔ شرم آتی ہے کہ انکی عزت ایسے لچے اور بیحیا آدمی کے ہاتھون برباد ہو"

ڈپٹی صاحب (حقہ کا ایک کش لے کر اور پاؤن تخت پر پھیلا کر) "آپ کا فرض ہے کہ انکو اس بدچلنی کی حرکت سے اطلاع دین تاکہ وہ یہان آکر اپنے نالائق داماد صاحب کی اصلاح کرین" •

مولوی صاحب "قبل اسکے کہ وہ آئین یہ معاملہ قومی اور مذہبی ہے۔ اور ہمارا فرض ہے کہ اس کا انسداد ہم کرین"

اس پر ہر طرف سے "بجا ہے" "بے شک" کی صدائین بلند ہوئین۔

احمد علی۔ (ایک آہ سرد بھر کر) "اس کمبخت نے کسی میم کے ساتھ شادی کی ہوتی تو بہتر ہوتا کیونکہ

اُس صورت مین ہمین اسقدر شکایت کرنے کا موقع نہوتا - اور اس کا جو جی چاہتا کرتی - مگر ایک شریف گھرانے کی لڑکی کو اس طرح رسوا کرنا - واللہ میرے گمان سے باہر ہے کہ وہ خود کس طرح اسکی روادار ہوئی۔"

مولوی صاحب :"اُس ظالم کے پنجہ مین پھنس گئی ہے - غریب بے بس و ناچار ہے - میرے تو خیال کرنے ہی سے آنسو نکل آتے ہین" (اسکے ثبوت مین انھون نے جیب سے رومال نکال کے اپنی خشک آنکھون کو خوب مل مل کر پونچھا)

احمد علی - جناب! بندہ کو تو اب یہ اندیشہ ہے کہ اس شخص کی بیہودہ تقلید مین ہمارے دوسرے نوجوان نہ خراب ہوجائین فیشن کے زہریلے اثر سے خدا پناہ مین رکھے - دیکھیے جب بعض لوگون نے شروع شروع کوٹ پتلون استعمال کیا تو کتنی جلدی اُس کا رواج پھیل گیا کہ اب عام طور پر تمام نوجوان بے باکانہ اسی وضع مین پھرتے ہین"

ڈپٹی صاحب (غور کرنے کے بعد) بیشک بات تو صحیح ہے - لیکن شکر ہے خدائے لایزال کا کہ ایسی بیہودہ بے پردگی کے ماننے والے شاذ و نادر ہی نکلین گے - مگر پھر بھی خراب اثر کا اندیشہ ضرور ہے - (ہنسکر) مین نے گھر مین جب یہ ذکر کیا تو اُنکو واللہ یقین نہین آتا تھا - میری چھوٹی لڑکی کے دل مین تو اُس وقت سے ایسا ہول سما گیا ہے کہ بار بار پوچھتی ہے" "ابا جب ہم بڑے ہوجائین گے تو ایسی جگہ تو شادی نہ کرو گے کہ میان ہمارا مُنھ کھول کر سب کو دکھاے"

اسپر بڑے زور سے قہقہہ لگایا گیا اور چھوٹی لڑکی کو بلانے کی فرمایش کی گئی مگر ڈپٹی صاحب نے یہ عذر کرکے ٹال دیا کہ سو گئی ہے۔

احمد علی - میری راے یہ ہے کہ اس معاملہ مین سرگرمی، عجلت اور باقاعدگی کے ساتھ کارروائی کی جائے اور اس شہر کے مسلمان شرفا پر بدنامی کا جو دھبا آیا ہے اُسکو جلد دور کرنے کی کوشش کی جاے۔"

مولوی صاحب :"تو آپ ہی ارشاد فرمائیے کہ کیا تدبیر کی جائے؟"

احمد علی (جنھون نے بہت سے قومی جلسون مین حصہ لیا تھا اور کئی انجمنون کے صدر رہنے کی عزت رکھتے تھے - مع نہا میموریل اور پبلک کامون مین خاص قسم کی دستگاہ رکھتے تھے) اولاً میری راے یہ ہے کہ نرمی سے کام لیا جاے اور ایک میموریل مسٹر محمود کے پاس اس شہر کے تمام شرفا کا دستخطی پیش کیا جاے کہ وہ ان حرکات سے باز آئین - بعد ازان اگر کچھ اثر نہو تو اُنکے خسر صاحب کو ایک خط لکھا جائے - اگر ان کا بھی کہنا نہ مانین تو

کلکٹر صاحب کی خدمت مین ہم سب چل کر یہ عرض کرین کہ اُنکو یہان پریکٹس (پیشہ وکالت) کرنے کی اجازت نہ دی جائے"

ڈپٹی صاحب: "یہ آخری تدبیر تو ذرا ناممکن سی معلوم ہوتی ہے۔ البتہ مین یہ کر سکتا ہون کہ یہان کے حکام اور موکلون کو برانگیختہ کرکے ان حضرت کے چھکے چھڑا دون کہ ایک پیسہ نہ ملے اور پھر یہان سے مجبوراً واپس جانا پڑے"

مولوی صاحب: "معاف فرمایئے مگر بندہ اس آخری تدبیر کے خلاف ہے کیونکہ اول تو جس جگہ یہ جائین گے وہین کے مسلمانون کی بدنامی ہوگی۔ دوسرے اس کا کچھ اثر نہ ہوگا کیونکہ یہ لڑکا مین جانتا ہون بڑا ہی ضدی ہے اور صاحب ثروت بھی۔ اسلیے اگر اُسے وکالت مین ایک حبہ بھی نہ ملے تو اپنے زعم مین یہان سے نہ ٹلے گا۔"

غرضکہ بعد رد وقدح پہلی اور دوسری تدابیر پر سب کا صاد ہوا اور تیسری بھی آخری موقع کے لیے اُٹھا رکھی گئی مولوی صاحب کے فرمانے پر کہ "در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست" میموریل تیار کرنے کا کام اُنکے سپرد کیا گیا کیونکہ وہ سب سے زیادہ ذی علم اور با رسوخ لوگون مین سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ اس جلسے کے برخواست ہونے کے دو دن بعد مولانا نے بڑی قابلیت کے ساتھ بیسیون کتب حدیث وفقہ کے حوالے سے پند ونصائح کا ایک بیس صفحہ کا رسالہ مرتب فرمایا اور بڑی سرگرمی کے ساتھ تمام شرفا (جنکی تعداد کوئی ڈیڑھ سو کے قریب تھی) کے دستخط اُسکے آخر مین ثبت کرائے۔ پھر ڈپٹی صاحب کے مکان پر ایک جلسہ مین سب کو پڑھ کر سنایا۔ اور سب حاضرین کی تحسین وآفرین نے قبولیت کی مہر اُسپر لگادی تو یہ صلاح ہوئی کہ دوسرے روز دونون حضرات یعنی مولوی صاحب اور احمد علی صاحب بیرسٹر صاحب کے بنگلہ پر تشریف لے جائین اور انکو راہ راست پر لانے کی کوشش کرین۔ دوسرے دن اتفاق سے جمعہ کا دن تھا اسلیے مولانا نے جمعہ کی نماز کے بعد وعظ مین بھی پردہ نسوان اور عورتون کی آزادی پر بہت بحث کی اور کنایۃً لوگون پر ظاہر کر دیا کہ اُنکے شہر مین دن دہاڑے ایسی بدعت ہو رہی ہے۔ اور شیطان ایک گمراہ شخص پر اسقدر غالب ہے کہ سب مسلمانون پر فرض ہو گیا کہ اُسپر بد اخلاقی کا فتویٰ صادر کرکے اُسکو ہدایت کرین اور اگر نہ مانے تو شہر بدر کرین۔ کہ ایسے شخص کا دین اور دنیا دونون جہان مین مُنہ کالا ہوگا۔

اُسی روز پانچ بجے شام کو جب ڈپٹی صاحب اپنے اجلاس مین بیٹھے مقدمات فیصل کر رہے تھے تو اُنکا دل نہین لگتا تھا اور بار بار قلم رک جاتا تھا اس لیے کہ یہی وہ وقت تھا جب مولانا اور اُنکے ساتھی مسٹر محمود کے بنگلہ پر پہونچ کر میموریل پیش کرتے ہونگے اور نہ معلوم کیا تکرار ہو رہی ہوگی۔ گھر پہونچ کر بڑی بے چینی کے ساتھ ڈپٹی صاحب نے اپنے رفقا کا انتظار کیا اور کئی آدمی اُنکے گھرون پر دوڑائے مگر کہین اُنکا پتہ نہ لگا۔ غرضکہ نو بجے تک اُنھون نے انتظار کیا پھر مایوس ہو کر زنان خانہ کو تشریف لیجانے والے تھے کہ اتنے مین گاڑی کی گھڑ گھڑاہٹ

سُنائی دی - اور مولانا اور احمد علی صاحب اُتر کے آئے تو اُنکی یہ کیفیت تھی کہ صورت ببین حالش مپرس۔"

ڈپٹی صاحب ۔" کہیے مولانا - بفضلہ آپ کو کامیابی ہوئی؟

مولانا بڑے ضبط کے آدمی تھے - تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر احمد علی صاحب کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگے اور جواب دیا ۔" اب جناب آپ ہی فرمائیے - مجھ مین یہ طاقت نہین کہ جو کچھ گزرا ہے اُسکو دوہرا سکون۔"

احمد علی صاحب نے نہایت سنجیدہ صورت بنائی اور جگہ صاف کرکے خاصدان سے پہلے ایک پان نوش فرمایا پھر اس طرح گویا ہوے - "ڈپٹی صاحب واقعی امر تو یہ ہے کہ مفت مین ہم نے سرگردانی اُٹھائی - واقعی ہم سے مطلب ہی کیا - کسی دوسرے کے کام مین دخل دینے سے فائدہ؟ مگر پھر بھی ہمدردی انسانی اور اخوت اسلامی کا یہی تقاضا تھا کہ اپنے حتی المقدور کوشش کی جاے (آواز دھیمی کرکے اور گردن آگے بڑھا کر) اگر کوئی صاحب عقل ہو تو سمجھانے سے فائدہ بھی مگر جناب یہ تو دیوانہ ہے - دیوانہ - پاگل سے بھی بدتر - کچھ تعجب نہین کہ تھوڑے دنون مین اسے آگرے بھیجنے کی ضرورت پڑے - قصہ مختصر یہ ہے کہ (ایک طویل تمہید قصداً حذف کر دیگئی ہے) اولاً مسٹر نسود نہایت اخلاق کے ساتھ ہم دونون سے ملے - اس موقع پر اُنکو یہ بات یاد آئی کہ بیرسٹر صاحب کی ڈاڑھی مونچھین دونون صاف ہین - اسپر احمد علی صاحب نے نہایت فصاحت وظرافت سے انکا حلیہ بیان فرمایا ڈپٹی صاحب بات کاٹنا چاہتے تھے کہ انھون نے ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا، مگر ابھی سُنیے تو آگے کیا ہوتا ہے مولانا نے چند شیرین الفاظ کے ساتھ اپنی بزرگی اور اُنکے خاندان سے پُرانے مراسم کا ذکر کرکے پند و نصائح کا مجموعہ یعنے میموریل پیش کیا - اسپر بیرسٹر صاحب نے نہایت حیرانی سے انکی طرف دیکھا اور اپنا طلائی چشمہ آنکھون پر چڑھا کے کرسی پر بیٹھ کر چند منٹ تک اوراق کو اُلٹ پلٹ کے دیکھا - اسکے بعد آپ سمجھ سکتے ہین کہ اُنھون نے کیا کہا ہوگا؟ (مولانا کی طرف مخاطب ہو کر) اب مولانا آپ ہی ختم فرمائیے -

مولوی صاحب - (انکسار کے ساتھ) "آپ ہی فرماتے جائیے - یہ آپ ہی کا حصہ ہے"

احمد علی "بہ تسلیم! (مرزاجی کو اپنی نقالی اور بھاؤ بتانے پر بڑا ناز تھا - اس موقع پر اس قابلیت سے اُنھون نے فوراً کام لیا) خدا کی پناہ جناب - اُس نے اس طرح کھڑے ہو کر اپنے پتلون کی دونون جیبون مین ہاتھ ڈال کر اور عینک اوتار کر بڑے غیظ وغضب کے ساتھ ہم دونون کی طرف دیکھا - پھر گرج کے بولا - تم دونون شیطان ہو - باغی ہو - مردود ہو - کہ اس طرح قوم کے تنزل اور ادبار کے پیچھے پڑے ہوے ہو خدا کی قسم قیامت کے دن میرا ہاتھ اور تمھارا گریبان ہوگا - اور اُس دن تم کو معلوم ہوگا کہ کون حق پر تھا -

اور کون زیادہ عذاب وثواب کا مستحق ہے۔ ہم لوگ قوم کو خراب معاشرت سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہین اور تم لوگ اُسکو پیچھے کھینچ کھینچ کر دلدل سے باہر نکلنے نہین دیتے ہو۔ مین تعلیم وآزادی نسوان کے لیے اپنی جان دیے دیتا ہون اور تم چاہتے ہو کہ ایک لحظہ مین میری ان تمام کوششون پر اپنی تنگدلی اور کوتاہ خیالی سے پانی پھیر دو۔ پردہ کی خراب رسم جو میری اور ہر سمجھدار آدمی کی عقل مین ساری قومی ہبا خالی۔ بدتہذیبی اور خرابی معاشرت کا اصل اصول ہے مین اُسکو جڑ سے کھود کر پھینکدینا چاہتا ہون اور تم یہ حوصلہ کرکے آے ہو کہ مجھے میرے ارادہ سے پھرا دو اور دوسرے لوگون کو اسکے خلاف ورغلاؤ۔ آہ! یہ تمھارے ہی کرتوت ہین کہ بڑے بڑے ذی حوصلہ اور پرجوش ریفارمرون کے دل توڑکر اُنکو نفرت کے ساتھ اپنے ملک کو خیرباد کہنے پر مجبور کیا ہے۔ یہ تمھارے ہی ہتھکنڈے ہین کہ بہت سے ذی فہم لوگ جو آج اپنے دل مین پردہ کے خلاف ہین اپنی راے کو ظاہر کرنے اور اُسکے مطابق عمل کرنے سے ڈرتے ہین کہ کہین تم یا تمھارے ایسے لوگ اُنپر حملہ نہ کر بیٹھین۔ تم نے انکی روشن خیالیون کو دھندلا کر دیا ہے انکی ہمتین پست کر دی ہین اُنکو عورتون سے بھی زیادہ بزدل بنا دیا ہے (طنز یہ ہنسی کے ساتھ مولانا کی طرف مخاطب ہوکر) اور اب تم مجھے یہان ڈرانے کے لیے آئے ہو۔ اور یہ نامعقول کاغذ اپنی جہالت کی سند کے طور پر میرے پاس لے کر آئے ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آج آپ نے مسجد مین وعظ کے ساتھ مجھپر کیا کیا تبرہ بازیان کی ہین مگر ادھر میری طرف دیکھیے (یہ کہکر اپنے کانپتے ہوے ہاتھون مین میموریل کا پلندہ لیا اور اُسکو پھاڑکر کاغذ کے پرزہ پرزہ کرکے مولانا کے پاؤن کے قریب ڈالدیا) مجھے آپ کی ہرزہ گوئیون اور ان خام اور کہنہ خیالات کی اتنی سی بھی پروا نہین ہے۔ اس موقع پر ہم دونون کو ساکت دیکھکر اُس نے اپنی آواز کو دھیما کیا اور ہمارے قریب آکر سمجھانے کے طور پر اُنگلی اُٹھائی اور کہنے لگا) جنٹلمین۔ میرے ان سخت الفاظ کو معاف فرمائیے۔ مگر مین سچ کہتا ہون کہ میرے سینہ مین قومی معاشرت کی اصلاح کا ایک شعلہ سا دہک رہا ہے اور آپ اُسکو اپنے ان افعال سے اور بھڑکاتے ہین (مسکراکر اور اس لہجہ سے کہ جیسے کوئی کسی بچے کو سمجھا رہا ہو) آپ کو یقین نہین آتا۔ شاید آپ میرا مفہوم نہین سمجھتے۔ اور سمجھتے کیون نہین (پھر ٹہلنے لگا اور دفعتہً مولانا کے سامنے کھڑا ہو گیا) معتصب جنٹلمین۔ حضرت تعصب آپنے سنا ہوگا کہ لندن مین ایک زمانہ مین ایسا سیاہ کہرا پڑتا ہے کہ لوگون کو دن کے وقت اپنا ہاتھ تک نظر نہین آتا۔ اسی طرح تعصب کی تاریکی آپ کے دماغون پر روشن خیالی کی شعاعین نہین پڑنے دیتی۔ (پھر جیبون مین ہاتھ ڈال کر ہم دونون کی کچھ پروا نہ کرکے سائبان مین ٹہلنے لگا اور آپ ہی آپ باواز بلند کہنے لگا) مگر مشکل تو یہ ہے کہ ان بوسیدہ دماغ اور قدیم خیال لوگون کا عوام پر اسقدر اثر ہے کہ بغیر انکی امداد کے مجھے اپنے مقصد مین کامیابی

نہین ہوسکتی۔ سُنیے جناب آپ کے اعتراضات کا جواب مین اب دیتا ہون۔ دیکھا کہ مسٹر محمود نے ایک لحظہ کے لیے ہم دونون کی طرف دیکھا پھر ٹہل ٹہل کر آزادی نسوان پر ایک بہت بڑی بحث شروع کردی۔ اولاً اُس نے تاریخی پہلو سے بحث کی۔ اور اوائل تمدن سے آج تک جو انقلابات عورتون کی حالت مین ہو۔ یہن بیان کیے۔ پھر سائنٹیفک پیرایہ کو لیا اور قومی۔ سیاسی اور معاشرتی حیثیتون پر بحث کرتا رہا اور نہ معلوم کس کس جرمن آسٹرین اور انگلش فلاسفر کا حوالہ دیتا رہا کہ اتنے مین مین نے مولانا کی طرف آنکھون سے اشارہ کیا اور قبل اسکے کہ وہ ہمین دیکھ پائے ہم دونون چپکے سے کھسک کر چلدیے۔ دروازہ پر پہونچکر ہمارے کان مین کسی کی آواز آئی۔ مین نے مولانا کا ہاتھ پکڑ کے کہا کہ اب خیر نہین ہے۔ پاگل پیچھے آرہا ہے۔ اسپر ہم دونون سر کے بھل بھاگے اور ہانپتے نکڑ پر جہان گاڑی کھڑی تھی پہونچے تو دم مین دم آیا۔"

حاضرین نے مرزا صاحب کے اس بیان پر بہت کچھ تحسین و آفرین کی۔ ڈپٹی صاحب نے فرمایا کہ "واللہ سمان باندھ دیا۔ مرزا جی یہ آپ ہی کا حق تھا۔" مرزا جی نے پھر جھک کر سلام کیا۔ مولانا کسی قدر خشمگین نظر آتے تھے لیکن جب اُنھون نے دیکھا کہ اُنکے رفقا اس واقعہ کو مذاق اور دل لگی مین ٹال رہے ہین تو وہ بھی اُنکے ساتھ شریک ہوگئے اور فرمانے لگے "جناب مین نے سید محمود مرحوم کا تو نام سُنا تھا۔ مگر اس پاگل نے تو اُن کے بھی کان کاٹے۔"

یہ واقعہ اور گفتگو دوسرے روز تمام شہر مین مشتہر ہوگئی۔ طبقۂ ادنیٰ کے لوگون کو عجیب مذاق ہاتھ آگیا گھر گھر مسٹر محمود اور اُنکی بی بی کے چرچے ہونے لگے۔ لوگون نے باہر اپنے دوستون اور عزیزون کو خطوط کے ذریعہ سے اطلاع دی۔ ایک صاحب جو کسی اخبار کے برائے نام نامہ نگار بھی تھے اُنھون نے مختلف اخبارات مین یہ واقعہ قلمبند کرکے بھیجدیا۔ دوسرے صاحب جو اس شہر کے ملک الشعرا سمجھے جاتے تھے اُنھون نے دوستون کی فرمایش پر ایک نظم موسوم "بے پردہ وری نسوان" لکھڈالی۔ شام کے وقت اکثر لوگون کو ان صاحب کی تلاش رہتی اور چند روز مین بیدرد بیس جگہ اسکو دہرانے اور سامعین سے مرحبا اور صد آفرین سننے کی مسرت حاصل ہوی۔ اب تو بازار کے تمام لفنگون اور نیچے لونڈون کو ایک ایک شعر نوک زبان ہورہا ہے اور وہ گلی گلی یہی گاتے پھرتے ہین۔

ہمارے ریفارمر کے پاس روز بذریعہ ڈاک گمنام خطوط کی آمد کا تانتا بندھ گیا ہے نظمین بھی آئین۔ رباعی اور قطعے بھی آئے۔ اور کوٹھی کے پھاٹک پر اشتہار بھی چسپان کیے گئے۔ مگر وہ ان سب کو خاموشی کے سا

نگاہِ حقارت سے دیکھتا رہا اور اپنے دل کو یہ کہکر سمجھا لیتا کہ یہ بیوقوف لوگ معافی کے قابل ہین۔ آج جو لوگ مجھپر ہنستے ہین کل وہی مجھے آزادیِ نسوان۔ عمدہ تہذیب اور اعلےٰ معاشرت کا رہنما تسلیم کرکے کامیابی کا تاج میرے سر رکھیں گے۔

"ناظر"

کیفِ سرود

خوش نصیبی سے حضرت نادر مرحوم کے کاغذات مین انکی ابتدائی مشق کا ایک ناتمام نمونہ مل گیا ہے جسے نقشِ اول اور مرحوم کا تبرک سمجھنا چاہیے۔ افسوس ہے کہ حضرت مرحوم کو اجل نے نظرِ ثانی و تکمیل کرنے تک کا موقع نہیں دیا جن ناظرین کو مرحوم سے قلبی نسبت و رشتۂ کلام سے دلچسپی ہے وہ ضرور ان چند شعرون سے حظ حاصل کرینگے ممکن ہے کہ آئندہ پھر کبھی ہمین مرحوم کے غیر مطبوعہ کلام کی اشاعت کا شرف حاصل ہو سکے

پھر پلا دی زیادہ ساقی نے   مین بھی اب بیٹھ کے لگا پینے
تھی کہیں آواز ہی رسیلی تھی   نہ کوئی تان ہی سریلی تھی

مین نہ پیتا تو کوئی کیا کرتا   میرا جی بھی تو یون نہین بھرتا
سیدھی سادی تھی اُنکی بولی   لفظ تھے وہ مگر تھی خالی

جام پر جام اڑا نہ لون جبتک   خم کا خم مین چڑھا نہ لون جبتک
کچھ نہ کچھ تھا مزہ ضرور انہین   کچھ تو تھا مزا سرور انہین

گھٹتا کچھ بھی مرا سرور نہین   ہمین ساقی کا کچھ قصور نہین
اتنے مین اور ایک گانے لگا   ساتھ ہی اُنکے سُر ملانے لگا

ایک آواز نرم ایک کرخت   دیتی تھی دل کو کیا عذاب کمبخت

ساقیا تیرا میکدہ آباد   سُن کے آج میرا دل ہے شاد
وہ سمان بھیگی رات کا خاموش   دیر تک مین سنا کیا خاموش

دل مین آتا ہے گنگناؤن مین   کوئی ساون ملار گاؤن مین
دیر تک تھا جو گو نہ حال مجھے   آیا اسکا نہ کچھ خیال مجھے

ہاے مین کوئی خوش گلو نہوا   نادر اس فن کا سرخرو نہ ہوا
رکھ کے چار ایسی آوازین   بات کیا ہے جو لطف دیتی ہین

ورنہ لوگون کو مین بتا دیتا   لطف ہوتا بڑا مزا دیتا
یون بھرا آتا ہے سوز و ساز انہین   کون سا ہے نہفتہ راز انہین

بات وہ گانے والے گاتے تھے   اور وہ آواز جب ملاتے تھے
نغمہ پیرا ہے نہ ہے دف و چنگ   نہ تو گانے ہی کا مناسب ڈھنگ

خوش نوا خوش ادا نہ تھے وہ ایسے کچھ   نہ وہ گاتے تھے سُر سے لے سے کچھ
پھر بھی ہے اس طرح کا انمین مزا   کیا معما ہے ہمین بات ہے کیا

گانے والا ہو لاکھ خوش آواز   لطف دیتا نہین مگر بے ساز

نادر کاکوروی

کفایت شعاری

کفایت شعاری کے معنی جزرسی یا کم خرچ کرنے کی عادت کے ہین۔ یہ عادت انسان کے واسطے لازمی ہے اور اسکی نسبت ہر ایک شخص بلا تامل کہہ سکتا ہے کہ بہت ہی اچھی خصلت ہے جس شخص مین یہ عادت نہو گی وہ چند ہی دنون مین خواہ کیسا ہی دولتمند کیون نہو اپنے آپ کو تباہ و برباد کردے گا۔ کفایت شعاری ہی ایک ایسی عادت ہے جس سے انسان دولتمند ہو جاتا ہے اگر غور سے دیکھا جاے تو دنیا مین ایک بھی دولتمند ایسا نہ نظر آئے گا جو کفایت شعار نہو۔ بغیر کفایت شعاری کے دولت جمع ہی نہین ہو سکتی۔ ہمارے ہندوستانی بھائی روزانہ سخت سی سخت محنت کرتے ہین۔ اور باوجود معقول آمدنی کے وقتی ضروریات پر ایک پیسہ بھی اپنے گھر سے نہین نکال سکتے۔ اسکی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ کفایت شعار نہین ہوتے۔ اگر غیر ملکون کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا جاے تو صاف ظاہر ہو جاے گا کہ اُنکے تمول اور دولتمندی کی وجہ یہی کفایت شعاری ہے وہ اپنے انجام پر نظر رکھتے ہین اگر چار پیسے روزانہ کماتے ہین تو مشکل سے تین پیسے خرچ کرتے ہین اور ایک پیسہ اپنے آڑے وقت مین کام آنے کے واسطے بچا رکھتے ہین۔ کفایت شعاری کا یہ مطلب نہین ہے کہ کوئی شخص دولتمند ہو جاے بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ چار پیسے جو اچھے وقت مین کفایت شعاری کی وجہ سے بچ رہے ہین بُرے وقت مین کام آئین اور وقت پڑ جانے پر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑین۔ بہت سے ایسے دولتمند دیکھے گئے ہین جو اس سے قبل بالکل ذلیل تھے اور ارذل لوگون مین شمار ہوتے تھے مگر چونکہ اُن مین کفایت شعاری کی عادت تھی لہذا رفتہ رفتہ اعلےٰ مراتب پر پہونچ گئے۔ میرے نزدیک اگر روزانہ ایک پیسہ بھی بچا رکھا جاے تو بہت ہے کیونکہ ڈکنس جو انگلستان کا ایک با مذاق اور ہر دل عزیز ناول نویس تھا کہتا ہے کہ "اگر ایک آدمی کی سالانہ آمدنی بیس روپیہ ہو اور اُسکا سالانہ خرچ اُنیس روپیہ پونے سولہ آنے ہو تو اسکا نتیجہ خوشی ہوگا اور اگر وہی شخص جسکی آمدنی بیس روپیہ سالانہ ہے بیس روپیہ ایک پیسہ خرچ کرتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا نتیجہ مصیبت ہی ہوگا" اب دیکھنا چاہیے کہ دونون حالتون مین صرف دو ہی پیسہ کا فرق ہے مگر ایک کا نتیجہ خوشی اور دوسری کا مصیبت ہے۔ پس ہم کو لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو کفایت شعاری سے کام لین اور پیسہ پیسہ جمع کرکے روپیہ پیدا کرین۔ کیونکہ انگریزی مثل ہے کہ "پیسون کی حفاظت کرنا چاہیے روپیہ اپنی حفاظت خود کر لے گا" دانہ دانہ جمع کرنے سے خرمن اور قطرہ قطرہ جمع ہونے سے دریا ہوتا ہے پھر کیا پیسہ

اکٹھا کرنے سے روپیہ نہو گا؟ نہیں ہو گا اور ضرور ہو گا: وہی پیسہ پیسہ جمع کرنا ہمیں دولت مند بنا دے گا اور ہمارے برے وقت مین کام آ ئے گا۔

عام لوگون کے اس کہنے پر توجہ نہ کرنا چاہیے کہ کم آمنی والا کفایت شعاری سے مالدار نہیں ہو سکتا بلکہ میرے خیال مین وہی ایک پیسہ روزانہ جمع کرنے سے ایک شخص کچھ کم اٹھارہ سال مین سو روپیہ کا مالک ہو سکتا ہے اور پھر اُسی سو روپیہ کو اگر وہ شخص کسی اچھے منافع والی تجارت مین لگا دے تو دو روپیہ ماہوار اُسے آسانی سے مل جایا کرے گا اب اس دو روپیہ ماہواری منافع کو اگر اصل مین شامل کرتا ہے اور اُسپر بھی اُسی طریقہ سے منافع حاصل کرتا رہے تو تھوڑے ہی دنون مین ایک متمول شخص ہوجائے گا۔ اور یہی اُسکی بیماری بے کاری اور مصیبت کے وقت کام آئیگا۔

میرا یہ خیال ہرگز نہیں ہے کہ کفایت شعاری محض روپیہ جمع کرنے کے واسطے کی جاے۔ یہ نہایت ہی ذلیل اور پوچ خیال ہے بلکہ میرا اصلی مقصد کفایت شعاری سے یہ ہے کہ وقت پڑے پر دوسرون کی محتاجی اور تکلیف نہ اُٹھانا پڑے۔ میرا یہ بھی منشا نہیں ہے کہ کوئی شخص بال بچون کا پیٹ کاٹ کر یا کسی غریب شخص کا حق مار کر روپیہ جمع کرے۔ ایسی دولت سے آدمی کا قلب سیاہ ہوجاتا ہے۔ اور دوسری صورت یعنے بال بچون کا پیٹ کاٹکر یا خود تکلیف اُٹھا کر روپیہ جمع کرنے مین وہی صورت پیش آئے گی جس سے بچنے کے واسطے روپیہ جمع کرنا مقصود ہے۔ اس کا نام کفایت شعاری نہیں ہے کہ ضروری خرچ بند کردیے جائین اور اپنی جان اور اپنے متعلقین کی جانون کو ایذا پہنچا کر دولت جمع کی جاے اس کا نام کنجوسی ہے۔ ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے ایسا کرنے مین وہی قصہ پیش آئے گا جو ایک لالچی برہمن کے نام سے مشہور ہے یعنی ایک لالچی برہمن نے اپنی آمدنی کا حساب لگا کر سال بھر کے واسطے بھوسا خرید لیا مگر جسقدر آمدنی تھی اُسکے لحاظ سے وہ غلہ تین سو انسٹھ ہی دن کو کافی ہوتا تھا لالچی برہمن نے یہ خیال کرکے کہ آخر ایک دن غلہ کے علاوہ کوئی دوسری چیز کھا کر بسر کرنا ہو گا پہلے ہی دن بجاے غلہ کھانے کے خوب پیٹ بھر کر بھوسا کھا لیا اور صبح مردہ ہوکر گھر سے نکالا گیا۔ اس طرح کی کفایت شعاری سے ہمیشہ بچنا چاہیے اپنے اور اپنے بچون اپنی بی بی اور جملہ لواحقین کے صرفہ کے بعد جو کچھ بچے اُسے پس انداز کرنا چاہیے۔ ہان یہ ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی پیسہ بیجا نہ صرف ہونے پاے۔

بیجا صرف انسان کو تباہ و برباد کردیتا ہے خواہ وہ کیسا ہی قلیل کیون نہو جس چیز کی ضرورت نہو اُسے ہرگز نہ خرید و بعض لوگون کا دستور ہے کہ جو چیز ذرا بھی سستی مل گئی خرید لی حالانکہ اُسکی بالکل ضرورت نہ تھی اور وہ گھر پر پڑے پڑے خراب ہو گئی۔ یا مثلاً معلوم ہے کہ ایک چیز چوک مین پانچ روپیہ کو ملتی ہے اور وہی چیز امین آباد مین چار روپیہ

ملتی ہے مگر ذرا سی کاہلی کی وجہ سے پانچ روپیہ میں ہی چیز خریدی اور چار روپیہ کو امین آباد سے نہ لائے۔

ایسی چیز کی بھی خواہش نہ کرو جس کے لوازمہ میں یعنی اسکی آرائش کے واسطے ہزاروں خرچ کرنا پڑیں۔ امریکہ کے ایک کروڑپتی کا ذکر ہے کہ اُسکی بی بی نے اُس سے ایک چاندی کا پلنگ بنوانے کی خواہش کی اُس نے یہ سمجھکر کہ زیادہ سے زیادہ ایکہزار روپیہ صرف ہو جائے گا بنوانے کا وعدہ کر لیا مگر جب رات کو سونے کے واسطے لیٹا اور اس پلنگ کا تخمینہ لگانے لگا تو پلنگ کے ساتھ ہی اُسے یہ خیال آیا کہ یہ رکھا کہاں جاے گا۔ اسکے رکھنے کے واسطے اسی کے موافق مکان بھی چاہیے اور مکان کی حسبِ آرائش جس کا تخمینہ دو تین لاکھ سے کم نہوگا۔ پھر اسی کے ساتھ اسکو خیال آیا کہ اسکے متعلق نوکر چاکر بھی چاہیے ہونگے جن کا خرچ ہزار بارہ سو سالانہ سے کم نہوگا جب یہ تخمینہ اُس نے سمجھ لیا تو اپنی بی بی کو بلا کر کہا کہ تمہاری ایک آرزو کے پورا کرنے میں میری سیکڑوں آرزوؤں کا خون ہوگا یعنی جسقدر تمہارے پلنگ بنوانے میں صرف ہوگا اُس سے کہیں زیادہ اُسکے انتظام میں مجھے سالانہ صرف کرنا پڑے گا اور فی الحال جو تین لاکھ کے قریب صرف ہو جاے گا وہ اُس سے علحدہ ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ تم اپنی ایک آرزو کا خون کرو ورنہ میری بیسیوں آرزوؤں کا خون ہو جاے گا۔ لہذا ہرگز ایسے کام کی ہمت نہ کرنا چاہیے جو بظاہر معمولی ہو اور اُسکے انجام میں ہزاروں کی نوبت پہونچ جاے۔ ایسا کرنے سے سارا پس انداز کیا ہوا روپیہ ضایع ہو جاے گا اور قرض کی نوبت آ جاے گی۔ قرض سے اللہ بچاے۔ اس سے بڑھکر انسان کے واسطے کوئی ذلت نہیں۔ ایک بڑے تجربہ کار کا قول ہے "کہ بھوکا رہنا پھٹے پرانے کپڑے پہننا سخت مشقت برداشت کرنا اہانت اور بیجا ملامت اُٹھانا قرض لینے سے کہیں بہتر ہے"۔ اگرچہ یہ سب باتیں انسان کو سخت ناگوار معلوم ہوتی ہیں مگر قرض لینا ان باتوں سے بڑھا ہوا ہے قرض ہرگز نہ لو خواہ وہ کیسا ہی قلیل ہو۔ قرض کا لینا گویا رنج وغم کا بعانہ ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس صرف دو ہی پیسے ہوں اور اُس دن اُسے اور کہیں سے ملنے کی کچھ امید نہ ہو تو اُن پیسوں کے چنے خرید کر اُن سے پیٹ بھر لینا قرض لینے سے کہیں بہتر ہے اسی منحوس قرض کی بدولت بڑے بڑے امیر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئے اور اُنکی قیمتی جائدادیں قرض خواہوں کے دست تصرف میں آ گئیں لہذا قرض لینے سے ایک دن فاقہ کرنا بہتر ہے عقلمند فاقہ کو دوست اور قرض کو دشمن سمجھتے ہیں۔

روپیہ حتی الامکان بہت ہی عقلمندی سے صرف کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر روپیہ کا استعمال باقاعدہ کیا جاے تو اس سے بہت کچھ ہو سکتا ہے روپیہ ایک زبردست طاقت ہے۔ ایک ظریف فرانسیسی کا قول ہے کہ "روپیہ شہنشاہ ہے" روپیہ جمیع حاجات روا کرنے کا ذریعہ ہے اگر تازہ ہوا عمدہ مکان اچھی کتابیں موسیقی وغیرہ کسی چیز سے فرحت حاصل کرنا ہو تو روپیہ کے ذریعہ سے ممکن ہے اگر فرحت کام کی چیز ہے تو روپیہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر ملکوں کی سیر باعث مسرت ہے تو یہ بھی روپیہ ہی کی بدولت

ہوسکتی ہے۔ اس سے ہم اپنے دوستون کی مدد کرسکتے ہین۔ اور اسی کی برکت سے ہم اُن مصیبت زدون کو گرداب بلا سے نکال سکتے ہین جن کی کشتی مصیبت کے ناپیداکنار دریا مین پھنسی ہوئی ہے۔ اسکو جو لوگ نقش حاجت برا کہتے ہین وہ بہت ٹھیک کہتے ہین۔ ؎

اے زر تو خدا نئی و لیکن بخدا ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

یہانتک کہ روپیہ کا باقاعدہ استعمال ہمکو خدا تک پہونچا دیتا ہے کیونکہ بہت سے ثواب اس طرح کے ہین جو بغیر روپیہ کے حاصل ہی نہین ہوسکتے۔ روپیہ ہی ایسی شے ہے جس سے دل ہر وقت قوی رہتا ہے۔ اور روپیہ ہی آئندہ آنے والی مصیبتون سے بچا سکتا ہے۔ روپیہ والون کے سیکڑون کام مفت مین ہوجایا کرتے ہین۔ اُسکی ہر جگہ قدر ہوتی ہے۔ وہ جس طرف جاتا ہے لوگ اُسے عزت کی نظرون سے دیکھتے ہین۔ اُسکی ہر خواہش پوری ہوکے رہتی ہے۔ اُسکے سیکڑون دوست اور ہزارون عزیز ہوتے ہین۔ برخلاف اسکے اگر ہمارے پاس چار پیسے نہون تو کوئی بات بھی نہ پوچھے۔ نہ کوئی عزیز خبر لے اور نہ دوست۔ ایک بھونڈی مثل ہے کہ "ننگے کے ننوسانے اور بگڑے کا ایک سنوئی بھی نہین بنتا"۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ہم نے پس انداز کر کے کچھ رکھ چھوڑا ہے تو وہی مصیبت کے وقت ہمارے کام آے گا۔ ورنہ بیماری اور بیکاری اور مصیبت کے وقت سوا فاقے کر کے مر جانے کے اور کچھ نہوگا۔ نہ کوئی دوست مدد کرے گا اور نہ کوئی عزیز ساتھ دے گا۔ بُرے وقت مین کوئی کسی کا ساتھ نہین دیتا۔ ؎

کسی کا کب کوئی روز سیہ مین ساتھ دیتا ہے کہ تاریکی مین سایہ بھی جدا رہتا ہے انسان سے

اس واسطے ہر انسان کو لازم ہے کہ آئندہ پیش آنیوالے واقعات کا خیال کر کے اپنی آمدنی و خرچ پہ ہر وقت نگاہ رکھے۔ ضروری و غیر ضروری اخراجات کو دیکھے۔ جو اخراجات غیر ضروری سمجھے اُن سے فوراً دست کش ہوجاے۔ اور یہ خیال کر لے کہ ایسا نہو کہ بلا ضرورت خرچ کر کے ضرورت کے وقت پریشانی اور محتاجی ہو۔ ضرورت کے اصلی معنی اپنے دل مین خوب ذہن نشین کرے۔ ضرورت کے اصلی معنی یہ ہین کہ جس چیز کی ضرورت ہو وہ خود بخود یاد آئے اور جو ضرورت چیز کو دیکھ کے یاد آئے اُسے ضرورت نہ سمجھنا چاہیے۔

اپنی آمدنی و خرچ پر نگاہ رکھنے کے واسطے ایک حساب کتاب رکھنا چاہیے۔ اور اُس حساب کتاب کو ہمیشہ بہت ہی ہوشیاری کے ساتھ لکھنا چاہیے۔ اس سے یہ منشا نہین کہ معمولی خرچون کی بھی تشریح ہونی چاہیے۔ بلکہ میرا اصلی منشا صرف اسقدر ہے کہ یہ بات ہر وقت معلوم رہے کہ ہماری گاڑھی کمائی کا روپیہ کس طرح صرف ہوتا ہے جا سے یا بیجا۔

جو کچھ بیجا خرچ سمجھو اُسے بالکل نکال دو اور آئندہ سے ایسے اخراجات کو گناہ سمجھو۔ اگر کسی مہینہ مین آمدنی کم ہو تو اپنی ضرورتون کو مختصر کردو۔ جو شخص اس بات کا خیال رکھے گا کہ مین کسقدر روزانہ پیدا کرتا ہون اور کسقدر خرچ کرتا ہون وہ ہرگز فضول خرچ نہین ہوسکتا۔ فضول خرچ تو وہی لوگ ہین جو خرچ کرتے وقت اپنی آنکھین بند کر لیتے ہین انکو نہین معلوم ہوتا کہ ہم کس رستہ پر چل رہے ہین اور کہان جا رہے ہین۔ خدا ہماری قوم کو فضول خرچی سے بچاے اور کفایت شعاری کے طریقون پر چلنے کی ہدایت دے۔ آمین

حکیم راجہ بیگم۔

رباعیات اوجؔ

انسان کا دل بھی ایک آئینہ ہے
خلق و کرم و جود کا گنجینہ ہے
اخلاق سے اوجؔ ہے بشر کو لے اوج
معراج ترقی کا یہی زینہ ہے

افلاس کی ہر سمت جفا کاری ہے
ادبار کی خوب گرم بازاری ہے
خواب غفلت میں ہیں مسلمان اے اوجؔ
چونکاؤ انھیں کہ وقت بیداری ہے

میدان ترقی سے بہت دور ہیں ہم
بیکس عاجز غریب مجبور ہیں ہم
صنعت سے ہے مطلب نہ تجارت سے غرض
ہر طرح کے علم و فن سے معذور ہیں ہم

ہر ایک سے خلق و دوستداری سے ملو
ہر شخص سے عجز و انکساری سے ملو
جس طرح نہال بارور جھکتا ہے
اے اوجؔ ملو تو خاکساری سے ملو

اپنا جسے سمجھے تھے وہ اپنا نہ ہوا
بڑھ کر دشمن سے بھی وہ بیگانہ ہوا
امید وفا نہیں کسی سے اے اوجؔ
کوئی بھی شریک درد و غم کا نہ ہوا

گو اندنوں نارسا ہے قسمت میری
ابتر ہے بہت ہی گرچہ حالت میری
احباب پہ نقش پا کی صورت مٹ کر
مشہور جہان ہے اوجؔ الفت میری

اوجؔ گیاوی

ترکی مسلمان عورتین

برادرم منظور علی کا ذکر اس سے پیشتر الناظر مین کیا جا چکا ہے گزشتہ ڈاک سے اُنکا جو خط آیا ہے اُس کے ساتھ عنوان مندرجۂ بالا سے ایک مضمون بھی ملا جو دلی مسرت کے ساتھ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

عزیز موصوف کو مضمون نویسی کی مشق نہین اور پھر بھی تو میدان جنگ مین ٹھہکر اور اسپتال کی مصروفیتون اور موسم کی دشواریون کے مقابلہ مین اتنا اطمینان اور اتنی فرصت کہان کہ وہ مضمون نگاری کے تمام فرائض باحسن وجوہ انجام دے سکین۔ اس لیے جو کچھ آنکھون سے دیکھا یا جو واقعات معلوم ہوے اُنکو نہایت بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ تحریر کر دیا ہے۔

ناظرین الناظر کے لیے عموماً اور وہنکی خواتین کے لیے خصوصاً یہ حالات نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہون گے۔ اور ہم امید کرتے ہین کہ اپنی ترکی بہنون کی معاشرت کے روشن پہلوون پر نظر کرکے ہندوستان کی خواتین جنکو نسبتہً تعلیم حاصل کرنے اور بیداری عام سے فائدے اُٹھانے مین کم دشواریون کا سامنا ہے کوشش کرینگی کہ وہ بھی آیندہ چل کر انور بے کے سے شیر دل بچے پیدا کرین۔

ایڈیٹر

ترکون مین جو خوبیان ہین اُنمین سے ایک اُنکا زندگی بسر کرنے کا طریقہ ہے۔ اس گئی گزری حالت پر بھی ترکون مین اس خوبی کا پایا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ابھی کچھ روح اس قوم مین باقی ہے۔ بس مسیحائی کی دیر ہے بلکہ مسیحا کو بڑی آسانی پڑے گی۔ اُنکی زندگی کے اچھے ہونے کی سب سے اچھی مثال یہ ہے کہ اُنکی عورتین مہذب ترین ملک کی عورتون سے اگر اچھی نہین تو بُری بھی نہین۔ بلکہ مین اسپر زور دون گا کہ اچھی ہین۔ ان خواتین مین اگر کمی ہے تو تعلیم کی اور زیادہ تر مذہبی تعلیم کی لیکن اب اس طرف قوم کو اتنا خیال ہے کہ صرف ۱۹۱۲ مین قسطنطنیہ کے شہر اور پہل احاطہ مین پانچ بڑے بڑے مدرسے صرف اسلامی عورتون کی مذہبی اور تمدنی حالت بدلنے کے لیے کھولے گئے ہین۔ اُنکی پڑھانے والیان جرمن۔ فرینچ اور خود ترکی تعلیم یافتہ خاتونین ہین۔ لیکن ایسی کسی تجویز کو یورپ کی ترکی کو ہضم کرنے کے لیے آئے دن کی خانہ جنگیان برپا کرنے اور لڑائیان لڑوانے کی پالیسی بڑھنے اور ترقی کرنے کا موقع نہین دیتی۔ خیر خدا مالک ہے۔

مین بالکل عام راے سے قطع نظر کرکے صرف اپنی راے اور اپنی اطلاع پر جو ترکی عورتون کی بابتہ مجھے ملی ہے یہ مضمون لکھتا ہون۔ عورتون کی بابت مین نے سب سے پہلے اسلیے تفتیش کی کہ اگر مائین اچھی ہین

توآئندہ نسل کے سدھرنے کی امید پائی جاسکتی ہے - میرے خیال ناقص مین عورت مین چار خوبیان لازمی ہین ۔

(۱) عصمت - حیا - عفت وغیرہ کا حد درجہ خیال -

(۲) تعلیم ہر اچھے فن مین -

(۳) تعلیم سے اچھا فائدہ حاصل کرنا -

(۴) اپنے کارہاے لائقہ مین تعلیم اور تربیت کو کام مین لانا اور اپنی حد سے تجاوز کرکے جو حد کہ قدرت نے مقرر کردی ہے اُن کامون مین ہاتھ نہ ڈالنا جسکے لیے ایک دوسرا ہاتھ موجود ہے -

پہلی خوبی یہان کی مسلمان عورتون مین اسّی فیصدی پائی جاتی ہے اور مین خیال کرتا ہون کہ اچھی تعلیم سونے سوہی کو اچھا نکالے گی - صرف اسقدر ضرورت ہے کہ عیسائی عورتون سے ربط بڑھنے نہ پاے جو ترکون کے یورپین لیڈیز سے شادی کرنے سے روز افزون ہے -

عصمت کا حال تو دراصل خدا ہی جانتا ہے لیکن جسقدر ظاہر ہوسکا ہے وہ یہ ہے کہ یہان کی زنانی تمدن مین غیر مردون سے باتین کرنا - راہ ورسم رکھنا - ناچ اور کھیل کود مین شرکت کرنا - ڈنر پارٹیون اور تھیٹرون مین جانا سخت معیوب تصور کیا جاتا ہے - ترکی عورتون کی عصمت کی اچھائی اس فعل سے ظاہر ہوسکتی ہے کہ پردہ یہان ہند کی قید کی طرح نہین ہے - یعنی فقط برقع ہے اور آزادی بھی بہت کافی ہے لیکن سارے جہان مین کام کرتی پھرین گی اور کیا مجال کہ ذرا راہ راست سے ہٹ جائین - حیا - اس خوبی کی تو حد نہین - اگر کسی راستہ چلتی عورت کو آپ نگاہ بھر کر دیکھنا چاہین تو ناممکن ہے کیونکہ عورت کی نگاہ اوپر نہین اُٹھتی - دوسرے یہان شرفا مین بالکل ہندوستان کا سا برقع رائج ہے - فرق اسقدر ہے کہ جالی کے بجاے مُنھ پر کالا نقاب ہوتا ہے اور برقع ساے کی قطع کا ہوتا ہے لیکن ستر پوشی بالکل ہندوستان کے برقع کی سی ہوتی ہے - ہاتھ او پاؤن اور گردن برقع سے کھُلی رہتی ہے لیکن انکو بھی انھین کے واسطے جو اشیا مخصوص ہین وہ چھپاے رہتی ہین - راستے مین کسی مرد کے پاس سے کبھی نہین نکلتین - راہ کتر جائین گی تاکہ دھکہ نہ لگے - تیز ہوا چلی اور ٹھہر گئین اس لیے کہ ہوا سے کپڑا جسم پر چپک کر بدن کی قطع نہ ظاہر کردے - قوم کے لیے آے دن جلسے کرنا اور فیاضیان دکھلانا عام ہے - لڑکے اور خاوند اور بھائی کو تو اس طرح لڑائی پر حکماً روانہ کرتی ہین جیسے اس حکم سے سرتابی ممکن نہین - زیور یہان عورت کو بہت عزیز ہونا چاہیے کیونکہ بہت کم اور صرف گلے اور کلائیون مین پہنا جاتا ہے لیکن یہ اسقدر آسانی سے قوم کے لیے اُترتا ہے جیسے سر سے بال جھڑ جاتے ہین - عفت اور عصمت کا چولی

دامن کا ساتھ ہے۔

تعلیم بیشک میرے خیال میں اسکی تھوڑی سے کمی ہے۔ اسقدر نہیں جسقدر کہ یورپ میں یا ہندوستان میں خیال کی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ تعلیم صرف ان کو نہ صرف عورتوں ہی کے لیے مخصوص ہے۔ یہ عورتیں قدرتی طور پر کچھ ایسی ہوشیار ہوتی ہیں کہ تعلیم تھوڑی سے صرف صیقل کے طور پر ہو جاوے تو کافی ہے۔ اسوقت بھی تعلیم اسقدر کم نہیں ہے کہ عورتیں جاہل کہلائی جائیں۔ انکی اپنی تربیت اور پرداخت اسقدر اچھی ہوتی ہے کہ تعلیم کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ ترکی ماؤن کا ہی اثر ہے کہ ترکی میں آج انور بے۔ طلعت بے۔ نیازی بے۔ وغیرہ ایسے ہونہار اور محب وطن بچے پیدا ہوے ہیں۔ آج اس اجڑی ہوی ترکی نے دوسرا نپولین پیدا کر دیا ہے کیا یہ کسی غیر کا اثر ہے۔ جیسے نپولین اپنی تمام اچھائیوں کا انحصار اپنی ماں کی تربیت اور تعلیم پر رکھتا تھا اسی طرح میں انور بے وغیرہ کی ماؤن کو اسکا بانی بتاتا ہوں۔ بعینہ اسی طرح خطوط لکھ کر جس طرح نپولین کو اسکی ماں لکھتی تھی انور بے کی والدہ معظمہ نے لبا اوقات کیا کیا اعلے نصائح دیے ہیں۔ یہ خطوط اکثر ناظرین کی نظروں سے ہندوستان کے اخباروں میں ترجمہ کیے ہوے گزرے ہونگے۔ علاوہ اسکے کوئی آکر دیکھ لے عام طور پر وہ لڑکے جو آجکل کی ماؤن کے پالے ہوے ہیں یورپ کے تعلیم یافتہ بچوں سے کہیں برتر ہیں۔ اتحاد۔ محبت۔ حب وطن۔ کم سخنی۔ متانت اور عقل و فہم۔ بھلائی برائی میں تمیز تمام باتیں انمیں اچھی ہیں۔ صرف تعلیم نہیں سو اسکے لیے اگر زمانہ فرصت دے تو یہ خطہ دوسرا یونان ہو جاے یہ عورتوں ہی کی کرامت ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی عورت پکانا۔ سینا۔ پڑھنا۔ لکھنا نجانتی ہو۔ اکثر تو شاعر ہیں لیکن خوش قسمتی سے یہاں کی شاعری گل و بلبل کے بیہودہ افسانوں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ پرانی دل بڑھانے والی قسم کی نظمیں ہوتی ہیں۔ ایک عورت نے ابھی ایک تازہ جلسہ میں ایک نظم پڑھی تھی جو یہاں کے تمام اخباروں میں چھاپی گئی تھی۔ اور بڑی بڑی نظموں سے اچھی تھی۔ مجھے اس کا مطلب سمجھایا گیا تھا تو اسکے خیالات اسقدر پاکیزہ ہیں کہ ایک جاہل کہلاے جانے کی مستحق [illegible] ت سے ایسے خیالات کی توقع جہالت ہوگی۔ یہاں تمام قسم کی مخرب اخلاق باتیں معیوب ہیں یہانتک کہ برخلاف ہندوستان کے والدین کے یہاں بچوں کو ناول تک نہیں پڑھنے دیتے کہ عشق عاشقی میں نہ پڑجائیں لیکن یہ تمام باتیں ان نئے ترکوں میں ہی ہیں۔ پرانے بڑے عیش پسند ہیں۔ مرد اور عورتیں دونوں۔ میرے خیال میں تعلیم نہونے پر بھی وہ بہتیری تعلیم یافتہ عورتوں سے اچھی ہیں۔ اکثر دوکان بنک یا پوسٹ آفس میں گفتگو کرتے سن لو تو گھنٹوں الفاظ یاد رہتے ہیں۔ عجب لطافت اور خوش اسلوبی سے [illegible] کیا کرتی ہیں۔ گھر کا

تمام حساب کتاب بازار کا سودا سلف۔ ہر بات مین وہ تیزداری برتی جاتی ہے کہ تعریف سے باہر ہے۔ اکثر لوگ باور نہ کرینگے اگر مین کہون کہ خاص جلسے کرکے کامل پاشا کی وزارت کو نقصان پہونچانے اور توڑنے کی کوشش عورتون نے بھی کی تھی اور اس وزارت کے مستعفی ہونے پر جو خوشیان اس گروہ نے منائی ہین مردون نے بھی نہ منائی ہونگی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مین عقل اسقدر زائد ہے کہ تھوڑی ہی تعلیم کافی ہوگی کیونکہ بغیر تعلیم کے اپنے اور اپنے ملک کے اچھے برے کو اسقدر اچھی طرح سمجھتی ہین جیسے بڑے بڑے مدبر کاش مادر ہند بھی ایسی عورتین پیدا کرتی۔

تیسری خوبی چوتھی خوبی کے ساتھ ہے یعنے ان تمام خوبیون کا اُن مین ہونا ہی تعلیم سے اچھے فائدے حاصل کرنا ظاہر کرتا ہے۔ وہ فائدے نہین جو یورپ کی تعلیم یافتہ اور ہندوستان کی نیم حکیم خطرۂ جان عورتین حاصل کررہی ہین۔ یعنی اُنھون نے باب عالی مین پستول نہین چلائے۔ پتھر نہین برسائے۔ انھون نے گلیون مین ہنگامے نہین مچائے انھون نے بیکار حد سے تجاوز کرکے پولیٹکل ذمہ داری کو کاندھے پر نہین رکھنا چاہا گھر کا تمام کاروبار چھوڑکر وہ پارٹیون۔ ناچ گانون۔ باغ کی تفریح مین یا تھیٹرون اور مختلف جلسون مین شرکت کرکے وقت خراب نہین کرتین۔ پانچ روپیہ پر رذیل عورت کو نوکر رکھکر بچون کو تربیت نہین دیتین۔ بچون کو صاحب بہادر سے نہین ڈرواتین۔ اگر ہندوستان کی مائین خود اس ذمہ داری کو پورا کرین تو اس طرح رذیلون کی تربیت سے بچون مین بزدلی تو نہ پیدا ہو۔ خیالات شریفانہ ہون۔ بچون سے بیجا محبت ظاہر کرنا انکو خراب کرنا ہے ان تمام باتون سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اُس تھوڑی سی تعلیم کا کسقدر اعلےٰ مصرف کرتی ہین۔ سوائے اسکے کوئی گھر کے کام کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ ترکی عورت اور کسی غلط فہمی مین پڑکر خواہ مخواہ کے لیے مردون سے دشمنی مول نہین لیتی۔ اپنی عمر اور اُسکی عمر خراب نہین کرتی۔ اپنے اُنکے تعلقات برباد نہین کرتی۔ تعلیم کے معنی وہ یہ نہین سمجھتی کہ بچون کو اور گھر بار کو اور اُن تمام کامون کو چھوڑکر جس کے لیے دست قدرت نے خاص کر اُسی کو پیدا کیا ہے وہ کچہری جاے اور مقدمات فیصل کرے۔ ایک ترکی عورت اپنی تعلیم کا صرف اسی قدر خیال کرتی ہے کہ وہ تمام قسم کی ادب فلسفے۔ سائنس اور قانون وغیرہ کی کتب کو پڑھکر سمجھ کے مذہب کو کتابون سے پختہ کرسکے اور ان تمام باتون پر پابندی اور اچھائی سے عمل کرسکے جو اُن کتابون مین اچھی دکھلائی گئی ہین۔ قانون قدرت نے اور قانون دنیوی نے جو جو پابندیان کردی ہین اُن سے گزر کر اپنے آپ کو گناہ گار نہ بنائے۔ ترکی عورتین بغیر سمجھے آزادی کی رٹ نہین لگاتین۔ وہ آزادی کو مردون سے

ثمنی اور اختلاف اور تفریح اور سیر پر ختم نہین کرتین۔ آزادی ترک عورت سے بڑھکر اور کسی کو نہ ملنا چاہیے۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہیے برقع اولٹکر نکل جاؤ جو دل چاہے کرو۔ شوہر کی ذمہ داریون کو خیال مین جمائے رکھو۔ جو دل چاہے کھاؤ۔ پیو۔ پہنو۔ ترکی خاتون ان تمام باتون سے فائدہ اُٹھاتی ہے اور ساتھ ہی آزادی کے برے معنون اور طریق پر نفرت کی تسبیح پھیرتی ہے۔ کاش یہ تمام خوبیان ہند کی عورتون مین بھی پیدا ہو جائین اور اُنکے صدقہ مین وہان بھی نپولین پیدا ہونے لگین۔ آمین۔

منظور محمود

غزلیات

ایذا دے کر پائی ایذا راحت دے کر آرام لیا — ہوجاتا ہے کیا جلدی بدلا جو صبح دیا شام لیا

بیکاری فرقت مین ہم نے ہاتھون سے کیا کیا کام لیا — اُٹھے تو سنبھالے دل اُٹھ بیٹھے تو کلیجا تھام لیا

محشر مین شکوہ جور کیا دل دینے کو سمجھے اپنی خطا — کیا اسکو بھی سمجھو گے نہ وفا سب اپنے ہی سر الزام لیا

محفل مین ہم مانع تھی اپنے مطلب اشارون ہی مین ادا — باتون کا اگر موقع نہ ملا آنکھون سے زبان کا کام لیا

برخاستہ خاطر ایسے تھے ہم رو کے نہ رُکین گے اب جیسے — پھر اُٹھتے اُٹھتے بیٹھ گئے جب اُسنے گریبان تھام لیا

چھیڑا جو کسی نے دیئے قسم ظاہر ہوا پنہان تھا جو غم — چپ بیٹھے تھے جسکی یاد مین ہم بولے تو اُسیکا نام لیا

گو ضعف سے اُٹھ بھی نہ سکتے تھے اُن تک پہنچے گرتے پڑتے — اس دل سے خدا سمجھے جسنے جو ہو نہ سکے وہ کام لیا

دم بھر تو قرار بھلا ہی کسے بیتابیِ دردِ فرقت سے — بیہوش ہی تو یہ سمجھے بس اتنی دیر آرام لیا

اے آرزو کیا اسکا جانے دو جو وہ بدلہ گیا — پر مجھسے کوئی ہوگا نہ بُرا گر آج سے دل کا نام لیا

سید انور حسین آرزو لکھنوی

دیکھون تو نہین آتی ہے اب یاد کسی کی — آئی ہے ستانے انھین فریاد کسی کی

سینے سے لگائے تجھے رکھین گے وہ ہر وقت — اب مان بھی جا اے دلِ ناشاد کسی کی

آتی ہے تو لے آتی ہے یہ ساتھ کسی کو — آ آ کے ستاتی ہے بہت یاد کسی کی

تو ہاتھ بھی روکے گا تو چل جائے گا خنجر — آئی ہوی رکتی نہین جلاد کسی کی

گہرا بھی اُتر جائے جو نشتر نہین پروا — نبضین بھی ہین ڈوبی ہوی فصاد کسی کی

آتا ہے تو چپ رہتے ہین مرغان نوا سنج — شکوہ ہے کہ سنتا نہین صیاد کسی کی

سر پھوڑ کے دی جان بھی تو کیا سرکسار ٹھوکر بھی تو کھائے سر فرہاد کسی کی

افسوس کہ دل ہم سے گیا ہم گئے دل سے دل سے نہ گئی لذت بیداد کسی کی

کھنچ آئے گی وہ کھینچ نہ دل کی مری تصویر تصویر مرے دل میں ہے بہزاد کسی کی

آواز حرم ذبح یہ آئی رگ جان سے رہنے دے لگی خنجر فولاد کسی کی

دامن میں بگولے لیے پھرتے ہیں مری جان اس طرح بھی مٹی نہ ہو برباد کسی کی

سن کر وہ ریاضؔ آپ کے اشعار یہ بولے
حق ہے کہ طبیعت ہے خداداد کسی کی

ریاضؔ خیرآبادی

گئی نہ دل سے کہیں آہ نارسا میری ہزار شکر کہ اکھڑی نہیں ہوا میری

سنیں گے شوق سے وہ داستان کیا میری کہ حرف حرف ہے گویا کہ التجا میری

اثر کے پاؤں پڑی عرش کے قدم چومے کسے کسے نہ مناتی پھری دعا میری

وصال ہجر میں یکسان ہی ترا ذکر خیال یہ اپنی وضع نہیں چھوڑتی وفا میری

اشارہ پا کے اثر کا لگے کچھ ایسے پر ابھی تھی دل میں ابھی عرش پر دعا میری

طلسم عشق نظر بند کر گیا ہے مجھے نگاہ کس پہ اٹھے گی ترے سوا میری

طمع ہے دل کی تو عاشق کے ہاتھ جوڑو گے یہ کیا کہا کہ خوشامد کرے بلا میری

کسی کو تیغ بکف دیکھ کر یہ گھبرایا حواس کیا کہ ہوئی روح تک فنا میری

نہیں ہیں تیغ ستمگر میں حلقۂ جوہر دکھا رہی ہے یہ آنکھیں مجھے قضا میری

ہوا ہوں حور کا طالب پہنچ کے مرقد میں بڑھی ہے زندہ دلی کیا پس فنا میری

علاج عشق کا جینے پہ انحصار ہے کیوں وہ آسمان سے لائیں گے کیا دوا میری

جسے ہر ایک نے سنا یقیں وہ گالیاں تیری جسے نہ کوئی سنے ہے وہ التجا میری

چلا ہے لے کے مجھے شوق دل وہاں احسنؔ
قبول ہو نہیں سکتی جہاں دعا میری

احسنؔ مارہروی

کھینچ لائی ہے انھیں گور غریباں میں کشش بعد مرنے کے ہوئی ہے سوز پنہاں میں کشش

زیر طوبیٰ جو رہا کرتے تھے وہ بھی آ گئے اس قدر ہے سایۂ دیوار جاناں میں کشش

خود چلے آئیں وہ میرے گھر کلیجہ تھام کر | اسقدر تو ہو کبھی آہ سوزاں میں کشش

لے وفا وہ سخت دل ہوں لاکھ لیکن ایکدن
کھینچ لائے گی انھیں گورِ غریباں میں کشش

وفا شاگرد جلیل

مری دیوانگی کیا جانے مری جان کوئی | دشت مجھ سے کوئی چھوٹا نہ بیابان کوئی

ہے فدا خط پہ کوئی خال پہ قربان کوئی | کوئی کافر جو ہوا ہے تو مسلمان کوئی

کھینچ لے آنکھ میں تصویر خیالی اُن کی | شغل اب چاہیے ہے اے شب ہجران کوئی

واہ کیا خوب تماشا ہے ترے کوچہ میں | طالبِ موت کوئی وصل کا خواہاں کوئی

زلف پُر پیچ کے پھندوں میں خدایا پھنسکر | ہو نہ دنیا میں مری طرح پشیمان کوئی

اللہ اللہ میں اس لطف وکرم کے صدقے | بارِ عصیان ہے مرے سر پہ پشیمان کوئی

لکھنؤ میں ہمیں آرام نہیں اے ناصر
بدلے اس شہر کے مل جائے بیابان کوئی

ناصر نقوی دہلوی

مانا کہ زمانے میں نہیں تم سا حسین اور | مجھسا بھی کوئی چاہنے والا ہے کہیں اور

موقوف نہ کر دورِ مئے روح فزا کا | کچھ دیر ابھی پیر خرابات نشین اور

ہر زخم جگر سے مرے آتی ہے یہ آواز | قاتل ترے قربان کوئی وار یہیں اور

اڑتی ہے کبھی خاک جو مجنوں کی لحد سے | جز کوچۂ لیلےٰ نہیں جاتی ہے کہیں اور

صادق مجھے اب چین نہیں زیر لحد بھی
ہے جی میں یہاں سے بھی نکل جاؤں کہیں اور

عبدالغنی صادق نانذیری

بیکسی میں کون اب غمخوار ہے | میں ہوں یا میرا دل بیمار ہے

جس کے پہلو میں دل بیمار ہے | لاکھ آزاروں کا اک آزار ہے

قتل کرتی ہے یہ مل مل کر گلے | واہ کیا چلتی ہوئی تلوار ہے

جان دینا سہل ہے دیدیں گے ہم | جان لینا مہربان دشوار ہے

گل فشانی ہے قفس میں بھی وہی | جس جگہ ہم ہیں وہی گلزار ہے

جان لینے کو قضا سے کیوں کہو | اک ادائے ناز بس درکار ہے

جب کہا اُن سے کہ مرتا ہے ظہور | بولے اپنے فعل کا مختار ہے

منشی ظہورالدین ظہور کاکوروی

نظرے خوش گزرے

ہندوستان کے اخبارات و رسائل پر ایک مفصل تبصرہ کا تہیہ مدت سے ہے - ایک حصہ لکھا بھی گیا لیکن کچھ تو اس وجہ سے کہ جگہ کی قلت ہے اور کچھ اس وجہ سے کہ گزشتہ دسمبر سے مسلسل سفر - علالت - بعض نئے افکار اور غیر معمولی مصروفیتون نے ایسا پریشان رکھا کہ لقبیہ اجزا کے لکھنے سے ہم قاصر رہے - جو نئے اخبارات و رسائل ادھر جاری ہوے ہین اُنکے ایڈیٹرون کو ایک طرف اور جن حضرات نے ازراہ کرم بہت سی کتابین ہمارے پاس بغرض ریویو بھیجی ہین اُن سب کو دوسری طرف ہم سے شکایت کا موقع حاصل ہے اور ہم سوائے اسکے کہ اعتراف جرم کر کے عذر خواہ ہون کیا کر سکتے ہین - بہرحال سردست ہم اپنے چند معاصرین کا خیر مقدم کرنے پر اکتفا کرتے ہین - انشاءاللہ فرصت سے اپنی مفصل (اگرچہ ناچیز) رائے کا اظہار کرین گے -

اس طرف جو جدید اخبارات و رسائل معرض وجود مین آئے ہین اُنمین حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہین - اخبارون مین آزاد (کانپور) مساوات (الہ آباد) ہمدرد (دہلی) اور توحید (میرٹھ) اور رسالون مین نقاد (آگرہ) العصر (لکھنؤ) نگار بزم (کلکتہ) شاہد سخن (حیدرآباد دکن) -

ان مین سے اخبار آزاد کے مالک اور ایڈیٹر ہمارے قدیم کرم فرما منشی دیا نرائن نگم بی اے ہین جنکا رسالہ زمانہ نہ صرف ہمارے خیال مین بلکہ عموماً اہل نظر کی رائے مین ہندوستان کے موجودہ تمام رسائل سے افضل و بہتر ہے - اور اس سے بآسانی اندازہ کر لیا جا سکتا ہے کہ اخبار مذکور کس پایہ کا اخبار ہوگا - مختلف نقطہ ہاے نظر مختلف نتیجون پر پہنچاتے ہین اور اسلیے ضروری نہین ہے کہ اخبار مذکور کی تمام حیثیتون کے متعلق ہماری رائے یکسان طور پر پسندیدہ ہو لیکن حیثیات کے لحاظ سے عموماً اور اُس جماعت کی نظر سے خصوصاً جسکی نیابت کا حق نگم صاحب ادا کر رہے ہین آزاد کی زندگی نہایت امید پرور معلوم ہوتی ہے - اسکی قیمت سالانہ ۳؎ ہے - مگر ظاہری حالت قابل تعریف نہین -

مساوات اس حیثیت سے تو یقیناً نہایت قابل قدر ہے کہ صوبہ ہاے مرکز مین کوئی اُردو اخبار (خصوصاً مسلمانون کے حقوق کی حفاظت کے لیے) نہ تھا اور ہمارے عزیز دوست منشی نذیر احمد (علیگ) کی ہمت پر جسقدر آفرین کی جاے کم ہے - لیکن غالباً اب تک کافی مقدار مین عمدہ ایڈیٹوریل اسٹاف کا انتظام نہین ہوا ہے جو مساوات اپنی اصلی حیثیت و منزلت حاصل کر سکے - مگر نا امید ہونے کی کوئی وجہ نہین - قیمت بھی اسکی للعہ کم نہین ہے -

ہمدرد کا تذکرہ بحیثیت اخبار اُسوقت تک تو کرنا چاہیے جبتک وہ موجودہ حالت مین ہے اور اپنی ترقی پذیر حالت کے لیے نقیب کا کام کر رہا ہے - ہان جب یہ اپنی اصلی حیثیت مین نمودار ہوگا تو ہم کو امید ہے کہ ہندوستان کی اخباری

دنیا مین ایک نہایت ہی قابل قدر اضافہ ہوگا اور موجودہ زمانہ کے بعض مشہور اخبارون کی بدمذاقی کے لیے اسکی اشاعت یقیناً موجب تنبیہ و اصلاح ہوگی - بہرحال ہم اُس دن کے لیے بے چینی سے انتظار کر رہے ہین -

توحید مین وہ تمام جدت طرازیان مجموعی طور پر پائی جاتی ہین جو حسن نظامی صاحب کی ذہانت و طباعی کا ثبوت دیتی رہتی ہین - خواجہ صاحب کی انشا پردازی ہماری مدح و ستایش سے بالاتر ہے اور اگر توحید کا ظاہری لباس تصوف کی باطنی تعلیم کے لیے مفید و کارآمد ہوسکتا تو مسلمانان ہند کے حق مین یہ اخبار ضرور نزول رحمت کا باعث ہوتا لیکن جب اہل باطن ظاہری تصنعات سے آراستہ ہوکر نمود و نمایش کو اکتساب برکت کا ذریعہ قرار دین اور یخادعون الله والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسهم وما یشعرون کی دل ہلا دینے والی آواز پر کان نہ دھرین تو ظاہر ہے کہ مذہب اور اہل مذہب کے حق مین نتیجہ کبھی مفید نہین ہوسکتا - ہم جانتے ہین کہ ہماری آواز ان معاملات مین نہایت مدہم ہوتی ہے لیکن پھر بھی جب کبھی ہمین موقع ملے ہم اس بارے مین اپنی رائے کا اظہار آزادی کے ساتھ کرتے رہینگے اس لیے کہ مسلمانون کی موجودہ ذلیل اور پست حالت کا ذمہ دار زیادہ تر وہی گروہ ہے جو انانیت و خودی کی مے دو آتشہ کا متوالا بن کر خدا اور رسول کی ارشاد و تعلیم کو پس پشت ڈالنے اور مذہب کے ظاہری لباس سے آراستہ ہوکر سادہ لوح حلقہ بگوشان مذہب کی آنکھون کو خیرہ کرنے مین ید طولیٰ حاصل رکھتا ہے -

افسوس ہے کہ یہ خاکی نژاد انسان جسکی تخلیق مین ایک ناقابل شمار حصہ وقت سے زیادہ اور ایک قطرۂ ناپاک کے سوا صرف نہین ہوا ہے کتنی جلد اپنے نفس کا بندہ بن جاتا ہے - طرح طرح کی نیرنگیون اور شعبدہ بازیون سے اُس خالق ذوالجلال کی بیشمار مخلوق کو مصیبتون مین پھنساتا ہے جسکی قدرت و طاقت کا اندازہ بھی امکان بشری سے خارج ہے اور پھر اپنی وقتی اور عارضی کامیابیون سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ اُس بصیر و علیم کو بھی دھوکہ مین ڈالدیا ہے - اور اسوقت کو یاد کرکے نہین لرزتا جبکہ یہ سراب یہ بلبلہ یہ دھوکے کا طلسم باقی نہ رہے گا اور دلون کے اندر کے راز طشت از بام کردیے جائینگے - ؎ ٹٹولتے ہین بیان حال گوشہ گوشہ دل + بیان نہین ہے حکایت سے اور قال سے کام -

ہمارے متعلق توحید کے پہلے ہی پرچہ مین یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ ہم درویشون کی ہستی کو ریاکاری کی ہستی قرار دیتے ہین - اور اگر مذکورہ صدر خیالات کا مفہوم یا جو کچھ ہم نے اس مسئلہ پر ۱۲ فروری ۱۳ء کے الناظر مین نظام المشائخ پر ریویو کرتے ہوے لکھا تھا اُسکا منشا و مطلب توحید کے طبع اڈیٹر کی رائے مین اسیقدر ہے تو ہم کو ان سے کوئی شکایت نہین ہوسکتی - البتہ ہم دوسرون کی خدمت مین یہ عرض کردینا مناسب سمجھتے ہین کہ ہم اُن لوگون کی ہستی کو ریاکاری کی ہستی نہین قرار دیتے جو واقعی درویش ہون مگر وہ لوگ جو خود پرستی و خود نمائی کے سکہ ہاے مقلوب کا

تبادلہ عقیدت و ارادت سے کرنا چاہیں اور مذہب ایسی مہتم بالشان چیز کو اپنے مفروضہ کشف و کرامات بازیچہ اطفال بنائیں انکے سامنے سر تسلیم خم نہ جھکانا البتہ ہمارے مذہب میں ایک گناہ عظیم ضرور ہے۔ اور خواہ ہم دلعزیز بننے کی ہمیں کیسی ہی سخت خواہش و ضرورت کیوں نہ ہو لیکن ہم اپنی فطرت سے مجبور ہیں کہ امید و بیم کی کوئی حالت ہمیں اس معاملہ میں شکست نہیں دے سکتی۔

ہمارے اوپر ایک اور اعتراض کیا گیا ہے جس کا کچھ حصہ چونکہ صحیح ہے اس لیے ہم خواجہ صاحب کے شکرگزار ہیں کہ انھوں نے از راہ کرم گستری ہمیں متنبہ کر دیا اور ہم امید کرتے ہیں کہ آیندہ ہمارا طرز عمل اس معاملہ میں قابل اعتراض نہ ہوگا۔

نقاد کے نام سے تو ہر شخص کو یہی خیال ہوتا ہے کہ آگرہ سے اس نام کا جو رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے اسکی بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ اعلے درجہ کی تنقیدیں اس میں شایع کی جائیں گی۔ مگر ہمارے عزیز دوست سید نظام الدین صاحب دلگیر معاف فرمائیں کہ انھوں نے جس انداز پر اپنے رسالہ کو چلانا شروع کیا ہے اسکے لحاظ سے یہ نام نا زیبا ہی نہیں ناموزوں بھی ہے۔ تنقید لکھنے والے میں جن صفات کا ہونا ضروری ہے انمیں وسعت نظر وغیرہ کے علاوہ مندرجہ ذیل دو صفات ہمارے خیال میں لازمی ہیں :- (۱) یہ کہ صاحب تنقید ایک بڑی حد تک بے لاگ ہو یعنی حسن و قبح کے پرکھنے میں ہر قسم کے ظلمات شخصی سے احتراز کر سکتا ہو ۔ (۲) اتنی اخلاقی جرات رکھتا ہو کہ تعریف یا ذم کی جتنی بھی حیثیت نظر آئے سکو بلا پس و پیش ظاہر کر دے۔

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے دوست حضرت دلگیر میں یہ صفات بالکل مفقود ہیں لیکن اگر بعض نقاد کے گزشتہ چار پرچوں ہی کو دیکھکر کوئی رائے ظاہر کیجا سکتی ہے تو ہم بلا خوف لومت لائم یہ کہنے کی جرات کرینگے کہ وہ تنقید نگاری کے فرائض اچھی طرح ادا نہیں کر سکتے پس ہماری عقل محدود اس حقیقت کی تہ تک پہونچنے سے قاصر ہے کہ سید صاحب نے اپنے رسالہ کے لیے یہ ناموزوں نام کیوں نہ تجویز کیا۔ بہرصورت ہم اس خاص معاملہ میں نقاد کے منتظمین کو ناقابل معافی سمجھتے ہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ہماری ناچیز رائے میں اس نرے ستم نے نقاد کی دوسری خوبیوں کے حسن کو بھی نکھرنے نہ دیا۔ ورنہ مضامین کی شوخی و رنگینی ایسی نہیں جو کم سے کم جلد قبولیت عام کا ذریعہ نہ بن جائے۔ پھر لکھائی چھپائی کا دیدہ زیب ہونا اور انتظام روانگی میں پابندی کا لحاظ رکھا گیا کم قابل ستایش ہے۔ سرورق بھی خوشنما ہے۔ کاغذ ذرا بہتر ہوتا تو بہتر تھا قیمت (عے) البتہ اس لحاظ سے زیادہ ہے کہ اس حجم کے رسالوں کی قیمت عموماً اتنی نہیں ہے لیکن جنکے پاس نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز" کے پیام آتے رہتے ہوں انھیں اس بارہ میں عام روش کی تقلید کی حاجت نہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آیندہ کچھ مدت بعد جب ہم زیادہ تفصیل کے ساتھ ریویو کرنے بیٹھیں گے تو اسوقت جن باتوں سے ہم نے اتفاق ظاہر نہیں کیا ان پر بحث کرنے کا موقع نہ ملے گا۔

العصر کے مالک و اڈیٹر مسٹر پیارے لال شاکر میرٹھی ہمارے سابق ہمسایہ ہی نہیں بلکہ ہمارے موجودہ ہمسایہ اور دوست بھی ہیں امین آباد پارک کے جس مکان میں قیصر الناظر ہے اسی کے ایک حصہ میں شاکر صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں اور اسلیے رسالہ کے متعلق جو کچھ ہمیں کہنا ہوگا اُن سے زبانی عرض کر سکتے ہیں۔ تاہم ادائے فریضہ خیر مقدم کے بعد ہم ناظرین سے اس جدید رسالہ کا تعارف کرانا ضروری سمجھتے ہیں۔

العصر اکثر حیثیتوں سے ادیب سے بالکل مشابہ ہے ایسا کہ ایک صاحب نے اسے ادیب کا سوتیلا بھائی بھی بنا دیا۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے کاغذ ادیب سے دبیز لگایا گیا ہے سرورق کا رنگ بھی بدل دیا گیا ہے۔ مگر تصاویر کی حیثیت میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے اور ترتیب مضامین یا خود مضامین کی یکسانیت تو ہماری نظروں میں نہایت کریہہ ہے اور یہی سبب ہے کہ ہماری نگاہ میں اس رسالہ کا اجرا فن اخبار نویسی کے لیے ذرا بھی مفید نہیں

ہمارے نزدیک کسی رسالہ کا وجود اُسی صورت مین حق بجانب ہوسکتا ہے جب یا تو اُسکے مقاصد اشاعت ایسے ہوں کہ دوسرے موجودہ رسائل انکا سرانجام نہ کرسکتے ہون اور یا مضامین و ترتیب مین کوئی خاص امتیاز پیدا کیا جاے۔

ہماری راے ناقص مین ہندوستان ایسے وسیع ملک کے لیے اور خصوصاً یہان کی اقوام و فرق مختلفہ کی ضروریات کے لحاظ سے اخبارون اور رسالون کی موجودہ تعداد ہرگز کافی نہین ہے۔ لیکن ایک ہی قسم کے دو رسالے جنمین فرق اگر کچھ ہو تو محض مقام اشاعت یا مالک و مرتب کی شخصیت کا کسی طرح پر اپنے وجود کو مفید و کارآمد نہین ثابت کرسکتے خصوصاً جبکہ دونوں کا مرکز اشاعت اسقدر قریب ہو جیسے لکھنو سے الہ آباد ہے۔ لیکن مسٹر شاکر نے جس پیمانہ پر ہمت کرکے اس کام کو شروع کردیا ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم انکو خوش آمدید کہین اور ہمت دلائین۔ اگرچہ ادیب کے دولتمند مالکون کے مقابلہ مین انکی کوششین کچھ زیادہ بار آور ہوتی نظر نہین آتی ہین ہمین افسوس ہوگا اگر بدنصیب لسان العصر کی طرح اس بے زبان پرچہ کا متن بھی لکھنو بنا اسلیے کہ ہم کو اپنے شہر کی ترقی و عزت کا خاص لحاظ رہتا ہے۔ اسی لیے ہم اپنے صوبہ کے علم دوست حضرات سے سفارش کرتے ہین کہ آپ کے یہان جو مہمان آیا ہے وہ اگرچہ ناخواندہ سہی لیکن آپ کی توجہ اور اعانت کا خاص طور پر مستحق ہے۔ آپ کو کم سے کم یہی سمجھکر اُسکی اعانت کرنا چاہیے کہ آپ کے صوبہ سے یہ ایک بالتصویر رسالہ شایع ہوتا ہے۔ قیمت اسکی للعہ سالانہ ہے۔

نگار نیر۔ چھوٹی تقطیع کا ایک رسالہ کلکتہ سے شایع ہونے لگا ہے اور غالباً "تنویر المشرق" کا بدل کہا جا سکتا ہے۔ حجم ۳۲ صفحہ ہے قیمت زیادہ ہے۔ مضامین کے لحاظ سے پہلا نمبر قابل اطمینان نہین اور جس مختصر مجموعہ کی ترتیب مین دو دو واقعے مبیح ہون ہمین اس سے ایک ایم اے ہوا ہے۔ اسکی یہ حالت ضرور قابل افسوس ہے کہ سرورق پر جو مقاصد رکھے گئے ترتیب مین انکا کچھ بھی لحاظ نہ کیا گیا تاہم چونکہ بکر ہوسٹل کے طلبا اس رسالہ کے وجود مین آنے کا باعث ہین اس لیے ہم امید کرتے ہین کہ اس نئے پودہ مین آے دن تازہ کونپلین پھوٹتی رہین گی اور کافی نشو و نما پانے کے بعد یہ رسالہ اپنے مقاصد کو اچھی طرح پورا کرسکے گا۔ ہمارے نوجوان دوست ان آزادانہ خیالات سے آزردہ نہ ہون اور اس دوستانہ اور خیر اندیشانہ نکتہ چینی سے اپنے پاے ہمت و استقلال مین لغزش نہ آنے دین اور یقین کرین کہ اس منزل دشوار مین ع دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست

شاہد سخن حیدرآباد سے شایع ہوتا ہے جو ہماری خاص دلچسپی کا باعث ہے۔ اور یہی سبب ہے ہمین شاہد سخن کو دیکھکر کچھ زیادہ خوشی نہین ہوئی اسلیے حیدرآباد ایسے مرکز سے کسی نہایت ہی معمولی رسالہ کا نکلنا قابل افسوس ہے۔ اخبارون کے لیے وہان کی آب و ہوا مفید نہو تو مضائقہ نہین اسلیے کہ سیاسی حریت بغیر تجارت کی ترقی ممکن نہین اور یہ حیدرآباد مین ابھی عرصہ تک حاصل نہین ہوسکتی۔ لیکن علمی اور ادبی رسالہ کے لیے وہان جو سامان مہیا ہے شاید ہی کسی دوسری جگہ مل سکتا ہو۔ روپیہ کی وہان کمی نہین۔ اہل علم بھی وہان بکثرت موجود ہین اور بعض اس پایہ کے لوگ ہین جو سارے ہندوستان کے لیے باعث فخر ہوسکتے ہین۔ پھر وہان ایسے علم دوست حضرات کی کمی بھی نہین جو کسی اچھے علمی رسالہ کی خریداری کرنے مین عذر کرین۔ ہان تھوڑی سی کوشش ذاتی انہاک و دماغ سوزی کی البتہ ضرورت ہے۔ محض سرورق پر تصویر بنا دینا اضافت سے مقاصد کا شمار کرا دینا کسی طرح سرانجام مقصد کے لیے کافی نہین ہوسکتا اگر رسالہ کا [illegible] جاتا ہے۔ اور اس حالت پر عہ سالانہ قیمت رکھنا کسی طرح مناسب نہین ہے۔

مندرجہ ذیل کتب نیجر الناظر ایجنسی امین آباد لکھنؤ سے طلب فرمائیے

آثار الصنادید ۔ سر سید مرحوم کی
نہایت مشہور اور مستند تصنیف
مع نقشہ جات عمارات دہلی عما
ترجمہ تاریخ فرشتہ نہایت مستند و
مفصل و معتبر تاریخ ۔ ـــے ر
قیصر التواریخ یعنی سلاطین اودھ کی
مبسوط و مکمل تاریخ ۔ ۔ ۔ للعہ ر
اردو ترجمہ حیاۃ الحیوان ۔ جانوروں
کیڑے مکوڑوں چرند پرند درندہ وغیرہ کے
تاریخی حالات دو جلد فی جلد عما
ترجمہ تاریخ مصر یعنی مصری طرز
تمدن کا ہو بہو فوٹو عما
ترجمہ منتخب التواریخ ۔ ملا عبد القادر
بدایونی کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ عیہ ر
دبستان مذاہب ۔ دنیا کے مختلف
مذاہب کی حقیقی و تحقیقی کیفیت عمہ ر
سوانحعمری اورنگزیب مصنفہ محمد
لطیف صاحب بی اے ۔ ۱۲ ر
سوانحعمری اکبر ۔ اکبر کے غیر متعصبانہ
اور عادلانہ طرز حکومت کا بیان ۸ ر
شاہجہان نامہ شاہجہان بادشاہ
کے دور حکومت کے مفصل کوائف ـــے ر
مطلع العجائب ۔ ترجمہ نواب محسن
الملک مرحوم با تصویر ۔ عـہ ر
فسانہ برطانیہ ۔ انگلستان کی

معاشرتی اور سیاسی زندگی کی حالت
مصائب غدر ۔ حالات غدر
مفصل ترجمہ مولوی نذیر احمد دہلوی ۸ ر
معلم السیاست ۔ انگلستان کے
مشہور فلسفی مصنف مل کی کتاب
متعلق سیاست مدن جس میں دستوری
حکومت و امور سیاسی پر عالمانہ اور
مفصل بحث کی گئی ہے ۔ عما
اعمال نامہ روس یعنی روسیوں
کی تمدنی حالات اور معاشرتی کیفیات
اور سیاسی تغیرات کا صحیح نقشہ ہے ـــے ر
طلسم فرنگ ۔ انگریزوں کے
عجیب شعبدوں کا بیان عیہ ر
عقل و شعور ۔ لڑکوں لڑکیوں
مردوں ۔ عورتوں کی تعلیم کے لئے کتاب
افسانہ کے پیرایہ میں نصائح حکیمانہ و فلسفیانہ
بغیر ختم کیے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا عما
اردوے معلی یعنی حضرت غالب کے
رقعات نثر طرز تحریر کے بہترین نمونے عیہ ر
عود ہندی ۔ بشرح صدر ۸ ر
نثر اثر ۔ معروف بہ نگار نامہ انگریزی
طرز پر اردو میں قواعد خطوط نویسی ـــے ر
دبدبہ امیری ۔ یعنی سوانحعمری امیر
عبد الرحمن خان امیر کابل ۔ عیہ ر
آئین اکبری ۔ علامہ ابو الفضل کی

ضخیم تصنیف جس میں اکبر کی ذاتی خوبیاں
اور ان کے حالات و سوانح عمری درج
ہیں فارسی ۔ ۔ ۔ ۔ لعہ ر
خطوط منشی امیر احمد جس میں حضرت
امیر کی سوانح اور انکے کلام پر ریویو اور
موازنہ امیر و داغ بھی شامل ہیں ۔ ۸ ر
میزان سخن ۔ یعنی معرفت العروض ۸ ر
حدیقۃ النثر ۔ قدیم طرز کی انشا پردازی
کا معلم اور کتب قانون کی زینت ۸ ر

حکیم محمد علی کی لاجواب تصانیف

عبرت ۔ جان سنوریا کا لطیف قصہ
بمثل ناول مکمل تین حصہ ۔ ۔ ۔ ـــے ر
اختر و حسینہ ۔ عورتوں کی تعلیم
کس قدر چاہیے ۔ عمدہ پیرایہ میں
نتائج تعلیم دو حصے ۔ ۔ ۔ عہ ر
جعفر و عباسہ ۔ ہارون رشید کے
زمانہ کا قصہ پردہ نکرنے کے بُرے
نتائج ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۹ ر
نیل کا سانپ ۔ ملکہ حسن کلوپٹرا
کی پر درد داستان ۔ کلیجہ تھام لوگے
جب سنوگے ۔ ۔ ۔ ۔ عہ ر
حسن سرور سیلے ٹھیلے جانے کے
نقصانات لطیف طرز ادا کے ساتھ
مکمل تین حصے ۔ ۔ ۔ ـــے ر
گور انشا حسین ۔ عقد بیوگان کی

ضرورت پر بمثل ناول کے طرز پر عہ ر
مسیحائے عالم ۔ ۔ ۔ ۔ ۸ ر
اہرام مصر ۔ ۲ ر
دیول دیوی ۔ اسلام کے ایک
جاہل فاتح علاؤ الدین سکندر ثانی کا
طرز حکومت و حسن انتظام وغیرہ ۹ ر

مولانا آزاد دہلوی مرحوم کی تصنیفات

دربار اکبری ۔ ـــے ر
سخندان فارس ۔ شعرائے فارسی کا
جامع و مفصل تذکرہ ۔ ۔ ۔ عہ ر
آب حیات ۔ مستند شعرائے اردو کا
تذکرہ تعریف سے بالاتر ۔ ۔ عہ ر
دیوان ذوق ۔ مرتبہ آزاد مع مقدمہ
و سوانحعمری ذوق ۔ ۔ ۔ عہ ر
نظم آزاد ۔ کل نظموں کا مجموعہ
نیرنگ خیال ۔ استعارہ کے
لطیف مضامین ۔ ۔ ۔ ۔ ۷ ر
قند فارسی ۔ ایران کی مروجہ
حال زبان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۸ ر
نصیحت کا کرن پھول ۴ ر
مکتوبات آزاد ۔ ۶ ر

بیاض عشاق زوجہ آخری شاہ
کا دیوان فصاحت کی جان ۔ ۴ ر
دفتر تنگرف دہلی کی مشہور خوش گو
دنسیم دہلوی کا پورا دیوان ۔ ۱۲ ر

اسکے علاوہ ہر فن کی کتب سستے طلب روانہ کی جا سکتی ہیں

کتاب مفت نذر ہے

ہر انسان اپنی زندگی کو تندرستی اور آرام کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے اگر تندرستی حاصل نہیں تو ایسی زندگی کو بے سود جان کر اس سے مرجانا بہتر سمجھتا ہے پس اگر تندرستی کے کامل بھیدون سے آپ واقف و ہمیشہ تندرست طاقتور نوجوان بنے رہنا چاہتے ہون تو ہماری کتاب

کام شاستر

ہم سے بلا قیمت منگوا کر مطالعہ کیجیے۔ جو انگریزی۔ اُردو۔ گجراتی۔ برہمی۔ کنریز۔ تامل۔ مرہٹی۔ تیلگو۔ بنگالی وغیرہ مختلف زبانون مین چھپی ہوی موجود ہے اسکا محصول بھی ہم ہی ادا کرینگے پتہ ذیل مین درج ہے۔

غیبی امداد آتنک نگرہ گولیان

مریض آیندہ دیدہ و دانستہ موت کے منہ مین جانے کا ارادہ ہرگز نہ کرے اسکے مقصد مین کامیابی بخشنے والی ہماری آتنک نگرہ گولیان غیبی امداد اسکے حق مین ہین یہ گولیان ہر قسم کی کمزوری اور مادۂ تولید کی خرابیون کو دور کرکے ذکی زندگی کو آرام سے گزارنے والی ہین ایک مرتبہ امتحاناً منگوا کر استعمال کرنے سے خود بخود اسکی صداقت کا تجربہ ہو سکتا ہے نباتاتی اجزا سے مرکب ہین فوراً اثر دکھلاتی ہین قیمت ۳۲ گولیون کی ڈبیہ ایک روپیہ عہ

خارجی علاج طلاء واجی کرن

جملہ نقصانات ظاہری جو بے اعتدالیون سے پیدا ہوجاتے ہین انکو دور کرنے مین اس طلاء سے بڑھکر دوسری دوا آپ کو ملنا مشکل ہے فی شیشی نصف تولہ پانچ روپیہ (صہ) کمیشن ہر فی شیشی پر ایک روپیہ (عہ) دیا جائیگا۔

۳۲ تصاویر رنگین بزرگان اہل ہنود کا البم

اسکے درشن سے آپ بیحد خوش ہونگے بلکہ آپ کے دوست احباب بھی اسکے دیکھنے کی آپ سے تمنا کرتے رہینگے قیمت ۸ر محصول معاف۔ وی پی خرچ ایک آنہ زائد۔

ویدشاستری منی شنکر گووندجی جام نگر کاٹھیاوار

خدائی لشکر کا ایک رسالہ

اقلیم دل پر نفس و شیطان نے لام باندھا ہے حرص و طمع کی پلٹنین۔ غرور و تکبر کے رسالے حسد و عناد کے ہتھیار سنبھالے سائنس و فلسفہ کی رسد رسانی کے بھروسہ پر ایمانی سرحد مین گھسے چلے آتے ہین۔ اور نفوس مطمئنہ اطمینان سے قصر روحانی کے دریچون مین ذکر الٰہی کر رہے ہین تو کیا یہ دشمن فتحیاب ہونگے؟ نہین۔ ایسا ہرگز نہین ہوسکتا۔ جنود یزدانی حرکت مین آئے ہین قدوسی فوجین ضرب نفی اثبات کے حربے اٹھائے نعرہ ھُو لگاتی امڈی چلی آتی ہین۔ اب توپین گرجین گی گولے گولیان برسین گی خون کی کیچڑ مین پاؤن پھسلین گے نفس و خودی کے تاجدار سپاہ الٰہی کی ٹھوکرون سے پامال ہونگے۔ اگر کوئی آپ پیشین گوئی کا ظہور دیکھنا چاہے تو خدائی لشکر کے ہراول رسالہ نظام المشایخ دہلی کو منگا کر دیکھیے جو ہر قمری مہینے کی چھٹی تاریخ کو سیدی و مولائی خواجہ حسن نظامی صاحب خواہرزادہ حضرت سلطان المشایخ محبوب الٰہی رح کی سرپرستی و نگرانی اور ملا محمد الواحدی کی ایڈیٹری مین ۸۰ صفحون پر دہلی سے شایع ہوتا ہے گویا ۸۰ صفین ہے کر ہر ماہ مین ایک بار سجادہ میدنی کے کیمپ پر چھاپہ مارتا ہے یہ وہ رسالہ ہے جسکے ملغارون کی ہندوستان مین دھوم ہے۔ یہ وہ رسالہ ہے جو علوم حالی کی انگریزی سنسکرت اور عربی چھاؤنیون سے بلا کر اپنے اردو کے خیمہ مین جمع کر رہا ہے۔ یہی وہ رسالہ ہے جس نے ہزارون انگریزی تعلیم یافتون کو جو مرکز تصوف سے ہٹ گئے تھے پھر دائرہ وحدت مین سمیٹ لیا ہے یہی وہ رسالہ ہے جسکی خصوصیات حد شمار سے باہر ہین اور جس نے دور جدید اور دور قدیم کے مضمون نگارون کو ایک میدان مین طبع آزمائی کا موقع دیا ہے۔

صوفیانہ رزم بزم کے جلوے دیکھنے ہون سیکڑون برس گزشتہ کے نامور بزرگون کی محفلون کا کیف مشاہدہ کرنا ہو علوم جدیدہ کو علوم قدیمہ کے پاؤن پر گرتا دیکھنا ہو تو رسالہ نظام المشائخ طلب کیجیے۔ راحت دل۔ آب دیدہ۔ وقت خوش دیکار ہو تو اس رسالہ کو پڑھیے جس مین تسکین سوز۔ اور حیات جسمانی و روحانی کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب دوستانہ تحائف کے تبادلہ مین یہ رسالہ کام آتا ہے۔ بزرگ اپنے خوردون کو پیر مریدون کو اسی کا انعام دیتے ہین۔ مریدون کی جانب سے مرشدین کی خدمت مین یہی رسالہ نذر ہوتا ہے۔ شریف مستورات کے مطالعہ کے لیے بھی اسی کی مانگ ہے۔ لہذا آپ کو بھی چاہیے کہ خدائی لشکر کے اس رسالہ کا خیر مقدم کر کے غازیان دین کے رجسٹر مین اپنا نام لکھوائین قیمت سالانہ مع محصولڈاک قسم خاص صہ قسم اول ہیہ قسم دوم عہ ششماہی عہ و عہ و عہ علی الترتیب۔ نمونہ مہر کو ملتا ہے۔

مینجر رسالہ نظام المشایخ و درویش پریس دہلی سے طلب فرمائیے

ایک نظر ادھر بھی

مستقبل اسلام ۔ مشہور مستشرق پروفیسر وامبری کے خیالات کو ملک کے لائق نوجوان مسٹر ظفر عمر بی اے دعلیگ نے اردو زبان کا لباس پہنا کر قوم پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔ ہر ذی فہم مسلمان کو ان بیش بہا خیالات کی قدر و قیمت کرنا چاہیے۔ قیمت عه ر
رعایت ۔ خریداران الناظر کے لیے صرف ۸ ر قیمت رکھی گئی ہے۔

تاریخ تمدن ۔ بکل کی ہسٹری آف سولیزیشن کا قابل دید ترجمہ جو مرحوم منشی احمد علی بی اے ایل ایل بی وکیل بارہ بنکی کی قدرت انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ مجلد ۴ ر

تاریخ ابوالبشر ۔ امریکہ کے پروفیسر رڈپاتھ کی تاریخ عالم کا ترجمہ جسمین آغاز نوع انسانی کی کیفیت حسب تحقیقات جدیدہ نہایت دلچسپ پیرایہ مین لکھی گئی ہے عبارت کا زور دیکھنے کے قابل ہے قیمت ۸ ر

اثبات واجب الوجود ۔ فلسفہ اور سائنس نے مشککین اور منکرین کا ایک بڑا گروہ پیدا کر دیا ہے۔ یہ کتاب اُنکے خیالات باطلہ کی تردید اور اصلاح کی غرض سے لکھی گئی ہے قیمت عه ر

قوت خیال ۔ کیرکٹر کی درستی اور عمدہ اخلاق کی تعلیم کا بہترین معلم ہے۔ نوجوانون اور عورتون کے لیے اس کا پڑھنا بے حد سودمند ہوگا۔ قیمت ۴ ر

غنچہ نوبہار ۔ حضرت شفق عمادپوری کی رباعیون کا مجموعہ جس کی ہر رباعی پر جناب جمیل کا یہ مصرعۂ تاریخ صادق آتا ہے ع ہر رباعی تازگی مین غنچہ ہے۔ قیمت ۶ ر

رنج و راحت ۔ لڑکیوں کے پڑھنے کے قابل جیبلی برگزشت ایک پرلطف اور دلگداز کہانی۔ قیمت ۸ ر

آئینۂ پیغمبر ۔ سراپائے رسول اکرم صلعم کا لاجواب مسدس فصاحت بلاغت اور مضمون آفرینی مین بے مثل ہے قیمت ۱ ر

قرآن شریف مترجم ۔ شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی کا ترجمہ سلیس اردو مین قیمت غیر مجلد عما مجلد ہے

فتوحات بہنسا ۔ حالات محاربۂ صحابۂ کرام رضہ ترجمہ اردو کتاب مولانا محمد بن محمد المعز علیہ الرحمہ رومیون کی حکومت کا بیان مسلمانون کا راہ خدا مین ثابت قدمی سے جہاد کرنا قیمت عما ر

اثبات التقدیر ۔ مسئلہ تقدیر کے متعلق مولوی اشرف علی تھانوی کی بے مثل کتاب قیمت ۶ ر

موتیون کی کان ۔ جس مین زمانۂ گزشتہ کے نامور اور نامی گرامی حکیمون اور شاعرون مشہور و معروف عالمون اور مشائخون کی بیش بہا اور قابل قدر نصیحتین بڑی عرقریزی و جانفشانی سے انتخاب کرکے درج کی گئین مولفہ عفت مآب جناب بدر النسا بیگم صاحبہ قیمت ۴ ر

کنز المعانی ۔ سورۂ فاتحہ کی بے مثل تفسیر جسمین ہر ہر آیت کی جدا جدا ترکیب نحوی و شان نزول و اسرار و نکات وغیرہ پر نہایت مدلل بحث ہے بڑے بڑے علما نے ملاحظہ فرما کر دل سے پسند فرمایا ہے قیمت ۶ ر

حدیقۂ آخرت ۔ ملک مین ایک اعلیٰ درجہ کی میلاد شریف کی سخت ضرورت تھی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یہ قابل قدر رسالہ لکھا گیا ہے۔ قیمت ۸ ر

تاریخ جنگ طرابلس مصور ۔ جسمین جنگ طرابلس یعنی جنگ اٹلی و ٹرکی کے صحیح اور مفصل دیر واقعات اس شرح و بسط کے ساتھ لکھے گئے ہین کہ اس جنگ کے متعلق جتنی کتابین شائع ہوئی ہین سب سے افضل و بہتر یہی کتاب ہے اور نو مرقع بے تعداد کثیر تصاویر کے ہونے سے کتاب کی زینت دوبالا ہو گئی اور قدر و قیمت بڑھ گئی ہے۔ قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف عه ر

مہتمم الناظر بک ایجنسی ۔ امین آباد ۔ لکھنؤ

پس باہم یہ قرار داد ہوئی کہ اگر صلیبی شہر زارا کو جو بحیرۂ اڈریاٹک (Adriatic) میں ساحل ایشیا سے
کسی قدر فاصلہ پر واقع ہے اور جس نے سلطنت جمہوری وینس کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کیا ہے فتح کرکے
ڈوجی وینس (بندقیہ) کے حوالہ کردینگے تو وہ باقی ماندہ رقم کا معاوضہ ہو جائے گا۔ صلیبیوں نے اس شرط کو مان لیا
باشندگانِ زارا نے اطاعت قبول کرلی لیکن چونکہ موسم سرما شروع ہوگیا تھا اسلیے یہ طے پایا کہ صلیبی فوج موسم بہار
تک یہیں آرام کرے۔

عیسائیوں کا اپنے مقصد عظیم یعنی محاربۂ صلیبی کی طرف سے تھوڑی دیر کے لیے منحرف ہونا درحقیقت ایک دوسری
جنگ صلیبی کا مقدمہ تھا جو اہمیت و استحکام کے لحاظ سے زیادہ بڑا تھا۔ جو ابر غلیظ کہ یروشلیم پر منڈلا رہا تھا قسطنطنیہ
پر جاکر گرجا اور برسا۔ آئیزکیس انجلیس (Isaacus Angelus) کو ۱۱۹۵ء میں اسکے بھائی الکسیوس نے
تخت سے اُتار کر خود نہایت بزدلی کے ساتھ ظالمانہ حکومت آغاز کی تھی۔ آئیزکیس کے بیٹے نے جس کا نام بھی الکسیوس
تھا غاصب کے مقابلہ میں صلیبیوں سے امداد کی درخواست کی اور یہ وعدہ کیا کہ سامان خورد و نوش کے تمام انتظام کے

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) پانسو سوار اور بیس ہزار پیدل کے واسطے جہازوں کا انتظام کردے گا اور معاوضہ میں پچاسی ہزار زر نقد
لے گا اور اسی رقم میں اسقدر سامان رسد جو نو مہینے تک کافی ہو بھر دے گا اور دوسرے یہ کہ وہ اپنی سلطنت کی طرف سے افواج
صلیبی کے ساتھ پچاس جہاز کردے گا اور جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے اوسکی نصفا نصف تقسیم کی جاوے یعنے آدھا صلیبی لیں اور
آدھا اہل وینس (بندقیہ) غرضکہ یہ شرائط پاپائے روم کے پاس تصدیق کے لیے لکھکر بھیجدی گئیں جس نے تصدیق بھی کردی اس
عرصہ میں تھیوبولٹ رئیس شانپین جو سرعسکر مقرر ہونے والا تھا مرگیا اور بونیفاسیوس (بونی فس) Boniface
رئیس مانٹ فرٹ سردار مقرر ہوا۔ ڈوجی وینس نے مجاہدین سے کہا کہ آپ کے جہاز تیار ہیں روپیہ داخل کردیجیے اور تشریف
لے جائیے لیکن امرائے فلانڈرس و سینٹ پال اور مانٹ فرے نہار دقت کچھ قرض لے کر کچھ اسباب فروخت کرکے دو ثلث
(یعنی اکیاون ہزار مارک) جمع کرسکے ڈوجی نے اپنے تمام امرا کو جمع کیا اور حالات واقعہ سے اطلاع دی اور صلیبیوں سے
کہا کہ اگر باقی رقم کے معاوضہ میں صلیبی شہر زارا کو بادشاہ ہنگری سے جس نے غصب کرلیا ہے چھین کر سلطنت وینس کے حوالہ کردینگے
تو تمام جہازات کا حسب قرارداد انتظام کردیا جائے گا۔ بعض اس تجویز پر راضی ہوئے اور بعض نے انکار کیا۔ وکیل پاپوی نے
بھی انکار کیا۔ حضرت مریم کی ولادت کی عید کا موقع جب آیا تو کنیسۂ قدیس مرقس میں جاکر ڈوجی وینس نے بیان کیا کہ میں خود
مجاہدین کا ساتھ دونگا خواہ مروں یا جیوں" اور علامت صلیب اپنے سینہ پر رکھی یہ دیکھکر ایک عام جوش پھیل گیا اور یہ
معاہدہ ہوا کہ جس قدر ملک صلیبی فتح کریں اُس میں سے نصف دولت وینس (بندقیہ) کو دیا جاوے " (حروب صلیبیہ از
کاکس وایضاً مولفہ سید علی الحریری صفحات ۲۲۴-۲۲۵)۔
سلہ دی پانڈورٹن نمبر ۲۹-۴۴-۳۹-۴۲ نقل کردہ مل (Mill)

علاوہ انھین دولا کھ نقرئی سکے مارک (Marks) ادا کرے گا اور پاپائے رومائی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر اٹھائے گا۔ ایسے مفید وعدے اکثر لوگون کے منظور خاطر ہوئے اور سلطنت مشرق کی راجدھانی کی ہوس مین فلسطین کا بالکل خیال جاتا رہا۔

فرانسیسی اور وینسی جہازات نوجوان الکسیوس اور اسکی رعایا کے سامنے سے گزرتے ہوئے قسطنطنیہ کی فصیلون کے نیچے پہونچ گئے اور اس بات کی کوشش شروع کی گئی کہ انھین حکمران شاہنشاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ کیا جائے مگر یہ سب تدبیرین بیکار گئین لیکن صلیبیون کی شجاعت وجوانمردی زنانے آرام پسند یونانیون کے مقابلہ مین بہت بڑھی چڑھی تھی۔ پانی مین جہازون سے کود کود کر انھون نے حملہ شروع کر دیا جسکی تاب نہ لا کر یونانی خیمہ وخرگاہ حملہ آورون کے لیے چھوڑ کر فرار ہوئے۔ چندہی دنون مین شہر قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع ہوگیا آخر کار یونانی ایک تعداد کثیر مین جمع ہوکر فرانسیسیون کے مقابل ہوئے۔ فرانسیسی پہلے کچھ رعب مین آگئے اور تھوڑی دیر تک دونون فوجین ایک دوسرے کے سامنے خاموش اور خوف زدہ کھڑی رہین۔ آخر کار الکسیوس ہیبت مین آکر بھاگ کھڑا ہوا اور آئیزیکیس کو قید خانہ سے لیجا کر پھر تخت پر بٹھادیا اور کچھ عرصہ کے لیے دونون قومون مین صلح اور امن وامان ہوگیا۔[۱]

یونانی اور فرانسیسیون کے اتحاد کا بہت جلد خاتمہ ہوگیا۔ لاطینیون نے جاڑے بھر قسطنطنیہ مین رہنا منظور کیا تھا تاکہ نوجوان الکسیوس کو جو اپنے باپ شاہنشاہ کا سلطنت مین شریک حال تھا اسکی تخت نشینی مین مدد دین۔ الکسیوس نے دارالسلطنت سے نکلکر صوبجات کو مسخر کرنے کا قصد کیا۔ یہان شہر قسطنطنیہ مین آگ لگ گئی جو کسی طرح فرو نہین ہوتی تھی اور سڑکون پر تین میل تک پھیلتی چلی گئی۔ اسی ہنگامہ مین یونانیون اور لاطینیون مین باہم جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور نہایت خاصمت یہ قرار پائی کہ انھین لاطینیون کی نحوست ہے جو یہ بلا قسطنطنیہ پر آئی۔ اور بھی ایسے واقعات پیدا ہوگئے جس سے برہمی بڑھتی گئی۔ رعایا کو سلطنت مین یہ تغیر وتبدل ناگوار تھا۔ انھین اب اپنے قدیم مذہب کو ترک کرکے رومتہ الکبریٰ کی برتری تسلیم کرنی پڑی تھی۔ مزید برآن الکسیوس کو مجبوراً اپنی رعایا پر بڑے بڑے ٹیکس لگانا پڑے تھے تاکہ لاطینیون سے جو قرار داد ہوی ہے اسکی سبیل پیدا کرے۔ ان سب واقعات نے یہ نوبت کردی کہ عوام کے ضبط وصبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور زیادہ تحمل نہو سکا۔ وہ سب کے سب الکسیوس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انجام یہ ہوا کہ الکسیوس کو تخت سے کنارہ کرنا پڑا اور شاہنشاہ سابق کا ایک عم زاد بھائی مرزوفلس (Murzuphlus) جو نہایت ڈھیٹ، لفنگا اور بدمعاش تھا خود ہی تخت نشین ہوگیا۔[۲]

---

[۱] ولی ہارڈوین نمبر ۹۸-۷۳-۸۲ نقل کردہ مل (Mills) [۲] نائی سیٹا اینالز (Nicetas Annales) صفحہ ۳۵۴

اب لاطینیون کو بھی ایک وھن پیدا ہوی کہ جس طرح ہو یونانیون کو سزا دی جاے - جارٹے بھروہ جنگ کی تیاری کرتے رہے - شاہنشاہ بھی نہایت مستعدی سے انتظام محافظت و مدافعت کرتا رہا لیکن جنگ مین لاطینی کامیاب رہے اور دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت شہر بے لگام سپاہیون کی دستبرد کا نشانہ بنا۔[۱]
لاطینیون کا قسطنطنیہ مین جم جانا صلیبی محاربۂ پنجم کا اک غیر متوقع نتیجہ تھا - پوپ کے وکیلون اور اساقیف نے شروع شروع مین ایک امر خلاف انصاف سمجھکر اسکی مخالفت کی تھی لیکن جب انھین معلوم ہوا کہ حضرت قبلہ وکعبہ کے علاقہ جات مین اس سے کتنا معتدبہ اضافہ ہوگا تو انھون نے بغاوت کی اجازت دیدی اور مزید عنایت سے فتح ممالک کو بتمام وکمال استحسان کی نظر سے دیکھا - لاطینیون کی سلطنت صرف پچاس برس تک رہی اور اس قلیل مدت مین نہ اُسے کچھ قوت حاصل اور نہ کچھ فراغبالی پیدا ہوی۔
محاربۂ ششم کو آسانی کے ساتھ تین حصون مین تقسیم کیا گیا ہے - انڈریو بادشاہ ہنگری کی مہم - جنگ مصر اور فریڈریک ثانی کی جنگ ارض مقدس - لیکن اس جنگ کے پہلے اک اور مہم روانہ ہوی تھی جسکی تصدیق اگر بیشمار اسناد سے نہ کی جاتی تو وہ کبھی اعتبار کے قابل نہ سمجھی جاتی - اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین لوگون کی طبیعتون کا میلان کیا تھا - اس مہم کو صلیبی محاربۂ اطفال[۲] کہتے ہین - کہا جاتا ہے کہ سنہ ۱۲۱۲ء مین فرانس مین ایک لڑکا اپنی زبان مین یہ گاتا ہوا جا رہا تھا :-

"عیسٰے مسیحؑ - ہمارے نقصان کی تلافی فرمادیجیے اور ہماری صلیب مقدس ہمین لوٹا دیجیے"۔

اسکے ہمراہ اُسی کی عمر کے بیشمار لڑکے اور لڑکیان ہو گئی تھین جنھین نہ مکانون کے دروازے اور نہ پھاٹک - نہ باپون کا خوف اور نہ ماؤن کی محبت اپنے ارادے سے باز رکھ سکتی تھی - انھون نے قصد کیا کہ ضرور ارض مقدس کی زیارت کرینگے اور اُسے بیدینون کے ہاتھ سے چھڑائینگے - کہا جاتا ہے کہ انکی تعداد نوّے[۹] ہزار تک پہنچ گئی تھی - وہ خیریت سے جنیوا تک پہنچ گئے - لیکن اسکے بعد ایسی مزاحمتین نظر آئین جنکا سان گمان بھی نہ تھا - انکی جماعت فوراً ہی ہر طرف منتشر ہو گئی تیس ہزار مارسلیز (Marseilles) تک پہنچے جہان انکا کچھ حصہ قتل کرڈالا گیا اور کچھ غالباً بھوکون مرگیا - دوسرے جو تھے وہ ان جہازون کی بربادی سے تباہ ہو گئے جو ساحل اطالیہ پر انکے سفر کے واسطے کرایہ پر کیے گئے تھے - پس بقول مسٹر فولر" انکا دلخوش کن نغمہ بہت جلد ایک غمناک تان کے ساتھ ٹوٹ گیا - سب کے سب یا تو خشکی ہی پر تباہ ہو گئے یا سمندر مین ڈوب گئے" - مسٹر موصوف میتھیو پیرس (Matthew Paris) سے نقل کرکے لکھتے ہین کہ یہ ساری کی ساری مہم شیطان کی کرشمہ سازیون کا نتیجہ تھی جسکی گویا یہ خواہش تھی کہ اپنا کمزور معدہ جو آدمیون کے قتل و غارت سے خراب

---

[۱] نائی سیٹا اینالیز (Nicetas Annales) صفحات ۳۰۶ و ۳۰۴ سنہ ۱۲۰۴ء بنا ہرطلے ان الملک للاطفال ۱۲

ہو گیا تھا اب حلوان بچون کے خون سے سیراب کرے ۔ ؎

محاربہ ششم کا بانی مبانی انوسنٹ سوم تھا ۔ جنگ کا آغاز ۱۲۱۶ء سے ہوا جبکہ پاپاے روم کے احکام یورپ کے ہر حصے مین پہونچ رہے تھے کہ کفار کو دنیا سے نیست و نابود کر دینا چاہیے ۔ اس دعوت کے جواب مین سب سے پہلے انڈریو (Andrew) بادشاہ ہنگری نے لبیک کہا اسکے ساتھ آسٹریا اور بویریا کے نواب (ڈیوک) اور اسفل جرمنی کے مذہبی اور غیر مذہبی حکمران بھی شریک ہو گئے ۔ اہل اسلام اس نئے حملہ کے لیے تیار نہ تھے اور کہا جاتا ہے کہ پہلے ہی مقابلہ مین ایک ہزار مسلمان تہ تیغ ہوئے ؎ لیکن نا اتفاقی جو محاربین صلیب ؎ کی دائمی بیماری تھی افسران فوج مین پیدا ہو گئی مسلمانون نے یہ دیکھکر انکی پھوٹ پڑی ہوی فوج مین ایک تہلکا پیدا کردیا اہل صلیب باقی حصۂ موسم سرما مین ایک دوسرے سے الگ ہونے لگے ۔ انڈریو بادشاہ ہنگری نے فلسطین مین قیام کرنے سے انکار کیا اور اپنے اکثر سپاہیون اور نوکر چاکرون کو لیکر گھر واپس آگیا ۔ صرف کمزور و ناتوان زائرین بیت المقدس اور وہ لوگ جن کا حج ہو چکا تھا مکہ چلے گئے باقی ماندہ فوج نے متعدد مقامات حفاظت مین مدافعت غنیم کیلیے قیام کیا ؎

یورپ سے کسی قدر کمک آجانے کے بعد افواج صلیبی پھر حرکت مین نظر آئین ۔ مصر پر مغربی عیسائیون کا مدت سے دانت لگا ہوا تھا ۔ یہ خیال کیا گیا کہ فی الحال فلسطین کا عزم ترک کر دینا چاہیے اور مسلمانون کی طاقت کے قلب پر حملہ کرنا چاہیے ۔ پس یہ طے پایا کہ دمیاطہ کا محاصرہ شروع کر دینا چاہیے کیونکہ یہ شہر مصر کی کنجی ہے چند ایام کے دریائی سفر کے بعد عیسائی فوج اس مقام پر پہنچ گئی جس پر حملہ کرنے کی تجویز کی گئی تھی ۔ سپاہیون نے دریاے نیل کی مغربی جانب ورود کیا اور چوبیس گھنٹے کی ایک مسلسل جنگ کے بعد ایک مضبوط قلعہ پر قبضہ کر لیا جسکے فتح ہونے کے بعد دمیاطہ کا فتح ہو جانا آسان نظر آتا تھا ۔ لیکن عیسائیون نے اس موقع سے نفع حاصل کرنے مین تاخیر سے کام لیا اور تسخیر دمیاطہ مین تعویق ہو گئی ۔ مسلمانون نے صلیب مصلوب ۔ بلدۂ یروشلیم اور شام کے تمام مقامات دیدینے پر رضامندی ظاہر کی اور بلد مقدس کی شہر پناہ دوبارہ بنا دینے کا وعدہ کیا ۔ کل سلطنت فلسطین ؎ مین سے انھون نے صرف قلعہ جات کرک و شوبک

؎ مسٹر فولر کی تاریخ جنگ مقدس جلد (۳) باب (۲۲) و تاریخ میتھیو پیرس صفحہ ۲۲۳ ؎ Labbaei Concilia سیبی آئی کانسیلیا جلد نہم صفحات ۱۱۹ - ۱۲۳ ؎ اللہ جل شانہ نے کلام پاک مین فرمایا ہے واغرینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ اسکا نمونہ تازہ جنگ مقدس مین بھی نظر آیا اور انشاء اللہ تعالی اسی طرح قیامت تک نظر آتا رہے گا ۔ ؎ ہسٹری برنارڈ ڈی تھیسادرار ابواب ۱۸۶ الی ۱۹۹ ؎ ۱۲۱۷ء مین انڈریو بادشاہ ہنگری نے صلیبی جہاد کیا لیکن قلعہ کوہ طبور (واقع ارض مقدس) کی ناکامی سے اسکی ہمت پست ہو گئی ۔ ۱۲۱۸ء مین ایک فوج جو کو لوسا مین جمع ہوی تھی مسلمانون سے بلدۃ القصر کو چھینتی ہوی ارض مقدس مین پہنچی اور وہان کی جمعیت انگلیسی و جرمنی نائٹون کے ساتھ شریک ہو گئی ۔ ان سب نے قصد کیا کہ پہلے مصر پر حملہ کرنا چاہیے اسکے بعد ارض فلسطین پر اس نظر سے دمیاطہ کی طرف توجہ کی جو دریاے نیل کے دہانے پر واقع ہے ۔ ان دنون دمیاطہ

منٹریل (Montreal) اپنے قبضہ مین رکھنے کو کہا جہان سے حاجیون اور سوداگرون کی حفاظت کیجا سکتی
عیسائیون کو یہ امید تھی کہ ان شرائط کے بجاے اہل اسلام تخلیہ مصر پر بھی راضی ہو جائین گے۔

بسلسلہ نوٹ صفحۂ سابق) ملک الکامل فرزند ملک العادل کے زیر حکومت تھا جس نے دریا کے دہانے پر ایسی زنجیرین قائم کرادی تھین کہ کوئی
اندر نہین آسکتا تھا۔ اسکے علاوہ اُس نے ایک پل ایسا بندھوا یا کہ دریا کو عبور کرنا غیر ممکن تھا لیکن ملک العادل کی یکایک وفات
۱۲۱۸ء مطابق ۷ جمادی الاول ۶۱۵ھ) کی خبر آنے سے کامل دمیاط کو چھوڑ کر چلا گیا۔ امرائے مصر کامل کے بھائی کو تخت نشین کرنا چاہتے
اور سب کے سب اسکے مقابلہ مین غداری پر آمادہ تھے۔ یہ دیکھکر وہ مملکت مصر سے باہر نکلکر عرب چلا گیا اور اپنے بھائی اشرف سے مل کر
بی کا منصوبہ کرنے لگا۔ اتنے مین عیسائیون کی تازہ دم فوجین معہ رئیسان نویرد مارچ یہان آگئین۔ علاوہ ازین انگلستان سے ولیم لانگ
رتو اور ارل آف سالسبری کی سرکردگی مین اور مدد پہنچ گئی۔ ان فوجون کے آجانے سے عیسائیون کی قوت بہت بڑھ گئی اور انھون نے
ی دشواری کے بعد زنجیر ہاے نیل کے شکست کرنے مین کامیابی حاصل کی اور دمیاط کا محاصرہ ۲۰ ذیقعدہ ۶۱۵ھ سے شروع
لیا۔ باوجودیکہ محصورین کی تعداد بہت کم تھی اور نہ انکے پاس کافی سامان رسد تھا تاہم نہایت حیرت انگیز طریقہ سے نو مہینے تک
روز مقابلہ کرتے رہے۔ یہ زمانہ مسلمانون کے لیے نہایت نازک تھا۔ ہر طرف مسیحیون کی یورش نظر آتی تھی۔ مصری مسلمان ہجرت پر آمادہ
شام والے الگ پریشان تھے مغرب کی طرف سے محاربین صلیبی کا سیلاب چلا آتا تھا اور مشرق کی طرف سے تاتاریون اور ہلاکو خان
رعب تھا جو حدود عراق مین داخل ہو چکے تھے۔ ان حالات کو دیکھکر ملک الاشرف نے بیت المقدس کی دیوار منہدم کرادی۔ اور ملک الکامل
بہت دلا کر مصر روانہ کیا۔ اُسے معلوم تھا کہ دمیاط کے ہاتھ سے نکل جانے سے کیا کیا خرابیان پیدا ہونگی اسلیے اس نے محاصرین سے صلح کرنی چاہی اور
وعدہ کیا کہ مین بیت المقدس کی دیوار بنوا دونگا صلیب الصلبوت واپس کردونگا اور قلعہ جات کرک و شوبک (منٹریل) کے سوا سارا علاقہ
فلسطین صلیبیون کو دیدونگا لیکن اسکے یہ شرائط نامنظور کردے گئے اور آخر کار ۵ نومبر ۱۲۱۹ء (۲۷ شعبان ۶۱۶ھ) کو دمیاط فتح ہوگیا
عیسائیون نے بہو کچھ خونریزی کی وہ کی لیکن وہانے کچھ کم نقصان نہین پہنچایا۔ مشہور ہے کہ جس وقت شہر دمیاط پر صلیبیون نے قبضہ کیا اُس
وقت ستر ہزار محصورین کے صرف تین ہزار زندہ رہگئے تھے اور ان بدنصیبون کی جان بخشی بھی کی گئی تو اس شرط پر کہ وہ خود گلی کوچون اور
مکانون کو اپنے عزیز و اقارب کی لاشون سے صاف کردین۔ اور صلح کے لیے پھر وہی شرائط پیش کیے۔ صلیبی فوج موسم سرما مین آرام کرتی
رہی۔ بہار کا موسم آیا جان آف برین کی راے کے خلاف پوپ کے نائب نے فتح مصر پر اصرار کیا۔ صلیبیون نے جب قاہرہ کی طرف
کیا تو ملک الکامل نے جواب مصر واپس آگیا تھا صلح کی خواستگاری کی اور وہی شرائط پیش کیے جو محاصرۂ دمیاط کے وقت پیش کیے
تھے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ اُس نے اپنے بھائیون اشرف و معظم کو بھی مصر کی ناگفتہ بہ حالت اور مسلمانون کی تباہی کے اندیشہ کی اطلاع
دی۔ دونون بھائی شام سے اپنی اپنی فوجین لے کر روانہ ہوے۔ اشرف پہلے پہنچا۔ اب صلیبی دمیاط سے آگے بڑھکر خلیج نیل مین
خیمہ زن ہوے۔ سامنے ملک الکامل کا لشکر تھا اور مسلمانون کو یاس تھی۔ ملک الاشرف نے بھی صلح کی سلسلہ جنبانی کرنی چاہی لیکن
شرائط مذکورہ نامنظور کردیے گئے بلکہ کہا گیا کہ تین لاکھ اشرفیان فصیل بیت المقدس کے گرانے کے جرمانے مین دو۔ ان دنون دریاے

جنگ صلیبی کی جو کچھ غرض و غایت تھی وہ سب افواج صلیب کو حاصل ہو چکی تھی اور یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ ضرور ان شرائط کو تسلیم کر لین گے۔ بادشاہ یروشلیم۔ اہل فرانس۔ نواب چیسٹر اور طوتانی (Teutonic) نائٹ ان تجاویز کو سُن کر خوشی سے اچھل پڑے لیکن پاپاے روم کے وکیل۔ اہل اطالیہ اور فوجی عہدہ دارون نے کسی معقول مشورے کی سماعت نہ کی جنگ شروع کردی گئی اور محاصرین نے افواج مصر اور محصورین دمیاطہ کے

(بسلسلۂ نوٹ صفحۂ سابق) نیل کی طغیانی روز افزون تھی مسلمانون کے ہاتھ مین مسیحیون کی چند کشتیان بھی آگئین جس سے انکا حوصلہ بڑھ گیا بعض مسلمان انجنیر جو اپنے فن مین کمال رکھتے تھے موجود تھے انھون نے موقع پا کر دریاے نیل کا پانی اس طرح کاٹ دیا کہ مسیحیون کے لشکر مین سیلاب آگیا جس سے انکے خیمے مال و اسباب تمام چیزین بہ گئین۔ مسیحی گھبرا کر الٹے پاؤن دمیاطہ واپس جانے لگے لیکن پشت پر ملک معظم کا لشکر پہنچ چکا تھا جس نے ہزیمت کا بھی راستہ روک دیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ خود پوپ کے نائب نے صلح کی درخواست پیش کی اور دمیاطہ تک واپس دینے پر راضی ہو گئے۔ مسلمانون کے لشکر مین جو سردار اس بات پر جمے ہوے تھے کہ عیسائیون کو بالکل غارت کر دینا چاہیے انھین مشکل ملک الکامل نے راضی کیا اور سمجھایا کہ ایسی حالت مین جبکہ ارض شام پر تاتاریون کی یورش کا اندیشہ ہے صلح کر لینی ہی زیادہ مناسب ہے۔ آخر کار ۷ رجب ۶۱۸ھ کو صلح نامہ لکھا گیا جسکی رو سے جان آف برین (ملک یوحنا) بادشاہ ملک عکہ۔ کارڈنل بیلاجیوس نائب پاپاے روم رہل مین مسلمانون کے پاس مقیم رہے اور ملک الکامل کا بیٹا ملک الصالح جس کا سن اس زمانہ مین (۱۵) سال کا تھا اور ایک جماعت امرا عیسائیون کے پاس بر غمال مین رہی۔ عیسائیون نے دمیاطہ واپس جا کر ۱۹ رجب کو قلعہ مسلمانون کے سپرد کر دیا۔ اور ملک الصالح اور امرا کو واپس کر دیا جنگے آنے کے بعد عیسائی روسا بھی آزاد کر دیے گئے۔ اس کامیابی کی مبارکباد مین قاضی ہبۃ اللہ بن محاسن نے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے چند شعر یہ ہین:۔

هنيئاً فان السعد جاء مخلداً	وقد انجز الرحمن بالنصر موعدا
حبانا اله الخلق فتحاً لنا بدا	مبيناً واقاماً وعزاً مؤيدا
تهلل وجه الارض بعد قطوبه	واصبح وجه الشرك بالظلم اسودا
ولما طغى البحر الخضم باهله	طغاة واضحى بالمراكب مزبدا
اقام لهذا الدين من سل عزمه	صقيلاً كما سل الحسام المهندا
فلم ينج الا كل شلو مجندل	ثوى منهم اومن تراه مقيدا
ونادى لسان الكون فى الارض رافعاً	عقيدته فى الخافقين ومنشدا
اعباد عيسى[۱] ان عيسى[۲] وحزبه	وموسى[۳] جميعاً ينصران محمداً[۴]

[۱] یعنے اہل صلیب ۱۲ [۲] الملک المعظم عیسے ۱۲ [۳] الملک الاشرف موسی ۱۲ [۴] الملک الکامل محمد۔ (ماخوذ از حروب صلیبیہ مولفہ سید علی الحریری صفحات ۲۳۸ و ۲۳۹)۔

مابین رسل و رسائل کے تمام ذرایع مسدود کردیے اور آخرکار اُسے فتح کرلیا صلیبی اس شہر مین بھی اُسی جوشِ انتقام اور بے پناہ وحشیانہ بیدردی کے ساتھ داخل ہوے جس نے محاربین اول کو داخلۂ یروشلیم کے وقت ممتاز کیا تھا ایک عجیب منظر تھا ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ دمیاطہ بادشاہ یروشلیم کے زیر نگین کردیا گیا[1]

تسخیر دمیاطہ نے مسلمانون مین اسقدر ہیبت پیدا کردی کہ دوسرے اہم مقامات مین بھی لوگون نے ہتھیار ڈالدیے اب فلسطین کا رستہ عیسائیون کے لیے بالکل کھل گیا لیکن بجاے اسکے کہ ایسے عمدہ موقع سے فائدہ حاصل کرین فوج نے موسم سرما عیش و آرام اور باہمی نااتفاقیون مین بسر کیا اور موسم بہار مین نصف سے زیادہ سپاہی یورپ کی طرف اپنے اپنے گھر واپس آگئے[2] جو پھل کہ انھین ان فتوحات سے حاصل ہوا تھا وہ بھی عرصہ تک انکے قبضہ مین نہ رہا تسخیر قاہرہ کے لیے ایک مہم روانہ کی گئی جسمین صلیبیون کو ایسی شکست نصیب ہوی کہ بمشکل جان بچا کر بھاگ سکے اور وہ شہر بھی دیدینا پڑا جسے ابھی ابھی انھون نے فتح کیا تھا۔ اس طرح پر دمیاطہ جس وقت فتح ہوا اسکے بعد ہی پھر قبضہ سے نکل گیا[3]

فتح و شکست۔ کامیابی و ناکامی کے ان سریع السیر تغیرات کو پڑھکر ناظرین یہ کہے بغیر نہ رہ سکین گے کہ محض اسباب طبیعی کے مقابلہ مین فطرتی اور اخلاقی اسباب کی طاقت کس قدر بڑھی ہوی ہے اور ایک روشن خیال عیسائی کو یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا کی مشیت کس قدر جاری و ساری ہے۔ تمام اشیا اُسی کی مرضی کے مطابق کام کرتی ہین اور جو اُسکا حکم ہے وہی سب پر نافذ ہے۔ باوجود ان تمام ناکامیون کے مسیحی فوج کے سردار کسی طرح پست نہوے اور ایک خود غرضانہ حکمت عملی نے پاپاے روم کو بھی اسپر آمادہ کیا کہ تسخیر فلسطین کے لیے ایکبار اور کوشش کی جائے۔ اس زمانہ مین فریڈرک ثانی شاہنشاہ جرمنی تھا۔ عرصہ سے اس کا عہد تھا کہ مین صلیبی جہاد کی تلوار علم کرون گا لیکن چونکہ معاملات یورپ اسکی نظر مین بمقابلہ فلسطین کے زیادہ اہمیت رکھتے تھے اسلیے دانشمندی کرکے اس نے اس مہم کو کسی قدر معرض التوا مین ڈال رکھنے دیا۔ آخرکار گرگوری نہم جو ایک نہایت سرکش طبع اور غیر متحمل مزاج شخص تھا انوسنٹ ثالث کے جانشین ہونوریس ثالث کے بعد مسند پاپائی پر متمکن ہوا۔ اور اس نے فریڈرک کو حکم دیا کہ اپنا عہد پورا کرے اور یہان تک مجبور کیا کہ اُسے جہاز پر سوار ہوکر روانہ ہونا پڑا۔

شاہنشاہ صرف برنڈزی تک جانے پایا تھا کہ بیمار پڑگیا اور مجبوراً واپس آیا۔ اسپر پاپاے روم نے خفا ہوکر اُسے مذہب سے خارج کردیا لیکن دوسرے سال پھر فریڈرک روانہ ہوا اور تھوڑی ہی مدت مین عکہ پہونچ گیا لیکن چونکہ روانگی سے پہلے اس نے پوپ سے معافی مانگ کر خارج از مذہب ہونے کے حکم کو منسوخ نہین کرالیا تھا

[1] سٹبورس یا برنارڈی تھیساورس ابواب ۱۹۰ تا ۲۰۰ دسٹوریا ہیکو بائی دی وِٹری کو جلد سوم ۲۔ سٹبوریا برنارڈی تھیساورس باب ۲۰۲[3] ایضاً ابواب ۲۰۳ تا ۲۰۷-

اس لیے اُسے اب دوبارہ مذہب سے خارج کیا گیا۔ دربار روما نے گویا اُسے برباد کرنے کا قصد کرلیا تھا۔ جو کام وہ کرتا جرم تصور کیا جاتا حتیٰ کہ صقلیہ مین جہان اسکی موروثی سلطنت تھی حضرت قبلہ و کعبہ کے ان ہی جھگڑون کی وجہسے بدنظمی پھیلی ہوی تھی۔

ابھی فریڈرک فلسطین پہونچنے بھی نہ پایا تھا کہ پاپاے روم کے مکتوبات پہنچ گئے جنمین درج تھا کہ فریڈرک خارج المذہب کردیا گیا ہے اور کوئی شخص اسکی اطاعت نہ کرے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یروشلیم کی اکثر عیسائی فوج نے اسکے جھنڈے کے تلے جمع ہونے سے انکار کردیا لیکن شاہنشاہ پہلے سے خفیہ مسلمانون کے ساتھ خط وکتابت کررہا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہنشاہ جرمنی اور اہل اسلام مین باہم ایک[1] معاہدہ ہوگیا جسکی رو سے بلد مقدس اور فلسطین کا

[1] ان دنون مصر کا حاکم ملک الکامل ابن ملک العادل سیف الدین ابن ایوب تھا اور دمشق پر اسکا بھائی ملک المعظم عیسےٰ ابن ملک العادل سیف الدین ابن ایوب حکمران تھا۔ ان دونون بھائیون مین ایک قسم کی چشمک تھی۔ ملک المعظم کا انتقال جمعہ ۳۰ ذیقعدہ ۶۲۴ھ کو ہوگیا۔ یہ بڑا عالم و فاضل بادشاہ تھا۔ فقہ حنفی۔ نحو لغت مین متبحر تام رکھتا تھا حتیٰ کہ صدہا طالب علم اسکے سرچشمۂ علم سے سیراب ہوتے تھے۔ مشہور لغت صحاح جوہری اور مسند امام احمد بن حنبل بترتیب فقہی اسی کے زمانہ مین مدون ہوی۔ اسکی وفات کے بعد اسکا بیٹا ملک الناصر داؤد بن عیسیٰ تخت نشین ہوا جسکی عمر صرف ۲۰ سال کی تھی۔ ملک الکامل نے یہ حالت دیکھکر بھائی کے ملک کا قصد کیا۔ ملک الناصر نے ملک الاشرف اپنے چچا سے مدد طلب کی جو گرجستان کا بادشاہ تھا۔ غرضکہ ملک الاشرف نے چچا بھتیجون مین صلح کرادی۔ ملک الکامل نے جو نامہ و پیام فریڈرک سے صلح کے بارے مین کیے تھے انمین اب بے توجہی شروع کردی فریڈرک بھی تمام باتین تاڑ گیا اور تغیر حالات کو سمجھ گیا مگر اپنی طرف سے اس کوشش مین لگا رہا کہ جو نامہ و پیام ہوا ہے اسکا نتیجہ کچھ نہ کچھ ضرور نکلنا چاہیے۔ ابتداءً تو وہ اس بات کا طالب تھا کہ لاطینی سلطنت کو ارض فلسطین کا پورا علاقہ سپرد کردیا جائے اور ایک حد تک اُسکی خواہش پوری ہونے والی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ملک المعظم کی وفات کے بعد اسکے بیٹے اور بھائی مین کشاکش پیدا ہوگئی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ مسلمانون کی سلطنت کا شیرازہ بکھرے گا اور ایوبیہ خاندان مین ہر شخص اپنے بھائی کا گلا کاٹکر ملک پر خود قابض ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ ایسے زمانہ مین اُس نے اپنی مطلب براری کا موقع پایا تھا لیکن ملک الاشرف کی کوشش نے ایوبیون کی باہمی جنگ کو روکدیا اور فریڈرک کا موقع کم ہوگیا۔ یہی وجہ تھی جو اس نے اپنی شرائط صلح مین تخفیف کردی اور بیت المقدس اور اسکے گرد کے چند گاؤن یافا بیت اللحم اور ناصرہ لے کر صلح پر راضی ہوگیا اور باقی بلاد مثل شہر خلیل نابلس۔ غور و طبریہ وغیرہ مسلمانون کے قبضہ مین رہے۔ صلحنامہ پر فریقین کے دستخط ہوجانے کے بعد پورا شہر بیت المقدس سوائے ہیکل سلیمانی (مسجد عمر یا مسجد اقصیٰ) کے جسکی کنجیان مسلمانون کے قبضہ مین رہین شہنشاہ کے حوالہ کردیا گیا عیسائیون کو بھی خاص شرائط کے ساتھ وہان جاکر عبادت کرنے کی اجازت تھی۔ جس مقام مقدس کے لیے سلطان صلاح الدین نے جہاد کیا تھا۔ جتنے مسلمان شہید ہوے تھے اور اتنا روپیہ صرف ہوا تھا اسکا یون بے لڑے مسلمانون کے قبضہ سے عیسائیون کے پاس چلا جانا

ایک بڑا حصہ دس سال کے لیے عیسائیون کو اس شرط پر دیدیا گیا کہ اہل اسلام اور اہل صلیب دونون ہیکل سلیمانی (مسجد اقصیٰ یا مسجد عمرؓ) مین نماز پڑھ سکین گے۔ اسکے بعد فریڈرک یروشلیم گیا لیکن جو شرطین معاہدہ مین اس نے کی تھین انکی وجہ سے اُلٹا وہ عیسائیون مین بدنام ہوگیا اور وہ اُسکی موجودگی کو بار سمجھنے لگے۔ جبتک وہ رہا کلیسا مین نمازین موقوف رہین اور تمام رسومات بند ہوگئین۔ تاج پوشی کے لیے قربان گاہ پر سے اوٹھا کر خود اُسے اپنے ہاتھ سے مجبوراً اپنے سر پر تاج رکھنا پڑا۔ اسکے بعد ہی اُسے سلطان مصر کے سفیر سے معلوم ہوا کہ فوج کے بعض لوگون نے اہل اسلام سے کہا تھا کہ ہم خود فریڈرک کو گرفتار کر کے تمھارے ہاتھ مین دیدینگے۔ یہ حالت دیکھکر اوسنے یہی ضروری سمجھا کہ اب وطن واپس جانا چاہیے۔ پس چند ایسے بڑے بڑے لوگون کو سزا دے کر جنھون نے اسکے احکام کی تحقیر کی تھی جہاز پر سوار ہوا اور جانب یورپ لنگر اُٹھایا اور اپنے پیچھے فلسطین کو ایسی اچھی حالت مین چھوڑ گیا جو جنگ طبریہ سے اسوقت تک اسے نصیب نہین ہوی تھی۔[1]

محاربہ ہفتم:۔ باوجود صلحنامہ فریڈرک کے فلسطین کے مسیحیون پر ایک نہ ایک مسلمان ریاست کا حملہ اکثر ہوتا رہا۔ ایکمرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ دس ہزار زائرون کی جماعت عکہ و بلد مقدس کے راستہ مین کسی ظلم و تعدی کا شکار ہوی۔ ان خبرون سے برانگیختہ ہوکر اور نیز اس غرض سے کہ فریڈرک کے نام پر دھبہ آئے اور یہ بات لوگون کو جتائی جاسے کہ یروشلیم کو ابھی کفار کے ہاتھ سے رہا کرنا باقی ہے اور نیز اس خیال سے کہ اس کام کی سرانجامی کا سہرا دوسرون کے سر نہ رہے اور سب سے زیادہ اس وجہ سے کہ جنگہاے صلیبی کو زندہ رکھنا پاپاے روم کے علاقہ و حکومت کے برقرار رکھنے کے لیے مفید ہے پاپاے روم گریگوری نہم نے ۱۲۴۰ء مین مقام اسپالیٹو (سپولاتہ) ایک مجلس منعقد کی اور تجدید جہاد صلیبی پر اصرار کیا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ یورپ سے ایشیائی فوج بھیجی جائے اور مذہبی جماعتہاے فرنسسکن اور

(سلسلہ نوٹ صفحہ سابق) اہل اسلام کو نہایت ناگوار گزرا مگر اس خرابی کی اصلی وجہ وہی تھی جو اوپر بیان ہوی یعنی ایوبیون کا باہمی نفاق انکی حرص ملک گیری۔ چنانچہ سب سے زیادہ دلچسپ یہ بات ہے کہ اس معاہدہ کے صرف چند مہینے بعد ملک ناصر جو کرجستان سے اس تپاک کے ساتھ پہلے اپنے بھتیجے ملک الناصر کی مدد کرنے آیا تھا اور جسنے اسکا ملک ملک ناصر کی دستبرد سے بچایا اب خود اسی کو مغلوب کر کے دمشق پر قابض ہوگیا۔ سب شنیدم گوسپندے را بزرگے * رہانید از دہان و دست گرگے * شبانگہ کارد بر حلقش بمالید * روان گوسپند از وے بنالید * کہ از چنگال گرگم در ربودی * چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی *

[1] ہسٹوریا برنارڈی تھیسا ورارِی ۔ روہ ہشٹوریا سینزا نائی جلد (۳) باب (۱۲) و تاریخ مشیہو پیرس صفحات ۳۴۳ و ۳۷۹۔

[2] فریڈرک کا صلحنامہ نہ کچھ مسلمانون کو پسند تھا اور نہ عیسائیون کو۔ عیسائی اسے سخت ناپسند کرتے تھے کہ مسجد اقصیٰ و مسجد عمرؓ مین مسلمانون کی نماز ہو اور مسلمانون کو یہ شاق تھا کہ بیت المقدس پر اہل صلیب کا قبضہ رہے۔ چونکہ پاپاے روم نے فریڈرک کو خارج المذہب کر دیا تھا اسی خیال سے اُسکی طے کی ہوی صلح کو بھی عیسائیون نے ناجائز اور ایسا سمجھا جسکی پابندی کچھ ضرور نہ تھی۔

[3] ہسٹوریا سینوتائی (Hist: Samulk) جلد (۳) حصہ (۱۱) باب (۳)

ڈامی نیکن کو حکم دیا گیا کہ مجلس کی منظورہ تجاویز بادشاہان و رعایاے ممالک مسیحی کے پاس پہنچا دین۔ انھین یہ بھی اختیار دیا گیا کہ اس مہم کے اخراجات کے واسطے چندہ بھی جمع کرین[1]۔

آخرکار فرانس۔ انگلستان و دیگر ممالک کی فوجین حرب صلیبی کے لیے جمع ہونا شروع ہوئین۔ تھیبین شاہ نیور (Navarre) ہیوغ امیر برگنڈی۔ ہنری امیر برطنی۔ اور دیگر امیر و رئیس لیانس (Lyons) مین جمع ہوے تاکہ اپنی متحدہ اغراض کو عملی صورت مین لانے کے تدابیر اختیار کرین[2]۔ اس مہم مین رچرڈ امیر کارنوال نے کارنمایان کر کے امتیاز خاص حاصل کیا۔ ۱۲۴۰ء کے موسم بہار مین وہ عکہ پہونچا جہان فرانسیسی فوج پہلے پہونچ چکی تھی اسکی شہرت اور اسکے نام نے عیسائیون کے دل بڑھا دیے اور کفار کے قلوب پر ہیبت طاری کر دی۔ اس نے سب سے پہلے امیر کرک سے عیسائی قیدیون کی رہائی کا مطالبہ کیا اور جب امیر نے قیدیون کے دینے مین تامل کیا یا اپنی عاجزی ظاہر کی تو امیر موصوف عیسائی فوجون کو لے کر یافا کی جانب بڑھا اور صرف اسی ایک نقل و حرکت کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اغراض جنگ حاصل ہوگئین سلاطین دمشق و مصر مصالحت کے لیے جھک پڑے اور ان دونون کی باہمی نزاع سے امیر نے نہایت قابلیت کے ساتھ فائدہ اُٹھایا کسی نہ کسی سے اُس نے یہ وعدہ لے لیا کہ یروشلیم مع ان ممالک کے حصہ کثیر کے جو سلطنت لاطینی کے عروج کے زمانہ مین عیسائیون کے قبضہ مین تھے اسکے حوالہ کر دیا جاے۔ اسکے ساتھ ہی کفار کے قبضہ سے تمام عیسائی قیدی بھی واپس لے لیے آخرکار فلسطین[3] مین اسقدر قیام کر کے کہ

(سلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) اسکے بقول اسٹرلین پول کے اس زمانہ کے عیسائی مسلمانون سے معاہدہ کر کے اسپر قائم رہنا کوئی ضروری نہین سمجھتے تھے۔ اسی طرح اس معاہدہ کی بھی پابندی نہ کی گئی یہ صلح گو صرف دس سال کے لیے کی گئی تھی لیکن اس مدت کے اندر دونون فریقون مین چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی۔ پاپاے روم نے فریڈریک کو تصفیہ مقام الخمیں صلح ہوگئی تھی لیکن شاہنشاہ کا دل صاف تھا اسکی ضد تھی کہ پوپ اسکے اعتراف کرتے خود اسکو خارج المذہب کر دیا تھا۔ فریڈرک اور پوپ دونون نے جنگ صلیبی کا حکم دیدیا تھا مگر دونون طرف سے کوشش کی جاتی تھی کہ اس کی گفتگو فی الحال ملتوی رکھی جاے لیکن ملک فرانس جو بسہ کر دگی تھیوبالڈ امیر شامپین اور رئیس تویرا و رہیوغ امیر برگنڈی وغیرہ جمع ہوے تھے التوا سے جنگ پر راضی نہین ہوے اور رفتہ رفتہ عکہ پہونچ ہی گئے۔ اس زمانہ مین ملک الکامل کا انتقال ہو چکا تھا (۲۰ رجب ۶۳۵ھ) اور اسکا بھتیجا ملک الناصر داؤد وہان برسر حکومت تھا۔ ۶۳۶ھ مین اس نے بڑھ کر بیت المقدس کا محاصرہ کیا جہان زمانہ صلح مین عیسائیون نے ایک مضبوط قلعہ بنا لیا تھا۔ مسلمانون کو فتح ہوئی اور قلعہ اور برج داؤدی منہدم کر دیا گیا" (الحروب الصلیبیہ مولوی سید علی الحریری صفحہ ۲۴۳۔

[1] لے بیای کلکشیو کنسی لیورم (Labbaei Collectio Conciliorum) جلد (۱۱) صفحہ ۳۸۱۔

[2] تاریخ میتھیو پیرس صفحہ ۴۱۶ و سٹوریا سینوٹائی جلد (۳) حصہ (۱۱) ابواب (۱۵) و (۱۶)

[3] سلاطین مصر و دمشق مین پھر اس زمانہ مین نزاع تھی جس سے رچرڈ کارنوال کو بہت فائدہ ہوا مسلمانون کے باہمی اختلافات کی

اہل صلیب کا علم یروشلیم کے شہر پناہ پر ایکبار پھر لہراتا نظر آنے لگا امیر کارنوال نے سواحل فلسطین کو خیرباد کہکر مراجعت کی راستہ مین جس مقام سے اسکا گذر ہوتا لوگ "نجات دہندۂ مرقد مقدس" کے نام سے اسکا خیر مقدم کرتے[51]

محاربۂ ہشتم :- امیر کارنوال رچرڈ کی قائم کی ہوی صلح کو خوارزمیون کے عجیب و غریب وحشی جماعتون کے سیلاب نے بہت جلد درہم برہم کردیا مغلون کی فوج سے علحدہ ہوکر ساحل کیسپین (Caspian) کے یہ چوپان سرحد فلسطین پر نازل ہوے اور مصر مین قیام کرنے کا ارادہ کیا۔ انکی آمد آمد سے خوف زدہ ہوکر سلطان مصر نے اس خیال سے کہ ایسے ناخواندہ مہمانون کو دوسری طرف متوجہ کردینا چاہیے اور نیز اس وجہ سے کہ ہیکلیین کی جماعت نے خواہ مخواہ برسر پیکار رہکر عیسائیون کی طرف سے اسے برہم کردیا تھا ان وحشیون کو یہ مشورہ دیا کہ ارض مقدس مین جاکر بس جائین چنانچہ خوارزمی ایک مصری امیر کی رہبری مین بیس ہزار سوارون کے ساتھ داخل ارض مقدس ہوے اور یروشلیم کا قصد کیا جسے بزور شمشیر فتح کرکے تمام عیسائیون کو تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ عورتین اور لڑکیان جنکی اس وحشیانہ اور غیر منظم سپاہیون کی جماعت نے طرح طرح کی ہتک و توہین کی پابجولان کی گئین۔ انھون نے کلیسا سے مرقد مقدس کو برباد کردیا اور جب اپنی غیظ و غضب کی آگ فرو کرنے کے لیے کوئی اور شے نہ ملی تو عیسائیون کی قبرون کو کھود ڈالا اور انکی لاشون کو باہر نکال کر جلادیا۔ سلاطین حلب و حمص[52] و دمشق اپنی اپنی فوجین لے کر عیسائیون کے ساتھ

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) یہ حالت تھی کہ بعض ملوک سوریا نے اہل صلیب کے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا کہ صلیبی اور مسلمان دونون ملکر مصر کو فتح کرین اور اسکے معاوضہ مین صلیبیون کو مقامات مقدسہ دیدیے جائینگے۔ ان حالات سے نفع اٹھا کر رچرڈ کوچ کرتا ہوا یافا پہونچ گیا اور جو شرائط فریڈرک دوم کے ساتھ طے کیے گئے تھے اُن سے بھی زیادہ اچھے اسکے ساتھ ہوے اور طبریہ عسقلان سقیف اور بیت المقدس اہل صلیب کے سپرد کردیا گیا جو دو سال تک انھین کے قبضہ مین رہا۔

[51] تاریخ میتھیو پیرس صفحات ۵۲۶-۵۴۷-۵۵۰ و ہسٹوریا سینوٹائی جلد (۲) حصۂ (۱۱) باب (۱۶)

[52] اس مرتبہ عیسائیون کے قبضۂ بیت المقدس کا خاتمہ خوارزمیون کے ہاتھون ہوا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھین چنگیز خان کے تاتاریون نے خوارزم سے بھگادیا تھا اوٹھانہ بدوشی کی حالت مین کسی نہ کسی جگہ بس جانے کی نیت سے مارے مارے پھر رہے تھے اس پریشان گردی مین خوارزمی دریاے شرقی کے حدود پر آکر اُترے۔ ملک الصالح سلطان مصر نے انھین ایک خط لکھا اور ایک معاہدہ کیا کہ یہ لوگ صلیبیون اور ان امراے شام سے جو اسکے مخالف تھے جنگ کرین جسکے معاوضہ مین سلطان انکی بسنے کا انتظام کردیگا۔ یہ طے کرکے اہل خوارزم سوریا کے بہت سے مقامات جلاتے ہوے غزہ مین آکر اُترے جہان صلیبی و شامی لشکرون سے مڈبھیر ہوی دوسری طرف سے سلطان مصر نے بھی بسرکردگی رکن الدین بیبرس (جو ملک الصالح کا غلام تھا) مدد کے لیے ایک فوج بھیجی۔ اس جنگ مین عیسائیون کو سخت شکست ہوی۔ جمعیت ہیکلیین اور جمعیت ضیافت الغربا کے تمام افسر کام آئے اور اول الذکرین سے (۳۳) اور ثانی الذکرین سے (۱۶) اور صرف (۳) طوتانی نائٹ زندہ بچے اور غزہ اور بیت المقدس پر سلطان

مل گئے تاکہ ان حملہ آوروں کا مقابلہ کیا جائے لیکن انکی مجتمعہ قوت اس سیلاب کا زور توڑنے کے لیے ناکافی تھی دونوں فوجیں غزا کے قریب ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ پہلے خوارزمیوں نے حملہ کیا جس کا شامیوں نے کچھ یونہی سا مقابلہ کیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ آٹھ سو فیدی اس جنگ میں گرفتار ہوئے اور تیس ہزار سے زیادہ اہل صلیب و اہل اسلام کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں میدان جنگ میں نظر آئیں۔ سارا ملک ان وحشیوں کا شکارگاہ بن گیا اور عیسائی سپاہیوں میں سے جو باقی بچے انھوں نے اپنی اخیر جائے پناہ یعنی قلعہ عکہ میں پناہ گزین ہو کر دروازے بند کر لیے[۱] ایسے نازک وقت میں آٹھویں جنگ صلیبی کی کھچڑی پکائی گئی یعنے پوپ انوسنٹ چہارم نے لیانس (Lyons) میں ایک عام جلسہ منعقد کیا جہاں یہ طے پایا کہ تمام ممالک صلیبی میں جہاد کا ایک وعظ کیا جائے اور چار سال تک یورپ میں امن و امان رہے اور وہ لوگ جو بذات خود اس میں شریک نہ ہو سکیں اپنی طرف سے فوجیں اور دیگر لوازمات و ضروریات جنگ روانہ کریں[۲]

اس زمانہ میں فرانس کا حکمران ایک بادشاہ تھا جسکے تمام نے آئندہ نسلوں میں بہت ثنا و صفت کے ساتھ شہرت پکڑی اسکا نام نامی لوئی (Louis) نہم تھا۔ جس وقت اس سے کہا گیا کہ تمام بیت المقدس کو حوالہ تیغ کرنا چاہیے تو لوئی نے فوراً اہل اسلام کے ساتھ جنگ کرنے کی اہمیت کا کما حقہ اندازہ کر لیا [۱۲۴۴]ء میں وہ سخت بیمار پڑ گیا۔ اور یہ خیال کر کے کہ اس سے حمایت صلیب میں تلوار اٹھانے کے لیے کہا گیا تھا اس نے عہد کیا کہ صحت حاصل ہونے کے بعد بیت المقدس کو مفتوح کرے گا۔ بخار کے بحرانیہ میں کبھی کبھی اسے یہ معلوم ہوتا تھا کہ عیسائیوں و مسلمانوں میں باہم جنگ ہو رہی ہے اور خدا اسے دیکھ رہا ہے اور کفار فتح یاب ہوئے ہیں اور اس سے کہا جاتا ہے کہ آ کر انکا انتقام لے خوارزمیوں کی فتح نے بیشک اسکے جوش و خیال کو کسی قدر پورا کر دکھایا اور اسکی تیاری جنگ گویا مجلس لیانس (Lyons) کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی[۳]

بارھویں جون [۱۲۴۸]ء کو لوئی اپنے تینوں بھائیوں سمیت خانقاہ سینٹ ڈنیس (St Denis) میں حاضر ہوا اور زائرین کے مانند عصا اور متبرک جھنڈا ہاتھ میں لیا ایسے جھنڈے عموماً سینٹ ڈنیس کے تابع خانقاہ کے تارک الدنیا عباد اور وہاں اپنی خانگی جنگوں میں لیجایا کرتے تھے لیکن چونکہ انکی مذہبی حیثیت اس امر کی مانع تھی کہ خود ہتھیار اٹھائیں وہ اب اپنی جگہ کسی کو نائب بنا دیتے تھے جو خود عابد خانقاہ نشین کے ہاتھ سے یہ جھنڈا لیتے اور آگے آگے میدان جنگ میں بلند کیے ہوئے چلتے تھے[۴]

(بسلسلہ نوٹ صفحہ سابق) مصر کا پھر قبضہ ہو گیا۔ اس جنگ میں کونٹ دی بار اور ہمعان دی منفورت عیسائی سردار مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ [۱] مرغزنت ڈوان دیل Memoirs of [illegible] جلد دوم صفحہ ۲۲۵۔ [۲] نیبیای کلکیشو کنسی لیم جلد (۱۱) صفحہ (۶۵۲) [۳] تاریخ جیمز صفحہ ۲۲۲ و سرگذشت ڈوان ویل جلد اول صفحہ (۱۱۲) [۴] ایضاً جلد دوم صفحہ ۹۱

اس فرانسیسی بادشاہ کا سامان سفر جب تیار ہوگیا تو آخر اگست مین فرانس سے روانہ ہوا اور ستمبر مین ۱۲۴۸ء (Tohoe?) سائپرس پہونچا جہان اسکے امیر اور باجگذار رئیس حسب قرارداد سب مجتمع تھے۔ اسے ہرطرح فتح و نصرت کا یقین تھا اور کبھی وہم و گمان مین بھی اپنی مہم کی رسوائی و بدانجامی نظر نہین آتی تھی۔ لوئی آٹھ ماہ تک سائپرس مین مقیم رہا۔ ۱۲۴۹ء کے موسم بہار مین اسکے سپاہی جمع ہوچکے اور جہازات تیار ہوگئے۔ سپاہیون کی تعداد پچاس ہزار تھی اور جنگی ذخائر وسامان رسد و باربرداری کے جہازات اٹھارہ سو تھے۔

مصر پر سکی پہلے نگاہ تھی جسے فتح کرنے کے بعد فتح فلسطین کی امید کی جاسکتی تھی۔ یہ خیال کرکے ارض مزریم (Mesopotamia?) کی جانب لنگر اٹھایا۔ ناگہان ایک طوفان نے آگھیرا۔ جہازات متفرق و منتشر ہوگئے اور شاہی دستہ فوج جسمین تین ہزار نائٹ اور انکے اسلحہ بردار و ملازم شامل تھے قبل اسکے کہ باقی ماندہ فوج نظر آئے ساحل دمیاط کے قریب پہونچ گیا۔[۱] سواحل پر سلطان کی افواج پرے جمائے کھڑی تھی۔ تروان ویل کہتا ہے کہ انکا سردار طلائی ہتھیار لگائے کھڑا تھا جو ایسے زرق و برق تھے کہ جب آفتاب انپر پڑتا تو وہ خود ایک آفتاب نظر آتا تھا۔ اسلامی سپاہیون کی قرنا اور جنگی طبل کی آواز نے فرانسیسیون مین ہیبت ڈالدی اور قبل اسکے کہ لڑائی شروع ہو بادشاہ نے ایک ایلچی کے ہاتھ اس مضمون کا ایک خط سلطان کے نام روانہ کیا کہ "غالباً آپ ناواقف نہونگے کہ مین اُن لوگون کا بادشاہ ہون جو اسی طرح حضرت عیسیٰ مسیح کے مذہب کی پیروی کرتے ہین جس طرح آپ دین محمدی کی۔ آپ کی قوت و شوکت سے مجھے کوئی ہراس نہین ہے" خط مین یہ بھی لکھا تھا کہ اس طوفان کی جو آپ کے ملک پر آیا ہے دفع کرنے کی صرف یہ شکل ممکن ہے کہ آپ اپنے ملک مین ہمارے پادریون کو آنے دین تاکہ مصر کے لوگون کو وہ مذہب عیسوی تلقین کرین۔ اس خط کا جواب سلطان نے ترکی بہ ترکی دیا۔[۲]

لوئی کے مشیرون نے مشورہ دیا کہ جبتک اور نائٹ جو اسوقت موجود نہین آنہ جائین اسوقت تک خشکی پر اترنے سے احتراز کیا جائے لیکن بہادر بادشاہ نے جسے ہر وقت یہ اندیشہ تھا کہ مبادا سمندر کے خطرات ابر و باد مین پھنس کر اسکی فوج کو نقصان نہ پہونچے فوراً حملہ کردینے کا ارادہ کرلیا اور خود ہمہ تن زرہ بکتر سے آراستہ گلے مین سپر حمائل کیے نیزہ ہاتھ مین لیے اور خانقاہ سینٹ ڈنیس کا جھنڈا آگے رکھکر سمندر مین کود پڑا جہان چھاتی تک[۳]

---

[۱] سرگذشت تروان ویل جلد (۱) صفحات ۱۲۰: ۱۲۲-۱۲۳ [۲] ایضاً حصہ دوم۔ صفحات ۲۳۹ - ۲۴۰ -

[۳] جس وقت لوئی مع اپنے بھائی کے جہاز پر سے اترا اسکے ایک طرف ایک رئیس علم حرب بلند کیے لیجا رہا تھا اور آگے آگے پاپائے روم کا نائٹ صلیب لیے ہوئے تھا۔ سنیچر کے دن ۲۱ صفر ۶۴۷ھ کو عیسائیون اور مسلمانون مین ایک سخت معرکہ ہوا جسمین بعض مسلمان امرا شہید ہوئے۔ ایک بڑی جنگ بھی اسکے ساتھ ساتھ ہوئی۔ مسلمانون کی طرف سے شام کے وقت امیر فخرالدین نے ہزیمت شروع کی جسکے پیچھے اسکے ساتھی اور اہل شہر ہوگئے اور شہر خالی کرکے اشمون مین جو فوج تھی اسمین شامل ہوگئے۔ صلیبیون نے

پانی تھا اور سب سے پہلے ساحل پر قدم رکھا۔ عیسائیون کے اس طرح دلیرانہ اُتر پڑنے سے مسلمانون مین ایک ہیبت سی بیٹھ گئی نیز اسی وقت سلطان کی غیر متوقع وفات کی خبر بھی پہونچی جس سے اور بھی جی چھوٹ گئے اور بغیر لڑے بھڑے مکانون کو خالی کرکے ان مین آگ لگاتے ہوے شہر کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ فرانسیسیون کو اپنی اس فتح سے سخت تعجب ہوا اور دمیاطہ پر قبضہ کرکے وہ اب اپنی باقی ماندہ فوج کا انتظار کرنے لگے[۱]۔

لیکن مسلمان بہت جلد سنبھل گئے اور خوف و دہشت کو دور کرکے ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ ٹوٹ پڑے ایک جنگ عظیم[۲] ہوی جسمین فرانسیسیون کو شکست ہوی اور انھین راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ بادشاہ اپنی فوج سے

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) صبح کو شہر خالی پایا بلا دغدغہ داخل ہو گئے (یکشنبہ ۲۲ صفر ۶۴۷ھ) لیکن وہان کے باشندے شہر کے اس حصہ مین جہان مال تجارت اور غلہ وغیرہ بھرا ہوا تھا آگ لگا کر قاہرہ چلے گئے تھے۔ ملک الصالح اس شکست کی خبر سنکر نہایت غیض و غضب مین آیا۔ لوگون سے پوچھا کہ تم کیون بھاگے اُنھون نے جواب دیا کہ ہم نے امیر فخر الدین کو بھاگتے دیکھا پس ملک الصالح نے حکم دیا کہ (۵۴) امرا جو بغیر اسکی اجازت کے شہر دمیاط کو خالی کرکے چلے آے معدوم کر دیے جائین (حروب صلیبیہ مولفہ سید علی الحریری صفحہ ۱۰۵)

[۱] سرگزشت زوال دول جلد دوم صفحہ ۱۲۸۔ [۲] عربی وقائع نگار اس جنگ کو واقعہ منصورہ کے نام سے تعبیر کرتے ہین وہ لکھتے ہین کہ دمیاط مین اپنی حالت وغیرہ درست کرکے عیسائیون نے قاہرہ کا قصد کیا منصورہ مین مسلمانون کی فوج سے مڈبھیر ہوی یہ وہی مقام تھا جہان گزشتہ جنگ صلیبی مین عیسائی خیمہ زن تھے۔ دونون طرف سے آغاز جنگ ہوا۔ مسلمانون نے حقہ ہاے آتشین اور نیزون سے حملہ شروع کیا۔ ہر روز عیسائیون کی ایک بڑی تعداد قتل و اسیر ہوتی۔ اتنے مین ملک الصالح کی وفات کی خبر پہونچی۔ عیسائیون نے موقع دیکھکر سخت حملے شروع کیے۔ مسلمانون نے بھی خوب مقابلہ کیا اس مرتبہ اسلامی فوج امیر فخر الدین کی سرکردگی مین تھی جس نے نہایت شجاعت سے مقابلہ کیا۔ یہ تمام واقعات دریاے اشمون پر ہوے اور عیسائیون کو عبور کرکے منصورہ تک پہونچنے کا موقع نہ ملا دریاے نیل کے سوا انھین کوئی رستہ معلوم نہ تھا۔ اس اثنا مین ایک باغی مسلمان نے ایسا راستہ بتا دیا جہان سے آنے مین سہولت نظر آئی اور تمام سواران جمعیت ہیکلیین (ٹمپلرز) اور جمعیت سینٹ جان (قدیس یوحنا المعمدان) کونٹ رابرٹ نواب ارتواز برادر لوئی کی سرکردگی مین نہر کے اس پار آ گئے نواب موصوف نے راے دی کہ اِسی ہی دبائے چلے جانا چاہیے لیکن جمعیت ہیکلیین کے سردار نے سمجھایا کہ دشمن کے ظاہری اعتبار نہ کرنا چاہیے لیکن رابرٹ نے نہ مانا۔ اسوقت امیر فخر الدین حمام مین خیمہ زن تھا اسے عیسائیون کی آمد آمد کی خبر معلوم ہوی۔ اس نے اپنے سپاہیون کو بلا کر مقابلہ کا قصد کیا۔ ایک دو ابتدائی معرکون مین مسلمانون کو کچھ ہزیمت ہوی تھی کہ ملک الصالح کے غلامون نے نہایت سختی سے مقابلہ کیا اس معرکہ مین عیسائیون کی طرف سے نواب مذکور۔ ولیم لانگ سورڈ اور ایک انگریز امیر جو دو سو نائٹون کے ساتھ کمک کے لیے آیا تھا اور راؤل دی کوزی اور بہت سے سردار کام آے۔ مسٹر کاکس لکھتے ہین کہ مملوک اُن پر اس طرح آن پڑے جس طرح شکاری جانور شکار پر آ پڑتا ہے۔ مسلمانون کی تھوڑی فوج اس خدمت پر روانہ کی گئی کہ نواب ارتواز کی فوج مین اور اوس اصلی

علیحدہ ہوگیا اور ایک چھوٹے سے ٹیلے پر صرف چند نائٹون کے ساتھ چڑھ گیا جہان مسلمانون نے اُسے گھیر لیا اور ہتھیار رکھدینے پر مجبور کیا اور یہ وعدہ کیا کہ آپ کی جان محفوظ رہے گی۔ قریب قریب اسکے تمام امرا کافرون کے ہاتھ مین گرفتار ہوگئے[۱۵]۔ بادشاہ اور اسکی فوج کے معاوضہ مین دس ہزار زر سرخ کا مطالبہ کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ شہر

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ سابق) فوج مین جو بادشاہ کے ہمراہ تھی باہم تعلقات نہ رہین اور ایک دوسرے کی خبر نہو۔ اہل صلیب پر کانون پچے کھولتے ہوے پانی کا مینھ برسنے ڈھیلے اور جلتی ہوی لکڑیان برسنے لگین" جب اس واقعہ کی خبر بادشاہ لوئی کو پہونچی اس نے اپنے سردار فوج کو جلدی پہونچنے کا حکم دیا۔ راہ مین مسلمانون سے مقابلہ ہوا اور خنجر وسنان وتیر وپیکان کی ایک جنگ شدید ہوی جسمین مین والی ترلیشاطو۔ ہوکر دی اکوسا۔ روال دی فنورہ۔ اور فلیس دی لوبی وغیرہ بڑے بڑے سردار کام آئے سالار ودی ایری ایک عیسائی سردار کے ایک مملوک نے ایسی تلوار ماری کہ بیچ مین سے سر دو پھانک ہوگیا۔ اتنے مین لوئی خود اپنی فوج کو لیے ہوے آپہونچا۔ عیسائیون کے پیر جو اُکھڑ چلے تھے پھر جم گئے۔ کہ بادشاہ کا دوسرا بھائی کاونٹ آف انجو گھوڑے پر سے گرا مسلمانون نے اسکی گرفتاری کا قصد کیا لیکن لوئی اور اسکی فوج جھک پڑی اور اُسے چھڑا لے گئی لڑائی برابر ہوتی رہی حتی کہ دونون فریق تھک گئے اور کسی ایک کو بڑھنے کی ہمت نہین پڑتی تھی۔ اس اثنا مین مقتولین کی لاشون کے سڑنے سے عیسائیون مین وبا پھیل گئی اور کثرت سے سپاہی مرنے لگے ساتھ ہی رسد کی بھی کمی معلوم ہونے لگی اور بھوک کی سختی بھی شروع ہوی ان مصائب پر جنگ کے مصائب مزید تھے۔ منصورہ کے قریب مسلمانون کے جہاز پہونچ گئے اور جب انھین کوئی جہاز ایسا ملتا جو عیسائیون کی مدد کے واسطے آیا ہو تو وہ اُسے گرفتار کر لیتے۔ مرض کی شدت سے بادشاہ لوئی بھی بیمار پڑ گیا۔ مسیحیون نے گھبرا کر کہ مبادا یہ مرنہ جائے مسلمانون سے چند روز کے لیے مہلت جنگ طلب کی۔ اتنے مین ۱۲ ذیقعدہ ۶۴۷ھ کو سلطان غیاث الدین توران شاہ اپنی فوج لیے ہوے مسلمانون کی کمک کو آپہونچا اور ایک بحری و بری جنگ ہوی جسمین مسلمانون نے عیسائیون کے (۳۲) جہاز گرفتار کر لیے۔ لوئی نے عیسائیون کی کمزوری دیکھکر صلح کی درخواست کی اور یہ صورت معاہدہ پیش کی کہ دمیاط لے کر شہر بیت المقدس کی حکومت اُسے دے دی جائے جسے ملک المعظم نے نامنظور کر دیا۔ پھر عیسائیون نے دمیاط واپس جانے کا قصد کیا جس کی خبر پاتے ہی مسلمانون نے غربی فارسکو مین تعاقب کرکے مقابلہ کیا یہ قتال نہایت سخت تھا اور کہا جاتا ہے کہ تیس ہزار عیسائی مارے گئے۔ اس حملہ مین لوئی مع اپنے بھائی اور امراے فوج کے گرفتار رہا۔ تمام عیسائی یا تو گرفتار ہوے یا قتل کیے گئے۔ مسلمانون نے لوئی کو منصورہ مین لاکر اس کے نام میرون سمیت کاتب الانشاء فخر الدین بن لقمان کے مکان مین رکھا۔ اور ملک المعظم توران شاہ نے منصورہ سے فارسکو آکر اس فتح کی یادگار مین لکڑی کا ایک برج تعمیر کیا ۱۲ (حروب صلیبیہ مولفۂ سید علی الحریری صفحات ۲۵۲ و ۲۵۳)۔

[۱۵] سرگذشت تمدن ویل جلد اول صفحات ۱۳۰ - ۱۲۸

دمیاطہ مسلمانوں کو واپس کر دیا جائے تاکہ دس سال کے لیے صلح کی جا سکے۔ اسکے سوا کوئی دوسری شرط ممکن نہ تھی جس پر لوئی رہائی حاصل کر سکتا[51]

پردیسی امیروں میں جو شریک جنگ تھے انکی ایک بہت بڑی جماعت یورپ لوٹ آئی اور خود لوئی عکہ چلا گیا یہاں اس نے فلسطین میں اقامت کرنے اور یہاں تک فوج و خزانہ بہم پہونچ سکا جمع کر کے عیسائی قلعہ جات کے استحکام و تحفظ میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چار سال تک برابر وہ اپنے کام میں لگا رہا اور ذلت و رسوائی کے ساتھ وطن واپس جانے سے انکار کرتا رہا۔ اس تمام مدت میں اس نے کوئی فیصلہ کن جنگ نہیں کی لیکن یافا اور قیساریہ کے قلعہ جات کی مرمت کر دی اور جو ممالک عیسائیوں کے پاس باقی رہ گئے تھے انہیں ایک محفوظ و قابل مدافعت حالت میں کر دیا۔ اسکے بعد اس نے فرانس کا رخ کیا جہاں اسکی بہت سخت ضرورت تھی لیکن جب اس نے اپنے ایک ایسے مقصد کو خیرباد کہا جو اسے بے انتہا عزیز تھا تو اسکی گردن خیالات و اندوہ سے جھک گئی اس طرح صلیبی جنگ ہشتم ختم ہوئی۔ لوئی دل ہی دل میں نہایت درجہ غمزدہ اور نادم تھا اور خود اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا کہ فضول اس نے اپنی فوج اور رعایا کو شکست و تباہی سے ہم آغوش کیا اور بڑے بڑے ملک اور خزانوں کی بھینٹ چڑھائی جسکے مقابلہ میں اس سے کوئی ایسا کار نمایاں نہیں ہو آیا جو اسکے نام کے لائق ہوتا یا یہ کہا جاتا کہ اس نے مسیحیوں کی کچھ خدمت انجام دی یا انکی عزت رکھ لی[52]

محاربۂ آخر۔ یورپ سے چونکہ کوئی نئی کمک نہیں آئی اسلیے فلسطین کے نائٹ اور امرا مجبوراً اپنے قلعوں کے حدود میں پناہ گزین رہتے گئے کبھی کبھی دشمنوں سے صلح کے معاہدے بھی کرتے رہتے تھے جنمیں ہمیشہ انہیں کا پہلو دبا ہوا رہتا تھا عجیب بات ہے ضعف العرب اور کلیسا اکثر آپس ہی کی لڑائی جھگڑوں میں مصروف رہتی تھیں کہ اس اثنا میں مصر سے ایک تازہ حملہ ہوا جسنے اور ستم ڈھایا۔ اس نے گو مخالفین کی مخالفت دور کر دی اور تمام عیسائیوں کو متحد کر دیا لیکن سلطنت کا قریب قریب تختہ الٹ دیا اور یہ اندیشہ ہو گیا کہ شاید سلطنت عیسوی کو یہاں سے یکلخت مفقود ہونا پڑے گا۔ انطاکیہ بزور شمشیر لے لیا گیا قیساریہ بھی ان عالمگیر آفات سے بچ نہ سکا۔ تسخیر انطاکیہ کے بعد سترہ ہزار آدمی قتل کیے گئے اور ایک لاکھ سے زیادہ قید کر لیے گئے اور وہ شہر جو ایک زمانہ میں دور دور مشہور تھا اب ایک ویرانہ نظر آنے لگا[53]

اس دل ہلا دینے والے سانحہ نے جسکے ساتھ عیسوی سلطنت انطاکیہ کا خاتمہ ہو گیا پاپائے روم کو معاملات مشرق کی طرف متوجہ کر دیا۔ لوئی نہم شاہ فرانس کے فرو ہونے والے جوش نے اسے پھر حوصلہ دلایا

[51] سرگزشت ژوان ویل جلد اول صفحات (۲۵۱) و (۲۶۳)۔ [52] ایضاً جلد دوم صفحات ۲۲۵-۲۳۲ و تاریخ میتھیو پیرس صفحہ ۶۳، [53] ایضاً صفحہ ۱۵۶ و ہسٹوریا سینوڈالی جلد (۳) حصہ (۱۲) باب (۹)